

شرح شمس المصطفیٰ

شرح اردو

قطر الندی و بل الصدی

شرح

مفتی محمد عالمگیر دانش قاسمی سیٹا مڑھوی



مکتبہ رحمانیہ

سُورَةُ الْحَدِيدِ

شرح اُردو

قطر الندی و لب الصدی

شاح

مفتی محمد عالمگیر دانش قاسمی سیٹاڑھوی



مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور
فون: 042-37224228-37355743



مکتبہ رحمانیہ

۲۹۷۶۲۵

ع ۲۰۱۲

۱۲۵۸۲۱۲

شیر الہدی شرح اردو قطر الندی بل الصدی

نام کتاب:

شافح: مفتی محمد عالمگیر دانش قاسمی سیماڑھوی

مکتبہ رحمانیہ

ناشر:

لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

مطبع:

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

انتساب

بندہ ناچیز اپنی اس متاع حقیر کو مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی جانب منسوب کر رہا ہے۔ جو منبع رشد و ہدایت، اور مرکز علم و درایت ہے۔ اور اپنے نانا رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ کے نام جن کی سحرگاہی دعاؤں اور مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں بندہ کے لیے علوم دینیہ سیکھنے سکھانے کی سعادت بھری راہیں کھلیں۔

محمد عالمگیر دانش قاسمی

۱۳ اگست ۲۰۰۴ء

جناب کفایتی

فہرست شمس الہدی شرح اردو قطری الندی جلد اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰	آغاز کتاب	۹	رائے گرامی۔ جناب مفتی عبدالرزاق صاحب مفتی اعظم مدھیہ پردیش
۲۱	خطبہ کی وضاحت	۱۱	ارشاد عالی۔ جناب حضرت مولانا محمد اشفاق الرحمن صاحب مقامی استاذ مدرسہ جامعہ اسلامیہ بخاری مہواندور۔
۲۲	الحمد کی تشریح	۱۳	نخن گفنی۔ از مؤلف
۲۳	اللہ سے مراد	۱۵	علم نحو کے مشہور علماء اور ان کی تصانیف
۲۴	صلوٰۃ کی تفسیر	۱۶	مبادیات علم نحو
۲۵	کلمہ کی اصطلاحی تعریف	۱۷	ابتدائی کلمات
۲۶	مفرد سے مراد اور اشکالات و جوابات	۱۸	تعریف کی تعریف
۲۷	کلمہ کی قسمیں اور دلیل حصر	۱۹	موضوع کی تعریف
۲۸	علامات اسم	۲۰	غرض کی تعریف
۲۹	اسم کی دو قسمیں ہیں، معرب و مبنی	۲۱	تدوین کی تعریف
۳۰	اسم معرب کی وضاحت	۲۲	نحو کی لغوی تعریف
۳۱	مبنی کی تعریف	۲۳	نحو کی اصطلاحی تعریف
۳۲	مبنی کی قسمیں	۲۴	علم نحو کا موضوع
۳۳	مبنی علی الکسر کی تعریف	۲۵	علم نحو کی غرض
۳۴	مبنی علی الکسر کی قسمیں	۲۶	تدوین نحو
۳۵	باب حد اسم میں اختلاف	۲۷	مختصر خاکہ حیات صاحب قطری الندی
۳۶	لفظ اسم میں اختلاف	۲۸	نام و نسب
۳۷	مبنی کی دوسری قسم مبنی علی الفتح کی وضاحت	۲۹	تاریخ ولادت
۳۸	مبنی کی تیسری قسم مبنی علی الضم کی وضاحت	۳۰	تحصیل علم
۳۹	قبل اور بعد کی چار صورتیں	۳۱	مصنف کے بارے میں طاش کبریٰ کا قول
۴۰	واخواتہما فی لزوم النظم کی وضاحت	۳۲	ابن خلدون کا قول
۴۱	مبنی کی چوتھی قسم مبنی علی السکون کی وضاحت	۳۳	مصنف علیہ الرحمۃ کی مقبولیت
۴۲	وہو اصل البناء کی توضیح	۳۴	آپ کی خصوصیت
۴۳	فعل کی تعریف	۳۵	تصانیف
۴۴	فعل کی قسمیں	۳۶	
۴۵	ماضی کی تحقیق	۳۷	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۶	اعراب کی چار قسموں کا منقسم ہونا	۳۷	فعل ماضی کی تعریف
//	اعراب کی چار قسموں کی علامتیں	//	فعل ماضی کی علامت
۵۷	اسمائے ستہ کا اعراب	//	فعل ماضی کا حکم
//	اسمائے ستہ پر اعراب بالحرکات آنے کی شرطیں	۳۸	فعل ماضی کا اعراب
۵۸	هَنْ کا اعراب	//	نعم، بئس، عسنى ليس کی وضاحت
//	تشنیہ کی تعریف	۳۹	صحیح قول
۶۰	تشنیہ کا اعراب	//	وجوہ ترجیحات
//	کلا وکلتا۔ اثنان واثنتان کی تحقیق	۴۰	فعل امر کی تعریف
۶۱	جمع مذکر سالم کی تعریف	۴۱	فعل امر کی علامتیں
//	جمع مذکر سالم کا اعراب	//	فعل امر کا حکم
//	جمع مذکر سالم سے ملحق کچھ الفاظ کا اعراب	۴۲	کلمات مختلف فیہ کی بحث
//	أُولُوا کی تحقیق	۴۳	لفظ مضارع کی تحقیق
۶۲	اهلون کی تحقیق	//	فعل مضارع کی تعریف
//	وابلون کی تحقیق	//	فعل مضارع کی علامتیں
//	ارضون کی تحقیق	۴۵	باعتبار اعراب کے فعل مضارع کا حکم
//	سنون کی تحقیق	۴۷	حرف کی لغوی تعریف
۶۳	بنون کی تحقیق	//	حرف کی علامت
۶۴	حکم	۴۸	مختلف فیہ حروف کی تحقیق
//	جمع مؤنث کہلانے کی وجہ	//	اذما کی تحقیق
۶۵	چند اصطلاحات	۴۹	مہما کی تحقیق
۶۶	وما جمع بالف وتاء مزید تین کی قید سے احتراز	//	ما مصدریہ کی تحقیق
//	غیر منصرف کی تعریف	//	ما مصدریہ کی تعریف
۶۷	غیر منصرف کا پہلا حکم	۵۰	ما مصدریہ کے بارے میں اختلاف
۶۸	غیر منصرف کا دوسرا حکم	۵۱	لما کی تحقیق
۶۹	الامثلة الخمسة کی تعریف	۵۲	کلام کی تعریف
//	حکم	//	لفظ کی وضاحت
۷۰	حکم	//	مفید کی وضاحت
۷۱	اعراب تقدیری کی صورتیں	۵۴	متن کی عبارت سے ایک شبہ کا ازالہ
۷۲	لَنْ کی تحقیق	۵۵	اعراب کی تعریف
۷۵	لَنْ کی اصلیت	//	اعراب کی قسمیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۰	آین کی وضاحت	۷۶	اذن کے عامل ناصب بننے کی شرطیں
//	ای کی وضاحت	۷۸	آن ناصبہ ظاہرہ کا عمل
//	من کی وضاحت	//	آن مصدریہ سے اترازا
//	ما کی وضاحت	//	آن مفسرہ کی تعریف
۱۰۱	مہما کی وضاحت	۷۹	آن زائدہ کی تعریف
//	متی کی وضاحت	//	علم اور ظن کے بعد ان کا واقع ہونا
//	ایان کی وضاحت	//	فعل علم سے مراد
//	حیثما کی وضاحت	۸۱	آن مضمرہ کا عمل
//	اذما کی وضاحت	۸۳	إلا فی نحو لئلا یعلم الخ کی وضاحت
//	انی کی وضاحت	//	جہاں آن ناصبہ کا ظاہر کرنا واجب ہے
۱۰۲	دوسرے فعل میں جزاء بننے کی صلاحیت نہ ہو تو؟	//	جہاں ان ناصبہ کا پوشیدہ رکھنا واجب ہے
۱۰۳	فاء کی جگہ اذ انجائیہ کا استعمال	۸۴	لام جوہ کی تعریف
۱۰۴	باب النکرة والمعرفة	//	مزید چار مسائل میں ان کا اضمار لازم؟
//	نکرہ کی تعریف	۸۶	حتی کے بعد فعل مضارع کا مرفوع ہونا
۱۰۵	معرفة کی تعریف اور اس کی قسمیں	۸۸	تیسرا مسئلہ: وبعدفاء السیبة کی وضاحت
//	ضمیر کی تعریف	۹۲	باب جوازہ الفعل المضارع
//	ضمیر کی قسمیں	۹۳	عوامل جازمہ کی تعریف
//	مستتر کی قسمیں	//	عوامل جازمہ کی قسمیں
۱۰۶	ضمیر بارز کی قسمیں	//	ایک فعل کو جزم دینے والے عوامل
//	متصل کی قسمیں	//	جازم اول طلب کی وضاحت
//	منفصل کی قسمیں	۹۴	فعل مضارع کب مجزوم نہ ہوگا
۱۰۷	ضمیر منفصل کا استعمال کب درست نہیں؟	۹۵	طلب کے بعد آنے والے فعل مضارع کی تین حالتیں
۱۰۸	علم کی قسمیں	۹۶	جواب نہیں بھی مجزوم ہوتا ہے
//	باعتبار ذات کے علم کی قسمیں	۹۷	ایک فعل کو جزم دینے والے امور خمسہ میں کا دوسرا عمل
۱۰۹	مرکب کی قسمیں	//	تیسرا عامل جازم
//	علم شخصی کی تعریف	۹۸	لما اور لم میں فرق
۱۱۰	اسم اور لقب دونوں کے اجتماع کا بیان	۹۹	چوتھا عامل جازم
۱۱۱	اسم اشارہ کی تعریف	//	پانچواں عامل جازم
//	اسم اشارہ کی قسمیں	۱۰۰	وہ عوامل جازم جو دو فعلوں کو جزم دیتے ہیں
۱۱۲	واو لاء لجمعہما کی وضاحت	//	ان شرطیہ کی وضاحت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۶	نواسخ کے اعتبار سے مبتداء و خبر کا نام	۱۱۲	مشار الیہ کی صورتیں
۱۳۷	کان اور اس کے اخوات کا بیان	۱۱۳	لام بعد کا استعمال چند مقامات پر ممتنع ہے
۱۳۸	افعال ناقصہ کی تعریف	۱۱۴	اسمائے موصولہ کی قسمیں
۱۳۹	افعال ناقصہ کی تعداد	۱۱۵	ال موصول کی وضاحت
۱۴۰	افعال ناقصہ کی وجہ تسمیہ	۱۱۶	ذو اسم موصول کی وضاحت
۱۴۱	افعال ناقصہ کا عمل	۱۱۷	ذا اسم موصول کی وضاحت
۱۴۲	مذکورہ عمل کے اعتبار سے افعال ناقصہ کی تقسیم	۱۱۸	اصطلاحات
۱۴۳	وضاحت: خبر کا فعل ناقص اور اس کے درمیان آنا	۱۱۹	صلہ کی تعریف و تقسیم
۱۴۴	وضاحت: خبر کی فعل ناقص واسم پر تقدیم	۱۲۰	عائد کا محذوف ہونا
۱۴۵	مادام اور لیس کی خبر کے بارے میں مختلف رائے	۱۲۱	کبھی اسم موصول کا صلہ شبہ جملہ ہوگا
۱۴۶	وہ پانچ افعال ناقصہ جو صار کے معنی میں ہیں	۱۲۲	اسم کو معرف باللام بنانے میں اختلاف
۱۴۷	وضاحت: چند افعال ناقصہ کا تام بنکر مستعمل ہونا	۱۲۳	الف لام تعریف کی قسمیں
۱۴۸	کان کے زائد ہونے کی شرطیں	۱۲۴	الف لام استغراقی کی قسمیں
۱۴۹	وضاحت: کان کے آخری حرف کا حذف کرنا	۱۲۵	الف لام استغراق کی پہلی قسم کا ضابطہ
۱۵۰	پانچ شرطوں کے ساتھ	۱۲۶	دوسری قسم کا ضابطہ
۱۵۱	حدیث شریف کی توضیح	۱۲۷	کچھ مفید اصطلاحات
۱۵۲	وقف کی صورت میں یکن کا نون	۱۲۸	معرفہ میں مضاف کا رتبہ
۱۵۳	وقف کی دو شکلیں	۱۲۹	باب المبتداء والخبر
۱۵۴	کان کے محذوف ہونے کی دو صورتیں	۱۳۰	مبتداء کی تعریف
۱۵۵	پہلی صورت کی وضاحت	۱۳۱	خبر کی تعریف
۱۵۶	دوسری صورت کی وضاحت	۱۳۲	مبتداء و خبر کا حکم
۱۵۷	باب ان واخواتها	۱۳۳	ضمیر شان اور ضمیر قصہ
۱۵۸	حروف مشبہ بالفعل کی تعداد	۱۳۴	وضاحت، حذف مبتداء و خبر کی صورتیں
۱۵۹	حروف مشبہ بالفعل کی فعل متعدی سے مشابہت	۱۳۵	دو مبتداء و خبر کی اجتماع اور ان کے محذوف ہونے کا حکم
۱۶۰	حروف مشبہ بالفعل کا عمل	۱۳۶	خبر کو جو با حذف کرنا
۱۶۱	ان وان کی تحقیق	۱۳۷	باب النواسخ للمبتداء والخبر
۱۶۲	لکن کی تحقیق	۱۳۸	نواسخ کی اصطلاحی تعریف
۱۶۳	کان کی تحقیق	۱۳۹	نواسخ کی وجہ تسمیہ
۱۶۴	لیت کی تحقیق	۱۴۰	نواسخ کی قسمیں
۱۶۵	لعل کی تحقیق	۱۴۱	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۳	جملہ معترضہ کے طور پر طالب علمانہ سوالات اور ان کے جوابات	۱۵۳	لیت اور لعل میں فرق
۱۵۴	افعال قلوب کے عمل میں کبھی الغاء کبھی جواز	۱۵۴	عرض و تمنی میں فرق
۱۵۵	افعال قلوب کے عمل میں تعلیق	۱۵۴	لیت کا بقیہ حروف مشبہ بالفعل کے اصول سے مستثنی ہونا۔
۱۵۶	وہ کلمات جو صدارت کلام چاہتے ہیں	۱۵۵	ان مکسورہ مخففہ کا عمل
۱۵۶	تعلیق کی وجہ تسمیہ	۱۵۶	لکن مخففہ کا بیان
۱۵۷	کیہ ضروری اصطلاحات	۱۵۶	ان بفتح الہمزہ مخففہ من المشقلہ کے احکام اور اس کی پہچان۔
۱۵۸	صنعت براۃ استہلال	۱۵۸	کَن مخففہ کے احکام اور اس کی پہچان
۱۵۹	مصدر کا حمل ذات پر	۱۶۰	حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا درمیان میں آنا
۱۶۰	تسمیۃ الکمل باسم الجزء	۱۶۱	ان مکسور الہمزہ کے مواضع استعمال کا بیان
۱۶۱	مقسم، تقسیم، اقسام، تقسیم	۱۶۲	ان مکسورہ کے بعد چار مقامات پر لام کے دخول کا جواز
۱۶۲	ترجیح بلا مرجح	۱۶۳	ضمیر فصل و عماد سے مراد
۱۶۳	للا کثر حکم الکمل	۱۶۳	دخول لام کا واجب ہونا
۱۶۴	محذوف و مقدر میں فرق	۱۶۴	شرائط مذکورہ کا مفقود ہونا
۱۶۵	اذا فات الشرط فات المشروط	۱۶۴	باب "لا النافیۃ للجنس"
۱۶۶	لفت و نشر	۱۶۴	لا نفی جنس کا بیان
۱۶۷	تقدیم ماحقہ التاخیر یفید الحصر والتخصیص	۱۶۵	شرائط ثلاثہ
۱۶۸	مثال و نظیر میں فرق	۱۶۵	شرائط مفقود ہونے کی وقت لاء کا عمل
۱۶۹	جزم و سکون میں فرق	۱۶۶	لاء کی شرائط ثلاثہ کی موجودگی میں اسم کی حالت
۱۷۰	مصدر اور اسم مصدر میں فرق	۱۶۷	شہ مضاف سے مراد
۱۷۱	ایضاً کی تحقیق	۱۶۷	لاء نفی جنس بکرر لانے کا بیان
۱۷۲	ایضاً کی ترکیب	۱۶۷	لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی پانچ صورتیں
۱۷۳	ایضاً کا استعمال	۱۶۷	لاء بکرر نہ ہونے کی صورت میں اسماء مکررہ کا حکم
۱۷۴	مثال و شواہد میں فرق	۱۶۷	اگر لاء کا اسم مفرد ہو تو اس کی صفت مفرد لائی جائے
۱۷۵	تجاہل عارفانہ	۱۶۷	باب: ظن و خواتھا
۱۷۶	تخصیص بعد التعمیم	۱۶۹	افعال قلوب کا بیان
۱۷۷	عطف الخاص علی العام	۱۶۹	افعال قلوب کی تعریف
۱۷۸	رموز و اشارات	۱۶۹	افعال قلوب کا حکم
		۱۶۹	افعال قلوب مع مثالوں کے مندرجہ ذیل ہیں



رائے گرامی

جناب حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب مدظلہ

مفتی اعظم مدھیہ پردیش و ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ مسجد ترجمہ والی موتیا پارک بھوپال (ایم، پی)

حامداً و مصلیاً و مسلماً و بعد۔ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ علم نحو علوم آلیہ میں عربی زبان کے لیے اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ علم نحو فہم قرآن کے لیے زینہ اور معرفت حدیث نبوی کے لیے وسیلہ ہے۔ قال العرب ”النَّحْوُ فِي لِسَانِ الْعَرَبِ أَحْلَى مِنَ الرُّطْبِ وَ أَهْنَى مِنْ الْعَنْبِ“ (علم نحو تر کھجور سے زیادہ شیریں اور انگور سے زیادہ خوش ذائقہ ہے) اس کے بغیر عربی زبان سے استفادہ بہت دشوار ہے۔ خصوصاً اہل عجم کہ وہ اس فن کے بغیر عربی زبان سے کوئی فیض نہیں اٹھا سکتے۔ قرآن کریم اور حدیث پاک کی زبان عربی ہے اور ان کا سمجھنا یا سمجھانا علم نحو کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے متقدمین و متاخرین میں بالغ نظر علمائے کرام نے اس فن کو اپنی خدمت جمیلہ کے لیے منتخب کیا۔ اور بعض اسلاف نے اس کی بے مثال خدمت کی، لیکن ان بزرگوں کی بیشتر خدمات عربی یا فارسی زبانوں میں ہی ہیں۔ ہندو پاک میں عربی علوم کا ذریعہ تعلیم اردو زبان ہے، اس لیے اب اردو زبان میں بھی علم نحو کی خدمت کا سلسلہ جاری ہے۔

عزیز موصوف مفتی **محمد عالمگیر دانش قاسمی** سلمہ (استاذ مدرسہ جامعہ اسلامیہ بخاری مہو اندور) کو اللہ تعالیٰ نے علم نحو سے خصوصی مناسبت عطا فرمائی ہے۔

”**قطر الندی وبل الصدی**“ جو علامہ ابو محمد عبد اللہ جمال الدین بن ہشام انصاری مصری کی مشہور و معروف اور مستند کتاب ہے اس کی جامعیت اور زبان کی سلاست کی وجہ سے ہی نصاب مرتب کرنے والوں نے اس کتاب کو داخل درس کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب جن طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے یہ ان کے علمی مستوی سے بلند ہے، اس لیے عرصہ دراز سے ایک ایسی شرح کی ضرورت تھی جس سے طلبہ استفادہ کر سکیں۔ اب الحمد للہ یہ ضرورت جامعہ اسلامیہ بخاری کے ایک کامیاب اور مایہ ناز مدرس مفتی محمد عالمگیر دانش قاسمی سلمہ کے قلم سے پوری ہو رہی ہے جس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

”مشک آں باشد کہ خود بوی نہ کہ عطار بگوید“

زیر نظر کتاب مُسَمَّی بہ ”شمس الہدی شرح اردو قطر الندی وبل الصدی“

جسے نہایت شوق و ذوق اور محنت سے عزیزم موصوف نے تشریح و تالیف کیا ہے۔ میں نے بہت مواقع سے اسے دیکھا ہے، ہر اعتبار سے نہایت مفید کتاب ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ رب العزت شارح عزیز کو زیادہ سے زیادہ علمی خدمات کی توفیق ارزاں کرے اور ان کی اس خدمت جمیلہ کو طلبہ و اساتذہ کے درمیان قبول عام اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ والحمد للہ اولاً و آخر۔

العبد الضعیف

(مفتی) عبدالرزاق (صاحب)

ترجمہ والی مسجد بھوپال

۲۲ اگست ۲۰۰۲ء

ارشاد عالی

فقیہ النفس جناب حضرت مولانا الحاج محمد اشفاق الرحمن صاحب مفتاحی
استاذ فقہ و تفسیر جامعہ اسلامیہ بنجاری چوپاٹی مہواندور (ایم۔ پی)

مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم میں ”علم نحو“ کو ایک خصوصی اہمیت حاصل ہے، کیوں کہ ”قرآن و حدیث“ کی زبان عربی ہے۔ اور اصلاً مقصود ”قرآن و حدیث“ کی تعلیم ہی ہے۔ دیگر علوم و فنون کی حیثیت تو ذرائع و وسائل کی ہے۔ اور عربی زبان کو ”نحو“ کے بغیر سمجھنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس اعتبار سے ”قرآن و حدیث“ کی فہم ”نحو“ کے جاننے پر موقوف ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ موقوف کا موقوف علیہ بھی لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء متقدمین و متاخرین نے اس فن میں چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

اسی ”سلسلۃ الذہب“ کی ایک کڑی ”ابو محمد جمال الدین ابن ہشام کی ”تصنیف لطیف“ بنام ”شرح قطر الندی وبل الصدی“ ہے۔

ابن ہشام نے اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ ”مسائل نحو“ کو جامعیت و اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے بلکہ دلائل و شواہد، اختلاف نہجۃ اور علمی نکات کو بڑے دلچسپ اور سلیس انداز میں پیش کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ”موصوف“ کو ”قرآن کریم“ سے بڑا شغف تھا۔ تقریباً تمام مسائل میں انھوں نے ”آیات قرآنیہ“ اور کلام عرب سے استشہاد کیا ہے، اس لیے مذکورہ کتاب ”مسائل نحو“ کو دلائل و شواہد کے ساتھ سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

لیکن چوں کہ ”نحو“ کی دیگر کتب کے مصنفین کے مقابلہ میں ابن ہشام کا اسلوب تحریر انوکھا اور منفرد ہے۔ اس لیے مستفیدین کو متعدد مقامات کے سمجھنے اور سمجھانے میں دشواری پیش آتی ہے، لہذا ضرورت تھی کہ اس کتاب کا حل پیش کیا جائے۔

”جامعہ ہذا“ میں دو سال سے ”کتاب مذکور“ کے جزء اول کا درس بندہ سے متعلق ہے۔ اس دوران بارہا دل میں خیال پیدا ہوا کہ ”یہ کام ہونا چاہیے“ اسی اثناء میں معلوم ہوا کہ ”عزیز مکرم جناب مفتی محمد عالمگیر دانش صاحب قاسمی زادہم اللہ علما وفضلاً“ اردو زبان میں اس ”کتاب مفید“ کی شرح بنام ”شمس الہدی شرح اردو قطر الندی وبل الصدی“ برسط و تفصیل

کے ساتھ مرتب فرما رہے ہیں۔ تو قلبی خوشی و مسرت کے ساتھ دل میں موصوف کے جذباتِ تشکر موجزن ہو گئے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

موصوف کے ایما پر بندہ نے ”مسودہ کتاب“ کا مطالعہ کیا۔ الحمد للہ بہت مناسب و مفید پایا۔ کچھ مشورے دیئے جن کو مفتی صاحب موصوف نے وسعتِ ظرفی کے ساتھ قبول فرمایا۔ میرا یقین ہے کہ ”محترم موصوف“ اس قسم کی علمی، تحریری اور تصنیفی خدمات کے لیے منجانب اللہ توفیق یافتہ ہیں۔

موصوف نے اپنی اس کتاب میں ہر مسئلہ کی کافی، شافی وضاحت کرتے ہوئے بہت سی معلومات افزاء باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ اور اخیر میں تو ”کچھ ضروری اصطلاحات“ کے عنوان سے گویا اپنے احسان کی تکمیل فرمادی۔ اور ایسے امور کی وضاحت کی ہے جن سے واقفیت فن پر عبور حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ”شرح مذکور“ کو قبولیتِ خاصہ و عامہ سے نوازے۔ اور اس کے نفع کو عام و تمام فرمائے۔ ”مؤلف موصوف“ کو مزید علمی، دینی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کی توفیق مرحمت فرماتا رہے۔ آمین

دعا گو و دعا جو

محمد اشفاق الرحمن۔ اندور

۲۸ اگست ۲۰۰۴ء

سخن گفتنی

الحمد لله المنعم علی نعمائه. والصلوة والسلام علی هادی الطریقة وزعمائه.
 اما بعد: — اللہ رب العزت کا انتہائی احسان ہے کہ اس قادر مطلق نے علمی بے سرو سامانی
 کے باوجود ”متن قطر الندی وبل الصدی“ کے ترجمہ و تسہیل کی خدمت ہم سے لی۔
 ورنہ — کہاں میں اور کہاں یہ نکبت گل۔

اس علمی انحطاط کے زمانہ میں چوں کہ طبائع سہل نگاری کی عادی ہو چکی ہیں۔ اور علمی تحقیقات
 کے لیے شب بیدازی و سحر خیزی تو کجا؟ ہم لوگ عمومی جد و جہد سے بھی نا آشنا ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی
 وجہ سے روز بروز ٹھوس استعداد اور عمدہ صلاحیتوں کے حامل علماء گھٹتے جا رہے ہیں۔ اس لیے داخل
 درس کتابوں کی اردو شروحات کو ”مالا یدرك ككله لا یتروك ككله“ کے تحت اہمیت دی جا رہی ہے،
 تاکہ درس و تدریس کا سلسلہ تو جاری رہے، مبادا عمدہ صلاحیتوں کے فقدان کے ساتھ علوم سے بھی یکسر
 محرومی ہو جائے۔

اس ترجمہ و تسہیل میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ کیا ہے۔

- (۱) کتاب کے ترجمہ کے بارے میں صرف لفظی ترجمہ پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ جابجا بین القوسین
 مختصر عبارتوں کا اضافہ کر کے اغلاق و ابہام کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- (۲) اشعار میں محل استشہاد کا تعین جہاں کہیں مشکل محسوس ہوا، ایسے موقع پر یا تو متن میں محل
 استشہاد پر خط کشید کر دیا گیا ہے۔ یا پھر ترجمہ کے تحت اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔
- (۳) اگر کہیں شعر کا ایک ہی مصرعہ مذکور ہے اور ترجمہ کے وقت دوسرے مصرعہ کی ضرورت محسوس کی
 گئی تو مصرعہ ثانی بھی ترجمہ کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔ اور قائل کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔
- (۴) قرآنی آیات جہاں جہاں بھی مذکور ہیں۔ سہولت کی خاطر ان پر اعراب لگا دیا گیا ہے اور ان کا
 آسان ترجمہ کیا گیا ہے جو بیان القرآن اور ترجمہ شیخ الہند سے منقول ہے۔ اور آسانی کے لیے رکوع اور
 پارہ کا بھی حوالہ دے دیا گیا ہے۔

- (۵) اگر کہیں پر مصنف نے آیت کی ایسی تشریح یا ترکیب پیش کی ہے جو مذکورہ بالا دونوں ترجموں
 سے ہم آہنگ نہیں تو وہاں پر آیت کا ترجمہ مصنف کی منشاء کے مطابق کیا گیا ہے۔
- (۶) طلبہ کی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمہ میں عربی جملوں کی ترکیب کا لحاظ رکھنے کی کوشش کی

گئی ہے۔ مگر کہیں اردو جملہ کے طویل ہونے کی وجہ سے یا مفہوم عبارت کو ذہن سے قریب کرنے کی خاطر ہم ایسا نہیں کر سکتے ہیں، اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

(۷) بعض مباحث میں شرح میں ضروری اور مفید معلومات کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔

رہا یہ کہ ہم اپنی ان کوششوں میں کس حد تک کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں تو اس کا فیصلہ آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ کتاب کو مزید فوائد سے مزین کرنے کے لیے ہم آپ کے مشوروں کے منتظر رہیں گے۔ آخر میں ہم ان مخلص اور کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے اس کتاب کے لباس ہستی زیب تن کرنے میں کسی طرح کا بھی تعاون فرمایا ہے۔ اگر میں اپنے ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے پیہم تقاضوں نے مجھے یہ اوراق سیاہ کرنے کی ہمت عطا کی، خصوصاً برادر مکرم مولانا محمد صدیق صاحب مظاہری مہتمم جامعہ ہذا۔ اور مولانا محمد تصور صاحب فلاحی ناظم تعلیمات جامعہ ہذا، مولانا محمد عبید اللہ صاحب قاسمی اور مفتی محمود الحسن صاحب قاسمی اساتذہ جامعہ ہذا کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں جن کے مشوروں سے مجھے بہت کچھ روشنی ملی اور ان حضرات نے رائے تحریر فرما کر کتاب کی قدر افزائی فرمائی۔

علماء مخلصین اور طلبہ عزیز سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ راقم السطور کو دعاء خیر سے محروم نہ فرمائیں، احقر بارگاہ ایزدی میں دست بدعاء ہے کہ مخلصین کی دعاؤں کی برکت سے احقر کی اس کاوش کو طلبہ کے لیے نفع بخش بنائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین ثم آمین

محمد عالمگیر دانش قاسمی غفرلہ

خادم تدریس جامعہ اسلامیہ بخاری اندور

۱۲ اگست ۲۰۰۴ء مطابق ۲ جمادی الآخر ۱۴۲۴ھ

علوم نحو کے مشہور علماء اور ان کی تصانیف

عنبہ بن معدان متوفی ۹۳ھ یہ عنبہ الفیل کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ابوالاسود دؤلی کے تلمیذ ہیں۔
 میمون الاقرن متوفی ۱۰۲ھ یہ بھی ابوالاسود دؤلی کے شاگرد ہیں۔ — عبداللہ بن ابی اسحاق حضرمی متوفی
 ۱۱۷ھ اپنے عہد میں علم نحو کے مشہور امام تھے۔ چنانچہ امام یونس سے ان کے علم کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں
 نے کہا ”هو والنحو سواء“ یعنی فن نحو میں یہ تبحر کے انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔ — ابو عمر عیسیٰ بن
 عمر ثقفی متوفی ۱۴۹ھ ادب، نحو اور قراءت تینوں میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، انھوں نے علم نحو میں الاکمال اور
 الجامع دو کتابیں بھی لکھی تھیں، مگر یہ دونوں کتابیں طویل عرصہ سے نایاب ہیں۔ — ابو عمرو بن العلاء متوفی
 ۱۵۴ھ مشہور نحوی عالم تھے۔ — حنبل بن احمد بصری متوفی ۱۶۰ھ امام النحو سیبویہ کے استاذ اور فن عروض کے
 بانی تھے۔ ابو بشر عمرو بن قنبر معروف بہ سیبویہ متوفی ۱۶۱ھ متقدمین و متاخرین میں سب سے زیادہ مشہور عالم نحو
 ہیں۔ ان کی تصنیف ”الکتاب“ علم نحو کی بے نظیر کتاب ہے اور بعد کے تمام ائمہ نحو نے اس کتاب سے استفادہ
 کیا ہے۔ بصری مکتب نحو کے امام اول اور سرخیل مانے جاتے ہیں۔ — ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی متوفی
 ۱۸۹ھ نحو لغت اور قراءت کے امام تھے اور کوئی مکتب نحو کے امام الائمہ تھے۔ — ابوالحسن سعید بن مسعدہ مجاشعی
 معروف بہ اخفش متوفی ۲۱۵ھ یا ۲۲۵ھ بصرہ کے ممتاز علمائے نحو میں سے تھے اور سیبویہ کے شاگرد تھے۔
 ”الاوسط“ کے نام سے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے۔ — صالح بن اسحاق جرمی متوفی
 ۲۲۵ھ یہ امام نحو لغت کے ساتھ زبردست فقیہ بھی تھے۔ اخفش کے مشہور تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، علم نحو
 میں المختصر نامی ایک عمدہ کتاب کے مصنف ہیں۔ — ابو عثمان بکر بن محمد مازنی بصری متوفی ۲۴۹ھ نحو اور ادب
 میں اپنے زمانہ کے امام تھے۔ فن نحو میں کتاب العلل ان کی بہترین تصنیف ہے۔ ابوالعباس محمد بن یزید
 معروف بہ مبرد بصری متوفی ۲۸۵ھ ابو عمر جرمی اور امام مازنی کے شاگرد اور امام النحو والعربیہ تھے۔ فن نحو میں ان
 کی کتاب ”المقدمہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ — احمد بن یحییٰ مشہور بہ ثعلبہ، متوفی ۲۹۱ھ نحو اور ادب کے
 مشہور امام ہیں۔ نحو میں ان کی کتاب ”الاوسط“ فن کی عمدہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ — ابراہیم بن محمد
 معروف بہ زجاج متوفی ۳۱۶ھ مشہور نحاة میں سے ہیں۔ مبرد، ثعلبہ وغیرہ کے شاگرد تھے۔ — ابو جعفر احمد
 بن محمد معروف بہ نحاس نحوی متوفی ۳۳۸ھ ”تفاحہ“ اور ”الکافی“ فن نحو میں ان کی دو کتابیں ہیں۔ — عبداللہ
 بن جعفر معروف بہ ابن درستویہ فارسی متوفی ۳۴۴ھ مشہور نحاة میں سے تھے۔ نحو میں ان کی کتاب ”الارشاد“
 بہت عمدہ کتاب مانی جاتی ہے۔ — ابوالفتح عثمان بن جنی موصلی متوفی ۳۹۳ھ نہایت بلند پایہ ادیب اور نحو
 و صرف کے فاضل تھے، علم صرف میں ان سے بڑھ کر کسی کی تصنیف نہیں ہے۔ ان کی کتاب ”الخصائص“ اور
 ”اللمع“ علم نحو میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔

محمد عالمگیر دانش قاسمی دھنکولوی

جامعہ اسلامیہ بخاری اندور

مبادیات علم نحو

ابتداءً یہ کلمات: قطر الندی نحو کی کتاب ہے اور کسی بھی علم اور فن کو شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ (۱) اس علم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف (۲) اس کی غرض و غایت (۳) اس کا موضوع (۴) اس کا مقام (۵) اس کی تدوین (۶) مصنف کے حالات زندگی۔

تعریف کا جاننا اس لیے ضروری ہے، تاکہ مجہول مطلق کی طلب لازم نہ آئے۔

غرض و غایت کا جاننا اس لیے ضروری ہے، تاکہ عبث اور بے کار چیز کا طلب کرنا لازم نہ آئے۔

موضوع کا جاننا اس لیے ضروری ہے، تاکہ ایک فن کے مسائل کو دوسرے فن کے مسائل سے ممتاز کیا جاسکے۔

تدوین کی معرفت اس لیے ضروری ہے، تاکہ مدون کا علم ہو جائے اور اس فن کی تاریخی حیثیت ذہن نشیں ہو جائے۔ اور مصنف کے حالات کا جاننا اس لیے ضروری ہے، تاکہ مصنف کے مرتبہ سے اس کی تصنیف کا اندازہ لگایا جاسکے، کیوں کہ جس درجہ کا متکلم ہوتا ہے، اس کا کلام بھی اسی درجہ کا شمار ہوتا ہے، چنانچہ مشہور ہے ”کلام الملوک ملوک الکلام“ بادشاہوں کا کلام کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔ یعنی کہنے والا جس درجہ کا ہوگا اس کا کلام بھی اسی درجہ کا شمار ہوگا۔

تعریف کی تعریف: تعریف کہتے ہیں ”ما یبین به حقیقۃ الشیء“ کو یعنی تعریف وہ شے ہے، جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کی جائے۔

موضوع کی تعریف: موضوع ”ما یبحث فیہ عن عوارضہ الذاتیۃ“ کا نام ہے، یعنی کسی فن اور علم کا موضوع وہ شے کہلاتی ہے جس شے کے عوارض ذاتیہ سے اس فن میں بحث کی جائے۔

غرض کی تعریف: اور غرض کہتے ہیں ”ما یصدر الفعل عن الفاعل لاجلہ“ کو یعنی غرض وہ ارادہ ہے جس کی وجہ سے فاعل سے فعل صادر ہوتا ہے اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً قلم خریدنے کے لیے بازار جانا تو غرض ہے اور قلم خرید لینا غایت ہے۔

تدوین کی تعریف: منتشر اور بکھرے ہوئے اجزاء کو ترتیب دینے کا نام ہے۔

نحو کی لغوی تعریف: لغوی کا حاصل یہ ہے کہ لغت میں نحو کے کئی معنی ہیں (۱) راستہ جیسے ہذا النحو السویٰ یہ سیدھا راستہ ہے۔ (۲) نوع مثلاً ہذا علی اربعہ انحاء یہ چار قسم پر ہے (۳) مثل

جیسے ہذا نحوہ یہ اس کے مثل ہے۔ (۴) ارادہ جیسے نحوٹ ہذا نحواً میں نے یہ ارادہ کیا ہے وغیرہ۔

نحو کی اصطلاحی تعریف: علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ معرب اور بنی ہونے کی حقیقت سے تینوں کلموں کی آخری حالت معلوم ہو جائے اور بعض کلمات کو بعض کے ساتھ مرکب کرنے کی کیفیت معلوم ہو جائے۔

علم نحو کا موضوع: علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے، کیوں کہ علم نحو میں انہیں کے احوال سے بحث کی جاتی ہے۔ من حیث الاعراب والبناء۔

علم نحو کی غرض: علم نحو کی غرض کلام عرب میں ذہن کو لفظی غلطی سے بچانا ہے۔

تدوین نحو: اس علم کے قواعد و ضوابط سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی رہنمائی میں ان کے شاگرد رشید ابوالاسود دؤلی (متوفی ۶۷ھ یا ۶۹ھ) نے مرتب کیے، انہیں ابوالاسود نے سب سے پہلے قرآن حکیم پر اعراب اور نقطے لگائے۔

تدوین کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوالاسود دؤلی نے حضرت علیؑ کو متفکر پایا۔ ابوالاسود نے پوچھا کہ تفکر کا سبب کیا ہے؟ علیؑ نے کہا میں نے تمہارے اس شہر میں غلطیوں کو سنا ہے، اس لیے میں نے عربیت میں ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ پھر میں تین دن کے بعد آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے مجھے ایک صحیفہ پیش کیا جس میں بسم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا۔ الکلام کلہ اسم وفعل وحرف فالاسم ما انباء عن المسمى والفعل ما انباء عن الفاعل. والحرف ما انباء عن معنی لیس باسم ولا فعل. حضرت علیؑ نے کہا کہ یہ تو میری معلومات کے مطابق ہے تو اس میں اور اضافہ کر لینا۔

مختصر خاکہ حیات صاحب قطر الندی

نام و نسب: نام عبد اللہ بن یوسف بن احمد بن عبد اللہ بن ہشام انصاری مصری۔ کنیت ابو محمد۔
لقب جمال الدین۔

تاریخ ولادت: آسمان علم و فضل کا یہ سورج شنبہ کے دن ۵ رذی قعدہ ۸۰۸ھ مطابق ۱۳۰۹ء کو طلوع ہوا۔

تحصیل علم: آپ نے شہاب عبد اللطیف بن مرحل بن سراج، ابو حیان، التاج الفا کہانی، تاج تبریزی جیسی نابغہ روزگار ہستیوں سے اکتساب فیض کر کے اپنی مخفی و خوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ علم و فن کے اتھاہ سمندر میں غواصی کر کے وہ قیمتی اور گرانمایہ موتی نکال کر لائے جن سے متقدمین کی نگاہیں نا آشنا تھیں۔ چنانچہ خداداد ذہانت اور محققانہ و مجتہدانہ بصیرت کی بناء پر بہت قلیل مدت میں اصحاب فن و کمال کے طبقہ میں اپنی عبقریت کا لوہا منوالیا۔

ابتداء میں آپ نے فقہ شافعی پڑھی، پھر حنبلی مسلک اختیار کیا، زندگی کے آخری ایام میں یعنی مرنے سے پانچ برس پہلے مختصر الحمزنی کو چار مہینے سے کم میں حفظ کیا، جو آپ کی غیر معمولی قوت حافظہ پر بین دلیل ہے۔

مصنف کے بارے میں طاش کبریٰ کا قول: طاش کبریٰ زادہ نے سچ لکھا ہے ”اتقن العربیۃ ففان الاقران بل الشیوخ“ نحو میں ایسی مہارت پیدا کی کہ ہم عصروں بلکہ استادوں پر فوقیت لے گئے۔

ابن خلدون کا قول: اور علامہ ابن خلدون نے شہادت دی ”ان ابن ہشام علی علم جم یشہد بعلو قدرہ فی صناعۃ النحو“ ابن ہشام کا علم عربیت میں بے پایاں علم اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو فن نحو میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

”مازلنا ونحن بالمغرب نسمع انه ظهر بمصر عالم بالعربیۃ يقال له ابن ہشام انہی من سیویہ“

مغرب میں ہم لوگ یہ برابر سنتے رہے کہ مصر میں ابن ہشام نامی ایک شخص پیدا ہوا ہے جو سیویہ سے بھی زیادہ نحو جانتا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کی مقبولیت: نہ صرف علم نحو میں بلکہ آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو علم ادب، اسماء الرجال، لغت، اشتقاق، حدیث اور تفسیر، میں کامل دستگاہ حاصل تھی، اسی وجہ سے محققین علماء نے آپ کی امامت و سیادت کا اعتراف کیا۔ اور تحقیق و تدقیق، تصنیف و تالیف اور علم و معرفت گہرائی و گیرائی کے افق پر رونما ہونے والے ستارے ان کی روشنی کے سامنے ماند پڑ گئے۔ اور آپ کا شہرہ سرزمین مصر کی حدود سے گذر کر بلاد مغرب تک پہنچ گیا۔

آپ کی خصوصیت: علامہ ابن ہشام کو اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی میں ایجاز و اختصار اور اطناب و تفصیل پر یکساں ملکہ حاصل تھا۔

تصانیف: آپ بڑے کثیر التصانیف تھے، نحو کی مشہور کتاب ”شذور الذہب“ آپ ہی کی تصنیف ہے، جس کی آپ نے خود شرح بھی کی ہے۔ نحو میں یہ کتاب بہت عمدہ ہے۔ مثالیں اکثر و بیشتر آیات قرآنی سے پیش کی ہیں اور اس سے زیادہ مشہور کتاب مغنی الملیب ہے، جو فن نحو میں اپنی نظیر آپ سے۔ دو درجن سے زائد آپ کی کتابیں ہیں۔ مثلاً التوضیح علی الالفیہ، رفع الخاصہ ۴ جلدیں، عمدۃ الطالب فی تحقیق تشریف ابن الحاجب، شرح التسهيل، شرح الشواہد کبری، شرح الشواہد صغری، القواعد الکبری، القواعد الصغری، قطر الندی، شرح قطر الندی، الجامع الصغیر وغیرہ۔

وفات: یہ آفتاب عالم کتاب ایک عالم کو منور کر کے بروز جمعہ ذی قعدہ ۶۲/۶۱ھ مطابق ۱۳۶۰ء کو اس خاکدان دنیا کو الوداع کہہ کر قاہرہ میں ہمیشہ ہمیش کے لیے غروب ہو گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

آغاز کتاب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: - قَالَ الشَّيْخُ، الْإِمَامُ، الْعَالِمُ،
الْعَلَّامَةُ، جَمَالُ الْمُتَصَدِّقِينَ، وَتَاجُ الْقُرَّاءِ، تَذَكُّرَةُ أَبِي عَمْرٍو،
وَسَيِّبَوِيهِ، وَالْفَرَّاءِ: - أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ بْنِ هِشَامٍ
الْأَنْصَارِيِّ، فَسَّحَ اللَّهُ فِي قَبْرِهِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اس اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ شیخ وقت، پیشوائے قوم، صاحب علم، زبردست عالم، مجلس علماء کی رونق اور قراء کے سرتاج، جو ابو عمرو، سیبویہ اور فراء کی یادداشت ہے، ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن عبد اللہ بن ہشام انصاریؒ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر میں کشادگی پیدا فرمائے۔

وضاحت: صاحب قطر الندی وبل الصندی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب المستمعی "قطر الندی وبل الصندی" کا آغاز بسم اللہ سے کیا ہے۔ اول تو قرآن کریم کی تقلید کرتے ہوئے۔ دوسرے حدیث پاک کی اتباع کرتے ہوئے حدیث کے الفاظ ہیں: "کل کلام لا یبدء فیہ باسم اللہ وبحمد اللہ فهو اجزء". وفی روایۃ ابن ماجہ اقطع" یعنی جس کام کی ابتداء بسم اللہ اور الحمد للہ سے نہ کی گئی ہو وہ بے انجام اور بے برکت رہ جاتا ہے۔ ابن ماجہ، ابن حبان، ابوعوانہ، شیخ ابن صلاح الدین وغیرہ محدثین نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور فقہاء کے نزدیک یہ معمول بہا ہے۔

قال: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی باب نصر اس ایک مرد نے کہا زمانہ گذشتہ میں۔

الشَّيْخُ: واحد ہے، اس کی جمع شیوخ ہے، بمعنی بوڑھا، عمر رسیدہ، سردار، گاؤں کا چودھری۔

الامام: واحد ہے، اس کی جمع ائمہ ہے، بمعنی رہبر، پیشوا، قوم۔

الْعَالِمُ: واحد ہے، جمع اس کی علماء ہے صاحب علم، تعلیم یافتہ انسان۔

الْعَلَّامَةُ: بالخبر، زبردست جاننے والا، مبالغہ کا صیغہ ہے۔

جمال: بارونق، خوبصورتی، خوش اخلاقی، صیغہ صفت ہے۔

الْمُتَصَدِّقِينَ: باب تفعیل سے اسم فاعل، جمع مذکر کا صیغہ ہے حالت جری میں۔

الْقُرَّاءِ: قاری کی جمع ہے، بمعنی پڑھنے والا۔

تَذَكُّرَةُ: بمعنی یادداشت، یہاں مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، یاد دلانے والا۔

سیبویہ: ابوبشر عمرو بن قنبر معروف بہ سیبویہ متوفی ۱۶۱ھ متقدمین و متاخرین میں سب سے زیادہ مشہور عالم نحو ہیں۔ ان کی کتاب ”الکتاب“ علم نحو کی بے نظیر کتاب ہے۔ اور بعد کے تمام ائمہ نحو نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ بصری مکتب نحو کے امام اول اور سرخیل مانے جاتے ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَافِعِ الدَّرَجَاتِ لِمَنْ أَنْخَفَضَ لَجَلَالِهِ، وَفَاتِحِ الْبَرَكَاتِ لِمَنْ انْتَصَبَ لِشُكْرِ إِفْضَالِهِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ مَدَّتْ عَلَيْهِ الْفَصَاحَةُ رِوَاقَهَا، وَشَدَّتْ بِهِ الْبَلَاغَةُ نِطَاقَهَا الْبِمَعْوُثِ بِالْآيَاتِ الْبَاهِرَةِ وَالْحُجَجِ الْمُنَزَّلِ عَلَيْهِ قُرْآنٌ عَرَبِيٌّ غَيْرُ ذِي عَوَجٍ، وَعَلَى آلِهِ الْهَادِينَ۔ وَأَصْحَابِهِ الَّذِينَ شَادُوا الدِّينَ وَشَرَّفُوا وَكَرَّمُوا۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اس معبود حقیقی کے لیے ہیں، جو اس کی درجات و مراتب کو بلند کرنے والے ہیں، جو اس کی عزت کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرے۔ اور اس شخص کے لیے خیرات و برکات کو کھولنے والے ہیں، جو اس کی امتیازی شکر بجالانے کے لیے جبر ہے۔ اور رحمت کاملہ اور سلامتی نازل ہو اس ہستی پر جس پر فصاحت اور اس کی سائبان پھیلی۔ اور جس کے ذریعہ بلاغت و پیاہ بلاغت مضبوط ہوئی جو خیرہ کن (لا جواب بنانے والی) نشانیاں اور دلائل لے کر بھیجے گئے۔ جس ہستی پر ایسا قرآن نازل کیا گیا جو عربی میں ہے اور بغیر کجی و میڑھا پن کے ہے۔ اور (رحمت کاملہ نازل ہو) ان کے اس آل پر جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اور ان کے ان تمام ساتھیوں پر جو دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کو شرافت و کرامت سے نوازا۔

وضاحت: الحمد: حمد کے لغوی معنی ہیں ستودن، تعریف کرنا، ستائش کرنا، اوصاف حسنہ کا ذکر کرنا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے: ”هُوَ الثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ عَلَى الْجَمِيلِ الْاِخْتِيَارِي نِعْمَةً كَانَ اَوْ غَيْرَهَا“ یعنی زبان سے کسی اختیاری خوبی پر تعریف کرنا خواہ وہ اختیاری خوبی نعمت ہو یا غیر نعمت ہو۔
اللہ سے مراد: ”وَاللَّهُ عَلَّمَ عَلَى الْأَصْحَاحِ لِذَاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُودِ الْمُسْتَجْمَعِ لَجَمِيعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ“ اور صحیح ترمذیہ پر لفظ اللہ اس ذات واجب الوجود کا علم ہے جو جمیع صفات کمال کا جامع ہے۔

صلوٰۃ کی تفسیر:- مشہور یہ ہے کہ لفظ صلوٰۃ دعاء کے معنی میں حقیقت اور دوسرے معنی میں مجاز ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ لفظ صلوٰۃ اس کے تمام معنوں میں مشترک ہے۔ اور جب لفظ صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہو مثلاً صلوٰۃ اللہ کہا جاوے تو اس کے معنی رحمت کاملہ کے ہیں۔ اور جب ملائکہ کی

طرف منسوب ہو مثلاً کہا جاوے صلوٰۃ الملائکہ تو اس کے معنی استغفار ہیں۔ اور جب بندوں کی طرف منسوب ہو مثلاً صلوٰۃ العباد کہا جاوے تو اس کے معنی دعاء ہیں۔ اور جب پرندوں کی طرف نسبت ہو مثلاً صلوٰۃ الطیور تو اس کے معنی تسبیح ہیں۔

رَافِع: باب فتح یفتح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، بمعنی بلند کرنے والا، اٹھانے والا۔

الدَّرَجَات: یہ درجہ کی جمع ہے، بمعنی سیڑھی، مرتبہ، مقام۔

إِنْخَفَصَ: بلندی کے بعد پستی اختیار کرنا، از باب: انخفاضا مصدر۔

فَاتِح: باب فتح سے اسم فاعل بمعنی کھولنے والا۔

انتصب: کھڑا ہونا، جمنا، بلند ہونا، از باب: افعال۔

شکر: شکر کے لغوی معنی ہیں "فعل ينبئ عن تعظیم المنعم" یعنی شکر ایسے فعل کو کہتے ہیں جو منعم کی تعظیم پر دلالت کرے۔ اور اصطلاحی تعریف ہے "صرف جمیع ما انعم اللہ بہ علی عبده الی ما خُلِقَ لاجلہ" یعنی اللہ کے تمام انعامات کو ان کے مقاصد میں صرف کرنا۔

الفصاحة: کلام کا تعقید سے خالی ہونا۔ باب کرم کا مصدر ہے۔

رَوَاق: سائبان، برآمدہ، چھت سے لے کر نیچے تک کا پردہ، جمعة أروقة ورواقات۔

البلاغة: کلام فصیح کا مقتضی حال کے مطابق ہونا۔

نِطَاق: بمعنی کمر بند، کپڑے کا ایک ٹکڑا جس کو عورتیں کمر پر باندھتی ہیں اور اس کا بالائی حصہ نچلے حصہ پر اور نچلا حصہ ز میں تک لٹکتا رہتا ہے جمع نطق، لیکن یہاں پیمانہ بلاغت مراد ہے۔

المبعوث: از باب فتح اسم مفعول بمعنی بھیجا ہوا۔

الْحُجَج: حُجَّة کی جمع ہے، بمعنی دلائل۔

آل: آل کی اصل بعض حضرات کے نزدیک اہل ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ ہر شئی کی تصغیر شئی کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے، اور آل کی تصغیر اُھیل آتی ہے۔ اور بعض حضرات کے نزدیک اس کی اصل اَوَّل ہے۔ آل اور اہل میں فرق کی تفصیل یہ ہے کہ آل کا اطلاق اشراف پر ہوتا ہے۔ خواہ شرافت دنیوی ہو جیسے آل فرعون، خواہ شرافت اخروی ہو جیسے آل محمد صلعم کہ آپ کو دونوں اعتبار سے شرافت حاصل ہے۔ اور اہل کا اطلاق عام ہے خواہ اشراف ہوں یا ارزال ہوں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ آل صرف ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اہل کا لفظ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں آل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں یا آپ کی اولاد۔ یا آل سے مراد ہر مومن متقی اور خدا ترس لوگ ہیں۔

اصحاب: اصحاب یا تو صاحب کی جمع ہے جیسے اطہار، طاہر کی جمع ہے، یا صَحْب (بکسر الخاء) کی جمع ہے۔ جیسے انمار، نَمَر کی جمع ہے۔ یا صَحْب (سکون الخاء) کی جمع ہے، جیسے آنہار، نَهْر کی جمع ہے۔ یا صحیب کی جمع ہے۔ جیسے اشراف، شریف کی جمع ہے۔

صحابی اس کو کہتے ہیں جس نے بحالت ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور ایمان پر خاتمہ بھی ہوا ہو۔ تابعی جس نے صحابی سے بحالت ایمان ملاقات کی ہو اور تبع تابعی جس نے تابعی سے بحالت ایمان ملاقات کی ہو۔

الذین: ”ہو وضع الہی سائق لذوی العقول باختیارہم المحمود الی الخیر بالذات“ دین ایسا خدائی دستور ہے جو ذی عقل لوگوں کو ان کے قابل قدر اختیار اور قدرت کے ذریعہ رضائے الہی یا دیدار خداوندی تک لے جاتا ہے۔

وَبَعْدُ، فَهَذِهِ نَكْتُ حَرَرْتُهَا عَلَى مُقَدِّمَتِي الْمُسَمَاةِ بِقَطْرِ النَّدَى، وَبَلِّ الصَّدَى رَافِعَةً لِحِجَابِهَا، كَاشِفَةً لِنِقَابِهَا، مُكَمِّلَةً لِسَوَاهِدِهَا مُتَمِّمَةً لِفَوَائِدِهَا، كَافِيَةً لِمَنْ اقْتَصَرَ عَلَيْهَا، وَافِيَةً بِبُغْيَةِ مَنْ جَنَعَ مِنْ طُلَّابِ عِلْمِ الْعَرَبِيَّةِ إِلَيْهَا. وَاللَّهُ الْمَسْئُولُ أَنْ يَنْفَعَ بِهَا كَمَا نَفَعَ بِأَصْلِهَا، وَأَنْ يَذَلِّلَ لَنَا طُرُقَ الْخَيْرَاتِ وَسُبُلَهَا، إِنَّهُ جَوَادٌ كَرِيمٌ، رَوْفٌ رَجِيمٌ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ.

ترجمہ:- اور حمد و صلوة کے بعد یہ مشکل مسائل جن کو میں نے دو مقدمہ پر تحریر کیا ہے۔ وہ ”قطر الندی وبل الصدی“ کے نام کے ساتھ موسوم ہے، جو اس کی پوشیدگی کو دور کرنے والی اور اس کے نقاب کو کھولنے والی ہے، اس کے دلائل کے لیے مکملہ ہے۔ اور اس کے فوائد کے لیے متممہ ہے، اس شخص کے لیے کافی ہے جو اس پر انحصار کرنا چاہے۔ تشفی بخش ہے اس کی آرزو کے لیے جو کامیاب ہونا چاہے، شعبہ عربی کے ہونہار طلبہ میں سے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں درخواست ہے کہ اس کے ذریعہ اسی طرح عام فائدہ پہنچائے، جس طرح اس کے اصل سے نفع پہنچایا اور ہمارے لیے بھلائی اور اس کے راستے کو سنوار دے، بے شک وہ بڑا فیاض اور کرم والا ہے، مہربان اور شفقت کرنے والا ہے، اور خیر کی جانب میری رہنمائی اللہ ہی کی توفیق سے ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

وضاحت:- لفظ بعد کی تحقیق: لفظ بعد اور قبل ظرف زمان اور مکان دونوں کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ ظرف زمان کی مثال ”الغد بعد الیوم“ کل آئندہ آج کے بعد ہے۔ ”الیوم

قبل الغد" آج کا دن کل آئندہ سے پہلے ہے۔ اور ظرف مکان کی مثال "داری بعد دارک" میرا گھر تیرے گھر کے بعد ہے۔ "داری قبل دارک" میرا گھر تیرے گھر سے پہلے ہے۔ لفظ قبل اور بعد کی تین صورتیں ہیں (۱) ان کا مضاف الیہ مذکور ہو (۲) ان کا مضاف الیہ محذوف نسیا منیا ہو (۳) ان کا مضاف الیہ محذوف منوی ہو۔ اول کی دو صورتوں میں مذکورہ دونوں لفظ مغرب بحسب العوائل ہوتے ہیں اور تیسری صورت میں بنی علی الضم ہوتے ہیں۔

نکٹ: واحد نکتہ مشکل مسئلہ جو وقت نظر سے حاصل ہو۔

قطر الندی و ببل الصدی: بمعنی بارش جمعہ قطار، الندی بمعنی تری، شبنم، سخاوت، کرم۔ بَلّ باب نصر تر کرنا، الصدی جمعہ اصداۃ بمعنی شدت پیاس۔ پورے جملہ کا ترجمہ ہوا شبنم کی بارش اور شدت پیاس کی تراوٹ۔

صاحب کتاب علیہ الرحمۃ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ میں نے یہ کتاب جس کا نام قطر الندی و ببل الصدی ہے ایسے دو مقدمہ پر تحریر فرمائی ہے جس سے نحو کے تمام پیچیدہ مسائل حل ہو جائیں گے، کیوں کہ علم نحو کی پوشیدگی کو دور کرنے والی اور اس کے نقاب کو کھولنے والی ہے، علم نحو کے دلائل کے لیے تامل اور اس کے فوائد کے لیے تتمہ ہے، جو شخص علم نحو کے موجودہ مسائل پر اکتفاء کرنا چاہے اس کے لیے کافی ہے اور جو کامیاب ہونا چاہے، اس کی آرزو کے لیے تشفی بخش رسالہ ہے۔ اللہ رب العزت سے یہی دعاء ہے کہ اس کے فوائد کو عام و تمام فرمائے ابتداء اور انتہاء میں اللہ ہی توفیق عطاء کرنے والا ہے، وہی میری نیک بختی اور رہنمائی کی توفیق دینے والا ہے، اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

الْكَلِمَةُ قَوْلٌ مُفْرَدٌ

ترجمہ:- کلمہ قول مفرد کا نام ہے۔

وضاحت:- کلمہ کا اطلاق لغت میں جملہ مفیدہ پر ہوتا ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان "كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا" (ترجمہ: ہرگز نہیں! یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے۔ پلا، ۶ع) اور رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ (ترجمہ: اے رب مجھ کو پھر بھیج دو، شاید کچھ میں بھلا کام کر لوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا۔ پارہ ۱۸، ۶ع) کے ذریعے معلوم ہو رہا ہے کہ لفظ کلمہ لغت جملہ مفیدہ کے معنی میں مستعمل ہے۔

کلمہ کی اصطلاحی تعریف:- اصطلاح میں کلمہ قول مفرد کو کہتے ہیں۔

قول سے مراد: قول سے مراد وہ لفظ ہے جو معنی پر دلالت کرے جیسے رَجُلٌ (آدی) فَرَسٌ

(گھوڑا)۔

لفظ سے مراد: جو بات بھی آدمی کے منہ سے نکلے۔ بالفاظ دیگر لفظ سے مراد وہ آواز ہے جو بعض حروف پر مشتمل ہو چاہے کسی معنی پر دلالت کرے جیسے زید۔ یا معنی پر دلالت نہ کرے جیسے دیز۔ جو لفظ زید کا الٹا ہے۔ لہذا یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر قول لفظ ہوتا ہے، لیکن ہر لفظ قول نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ لفظ جو کسی معنی پر دلالت نہیں کرتا مثلاً دیز اسے لفظ تو کہا جاتا ہے لیکن قول نہیں کہا جاتا۔

مفرد سے مراد: مفرد سے مراد وہ لفظ ہے جس کے اجزاء اس کے معنی کے اجزاء پر دلالت نہ کریں جیسے زید۔ اس لیے کہ اس کے اجزاء، زاء، یا اور دال ہیں۔ ان تینوں حروف میں سے جب کوئی اکیلا ہوتا ہے تو اس مفہوم کے کسی چیز کو نہیں بتلاتا جس مفہوم کو پورا لفظ زید بتلا رہا تھا۔ برخلاف غلام زید کے (کہ وہ مرکب ہے) اس لیے کہ اس کے دو جزء میں سے ہر ایک یعنی غلام اور زید اپنے معنی کے جزء پر دلالت کرنے والا ہے، لہذا اس کو مرکب کہا جائے گا۔

اشکال: صاحب قطر الندی نے کلمہ کی جو تعریف کی ہے اس پر ایک اشکال ہوتا ہے۔ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف میں لفظ "الْوَضْعُ" کی قید کیوں نہیں لگائی، جب کہ دیگر نحویین نے "الْوَضْعُ" کی شرط لگائی ہے۔ اور یہ تعریف کی ہے "الكلمة لفظ وضع لمعنى مفرد؟" (کلمہ ایک ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔)

جواب: جن حضرات نے کلمہ کی تعریف میں لفظ "الوضع" کی شرط لگائی ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کلمہ کی تعریف میں لفظ کو کلمہ کے لیے جنس قرار دیا اور لفظ جنس ہونے کی صورت میں موضوع و مہمل دونوں کو شامل ہوتا ہے، لہذا وضع کی قید لگا کر مہمل کو خارج کرنے کی ضرورت پڑی، تاکہ مہمل موضوع سے خارج ہو جائے، اس لیے دیگر حضرات نے اس کی شرط لگائی اور میں نے جب کلمہ کے لیے لفظ "قول" کو جنس بنایا اور وہ موضوع کے ساتھ خاص ہے (کیوں کہ قول معنی دار لفظ ہی کو کہتے ہیں) تو اس نے مجھے وضع کی شرط سے بے نیاز کر دیا۔

اشکال: مصنف نے کلمہ کی تعریف میں لفظ قول استعمال فرمایا ہے، آخر لفظ سے قول کی طرف عدول کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: چوں کہ لفظ مہمل اور مستعمل پر بولے جانے کی وجہ سے جنس بعید ہے اور قول مستعمل کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے جنس قریب ہے، اور یہ امر مسلم ہے کہ تعریف میں اجناس بعیدہ کا استعمال اہل نظر کے نزدیک معیوب ہے، اس لیے مصنف نے قول جو کہ جنس قریب ہے اسے استعمال فرمایا۔

وہی: اِسْمٌ ، وَفِعْلٌ ، وَحَرْفٌ ۔

وضاحت:- ہی ضمیر کا مرجع کلمہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں، اسم، فعل، حرف، جب مصنف کلمہ کی تعریف کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے کلمہ کی قسمیں بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں، اسم، فعل، حرف۔

اشکال: لیکن متن کی اس عبارت پر اشکال ہوتا ہے کہ مصنف نے کلمہ کو تین قسموں میں ہی منحصر کیوں کیا ہے، اس کی چوتھی قسم کیوں نہیں ہوئی۔

جواب: کلمہ کے تین قسموں میں ہی منحصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نحویین اور غواص علماء کرام نے کلام عرب میں بہت ہی تتبع و تلاش اور چھان بین سے کام لیا، لیکن اقسام ثلاثہ کے علاوہ کوئی چوتھی قسم نہیں ملی، اگر انہیں کوئی چوتھی قسم ملتی تو وہ ضرور واقف اور مطلع ہو کر تحریر فرماتے، لہذا چوتھی قسم کا نہ ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تین قسموں میں ہی منحصر ہے اور یہ انحصار انحصار استقرائی ہے۔

دوسری دلیل حصر: کلمہ تین قسموں میں ہی منحصر ہے اس کی وجہ یہ ہے ”یا تو کلمہ دلالت کرے گا ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہو، یا دلالت کرے گا ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں نہ ہو، اگر اس کی ذات میں نہ ہو تو وہ حرف ہے۔ اور اگر دلالت کرے ایسی ذات پر جو اس کی ذات میں ہو تو پھر وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس میں پایا جائے گا یا نہیں، اگر پایا جائے گا تو وہ فعل ہے، ورنہ اسم ہے۔“

اشکال: وہی اسم، وفعل و حرف پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ مصنف نے اسم کو فعل پر اور فعل کو حرف پر کیوں مقدم کیا۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم افادہ میں مستقل ہے، فعل و حرف کی طرف احتیاج نہیں رکھتا اور نہ ہی اصح مذہب پر فعل سے مشتق ہے بخلاف فعل کے کہ وہ افادہ میں مستقل نہیں ہے بلکہ اسم کی طرف محتاج ہے، اس وجہ سے اسم اصل ہوا اور فعل فرع، اور اصل فرع پر مقدم ہوا کرتی ہے۔ لہذا مصنف نے اسم کو فعل پر مقدم کر دیا۔ پھر فعل کو حرف پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ فعل حرف کی طرف افادہ میں محتاج نہیں اور حرف دونوں کی طرف محتاج ہے اور جو محتاج ہوتا ہے وہ غیر محتاج کی فرع ہوتا ہے، اس وجہ سے فعل اصل ہوا اور حرف فرع، لہذا فعل کو حرف پر مقدم کیا۔

فَإِنَّمَا الْإِسْمُ فَيُعْرَفُ: بِأَلِ كَالرَّجُلِ، وَالتَّنْوِينِ كَرَجُلٍ، وَبِالْحَدِيثِ عَنْهُ كَتَاءٍ ضَرَبْتُ.

ترجمہ:- پس بہر حال اسم تو وہ پہچانا جاتا ہے الف لام کے ذریعہ جیسے الرَّجُلُ اور تنوین سے جیسے رَجُلٌ۔ اس کے متعلق گفتگو کرنے سے جیسے ضربت کی تاء۔

نیت کی جائے۔ اور اسی طرح مَنْ اور کَم سکون کو لازم ہونے میں، اور یہی بناء کی اصل ہے۔

وضاحت:- جب صاحب قطر الندی اسم کی تعریف اور اس کی علامتیں بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے اسم کی تقسیم بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا اسم کی دو قسمیں ہیں معرب اور مبنی۔

سوال: لیکن یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے معرب کو مبنی پر کیوں مقدم فرمایا؟

جواب: چوں کہ معرب اصل ہے اور مبنی فرع، اور اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے، اس وجہ سے معرب کو مبنی پر مقدم فرمایا۔

اسم معرب کی تعریف :- اسم معرب ایسا اسم ہے جس کا آخر عوائل کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ (بالفاظ دیگر معرب ایسا اسم ہے کہ اس کا آخر بدل جائے اس سبب سے جو اس پر داخل ہوتا ہے عوائل میں سے) جیسے جَاءَ نَبِيٌّ زَيْدٌ، رَأَيْتُ زَيْدًا، مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، اَوَّلٌ فِي جَاءَ نَبِيٌّ، ثَانِيٌ فِي رَأَيْتُ اور ثالث میں حرف جر با عامل ہے جس کی وجہ سے زید کا آخر بدل گیا ضمہ، فتح اور کسرہ کے ساتھ۔

سوال: یہاں ایک اور اشکال ہوتا ہے کہ اگر اسم کے آخر کے علاوہ دوسرے حرف کے اعراب میں تبدیلی پیدا ہو۔ (خواہ یہ تبدیلی وسط میں ہو یا ابتداء میں) اور یہ تبدیلی کسی عامل کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ یوں ہی ہو، اسی طرح وہ اسماء جن کے اخیر میں تغیر و تبدل ہو، لیکن وہ عامل کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ غیر عامل کی وجہ سے ہو تو کیا آپ اسے معرب کہہ سکتے ہیں۔

جواب: وہ اسماء جن کے آخر میں تغیر و تبدل نہ ہو بلکہ ابتداء یا وسط حرف میں تغیر ہو تو اسے معرب نہیں کہہ سکتے۔ جیسے فَلَسُّ اگر آپ اس کی تصغیر لائیں فَلَيْسُ، اور فَلَسُّ کی جمع مکسر لائیں أَفْلُسٌ وَفُلُوسٌ تو یہ معرب نہیں ہو سکتے، کیوں کہ معرب کی جو شرط ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

اسی طرح وہ اسماء جن کے اخیر میں تغیر ہو، لیکن وہ عامل کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ غیر عامل کی وجہ سے ہو تو وہ بھی معرب نہیں ہو سکتے جیسے جَلَسْتُ حَيْثُ جَلَسَ رَيْدٌ مِّنْ حَيْثُ کو ضمہ کے ساتھ اور حَيْثُ فتح کے ساتھ اور حَيْثُ کسرہ کے ساتھ پڑھنا درست ہے مگر یہ تین صورتیں کسی عامل کی وجہ سے نہیں ہیں، لہذا اس کو معرب نہیں کہا جاسکتا۔

مبنی کی تعریف :- مبنی وہ اسم ہے جو ہمیشہ کسی بھی ایک اعراب پر رہے، عوامل کے بدلنے سے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو جیسے ہوؤ لاء۔

بنی کے اقسام :- بنی کی چار قسمیں ہیں (۱) بنی علی الکسر (۲) بنی علی الفتح (۳) بنی علی الضم (۴) بنی علی السکون۔

مبنی علی النکسر کی تعریف :- اس سے مراد وہ اسم مبنی ہے جسکا آخری حرف ہر حال میں مکسور ہو۔

بنی علی الکسر کی قسمیں :- بنی علی الکسر کی دو قسمیں ہیں (۱) قسم متفق علیہ (۲) قسم مختلف فیہ۔

(۱) قسم متفق علیہ سے مراد وہ بنی ہے جس کا آخر تمام حالتوں میں مکسور ہو اور اس کے مکسور ہونے پر بھی کاتفاق ہو جیسے ھو لآء، تمام اہل عرب اسے بنی علی الکسر پڑھتے ہیں، کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔

(۲) قسم مختلف فیہ سے مراد وہ بنی ہے جس کے آخر کا مکسور ہونے میں اختلاف ہو، اور وہ حَذَام اور قَطَام ہے اور ان دونوں کے مثل جو فعال کے وزن پر آنے والے ہوں اعلام مؤنث میں سے، اسی طرح لفظ "آمِس" جب آپ وہ دن مراد لیں جو آج کے دن سے پہلے گذر چکا۔

باب حَذَام میں اختلاف :- لفظ حَذَام اور قَطَام کو بنی علی الکسر پڑھا جائے یا حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ، اور حالت نصب اور جر میں فتح کے ساتھ؟ تو اس بارے میں اہل حجاز اور بنو تمیم کے درمیان اختلاف ہے۔ اہل حجاز حَذَام اور قَطَام کو مطلقاً بنی علی الکسر پڑھتے ہیں جیسے جَاءَ ثَنِي حَذَام، وَرَأَيْتُ حَذَام، وَمَرَرْتُ بِحَذَام۔

نیز استشہاد کے طور پر شاعر کا قول پیش کیا ہے۔

فَلَوْلَا الْمُزْعَجَاتُ مِنَ اللَّيَالِي لَمَّا تَرَكَ الْقَطَاطِيْبَ الْمَنَامِ

إِذَا قَالَتْ حَذَام فَصَدَّقُوهَا فَإِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَتْ حَذَام

(ترجمہ: اگر رات کی بے قراریاں نہ ہوتیں تو قطن نامی پرندہ میٹھی نیند سونا نہ چھوڑتا۔ جب حَذَام کوئی بات کہے تو اس کی تصدیق کرو، کیوں کہ اصل بات وہی ہے جو حَذَام نے کہی۔)

شاعر کا نام :- ان دونوں اشعار کے کہنے والے کے اسماء میں اختلاف ہے، ایک قول کے اعتبار سے یہ دونوں اشعار لدیسم بن طارق کے ہیں جو زمانہ جاہلیت کے شعراء میں سے ایک نابغہ روزگار ہے۔ اور دوسرے قول کے اعتبار سے یہ نجیم بن صعب اور دحیفہ اور عجل کے اشعار ہیں۔ اور یہی زیادہ درست ہے جیسا کہ سبیل الہدیٰ تحقیق شرح قطر الندی ص ۱۴ پر "اللسان" کے حوالہ سے مرقوم ہے۔

حَذَام یہ شاعر کی بیوی کا نام ہے جس کی شان میں یہ اشعار کہے گئے ہیں۔

اس شعر میں محل استشہاد لفظ حَذَام ہے، مذکورہ اشعار میں شاعر نے لفظ حَذَام کو دو بار ذکر کیا ہے اور دونوں بار مکسور ہی ذکر کیا ہے، حالاں کہ قَالَتْ فعل کا فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے باوجودیکہ لفظ حَذَام مکسور ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ لفظ حَذَام بنی علی الکسر ہے اور یہ حجازیوں کی لغت ہے۔

دوسری جماعت بنو تمیم کی ہے کہ لفظ حَذَام کو بنی علی الکسر پڑھا جائے یا نہیں؟ تو خود بنو تمیم میں دو گروہ ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کو ہر حال میں معرب ہی پڑھا جائے حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصب اور جر میں فتح کے ساتھ، جیسے جَاءَ ثَنِي حَذَام، وَرَأَيْتُ حَذَام، وَمَرَرْتُ

بِحَذَام۔ اور بنو تمیم کے اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ جو اسم فعال کے وزن پر آئے اس میں ذرا تفصیل ہے کہ وہ اسم جس کے اخیر میں راء ہو تو بنی علی الکسر پڑھا جائے گا جیسے وَبَار (ایک قبیلہ کا نام ہے) اس کے اخیر میں راء ہے، اسی طرح حَضَار (ستارہ کا نام ہے) اس کے اخیر میں بھی راء ہے، اور سَفَار (ایک چشمہ کا نام ہے) اس کے اخیر میں بھی راء ہے، لہذا یہ تینوں مثالیں تینوں حالتوں میں بنی علی الکسر پڑھی جائیں گی، جس طرح اہل حجاز کے نزدیک پڑھی جاتی ہیں۔

اور وہ اسم مؤنث جو فعال کے وزن پر ہو اور اس کے اخیر میں راء نہ ہو تو اس کو غیر منصرف معرب پڑھا جائے گا، جیسے حَذَامُ اور قِطَامُ یعنی حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصب اور جر میں فتح کے ساتھ، جَاءَ تَنِي حَذَامُ، رَأَيْتُ حَذَامَ، مَرَرْتُ بِحَذَامَ۔

لفظ اُمس میں اختلاف:- لفظ اُمس (جب تو مراد لے اس دن کو جو تیرے آج کے دن سے پہلے ہے) میں اہل عرب کی تین لغتیں ہیں۔

پہلی لغت:- اہل حجاز کی ہے کہ ہر حال میں لفظ اُمس بنی علی الکسر ہوگا۔

جیسے مَضَى اُمس، (گذشتہ کل گذر گیا) وَاعْتَكَفْتُ اُمس (گذشتہ کل میں نے اعتکاف کیا) وَمَارَ اَيَّتَهُ مُذَامس۔ (اور گذشتہ کل سے میں نے اس کو نہیں دیکھا) (تینوں حالتوں میں کسرہ کیساتھ ہے۔) اہل حجاز نے استدلال میں شاعر کا قول بھی پیش کیا ہے۔

مَنْعَ الْبَقَاءِ تَقَلُّبُ الشَّمْسِ	وَطُلُوعُهَا مِنْ حَيْثُ لَا تُمْسِي
وَطُلُوعُهَا حَمْرَاءَ صَافِيَةٍ	وَعَرُوبُهَا صَفْرَاءَ كَالْوَرَسِ
الْيَوْمُ أَعْلَمُ مَا يَجِيءُ بِهِ	وَمَضَى بِفَصْلِ قَضَائِهِ اُمس۔

(ترجمہ:- سورج کی گردش اور اس کا اپنے مقام سے طلوع، جہاں اس کی شام نہیں ہوتی ہے چیزوں کے دوام کے لیے مانع ہو۔ اور اس کا طلوع ہونا صاف سرخ روشنی کے ساتھ اور اس کا غروب ہونا زرد روشنی کے ساتھ زعفران کی طرح۔ آج کا دن خود ان چیزوں سے بخوبی واقف ہے جن کو وہ لائے گا، اور کل کا دن اپنے واضح فیصلہ کے ساتھ چلا گیا۔)

شاعر کا نام:- یہ اشعار یا تو تاج بن اقرن نامی شاعر کے ہیں یا اسقف بن خزان کے۔

(بحوالہ سبیل الہدی تحقیق شرح قطر الندی ص ۱۵)

مذکورہ بالا اشعار میں لفظ اُمس کو مَضَى فعل کا فاعل ہونے کے باوجود بنی علی الکسر پڑھا گیا ہے۔ شعر میں محل استشہاد لفظ اُمس ہے جو مَضَى کا فاعل ہونے کے باوجود مکسور ہے، لہذا یہ بنی علی الکسر ہوگا۔ دوسری لغت:- قبیلہ بنو تمیم کی ہے، لیکن بنو تمیم میں دو جماعت ہے اور ان میں سے ہر ایک کی

رائے ایک دوسرے کے برخلاف ہے۔

قبیلہ بنو تمیم کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ "امس" کو ہر حال میں غیر منصرف کا اعراب دیا جائے گا یعنی حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصب و جر میں فتح کے ساتھ جیسے ماضی امس (گذشتہ کل گذر گیا) ضمہ کے ساتھ وَاَعْتَكَفْتُ اَمْسَ (گذشتہ کل میں نے اعتکاف کیا) اور مَا رَأَيْتُهُ مُنْذُ اَمْسَ (گذشتہ کل سے میں نے اس کو نہیں دیکھا) فتح کے ساتھ۔

اسی طرح شاعر کا قول:

لَقَدْ رَأَيْتُ عَجَبًا مُذْ اَمَسَا عَجَائِزًا مِثْلَ السَّعَالَى خَمَسَا
يَاكُلْنَ مَا فِي رَحْلِهِنَّ هَمَسَا لَا تَرَكَ اللَّهُ لَهِنَّ ضِرْسَا
وَلَا لَقَيْنَ السَّهْرَ اِلَّا تَعَسَا

(ترجمہ:- میں نے گذشتہ کل ایک عجیب چیز دیکھی یعنی چڑیل جیسی پانچ عورتیں۔ جو چپکے چپکے اپنے کجاوے کی چیزیں کھا رہی تھیں، اللہ ان کی کوئی داڑھ نہ چھوڑے۔ اور وہ زمانے سے نہ ملے مگر بد بخت ہو کر۔) یہ ابوزید نامی شاعر کے اشعار ہیں۔ (سبیل الہدی ص ۱۷۱)

ان اشعار میں محل استشہاد مُذْ اَمَسَا ہے کہ اَمَسَا پر حرف جر مُذْ داخل ہونے کے باوجود کسرہ کے بجائے فتح آیا ہے اور یہی غیر منصرف کا اعراب ہے۔

اور قبیلہ بنو تمیم کی دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ "امس" حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصب اور جر میں مبنی علی الکسر کی صورت میں پڑھا جائے گا۔

تیسری لغت:- تیسری لغت امام زجاج کے نزدیک بعض اہل عرب کی ہے، کہ بعض اہل عرب نے "امس" کو مبنی علی الفتح پڑھا ہے اور استدلال میں شعر پیش کیا ہے۔ مُذْ اَمَسَا کہ اَمَسَا پر حرف جر داخل ہونے کے باوجود کسرہ کے بجائے فتح آیا ہے اور یہی اس کے مبنی علی الفتح ہونے کی دلیل ہے۔

لیکن صاحب قطر الندی فرماتے ہیں کہ امام زجاجی کو غلط فہمی ہو گئی اور وہ سمجھ نہیں سکے ہیں، حالاں کہ درست اور اصل بات تو یہ ہے کہ لفظ "امس" معرب ہے اور غیر منصرف کا اعراب اس پر آتا ہے، جہاں تک شعر "مُذْ اَمَسَا" کی بات ہے تو اَمَسَا شعر میں فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل مستتر ہے تقدیری عبارت یوں ہے "مُذْ اَمَسَى الْمَسَاءُ"

مبنی کی دوسری قسم مبنی علی الفتح کی وضاحت:

اب تک آپ مبنی علی الکسر کی بحث ملاحظہ فرما رہے تھے، لیکن اب مبنی کی دوسری قسم مبنی علی الفتح کی

وضاحت ذہن نشین کیجیے۔

بنی علی الفتح کی تعریف:

بنی علی الفتح اس اسم بنی کو کہتے ہیں جس کا آخری حرف ہمیشہ مفتوح ہو جیسے أَحَدَ عَشَرَ اور اس کی نظیریں، مثلاً ثَلَاثَةَ عَشَرَ، أَرْبَعَةَ عَشَرَ وغیرہ۔

آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَ نَبِيٍّ أَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا، وَرَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا، وَمَرَرْتُ بِأَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا۔ تینوں حالتوں (یعنی حالت رفع، نصب اور جر) میں آخری حرف دونوں کلمے کا مفتوح ہے۔ اسی طرح اس کی نظیروں میں کہہ سکتے ہیں۔

سوال: لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، اشکال کی تقریر یہ ہے کہ آپ نے کہا جس طرح أَحَدَ عَشَرَ بنی علی الفتح ہوتا ہے، اسی طرح اس کی نظیریں بھی مثلاً ثَلَاثَةَ عَشَرَ، أَرْبَعَةَ عَشَرَ، خَمْسَةَ عَشَرَ، بنی علی الفتح ہوتا ہے، لیکن اِثْنَى عَشَرَ میں پہلا کلمہ معرب ہوتا ہے اور یہ حالت رفع میں الف کے ساتھ اور حالت نصب اور جر میں یاء کے ساتھ آتا ہے جیسے جَاءَ نَبِيٍّ اِثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، رَأَيْتُ اِثْنَى عَشَرَ رَجُلًا، وَمَرَرْتُ بِاِثْنَى عَشَرَ رَجُلًا؟ یہ بنی علی الفتح نہیں ہوتا ہے تو پھر مصنف علیہ الرحمۃ نے أَحَدَ عَشَرَ وَاِخْوَاتِهِ کی قید کیوں لگائی جب کہ اِخْوَاتِهِ میں اِثْنَا عَشَرَ بھی داخل ہے، حالاں کہ یہ معرب ہے، لہذا مصنف کو اِخْوَاتِهِ نہ کہہ کر کوئی دوسرا جملہ کہنا چاہیے تھا، تا کہ اشکال نہ ہوتا؟

جواب: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول ”واِخْوَاتِهِ“ کے مطلق رکھنے سے اِثْنَا عَشَرَ کو مستثنیٰ نہیں کیا، بلکہ اجمالاً ذکر کر دیا ہے، کیوں کہ آئندہ اسباق میں اِثْنَيْنِ اور اِثْنَتَيْنِ کی بحث چھیڑی جائے گی جہاں اس کی مفصل بحث ہوگی۔

بنی کی تیسری قسم بنی علی الضم کی وضاحت:

اب تک آپ بنی علی الفتح کی بحث ملاحظہ فرما رہے تھے، لیکن اب بنی کی تیسری قسم بنی علی الضم کی وضاحت ذہن نشین کیجیے۔

بنی علی الضم کی تعریف:

بنی علی الضم وہ اسم بنی ہے جس کا آخری حرف تینوں حالتوں میں مضموم ہو جیسے قَبْلُ اور بَعْدُ بشرطیکہ قَبْلُ اور بَعْدُ کا مضاف الیہ لفظوں میں مذکور نہ ہو، بلکہ پوشیدہ ہو اور اس کا معنی مراد لیا گیا ہو، قَبْلُ اور بَعْدُ ظروف زمانیہ مبنیہ سے ہے اور اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے، اس وجہ سے اس کو بنی علی الضم پڑھتے ہیں، اسی طرح قَبْلُ اور بَعْدُ کی نظیریں بھی بنی علی الضم ہوتی ہیں۔

قبل اور بعد کی چار صورتیں:

اعراب کے اعتبار سے قبل اور بعد کی چار حالتیں ہیں۔

پہلی حالت :- قبل اور بعد دونوں مضاف ہوں اور ان دونوں کا مضاف الیہ مذکور ہوں تو دونوں کو ظرفیت کی بناء پر نصب دیا جائے گا، یا حرف من کی وجہ سے جر دیا جائے گا ظرفیت کی مثال جِئْتُكَ قَبْلَ زَيْدٍ وَبَعْدَهُ۔ مثال مذکور میں قبل مضاف اور زید مضاف الیہ ہے، اسی طرح بعد مضاف اور ہ ضمیر مضاف الیہ ہے، لہذا ان دونوں کو ظرفیت کی بناء پر نصب دیا گیا ہے۔

حرف من کی مثال جِئْتُكَ مِنْ قَبْلِهِ وَمِنْ بَعْدِهِ مثال مذکور میں قبل مضاف اور ہ ضمیر مضاف الیہ، اسی طرح بعد مضاف اور ہ ضمیر مضاف الیہ ہے، لیکن قبل اور بعد کو من کی وجہ سے جر دیا گیا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ (جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم۔ پارہ ۲۲: سورۃ ق، آیت ۱۲) اور قَبَائِلَ حَدِيثِ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ (پھر کوئی بات کو اللہ اور اس کی باتوں کو چھوڑ کر مانیں گے۔ پارہ ۲۵، سورۃ الجاثیہ، آیت ۶) ان دونوں آیتوں میں ظرفیت کی بناء پر قبل اور بعد کو نصب دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ اَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (کیا پہنچی نہیں ان کو خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے۔ سورۃ التوبہ۔ پارہ ۱۰، آیت ۷۰) اور مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَى (بعد اس کے کہ ہم غارت کر چکے پہلی جماعتوں کو۔ پارہ ۲۰ سورۃ قصص، آیت ۴۳) ان دونوں آیتوں میں قبل اور بعد کو حرف من کی وجہ سے جر دیا گیا ہے۔

دوسری حالت :- قبل اور بعد کا مضاف الیہ محذوف ہو اور مضاف الیہ محذوف کے لفظ کے موجود ہونے کی نیت کی گئی ہو، تو ان دونوں کو مذکورہ اعراب دیا جائے گا۔ یعنی ظرفیت کی بناء پر نصب اور من کی وجہ سے کسرہ دیا جائے گا۔ اور اضافت کی نیت کی وجہ سے تنوین نہیں آئے گی، کیوں کہ مضاف پر تنوین نہیں آتی ہے، جیسا کہ شاعر نے اپنے شعر میں لفظ قبل کو ذکر کیا ہے۔

وَمِنْ قَبْلِ نَادَى كُلُّ مَوْلَى قَرَابَةً فَمَا عَطَفَتْ مَوْلَى عَلَيْهِ الْعَوَاطِفُ

(ترجمہ: اور اس سے پہلے ہر ایک رشتہ دار نے اپنے رشتہ دار کو پکارا، پس نہیں مہربانی کی اس پر مہربانی کرنے والوں نے۔) اس شعر کا قائل کون ہے بسیار تلاش کے باوجود پتہ نہیں چل سکا۔

شاعر نے قبل مضاف کو ذکر کیا ہے اور اس کا مضاف لفظ ذَالِكَ کو بنایا ہے جو کہ محذوف ہے، لیکن لفظ اس کے موجود ہونے کی نیت کی ہے۔ اصل عبارتوں کی ہے:

مِنْ قَبْلِ ذَالِكَ كُلُّ مَوْلَى قَرَابَةً فَمَا عَطَفَتْ مَوْلَى عَلَيْهِ الْعَوَاطِفُ

اسی طرح شعر مذکور میں لفظ "قبل" مسور ہے مِنْ حرف جر کی وجہ سے لیکن اس پر تنوین نہیں آئے گی اضافت کی نیت کی وجہ سے جیسا کہ امام محمد ری اور عقیلی نے "لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ" میں مِنْ کی وجہ سے مسور پڑھا ہے اور اضافت کی وجہ سے تنوین سے احتراز کیا ہے، اصل عبارت یوں ہوگی۔ "مِنْ قَبْلُ الْغَلْبِ وَمِنْ بَعْدِهِ"

تیسری حالت :- قَبْلُ اور بَعْدُ کی تیسری حالت یہ ہے کہ قبل اور بعد اضافت سے خالی ہو لفظی طور پر اور مضاف الیہ کی نیت و ارادہ نہ کیا گیا ہو (یعنی قطعاً نسبت اضافی سے خالی ہو) تو اس حالت میں بھی ان دونوں کو ظرفیت کی بناء پر نصب اور مِنْ کی وجہ سے جر دیا جائے گا، لیکن اس وقت ان دونوں پر تنوین آئے گی، کیوں کہ اضافت نہ لفظاً ہے اور نہ معنی، بلکہ نَسْبًا مَنَسِبًا ہے، اور جب یہ اضافت سے خالی ہیں تو اسماء نكرات کے حکم میں داخل ہوں گے اور اسمائے نكرات پر تنوین آتی ہے، لہذا ان دونوں پر بھی تنوین آئے گی، جیسے جِئْتُكَ قَبْلًا وَبَعْدًا۔ اس مثال میں قَبْلًا اور بَعْدًا دونوں اضافت سے خالی ہیں، لیکن ظرفیت کی بناء پر منصوب ہیں اور اضافت سے خالی ہونے کی بناء پر تنوین آئی ہے۔ اور مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ میں مِنْ کی وجہ سے جر آیا ہے اور اضافت سے خالی ہونے کی وجہ سے تنوین آئی ہے۔ اس کو شاعر کے قول سے بالتفصیل سمجھ لیجیے۔

شاعر کا قول :- فَسَاغَ لِيَ الشَّرَابُ وَكُنْتُ قَبْلًا أَكَادُ أَغْصَ بِالْمَاءِ الْفُرَاتِ (ترجمہ: میرے لیے پینا آسان ہو گیا، حالاں کہ پہلے مجھے پیٹھے پانی سے بھی پھندا لگ جایا کرتا تھا۔) ایک قول کے اعتبار سے یہ شعر عبد اللہ ابن عرب کا ہے، لیکن اصح قول یہ ہے کہ یہ یزید بن صعق کا شعر ہے۔ (سبیل الہدی ص ۲۱)

شعر میں محل استشہاد قَبْلًا ہے، جس کو شاعر نے اضافت سے خالی کر کے ذکر کیا ہے اور اسم نکرہ کے حکم میں ہونے کی وجہ سے تنوین آئی ہے اور ظرفیت کی وجہ سے اعراب نصب آیا ہے اور بعض لوگوں نے حرف جر کی وجہ سے اس کو کسرہ اور تنوین کیساتھ پڑھا ہے۔ جیسے لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ چوتھی حالت :- قَبْلُ اور بَعْدُ کی چوتھی حالت یہ ہے کہ دونوں مضاف ہوں اور ان دونوں کا مضاف الیہ محذوف ہوں اور مضاف الیہ محذوف کے معنی کی نیت کر لی گئی ہو (یعنی لفظاً محذوف ہو اور معنی موجود ہو) تو اس وقت یہ دونوں کے دونوں بنی علی الضم ہوں گے۔ جیسے قراء سبعہ کی قراءت لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ قراء سبعہ نے مِنْ قَبْلُ اور مِنْ بَعْدُ میں قَبْلُ اور بَعْدُ کو مضاف پڑھا ہے اور اس کے مضاف الیہ "ذَالِكَ" کو لفظاً محذوف اور معنی موجود مانا ہے، اسی لیے اس کو بنی علی الضم پڑھا ہے۔

واخواتهما فی لزوم الضم کی وضاحت:

اس عبارت کے ذریعہ مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح قَبْل اور بَعْد کی چار حالتیں ہوتی ہیں، اسی طرح ان دونوں کی نظیروں کی بھی چار حالتیں ہوں گی اور ان دونوں کی نظیر اسمائے جہات ستہ (یعنی فَوْق، تَحْتَ، قُدَام، خَلْف، اِمَام) اَوَّل اور ذَوْن ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے اپنے شعر میں اسی طرح استعمال فرمایا ہے۔ شاعر کا قول:

لَعُمْرُكَ مَا اَدْرِى وَاِنِّى لَا وُجَلُ عَلَى اَيْنَا تَعْدُو الْمَنِيَّةُ اَوَّلُ

(ترجمہ: تیری عمر کی قسم میں نہیں جانتا اور میں ڈر رہا ہوں اس بات سے کہ ہم میں سے پہلے کس کو موت آئے گی۔) یہ معن بن اوس کا شعر ہے، جو دیوان حماسہ لابی تمام ص ۷ جلد ۲ پر مرقوم ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد لفظ "اَوَّل" ہے جو کہ مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ "الآخر" محذوف ہے، لیکن معنی مراد لیا گیا ہے جس کی وجہ سے بنی علی الضم ہے، اس کی اصل عبارت یوں ہوگی۔

لَعُمْرُكَ مَا اَدْرِى وَاِنِّى لَا وُجَلُ عَلَى اَيْنَا تَعْدُو الْمَنِيَّةُ اَوَّلُ الْاٰخِرِ

شاعر کا قول: اِذَا اَنَا لَمْ اَوْمَنْ عَلَيْكَ وَلَمْ يَكُنْ لِقَاؤُكَ اِلَّا مِنْ وَرَاءُ وَرَاءُ (ترجمہ: اور جب میں آپ کی نظر میں قابل اطمینان نہیں، اور نہیں ملاقات ہوتی مگر دور ہی سے تو ایسی دوستی کس کام کی۔) بسیار تلاش کے باوجود شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ معذرت خواہ ہوں۔

اس شعر میں محل استشہاد لفظ "وَرَاءُ" ہے اور اس کے بعد لفظ "مِنْ وَرَاءُ" محذوف ہے۔ اصل عبارت "اِلَّا مِنْ وَرَاءُ مِنْ وَرَاءُ" ہے جو کہ بنی علی الضم ہے۔

اگر دونوں کا مضاف الیہ محذوف منوی نہ ہوتا تو پھر پہلے شعر میں لفظ "اَوَّل" ظرفیت کی بناء پر منصوب ہوتا اور دوسرے شعر میں لفظ "وَرَاءُ" مِنْ کی وجہ سے مجرور ہوتا۔

بنی کی چوتھی قسم بنی علی السكون کی وضاحت

اب تک آپ بنی علی الضم کی بحث ملاحظہ فرما رہے تھے، لیکن اب بنی کی چوتھی قسم بنی علی السكون کی وضاحت ذہن نشیں کیجیے۔

بنی علی السكون کی تعریف:

بنی علی السكون اس اسم بنی کو کہتے ہیں جس کا آخر تینوں حالتوں میں ساکن ہو۔ جیسے مَنْ اور كَمْ، آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَ نِى مَنْ قَامَ، (میرے پاس وہ شخص آیا جو کھڑا ہے) وَرَأَيْتُ مَنْ قَامَ، (میں نے دیکھا اس شخص کو جو کھڑا ہے) وَمَرَرْتُ بِمَنْ قَامَ۔ (اور میں ایسے شخص کے ساتھ گزرا جو کھڑا ہے) پہلی مثال

میں لفظ "مَنْ" اسم فاعل ہے جَاءَ نِی فعل کا جو کہ حالت رفع میں ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے۔ دوسری مثال میں لفظ "مَنْ" اسم مفعول ہے رَأَيْتُ فعل کا جس کے بعد یہ واقع ہے، لہذا مفعولیت کی بناء پر حالت نصب میں ہے۔ اور تیسری مثال میں "مَنْ" باء حرف جر کی وجہ سے حالت جر میں ہے، لیکن لفظاً "مَنْ" تینوں حالتوں میں ساکن ہے جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے۔

یہی تقریر کَمْ مَالُکَ، کَمْ عَبْدًا مَلِکْتُ اور بِکُمْ دِرْہَمٍ اِشْتَرِیتُ جیسی مثالوں میں ہے۔ کہ پہلی مثال میں کم حالت رفع میں، دوسری مثال میں حالت نصب میں اور تیسری مثال میں حالت جر میں ہے، لیکن لفظاً تینوں حالتوں میں ساکن ہے۔

وہو اصل البناء کی توضیح:

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے وہو اصل البناء کہہ کر ایک پیدا ہونے والے وہم کو دور کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں نے بنی علی السکون کو بیان کرنے میں تاخیر کردی اور سب سے اخیر میں بیان کیا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید یہ بنی اصل نہیں بلکہ خلاف الاصل ہے، لہذا میں نے وہو اصل البناء کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا کہ یہ بھی اصل بناء ہے، ایسا نہیں جیسا کہ آپ کو وہم ہو سکتا ہے۔

وَأَمَّا الْفِعْلُ فَثَلَاثَةُ أَقْسَامٍ — "مَاضٍ" وَيُعْرَبُ بِتَاءِ التَّأْنِيثِ السَّائِكَةِ، وَبِنَاءِ هُ عَلَى الْفَتْحِ، كَخَرَبَ إِلَّا مَعَ وَآوِ الْجَمَاعَةِ. فَيُضَمُّ كَخَرَبُوا، أَوِ الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَحَرِّكِ، فَيَسْكُنُ كَخَرَبْتُ، وَمِنْهُ: (نِعَمَ، وَبِئْسَ، وَعَسَى، وَلَيْسَ) فِي الْأَصَحِّ.

ترجمہ: — اور بہر حال فعل کی تین قسمیں ہیں۔ ماضی — اور وہ تاء تانیث ساکنہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اس کی بناء فتح پر ہے جیسے خَرَبَ، مگر جمع کے واؤ کے ساتھ تو وہ ضمہ دیا جائے گا جیسے خَرَبُوا۔ یا ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ ہو تو اس کو سکون دیا جائے گا، جیسے خَرَبْتُ اور اسی (یعنی ماضی) میں سے نِعَمَ، بِئْسَ، عَسَى، اور لَيْسَ ہے صحیح تر قول کے مطابق۔

وضاحت: — جب مصنف رحمۃ اللہ علامات اسم، اقسام اسم معرب و بنی، پھر بنی کے اقسام بنی علی الفتح، بنی علی الضم، بنی علی الکسر اور بنی علی السکون کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے فعل کی بحث کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا:

فعل کی تعریف:

فعل وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہو اور تینوں زمانوں میں سے کوئی

زمانہ اس میں پایا جاتا ہو جیسے ضرب (اس ایک مرد نے مارا) اس میں زمانہ ماضی ہے۔ اور یضرب (وہ مارتا ہے یا مارے گا زمانہ موجودہ یا آئندہ میں) اس میں حال اور استقبال دونوں پائے جاتے ہیں۔
فعل کی قسمیں: فعل کی تین قسمیں ہیں، ماضی، امر، مضارع۔

اشکال: اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فعل کی تین ہی قسمیں کیوں ہیں، کوئی چوتھی قسم کیوں نہیں ہے؟
جواب: تو اس کا جواب یہ ہے۔ کیوں کہ فعل دو حال سے خالی نہیں، یا تو اخباری ہے یا انشائی، ثانی امر ہے۔ اور اول دو حال سے خالی نہیں، یا تو اس کے اول میں حروف آتین میں سے کوئی حرف ہے یا نہیں۔ اول مضارع ہے، اور ثانی ماضی۔

ماض کی وجہ تقدیم:

یعنی اقسام ثلاثہ میں سے پہلی تقسیم ماضی ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماضی کو مضارع اور امر پر کیوں مقدم کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ماضی اصل ہے اور مضارع فرع، اور اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے، یا اس وجہ سے مقدم کیا کہ ماضی کا زمانہ مضارع کے زمان سے قبل ہوتا ہے۔

فعل ماضی کی تعریف:

ماضی وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا زمانہ گذشتہ میں ہونا سمجھا جائے۔ جیسے نصر۔

فعل ماضی کی علامت:

اقسام فعل تین ہیں ماضی، مضارع، امر، ان میں سے ہر ایک کی ایسی علامتیں ہیں جو اس فعل کی نشاندہی کرتی ہیں۔ چنانچہ ماضی کی علامت تاء تانیث ساکنہ کو قبول کرنا ہے جیسے قَامَ سے قَامَتْ، قَعَدَ سے قَعَدَتْ اور اگر تاء تانیث ساکنہ کو قبول نہ کرے تو وہ فعل ماضی نہ ہوگا وَیَعْرِفُ بِتَاءِ التَّانِيثِ النَّسَاكِنَةُ سے اسی کو ذکر کیا ہے۔

فعل ماضی کا حکم:

فعل ماضی کا حکم یہ ہے کہ وہ اصل میں مبنی بر فتح ہوتا ہے جسے قَامَتْ، قَامَ، قَعَدَ، قَعَدَتْ، بشرطیکہ اس میں جمع کا واؤ اور ضمیر مرفوع متحرک نہ ہو۔

فعل ماضی کے مبنی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں معانی مختلفہ مثل فاعلیت اور مفعولیّت اور اضافت کے عارض نہیں ہوتے، لہذا ماضی میں بناء اصل ہے۔ اور فتح پر مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فتح اخف الحركات ہے۔

اشکال: لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فعل ماضی کو مبنی برفتح ہونے کی یہ شرطیں کہ وہ ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ جمع سے خالی ہو، ایسا کیوں؟

جواب: چوں کہ فعل ماضی مرفوع متحرک کے ساتھ ملتبس ہونے کے وقت مبنی بر سکون ہوتا ہے، اس لیے کہ ضمیر فاعل بمنزلہ جزء فعل ہے، اگر آخر فعل کو ساکن نہ کیا جائے تو اس میں جو کلمہ واحد کے درجہ میں ہے تو الی اربعہ حرکات لازم آئے گی، اور وہ ناجائز ہے۔ اسی طرح فعل کے ساتھ جب واؤ جمع ہو تو مناسبت واؤ کی وجہ سے وہ مبنی علی الضم ہوگا جیسے نَصَرُوا وغیرہ۔

فعل ماضی کا اعراب:

فعل ماضی پر تینوں اعراب آتے ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا مذکور ہوا، یعنی کبھی تو مبنی برفتح ہوتا ہے جیسے قَامَتْ، قَعَدَتْ وغیرہ۔ کبھی ضمہ ہوتا ہے، جب کہ اس کے آخر میں واؤ جمع ہو، کبھی سکون ہوتا ہے جیسے قُمْتُ، قُمْنَا، قُمْتُمْ وغیرہ۔

نِعَمَ، بئسَ عَسَى، لیس کی وضاحت

یہ چاروں کلمے مختلف فیہ ہیں۔ بعض لوگوں نے اسم پڑھا ہے، اور بعض لوگوں نے حرف، اور بعض لوگوں نے فعل ماضی پڑھا ہے، اس لیے ان چاروں کو مختلف فیہ افعال ماضیہ کہا جاتا ہے۔ اختلاف اقوال کے ساتھ ساتھ صحیح تحقیق مندرجہ ذیل تحریر کی گئی ہے۔

نِعَمَ اور بئسَ :- امام فراء اور ان کے ہمنواؤں میں سے کوفیوں کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ دونوں اسم ہیں۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں پر حرف جرد داخل ہوتا ہے، اور حرف جر کا داخل ہونا اسم کے خواص میں سے ہے۔ معلوم ہوا کہ نعم اور بئس دونوں اسم ہیں۔ جیسے وَقَدْ بُشِّرَ بِبَنَاتٍ وَاللَّهُ مَا هِيَ بِنِعْمِ الْوَلَدُ (اور تحقیق کہ لڑکی کی خوشخبری سنائی گئی تو کہا خدا کی قسم لڑکا کیا ہی بہتر ہے) میں نِعَمَ پر باء حرف جرد داخل ہے۔ اسی طرح وَقَدْ سَارَ إِلَى مَحْبُوبَتِهِ عَلَى حِمَارٍ بَطِيءٍ السَّيْرِ۔ نِعَمَ السَّيْرِ عَلَى بئسَ الْعَيْرِ۔ (اور تحقیق کہ وہ سُست رفتار گدھے پر سوار ہو کر اپنی محبوبہ کی طرف چلا۔ اور کہا پیدل چلنا کیا ہی بہتر ہے بُرے اونٹ پر سفر کرنے سے) میں بئسَ پر حرف جرد داخل ہے۔

لیس: حلیات میں یہ منقول ہے کہ امام فارسی کے نزدیک "لیس" حرف نفی ہے جو ماء نافیہ کے درجہ میں ہے، اور ابو بکر بن شقیر کی بھی یہی رائے ہے۔

امام فارسی سے مراد: عبداللہ بن جعفر معروف بہ ابن درستیہ فارسی متوفی ۳۴۲ھ مشہور نحاة میں سے ہیں، نحو میں ان کی کتاب "الارشاد" بہت عمدہ کتاب مانی جاتی ہے۔

عسی: کحاة کوفہ کا کہنا ہے کہ عسی حرف ترحی ہے جو کہ لعل کے درجہ میں ہے۔ اور یہی ابن السراج کا مذہب ہے۔

صحیح قول:

لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ چاروں کلمے افعال ماضیہ میں سے ہیں، کیوں کہ یہ چاروں افعال تاء تانیث ساکنہ کو قبول کرتے ہیں اور ان میں تاء تانیث ساکنہ آتی ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهَا وَنِعَمْتُ، وَمَنْ اغْتَسَلَ فَأَلْغُسَلُ أَفْضَلُ (جس نے جمعہ کے دن وضوء کیا اس نے بھلا کام کیا اور جس نے غسل کیا اس نے افضلیت کو اپنایا۔)

اس مثال میں نِعَمْتُ کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ لگی ہوئی ہے اور یہ فعل ماضی کی علامت ہے۔ بِئْسَ کی مثال جیسے بِئْسَتِ الْمَرْأَةُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لکڑی اٹھانے والی عورت بُری عورت ہے) اس میں بِئْسَ کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ ملی ہوئی ہے اور یہ تاء تانیث ساکنہ فعل ماضی کے ساتھ آتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل ماضی ہے۔

لیس کی مثال: جیسے وَلَيْسَتْ هُنْدٌ مُفْلِحَةً (اور ہندہ کامیاب نہیں ہوئی) اس مثال میں لَيْسَتْ کے ساتھ تاء تانیث ملی ہوئی ہے جو کہ فعل ماضی کی علامت ہے۔ عَسَى کی مثال: جیسے عَسَتْ هُنْدٌ أَنْ تَزُورَنَا (ہندہ کو امید ہے کہ وہ ہماری زیارت کرے گی) اس میں عَسَى کے ساتھ تاء تانیث لگی ہوئی ہے اور یہ فعل ماضی کی علامت ہے۔

وجوہ ترجیحات:

عسی، لیس، نعم اور بیس میں جو ائمہ نحو کا اختلاف ہے، اسے آپ نے ذہن نشیں فرمالیا، اور صاحب کتاب کے نزدیک جو پسندیدہ رائے ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمالیا، لیکن مخالفین کے قول کا جواب کیا ہوگا، اور وجوہ ترجیحات کیا ہیں اسے سمجھے۔

کوفیوں کا یہ کہنا کہ نعم اور بیس اسم ہے، اس لیے کہ ان دونوں پر حرف جرد داخل ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں، کیوں کہ جہاں حرف جرد داخل ہے وہاں موصوف و صفت کے حذف پر تاویل کی گئی ہے۔ اور صفت کے معمول کو موصوف کی جگہ میں قائم مقام کر دیا ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "ما ہی بولد مقول فیہ نعم الولد۔ ونعم السیر علی غیر مقول فیہ بیس العیر۔ پس حرف جر حقیقت میں اسم ولد پر داخل ہے جو کہ محذوف ہے، اسی طرح شعر کے ذریعہ وضاحت ہو رہی ہے۔ شاعر کا قول:

وَاللَّهِ مَا لَيْلِي بِنَامٍ صَاحِبُهُ وَلَا مُخَالِطُ اللَّيَّانِ جَانِبُهُ

(ترجمہ: قسم اللہ کی! نہیں ہے میری رات اس رات جیسی جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس رات کا صاحب سو گیا، اور نرمی سے اس کا پہلو ملا ہوا نہیں ہے۔) اس شعر کا قائل نامعلوم شخص ہے۔
اس شعر میں محل استشہاد بنام ہے، اس کی اصل عبارت واللہ ما بلیل مقول فیہ نام صاحبہ ہے۔

”وَأَمْرٌ وَيُعَرَّفُ بِدَلَالَتِهِ عَلَى الطَّلَبِ، مَعَ قَبُولِهِ يَاءَ الْمُخَاطَبَةِ وَبِنَاءِ هَاءٍ عَلَى السُّكُونِ كِاضْرِبٍ، إِلَّا الْمُعْتَلَّ فَعَلَى حَذْفِ آخِرِهِ. كَأَغْزُ وَأَخْشَ، وَارِمٍ. وَنَحْوَ قَوْمًا، وَقَوْمُوا، وَقَوْمِي، فَعَلَى حَذْفِ النُّونِ وَمِنْهُ (هَلُمَّ) فِي لُغَةِ تَمِيمٍ، وَ (هَاتِ) وَ (تَعَالِ) فِي الْأَصَحِّ.

ترجمہ: - اور امر۔ اور وہ طلب پر دلالت کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ واحد مؤنث حاضر کی یاء کو قبول کرنے کے ساتھ، اور وہ مبنی بر سکون ہوتا ہے، جیسے اضرب، مگر حرف علت اس کے آخر سے حذف کرنے کی صورت میں نہیں جیسے اغز، اور اخش اور ارم، قومًا اور قوموا، اور قومی نون کے حذف کرنے کے ساتھ اور اسی میں هَلُمَّ ہے بنو تميم کی لغت میں۔ اور هَاتِ اور تعال امر ہے صحیح مذہب کے مطابق۔

وضاحت: - اب تک مصنف علیہ الرحمۃ فعل ماضی کی تعریف، علامت، حکم اور مختلف فیہ افعال ماضی کے متعلق بحث کر رہے تھے، لیکن فراغت کے بعد اب یہاں سے فعل امر کی تعریف، علامت اور متعلقہ ابحاث کو بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ فعل کی تین قسمیں ہیں جس میں دوسری قسم امر ہے۔

اشکال: لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ فعل امر کو فعل مضارع پر مقدم کیوں کیا جب کہ دیگر نحویین نے مضارع کو امر پر مقدم کیا ہے، آخر کیوں؟

جواب: چون کہ فعل امر میں زمانہ حال پایا جاتا ہے، اور مضارع میں حال اور استقبال دونوں پائے جاتے ہیں، لہذا مصنف نے اس استقبال کا لحاظ کرتے ہوئے حال کے لیے امر کو مقدم کر دیا، کیوں کہ امر میں زمانہ حال پایا جاتا ہے۔

فعل امر کی تعریف:

امر وہ فعل ہے جس میں کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے جیسے افعل (تو کر) اضرب (تو مار) وغیرہ۔

فعل امر کی علامتیں:

يُفَرِّقُ بِدَلَالَتِهِ عَلَى الطَّلَبِ سے فعل امر کی علامتیں ذکر کی گئی ہیں، مصنف نے جس طرح فعل ماضی کی علامت ذکر کی ہیں، اسی طرح فعل امر کی بھی کچھ علامتیں تحریر فرمائی ہیں، تاکہ فعل ماضی کی طرح فعل امر کی نشاندہی ہو جائے۔

فعل امر کی علامت دو چیزوں کا مجموعہ ہے جن میں سے ہر ایک کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) طلب کے معنی کو بتلانا۔ (۲) واحد مؤنث حاضر کی یاء کو قبول کرنا۔

جیسے "قُمْ" یہ طلب قیام پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ یاء مخاطبہ کو قبول کرتا ہے، کیوں کہ جب کسی عورت کو قیام کا حکم دیا جائے گا تو "قُومِي" کہا جائے گا، اسی طرح اقْعُدْ، واقْعُدِي، اور اِذْهَبْ، واِذْهَبِي کہا جائے گا، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَكُلِي واشْرَبِي وَقَرِّي غَيْنًا۔ (پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ پارہ ۱۶: سورۃ مریم، آیت ۲۶) اس آیت کریمہ میں فَكُلِي واشْرَبِي اور قَرِّي تینوں فعل امر ہیں۔ اور بیک وقت دونوں علامتیں موجود ہیں۔ طلب امر کا معنی بھی اور واحد مؤنث حاضر کی یاء بھی۔

اگر ان دونوں علامتوں میں سے صرف ایک پائی جائے اور دوسری نہ پائی جائے تو اسے فعل امر نہیں کہا جائے گا۔ مثال کے طور پر کسی کلمہ میں طلب کا معنی تو پایا جائے مگر وہ کلمہ واحد مؤنث حاضر کی یاء کو قبول نہ کرے جیسے "هَبْ" اسکت کے معنی میں تو یہ فعل امر نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کسی کلمہ میں واحد مؤنث حاضر کی یاء تو ہو لیکن طلب فعل کے معنی نہ ہو تو اسے بھی فعل امر نہیں کہا جائے گا جیسے اَنْتِ يا هَنْدُ تَقُومِيْنَ وَتَاْكُلِيْنَ ان دونوں فعل میں واحد مؤنث حاضر کی یاء تو ہے، لیکن طلب کے معنی مفقود ہے، لہذا یہ فعل امر نہیں ہوگا، کیوں کہ فعل امر کے لیے بیک وقت جن دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہیں وہ مفقود ہے۔

فعل امر کا حکم:

بناءً عَلَى السَّكُونِ سے مصنف علیہ الرحمۃ فعل امر کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔ فعل امر کا حکم یہ ہے کہ وہ بنی علی السکون ہوتا ہے اصل میں۔ جیسے اِضْرِبْ، اور اِذْهَبْ، اگر اس کے آخر میں کوئی حرف علت ہو تو حرف علت کے حذف پر مبنی ہوگا جیسے "اغْزُ" اصل میں اغْزَوْ تھو واؤ کے ساتھ، لہذا واؤ حرف علت کو آخر سے حذف کر دیا، اور آخری حرف کے حذف پر مبنی ہوا۔ اسی طرح "اِخْشَ" اصل میں اِخْشٰی تھو، اخیر سے یاء حرف علت کو حذف کر دیا اور مبنی ہو گیا، اسی طرح "اِزْمِ" اصل میں اِزْمٰی تھو، اخیر سے یاء حرف علت کو حذف کیا اِزْمِ ہو گیا، لہذا اخیر حرف کے حذف پر مبنی ہو گیا۔ اور کبھی کبھی

نون کے حذف پر مبنی ہوتا ہے، جب کہ تشنیہ کا الف قائم مقام ہونے والا ہو جیسے قَوْمًا۔ یا داؤ جمع سہارا دینے والا ہو جیسے قَوْمُوا، یا یا مخاطبہ سہارا دینے والی ہو جیسے قَوْمِي۔

کلمات مختلف فیہ کی بحث:

وَمِنْهُ هَلَمْ فِي لُغَةِ بَنُو تَمِيمٍ الْخ یہاں سے وہ کلمات ذکر کیے جا رہے ہیں، جن میں اختلاف ہے کہ آیا وہ اسم ہے یا فعل؟ اور یہ کُل تین کلمات ہیں۔ هَلَمْ، هَاتِ اور تَعَال۔

هَلَمْ کی تحقیق:

یہ اسم ہے یا فعل؟ اس سلسلے میں اہل عرب کی دو جماعت ہے، ایک اہل حجاز اور دوسری بنو تميم کی۔ اہل حجاز کا کہنا ہے کہ هَلَمْ اسم فعل ہے، کیوں کہ اس میں فعل امر کی علامت نہیں پائی جاتی، فعل امر کی علامت دو چیزوں کا مجموعہ ہے طلب امر کا معنی بتلانا اور یا مخاطبہ کو قبول کرنا۔ اس میں صرف طلب فعل کا معنی ہے، لیکن یا مخاطبہ کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں، کیوں کہ یہ ایک ہی حالت میں برقرار رہتا ہے اس کی گردان نہیں آتی ہے۔ جیسے هَلَمْ يَا زَيْدُ، هَلَمْ يَا زَيْدَانِ، هَلَمْ يَا زَيْدُونَ، هَلَمْ يَا هِنْدُ، هَلَمْ يَا هِنْدَانِ، هَلَمْ يَا هِنْدَاتِ۔ یہاں واحد، تشنیہ، جمع مذکر اور مؤنث ہر ایک کی مثال پیش کی گئی ہے، لیکن تمام صورتوں میں هَلَمْ واحد کا ہی صیغہ آیا ہے یا مخاطبہ کو بالکل ہی قبول نہیں کیا ہے اور یا مخاطبہ کو قبول کرنا فعل امر کی علامت ہے، جب یہ شرط مفقود ہو رہی ہے تو یہ فعل امر نہ ہوگا۔

قرآن کریم کی آیت بھی اس پر شہادت دے رہی ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَالْقَائِلِينَ لِاخْوَانِهِمْ هَلَمْ إِلَيْنَا" (اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس۔ پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب، آیت ۱۸) اور "قُلْ هَلَمْ شَهِدْ آؤْكُمْ" (تو کہہ کہ لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں، پارہ ۸، سورۃ الانعام آیت ۱۵۰) دونوں آیتوں میں هَلَمْ کو جمع کے صیغہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن هَلَمْ واحد ہی آیا ہے، لہذا یہ اسم ہے فعل نہیں۔

بنو تميم کا کہنا ہے کہ یہ فعل امر ہے، اسم نہیں۔ اس لیے کہ اس میں فعل امر کی دونوں علامتیں پائی جاتی ہیں۔ طلب فعل کا معنی بھی اور واحد مؤنث حاضر کی یا بھی، کیوں کہ اس میں اس کی ضمیر بارز مرفوع ملی ہوئی ہے، جس کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے، چنانچہ تم واحد کے لیے هَلَمْ، تشنیہ کے لیے هَلُمَّ، جمع کے لیے هَلُمُّوا اور واحد مؤنث کے لیے هَلُمِّي کہو گے۔ اس میں یائے مخاطبہ موجود ہے، لہذا یہ فعل امر ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری کی وہ حدیث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفا میں ارشاد فرمایا "هَلُمُّوا لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ" میں بھی هَلُمُّوا جمع کا صیغہ ہے۔

ہات اور تعالٰی کی تحقیق:

ہات اور تعالٰی دونوں میں اختلاف ہے۔ نحویوں کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ دونوں اسماء افعال میں سے ہیں۔ اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ یہ دونوں فعل امر ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جماعت کی تائید کرتے ہوئے ”فی الأصح“ کہہ کر یہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں فعل امر ہے اور یہی درست بات ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں طلب فعل پر دلالت کرتے ہیں اور ان دونوں کے اخیر میں یاء مخاطبہ بھی لاحق ہوتی ہے جیسے ہاتّی، تعالٰی۔

نوٹ:- ایک بات ذہن نشیں کر لو کہ ہات کو تمام حالتوں میں خواہ مذکر ہو یا مؤنث، واحد ہو یا تشنیہ، یا جمع، کسرہ دیا جاتا ہے جیسے ہات یا زید، وہاتّی یا ہند، وہاتّیا یا زیدان، وہاتّیا یا ہندان، اور ہاتین یا ہندات، ہاں صرف جمع مذکر کی حالت میں ضمہ دیا جائے گا، جیسے ہاتّوا یا قوم۔ اسی طرح اس کی شہادت قرآن کریم سے دی جا رہی ہے جیسے قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ (آپ کہہ دیجیے لے آؤ سند اپنی۔ پارہ ۱، آیت ۱۱۱، رکوع ۱۳) اس آیت کریمہ میں لفظ ”ہاتّوا“ جمع مذکر کا صیغہ ہے اور ضمہ کی حالت میں ہے۔

نوٹ:- لفظ ”تعالٰی“ کا آخر تمام حالتوں میں مفتوح ہوگا (خواہ واحد ہو یا تشنیہ، یا جمع، مذکر ہو یا مؤنث) جیسے تعالٰی یا زید، تعالٰی یا ہند، تعالٰیا یا زیدان، تعالّوا یا زیدون۔ اور تعالّین یا ہندان۔ اسی طرح باری تعالٰی کا قول ”قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ“ (آپ کہہ دیجیے تم آؤ۔ پارہ ۸، سورۃ الانعام آیت ۱۵۱) اور ”فَتَعَالَيْنِ أُمْتَعُنْ“ (تم آؤ کچھ فائدہ پہنچادوں۔ پارہ ۲۱، سورۃ الاحزاب آیت ۲۸) ان تمام مثالوں میں لفظ تعالٰی کا آخر مفتوح استعمال کیا گیا ہے، لیکن ضرورت شعری کی بناء پر کبھی کبھی فتح کو کسرہ سے بدل کر پڑھا جاتا ہے جیسے شاعر کا قول ”تعالٰی اَقَاسِمُکِ الْهُمُومِ تعالٰی“ (آ جا اپنے غموں میں تیرا بھی حصہ لگا دوں آ جا) میں لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ ابو فراس حمدانی کا شعر ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے۔

أَيَا جَارَتَا مَا أَنْصَفَ الدَّهْرُ بَيْنَنَا تعالٰی اَقَاسِمُکِ الْهُمُومِ تعالٰی

”وَمُضَارِعٌ“ وَيُعْرَفُ بِلَمْ، وَافْتِتَاحِهِ بِحَرْفٍ مِنْ حُرُوفٍ (نَائِيَتْ) نَحْوُ (نَقُومُ، وَأَقُومُ، وَيَقُومُ، وَتَقُومُ) وَيُضَمُّ أَوَّلُهُ إِنْ كَانَ مَاضِيَهُ رُبَاعِيًّا. (كَيْدَحْرِجُ، وَيُكْرِمُ) وَيُفْتَحُ فِي غَيْرِهِ (كَيْضَرْبُ، وَيَجْتَمِعُ، وَيَسْتَخْرِجُ) وَيَسْكُنُ آخِرُهُ مَعَ نُونِ النِّسْوَةِ. نَحْوُ

(يَتَرَبَّصْنَ، وَلَا أَنْ يَعْفُونَ) وَيُفْتَحُ مَعَ نُونِ التَّكْيِيدِ الْمُبَاشِرَةِ
لَفْظًا وَتَقْدِيرًا، نَحْوُ (لَيُنْبَذَنَّ) وَيُعْرَبُ فِيمَا عَدَا ذَلِكَ، نَحْوُ: يَقُومُ
زَيْدٌ (وَلَا تَتَّبِعَانِ، لَتَبْلُوَنَّ، فِيمَا تَرَيْنِ، وَلَا يَصُدَّنَّ).

ترجمہ: -- (اور مضارع) اور وہ دخول لم کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے، اور اس کے شروع میں
حروف نائیت میں سے کوئی حرف ہو۔ جیسے نقوم، اقوم، يقوم اور تقوم اور مضارع کا پہلا حرف
مضموم ہوگا، اگر اس کے ماضی میں چار حرف ہو، جیسے يَدْخُرْجُ، اور يُكْرِمُ۔ اور اس کے علاوہ میں
علامت مضارع مفتوح ہوگی، جیسے يَضْرِبُ، يَجْتَمِعُ اور يَسْتَخْرِجُ۔ اور مضارع کا آخر ساکن ہوگا
جمع مونث کے نون کے ساتھ، جیسے يَتَرَبَّصْنَ اور إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ اور نون تاکید ثقیلہ وخفیفہ کے
اتصال کے ساتھ مضارع کا آخر فتح دیا جائے گا خواہ یہ لفظاً ہو یا تقدیراً، جیسے لَيُنْبَذَنَّ۔ اور اس کے علاوہ
میں وہ معرب ہوتا ہے جیسے يَقُومُ زَيْدٌ۔ وَلَا تَتَّبِعَانِ، لَتَبْلُوَنَّ، فِيمَا تَرَيْنِ، وَلَا يَصُدَّنَّ۔
وضاحت: -- جب مصنف ابجاث امر کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے
مضارع کی تحقیقات پیش فرما رہے ہیں۔

لفظ مضارع کی تحقیق:

مضارع اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی مشابہت رکھنے والے کے ہیں۔ مضارع کو مضارع
اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اسم کے ساتھ حال اور استقبال میں مشترک ہونے اور سین و سوف کے ساتھ خاص
ہونے میں مشابہت رکھتا ہے، گویا دونوں شبیہوں نے ایک ہی فرع سے دودھ پیا ہے۔

فعل مضارع کی تعریف:

مضارع وہ فعل ہے جو حروف نائیت میں سے کسی ایک حرف کے ساتھ ملتبس ہو کر اسم کے
ساتھ حال اور استقبال میں مشترک ہونے اور سین و سوف کے ساتھ خاص ہونے میں مشابہت رکھے۔

فعل مضارع کی علامتیں:

وَيُعْرِفُ بَلَمْ سے مصنف فعل مضارع کی علامت بیان فرما رہے ہیں، فعل مضارع کی علامت
یہ ہے کہ وہ دخول لم کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے لَمْ يَلِدْ (نہ وہ جنا) وَلَمْ يُولَدْ (اور نہ وہ جنا گیا) وَلَمْ
يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے) ان تینوں مثالوں میں لَمْ فعل مضارع کے شروع
میں آیا ہے اور یہی اس کی علامت ہے۔

وَأَفْتَتَاجُهُ بِحَرْفٍ مِنْ حُرُوفٍ نَائِيَتْ: حروف نَائِيَتْ میں سے کسی ایک حرف کے ذریعہ فعل مضارع کا شروع ہونا ضروری ہے جیسے قَامَ سے يَقُومُ۔ ان حروف کو علامت مضارع اور حروف مضارع کہتے ہیں یہ کل چار ہیں۔ الف، تاء، ياء، نون۔

الف حرف ایک صیغہ واحد مذکر و مؤنث متکلم کے شروع میں آتا ہے جیسے أَقُومُ۔
تاء آٹھ صیغوں میں یعنی تین مذکر حاضر، تین مؤنث حاضر، دو مؤنث غائب، جیسے تَقُومُ۔
ياء مذکر غائب کے تین صیغوں اور جمع مؤنث غائب میں جیسے يَقُومُ وغیرہ۔
اور نون تثنیہ و جمع مذکر و مؤنث و متکلم کے شروع میں لگا دو۔ جیسے نَقُومُ۔

باعتبار اعراب کے فعل مضارع کا حکم:

وَيُضَمُّ أَوَّلُهُ إِنْ كَانَ مَاضِيَهُ رُبَاعِيًّا الْخ یہاں مصنف نے باعتبار اعراب کے فعل مضارع کے حروف اربعہ (الف، تاء، ياء اور نون) کا ایک اصول اور ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ان حروف اربعہ کو کس حالت میں کونسا اعراب دیا ہے؟ تو آپ اسے ایک مقدمہ سے سمجھئے کہ مضارع کے دو حکم ہیں۔ ایک حکم تو مضارع کے ابتدائے حرف کے اعتبار سے ہے اور دوسرا حکم انتہائے حرف کے اعتبار سے ہے۔ ابتدائے حرف کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ فعل مضارع کا پہلا حرف مضموم ہوگا بشرطیکہ وہ مضارع فعل ماضی رباعی سے بنا ہو اور مراد رباعی ماضی سے وہ ہے جس میں چار حروف ہوں عام ازیں وہ چاروں اصلیہ ہوں جیسے دَخَرَاجُ يَدْخُرُجُ۔ یا کچھ اصلی ہو اور کچھ زائد جیسے أَكْرَمَ يَكْرِمُ (اس میں ہمزہ زائد ہے، کیوں کہ اس کی اصل كَرَمَ ہے) اور اگر ماضی رباعی نہ ہو تو فعل مضارع کا پہلا حرف مفتوح ہوگا۔ اور رباعی ماضی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں چار حروف نہ ہوں بلکہ چار حروف سے کم ہوں جیسے ضَرَبَ يَضْرِبُ، ذَهَبَ يَذْهَبُ اور دَخَلَ يَدْخُلُ۔ یا چار حروف سے زائد ہو جیسے انْطَلَقَ يَنْطَلِقُ، اسْتَخْرَجَ يَسْتَخْرِجُ۔ انتہائے حرف کے اعتبار سے مضارع کا حکم یہ ہے کہ مضارع کا آخر حرف کبھی تو مبنی علی السکون ہوتا ہے اور کبھی مبنی علی الفتح ہوتا ہے، اور کبھی معرب ہوتا ہے۔

مبنی علی السکون ہونے کی شرط یہ ہے کہ فعل مضارع کے ساتھ جمع مؤنث کا نون ملا ہوا ہو جیسے النِّسْوَةُ يَقُمْنَ (عورتیں کھڑی ہوتی ہیں یا ہوں گی) اور وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ (اور مائیں دودھ پلاتی ہیں) اور وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ (اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو روکی رکھیں) ان تینوں مثالوں میں مضارع کا آخری حرف مبنی علی السکون ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ نون جمع مؤنث متصل ہے۔

اور اسی میں سے "إِلَّا أَنْ يَغْفُونَ" بھی ہے، يَغْفُونَ کا واؤ ساکن ہے، اس لیے کہ اس کے

آخر میں نون مؤنث داخل ہے یہ واو اصلیه ہے جو کہ عَفَا یَعْفُو سے بنا ہے اور نون فاعل مضمر ہے جو مطلقاً کی طرف عود کر رہا ہے اور اس کا وزن یَفْعُلْنَ ہے، یہ یَعْفُونَ اس یَعْفُونَ کی طرح نہیں ہے جو آپ مذکر استعمال کرتے ہیں مثلاً الرِّجَالُ یَعْفُونَ۔ اس لیے کہ واو جمع مذکر کی ضمیر ہے جیسے یَقُومُونَ میں واو جمع مذکر کی ضمیر ہے۔ اور فعل کا واو حذف کر دیا ہے اور نون علامت رفع ہے اور اس کا وزن یَفْعُلْنَ ہے۔ بعض لوگوں نے "إِلَّا أَنْ یَعْفُونَ" کو "إِلَّا أَنْ یَعْفُوا" نون کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے جیسے "إِلَّا أَنْ یَقُومُوا" اس کی تفصیلی بحث آئندہ آنے والی ہے، صبر سے کام لیجیے۔

اور کبھی فعل مضارع کا آخری حرف بنی علی الفتح ہوگا بشرطیکہ نون تاکید (نون ثقیلہ اور نون خفیفہ) لفظاً یا تقدیراً فعل مضارع کے آخری حرف کے ساتھ متصل ہو جیسے كَلَّا لَيَنْبَذَنَّ میں، کیوں کہ اس سے فعل مضارع يَنْبِذُ از باب ضی آتا ہے، ذال آخری حرف ہے اور نون تاکید اسی کے ساتھ ملا ہوا ہے، لہذا وجود شرط کی بناء پر یہ بنی علی الفتح پڑھا گیا ہے۔

ہاں! اگر فعل مضارع کے آخری حرف اور نون تاکید کے درمیان میں کوئی حرف حد فاصل ہو جائے تو مفقود شرط کی بناء پر وہ فعل مضارع بنی علی الفتح نہ ہوگا، جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تَتَّبِعَانِ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔" (اور مت چلو راہ اُن کی جو ناواقف ہیں۔ پارہ ۱۱، سورۃ یونس، آیت ۸۹) اور "لَتُبْلَوْنَ فِيْ أَمْوَالِكُمْ" (البتہ تمہاری آزمائش ہوگی مالوں میں۔ پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۸۶) اور "فَلِمَ تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا" (پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی۔ پارہ ۱۶، سورۃ مریم، آیت ۲۶) ان تینوں آیتوں میں شرط مفقود ہونے کی بناء پر فعل مضارع بنی علی الفتح نہیں ہوگا، کیوں کہ پہلی آیت میں فعل مضارع کے آخری حرف عین اور نون تاکید کے درمیان الف حد فاصل ہے، اور دوسری آیت میں واو حد فاصل ہے، اور تیسری آیت میں یاء حد فاصل ہے۔

اسی طرح اگر فعل مضارع کے آخری حرف اور نون تاکید کے درمیان کوئی حرف تقدیراً حد فاصل ہو تو اس صورت میں بھی فعل مضارع کا آخری حرف بنی علی الفتح نہیں ہوگا، بلکہ وہ معرب ہوگا، جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ" (اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے۔

سورۃ القصص، آیت ۸۷) میں لَا يَصُدُّكَ اصل میں لَا يَصُدُّوْنَكَ تھا۔ اس میں تاویل ہوئی ہے۔

لام نہی حرف جازم ہے، اس نے آخر سے نون جمع کو گرا دیا، اب اجتماع ساکنین ہوا واو اور نون کے درمیان لہذا واو کو حرف علت ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ اور ضمہ باقی رکھا گیا، تاکہ واو کے محذوف ہونے پر دلالت کرے پس لَا يَصُدُّكَ ہو گیا۔ اس میں آخری حرف دال اور نون تاکید کے درمیان تقدیراً واو اور نون اعرابی آگیا تھا، اس کی وجہ سے یہ بنی علی الفتح نہیں پڑھا جائے گا، بلکہ معرب ہوگا۔

وَيُعَرَّبُ فِيمَا عَدَا ذَلِكَ: فعل میں اصل بناء ہے، کیوں کہ فعل میں فاعلیت و مفعولیّت اور اضافت نہیں پائے جاتے، حالاں کہ یہی چیزیں اعراب کی مقتضی ہوتی ہیں، اس وجہ سے یہ بات اصل ہوگئی کہ وہ منہی ہے۔ مگر چوں کہ فعل مضارع اسم کے ساتھ بہت سی چیزوں میں مشابہت رکھتا ہے، اس وجہ سے نحوی حضرات اس کو معرب قرار دیتے ہیں، لہذا فعل مضارع کے ساتھ نون تاکید ثقیلہ اور خفیفہ اور نون جمع مؤنث متصل نہ ہوں تو یہ معرب ہوگا۔

وَأَمَّا الْحَرْفُ: - فَيُعَرَّفُ: بِأَنْ لَا يَقْبَلُ شَيْئًا مِنْ عِلَامَاتِ الْأِسْمِ، وَالْفِعْلِ، نَحْوُ: هَلْ، وَبَلْ؟ وَلَيْسَ مِنْهُ مَهْمَا، وَإِذْمَا، بَلْ مَا الْمَصْدَرِيَّةُ لَمَّا الرَّابِطَةُ فِي الْأَصَحِّ.

ترجمہ:- اور بہر حال حرف تو وہ پہچانا جاتا ہے اس بات سے کہ وہ اسم اور فعل کی علامتوں میں سے کسی کو بھی قبول نہیں کرتا جیسے ہل، بل اور اس میں سے مہما اور اذما نہیں ہیں، بلکہ ما مصدریہ اور لما رابطہ بھی اس میں سے نہیں ہے صحیح مذہب کے مطابق۔

وضاحت:- جب مصنف اسم اور فعل کے تفصیلی بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے کلمہ کی تیسری قسم حرف کو بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ حرف سے متعلق چند تحقیقی نکات مندرجہ ذیل ہیں۔
حرف کی لغوی تعریف:

حرف کے لغوی معنی طرف اور کنارہ کے ہے، کیوں کہ وہ کلام میں طرف اور کنارہ میں واقع ہوتا ہے۔ وہ مقصود بالذات مسند اور مسندالیہ کے مانند نہیں ہوتا۔

حرف کی علامت:

فَيُعَرَّفُ: بِأَنْ لَا يَقْبَلُ شَيْئًا الْخ یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ نے علامت حرف کو بیان کیا ہے۔ حرف کی علامت یہ ہے کہ اس کا مبتدا، یا فاعل، یا مفعول مالم یسم فاعلہ ہونا صحیح نہ ہو۔ اسی طرح اس کا خبر ہونا بھی درست نہ ہو، چوں کہ غیر مستقل بالمفہوم ہوتا ہے، اور یہ امر مسلم ہے کہ خبر و خبر عنہ دونوں مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں جیسے اسم، فعل، لہذا حرف نہ اسم ہوتا ہے اور نہ فعل۔

حرف کی دوسری علامت یہ ہے کہ اسم کی جو علامتیں ہیں مثلاً لام تعریف، حرف جر و تنوین وغیرہ کا دخول، اور جو فعل کی علامتیں ہیں مثلاً دخول جوازم، قد، سین و سوف وغیرہ، ان میں سے حرف کسی کو بھی قبول نہیں کرتا، چوں کہ حرف میں ان علامات اور امارات کا اقتضاء نہیں ہے، لہذا مقتضی کا دخول بھی اس پر ممتنع ہو گیا۔

ہَلْ، بَلْ یہ دونوں حرف کی مثالیں ہیں جو علامت اسم اور علامت فعل کو قطعاً قبول نہیں کرتے، جب ان دونوں کا اسم اور فعل ہونا منافی ہو گیا تو اب لامحالہ یہ دونوں حرف ہوں گے۔

مختلف فیہ حرف کی تحقیق:

ولیس منه مهما واذما الخ: یہاں سے منصف ان چار کلموں کی تحقیق بیان فرما رہے ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ اسم ہیں یا حرف؟ اور یہ کُل چار کلمے ہیں۔ اِذْمَا مَهْمَا، مَا مصدریہ، اور لَمَّا رابطہ۔

اِذْمَا کی تحقیق۔ اِذْمَا حرف ہے یا اسم؟ اس سلسلہ میں نحویوں کی ایک بڑی جماعت کے درمیان اختلاف ہے؟۔ امام سیبویہ اور ان کے ہمنواؤں کا کہنا ہے کہ یہ حرف ہے جو کہ ان شرطیہ کے درجہ میں ہے اور اِنْ شرطیہ حرف ہوتا ہے، لہذا اِذْمَا بھی حرف ہوگا جیسے اِذْمَا تَقُمْ اَقُمْ۔ اِنْ تَقُمْ اَقُمْ (اگر تو کھڑا ہوگا تو میں بھی کھڑا ہوں گا) کے معنی میں ہے۔ اور امام مبرّد، ابن سراج اور فارسی کا کہنا ہے کہ یہ ظروف زمانیہ میں سے ہے۔ اور ظرف زمان اسم ہوتا ہے، لہذا یہ بھی اسم ہے۔ چنانچہ جب آپ "اِذْمَا تَقُمْ اَقُمْ" کہیں گے تو اس کا معنی "مَتَى تَقُمْ اَقُمْ" ہوگا (یعنی جس وقت تم کھڑے ہو گے تو میں کھڑا ہوں گا)

اور ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ لفظ "اِذْمَا" کے داخل ہونے سے پہلے مَا الَّذِی کے معنی میں ہو کر اسم تھا۔ اور جب مَا داخل ہو گیا تو بھی وہ اسم ہی رہا، اور یہی تغیر و تبدل نہ ہونا اس کی اصلیت پر دال ہے، لہذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ اسم ہے، حرف نہیں جیسا کہ سیبویہ اور ان کے ہمنواؤں کا خیال ہے۔

شارح نے امام سیبویہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ امام مبرّد کا یہ کہنا کہ یہاں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا ہے، یہ صحیح نہیں۔ کیوں کہ صورت مذکورہ میں یقیناً تغیر ہوا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ "اِذْمَا" ماضی کے لیے آتا ہے، لیکن مَا کے دخول کے بعد وہ مستقبل کے لیے ہو گیا۔ لہذا زمانہ ماضی سے زمانہ مستقبل کی طرف نکلنا پایا گیا، لیکن بقول شارح اس جواب میں نظر ہے۔ اس لیے کہ کلمہ "اِذْمَا" کا ایک زمانہ پر دلالت کرنے سے دوسرے زمانہ پر دلالت کرنے کے لیے نکلنا یہ اسم یا فعل کا اپنی اصل نوع سے نکلنا نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ فعل ماضی زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے اور جب اس پر اِنْ شرطیہ داخل ہو تو زمانہ مستقبل پر دلالت کرنے لگتا ہے اور فعل مضارع، حال و استقبال پر دلالت کرتا ہے اور جب اس پر لَمْ نافیہ داخل ہو تو ماضی پر دلالت کرتا ہے، اس کے باوجود کسی عالم نحو نے ان دونوں فعلوں میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ یہ اپنی اصلیت سے خارج ہے۔

مہما کی تحقیق: لفظ مہما کے بارے میں بھی نحو یوں کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ اسم ہے یا حرف؟ تو جمہور کا کہنا ہے کہ یہ اسم ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے قول ”مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ“ (تم لے آؤ نشانیوں کو جو کچھ ہو) سے پیش کی ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ مہما میں ما اسم ہے اور یہ کی ہاء ضمیر اسی اسم کی طرف لوٹ رہی ہے اور ضمیر ہمیشہ اسم کی طرف لوٹتی ہے، اس سے پتہ چلا کہ مہما اسم ہے۔

امام سیہلی اور ابن یسعون کا کہنا ہے کہ یہ حرف ہے۔ اور اس پر زہیر شاعر کے قول سے استدلال کیا ہے۔ شاعر کا قول:

وَمَهْمَا تَكُنْ عِنْدَ امْرِئٍ مِنْ خَلِيقَةٍ وَإِنْ خَالَهَا تَخْفَى عَلَى النَّاسِ تُغْلَمُ
(ترجمہ: آدمی میں کوئی بھی عادت ہوا اگرچہ اس کا خیال ہو کہ وہ چھپی رہے لوگوں سے لیکن معلوم ہو جاتی ہے۔) یہ زہیر بن ابی سلمیٰ المزنی کا شعر ہے۔

اس میں محل استشہاد مہما تَكُنْ ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ ”خَلِيقَةٍ“ تَكُنْ فعل کا اسم ہے اور مین زائدہ ہے۔ اب جب فعل کا اسم خَلِيقَةٍ موجود ہے تو فعل ضمیر سے خالی ہو گیا۔ اور جب فعل ضمیر سے خالی ہو گیا تو پھر لفظ مہما کا کوئی محل اعراب باقی نہیں رہا اور وہ محل اعراب کے لائق بھی نہیں ہے۔ اگر اعراب کو اعراب کا محل بنایا جاتا تو پھر مبتدا ہوتا، لیکن مبتدا ہونا بھی متعذر رہے، کیوں کہ درمیان میں کوئی ایسا حرف نہیں ہے جو اس مبتداء کو اگلے خبر سے جوڑ پیدا کر دے، لہذا عدم جوڑ اور عدم ربط کی بناء پر اس کا مبتداء ہونا بھی دشوار ہوا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ اس کا کوئی محل اعراب نہیں، چنانچہ حرف ہونا متعین ہو گیا۔

لیکن صاحب قطر الندی وبل الصدی کی تحقیق یہ ہے کہ تَكُنْ کا اسم پوشیدہ ہے اور مین خَلِيقَةٍ مہما کی تفسیر ہے، جیسا کہ ”مِنْ آيَةٍ“ میں ما کی تفسیر کے لیے مین آیا ہے اور مہما مبتداء ہے اور جملہ خبر ہے۔ اور مبتداء بننے کی صلاحیت اسم میں ہوتی ہے، نہ کہ حرف میں، لہذا مہما اسم ہے۔

ما مصدریہ کی تحقیق: ما مصدریہ اسم ہے یا حرف؟ تو اس سلسلہ میں نحو یوں کا اختلاف ہے، لیکن اختلاف کی وضاحت سے قبل ما مصدریہ کی تعریف ملاحظہ فرمائیں۔

ما مصدریہ کی تعریف: ما مصدریہ وہ ما ہے جو اپنے مابعد والے لفظ کو مصدر کے ساتھ لاحق کر دے جیسے باری تعالیٰ کا قول ”وَذُوا مَا عَنِتُّمْ“ (ان کو خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو۔ پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۱۸) اس آیت میں ما مصدریہ سے اپنے مابعد فعل عَنِتُّمْ کو مصدر کے معنی میں کر دیا۔ اب اصل عبارت ہوئی ”وَذُوا عَنِتُّكُمْ“ اسی طرح شاعر کا قول:

يَسْبِرُ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابًا

(ترجمہ: راتوں کا گزرنا آدمی کو خوش کرتا ہے۔ جب کہ راتوں کا گزر جانا خود اس کا گزر جانا ہے۔) کے مآذہب میں ماصدریہ ہے، جس نے ذہب کو ذہاب مصدر کے معنی میں کر دیا ہے، اصل جملہ ہوگا یَسُرُّ الْمَرْءَ ذَهَابُ اللَّيَالِي۔

ما مصدریہ کے بارے میں اختلاف: ماصدریہ کے بارے میں نحو یوں کی دو جماعت ہے۔ پہلی جماعت امام سیبویہ کی ہے، ان کا مذہب یہ ہے کہ ماصدریہ حرف ہے جو کہ اُن مصدریہ کے درجہ میں ہے، جس طرح اُن جملہ فعلیہ پر ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، اسی طرح ما بھی فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، جیسے "ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ أَوْ بِرَحُبِهَا" (ان پر زمین تنگ ہو گئی باوجود اپنی وسعت کے۔ پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ، آیت ۱۱۸) ما کی وجہ سے رَحُبَتْ فعل مصدر کے معنی میں ہو گیا۔

دوسری جماعت امام خفش اور ابن السراج کی ہے، ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ماصدریہ اسم ہے جو کہ الَّذِي کے معنی میں ہے اور یہ غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور یہی مفہوم ہے۔ اب "وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ" کا ترجمہ "وَدُّوا الَّذِي عَنِتُّوهُ" اُی الْعَنَتِ الَّذِي عَنِتُّوهُ" اور "يَسُرُّ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي" کا ترجمہ "يَسُرُّ الْمَرْءَ الَّذِي ذَهَبَ اللَّيَالِي" ہوگا۔

اشکال: لیکن یہاں دوسری جماعت کے قول پر اعتراض اور اشکال ہوگا، اشکال کی تقریر یہ ہے کہ "آپ نے کہا ما مصدریہ اسم ہے جو کہ الَّذِي کے معنی میں ہوتا ہے، اور یہ غیر ذوی العقول کے لیے مستعمل ہے، تو اس وقت وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ کا ترجمہ وَدُّوا الَّذِي عَنِتُّوهُ ہوگا اور الَّذِي کے بعد جو جملہ ہے وہ اسم موصول کا صلہ ہوگا، لیکن یہ مراد لینا درست نہیں، کیوں کہ موصول کے لیے ایک عائد کا ہونا ضروری ہے، لیکن یہاں عائد کا پتہ نہیں۔ اگر یہ جواب دیں کہ عائد ضمیر محذوف ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ حذف کا دعویٰ کرنا سراسر باطل ہے، چوں کہ عائد کا حذف ہونا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک مثال ہے "أَعْجَبَنِي مَا قُمْتَهُ وَمَا قَعَدْتَهُ" (کہ مجھے تعجب میں ڈال دیا اس کے کھڑے ہونے اور اس کے بیٹھنے نے) اگر مثال مذکور میں ما مصدریہ کو الَّذِي کے معنی میں لیا جائے تو اس وقت اس کا ترجمہ اور مفہوم غلط ہوگا، کیوں کہ مثال مذکور میں ضمیر کا مرجع اسم کا مذکور ہونا ضروری ہے، لیکن یہاں محذوف ہے اور ضمیر اسم محذوف کی طرف نہیں لوٹتی، لہذا الاحوالہ کہنا پڑے گا کہ یہاں ما مصدر اُن مصدریہ کے درجہ میں ہے۔ اور حرف مصدر اپنے مابعد فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، چنانچہ یہاں "ما" نے اپنے مابعد فعل قُمْتَهُ کو قیام کے معنی میں اور قَعَدْتَهُ کو قعود کے معنی میں کر دیا ہے اور یہی زیادہ رائج ہے۔ (کیوں کہ اس صورت میں ضمیر کا اسم مذکور کی طرف لوٹنا پایا گیا ہے۔

لَمَّا کی تحقیق: کلام عرب میں لَمَّا کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) لَمَّا نافیہ ہوتا ہے لَمْ کے درجہ میں۔ جیسے لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ۔ (اس نے پورا نہیں کیا جس کا اس کو مامور بنایا) لَمْ يَقْضِ مَا أَمَرَهُ کے معنی میں ہے۔

(۲) لَمَّا ایجابیہ: یہ لَمَّا إِلَّا کے درجہ میں ہوتا ہے جیسے "عَزَمْتُ عَلَيْكَ لَمَّا فَعَلْتَ كَذَا" (میں نے تجھ سے اس طرح کرنے کا مطالبہ کیا) آئی مَا أَطْلُبُ مِنْكَ إِلَّا فِعْلَ كَذَا کے معنی میں ہے۔ اس مثال میں لَمَّا کو إِلَّا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بہر کیف لَمَّا نافیہ ہو یا لَمَّا ایجابیہ، باتفاق دونوں حرف ہیں۔

(۳) لَمَّا رابطہ: اور یہ وہ ہے جو کسی شئی کو کسی دوسری شئی کے ساتھ جوڑ پیدا کرتا ہے جیسے "لَمَّا جَاءَنِي أَكْرَمَتُهُ" (جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے اس کا اکرام کیا) مثال مذکور میں لَمَّا نے اکرام کے وجود کو مَجْبِیٰ یعنی آنے کے وجود کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

لَمَّا کے بارے میں اختلاف: لَمَّا کیا ہے؟ حرف یا اسم؟ تو اس بارے میں نحو یوں کا اختلاف ہے۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ ظرف ہے حِیْنَ کے معنی میں، لیکن امام سیبویہ کے قول کی باری تعالیٰ کے قول "فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ" کے ذریعہ تردید کر دی گئی ہے۔ اور وجہ تردید یہ ہے کہ اگر لَمَّا ظرف ہو تو پھر ایک عامل کی ضرورت پڑے گی جو کہ اس کے محل نصب ہونے میں عمل کرے اور وہ عامل یا تو قَضَيْنَا ہو گا یا دَلَّهْم ہو گا، کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں۔ لیکن قَضَيْنَا کا عامل ہونا مردود ہے۔

اور امام خفش اور ابن السراج کا گمان ہے کہ یہ اسم ہے، اور اس صورت میں یہ مضاف ہو گا اس کا جو اس سے متصل ہے، لیکن یہ بھی درست نہیں، کیوں کہ مضاف الیہ کا مضاف میں عمل کرنا لازم آیا جو کہ قبیح ہے اور اگر دَلَّهْم عامل ہے تو یہ بھی مردود ہے، کیوں کہ ما نافیہ ہو گا اور ما نافیہ کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ اب جب کہ عامل ہونا باطل ہو گیا تو پھر اس کے لیے کوئی محل اعراب باقی نہیں رہا، لہذا یہ حرف ہو گا اور یہی صحیح ہے۔

وَجَمِيعُ الْجُرُوفِ مَبْنِيَّةٌ۔

ترجمہ: - اور تمام حروف مبنی ہیں۔

وضاحت: - جب مصنف حروف کی علامتیں اور مختلف فیہ کلمات کے بیان سے فارغ ہوئے تو لگے ہاتھ حرف کا بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ فرمایا کہ حرف کا حکم یہ ہے کہ تمام حروف مبنی ہیں۔

وَالْكَلَامُ لَفْظٌ مُفِيدٌ۔

ترجمہ:- اور کلام مفید و مقصود بات کا نام ہے۔

وضاحت:- جب مصنف نے نحو کے ایک موضوع کی تعریف، تقسیم اور بیان اقسام کی تبیین کر دی تو چاہا کہ نحو کے دوسرے موضوع کی بھی تبیین ہو جاوے، چوں کہ موضوع کو جب تک مبتدی نہ سمجھ لے اس وقت تک اس کے احوال کو نہیں سمجھ سکتا، اس وجہ سے مصنف نے کہا: الکلام۔ اور چوں کہ یہ ایک مستقل موضوع ہے، اس وجہ سے اس کو ایک مستقل فصل میں بیان کیا گیا ہے، تاکہ اس کا مستقل موضوع ہونا معلوم ہو جاوے۔

کلام کی تعریف:

کلام مفید و مقصود بات کو کہتے ہیں۔

لفظ کی وضاحت:

وہ آواز جو بعض حروف پر مشتمل ہو، یا وہ آواز جس کو ادا کرنے میں طاقت صرف ہو اسے لفظ کہتے ہیں۔ اول کی مثال رَجُلٌ اور فَرَسٌ ہے اور دوسرے کی مثال ضمیر مستتر ہے اِضْرِبْ اور اِذْهَبْ جیسی مثالوں میں انت ضمیر مستتر ہے۔

مفید کی وضاحت:

مفید وہ ایسا لفظ ہے جو اتنا مفہوم ادا کرے جس پر خاموشی درست ہو، جیسے قَامَ زَيْدٌ یہ کلام ہے۔ اور ایسا کلام ہے جس پر اکتفاء کرنا درست ہے، برخلاف زَيْدٌ۔ غَلَامٌ زَيْدٌ، الَّذِي قَامَ أَبُوهُ جیسے اقوال کے کہ ان میں سے کسی کو بھی مفید نہیں کہا جاسکتا ہے، اس لیے کہ ان پر سکوت صحیح نہیں ہے تو ان کو کلام بھی نہیں کہا جاسکتا۔

صاحب کتاب کی تحقیق یہ ہے کہ جب آپ زَيْدٌ قَائِمٌ لکھیں تو یہ کلام نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس پر اکتفاء کرنا صحیح ہے، لیکن یہ لفظ نہیں ہے، کیوں کہ اس کو ادا کرنے میں زبان کی آواز کا کوئی دخل نہیں ہوا۔ اسی طرح جب آپ کسی کو قیام یا قعود کی طرف اشارہ کریں تو وہ اشارہ بھی کلام نہیں ہوگا، حالاں کہ اس سے مخاطب کو پورا پورا فائدہ حاصل ہو رہا ہے، لیکن اس اشارے میں زبان کا کوئی دخل نہیں ہے، لہذا یہ کلام لفظی نہیں ہے، اس وجہ سے اس کو کلام نہیں کہا جاسکتا، ما حصل یہ نکلا کہ گفتگو بزبان حال کو مصنف نے کلام کہا ہے۔ تحریر یا اشارہ کو کلام نہیں کہا ہے۔

وَأَقْلَّ اِئْتِلَافِهِ مِنْ اِسْمَيْنِ، كـ "زَيْدٌ قَائِمٌ" اور فِعْلٍ وَاسْمٍ كـ "قَامَ زَيْدٌ"

ترجمہ: - اور کلام کا مرکب ہونا کم سے کم دو اسموں سے جیسے زید قائم، یا ایک فعل اور ایک اسم سے جیسے قَامَ زید۔

وضاحت: - ایک کلمہ کی نسبت دوسرے کلمہ سے اس طرح ہونا جس سے مخاطب کو پورا پورا فائدہ حاصل ہو، نحو یوں کی اصطلاح میں وہ دونوں کلمے یا تو حقیقتاً ہوں جیسے زید قائم یا ان میں سے ایک حقیقتاً ہو اور دوسرا حکماً۔ جیسے اضْرِبْ۔ کلام تام کہلاتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں مصنف علیہ الرحمۃ نے کلام کے مرکب ہونے کی صورتوں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کلام کے مرکب ہونے کی چھ شکلیں ہیں۔ (۱) یا تو دو اسموں سے مرکب ہوگا (۲) یا ایک اسم اور ایک فعل سے۔ (۳) یا دو جملوں سے (۴) یا ایک فعل اور دو اسموں سے (۵) یا ایک فعل اور تین اسموں سے (۶) یا ایک فعل اور چار اسموں سے۔

کلام دو اسموں سے مرکب ہو اس کی چار صورتیں ہیں (۱) مبتداء خبر ہو۔ جیسے زید قائم۔ اس مثال میں زید مبتداء اور قائم اس کی خبر ہے۔ (۲) مبتداء اور ایک ایسا فاعل ہو جو خبر کے قائم مقام بنے۔ جیسے أَقَائِمُ الرَّيْدَانِ؟ أَيْقُومُ الرَّيْدَانِ میں قائم مبتداء ہے اور الرَّيْدَانِ قائم کا فاعل ہے، جو کہ خبر کے قائم مقام ہے۔ اور مبتداء خبر سے کلام مرکب ہوتا ہے، لہذا یہاں بھی کلام مرکب ہوگا۔ (۳) ایک مبتداء ہو اور دوسرا نائب فاعل جو کہ خبر کے قائم مقام بنے جیسے اَمَضْرُوبُ الرَّيْدَانِ۔ میں مَضْرُوبٌ مبتداء ہے اور الرَّيْدَانِ نائب فاعل ہے جو کہ خبر کے قائم مقام ہے، لہذا یہ مرکب تام ہے۔ (۴) دونوں میں کا ایک اسم فعل ہو اور دوسرا اس کا فاعل ہو جیسے هَيْهَاتَ الْعَقِيقِ۔ اس مثال میں هَيْهَاتَ اسم فعل ہے اور دور ہونے کے معنی میں ہے اور عقیق اس کا فاعل ہے۔

فعل اور اسم سے مرکب ہونے کی دو صورتیں ہیں: (۱) اسم ماقبل کے فعل کا فاعل بنے جیسے قَامَ زید۔ (۲) اسم نائب فاعل بنے ماقبل کے فعل کا، جیسے ضَرِبَ زید۔

دو جملوں سے کلام مرکب ہو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ (۱) جملہ شرطیہ ہو، جو شرط و جزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسے اِنْ قَامَ زَيْدٌ قُمْتُ۔ اس مثال میں اِنْ قَامَ زید۔ جملہ شرط ہے اور قُمْتُ اس کی جزاء ہے۔ (۲) جملہ قسمیہ ہو، جو قسم و جواب پر مبنی ہوتا ہے۔ جیسے اَخْلِفَ بِاللّٰهِ لَزَيْدٍ قَائِمٌ۔ اس مثال میں اَخْلِفَ بِاللّٰهِ جملہ قسم ہے اور لَزَيْدٍ قَائِمٌ جواب قسم ہے۔

کبھی کلام ایک فعل اور دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے جیسے کان زید قائم۔

کبھی کلام ایک فعل اور تین اسموں سے مرکب ہوتا ہے جیسے عَلِمْتُ زَيْدًا فَاضِلًا۔
کبھی کلام ایک فعل اور چار اسموں سے مرکب ہوتا ہے جیسے اَعْلَمْتُ زَيْدًا عَمْرًا فَاضِلًا۔

متن کی عبارت سے ایک شبہ کا ازالہ:

وَأَقْلَّ اِئْتِلَافِهِ مِنْ اِسْمَيْنِ الْخ۔ متن کی اس عبارت سے کہ ”کلام دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل سے مرکب ہوتا ہے“ درحقیقت ایک شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے، کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ کلام دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل، حرف۔ لہذا عقل کے تقاضہ کے مطابق کلام کی چھ صورتیں ہوں گی۔ یا تو وہ دو اسموں سے مرکب ہوگا، یا دو فعلوں سے یا دو حرفوں سے۔ یا ایک اسم اور ایک فعل سے۔ یا ایک فعل اور حرف سے۔ یا ایک اسم اور ایک حرف سے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ اسم اسم فعل فعل حرف حرف۔ اسم فعل، فعل حرف، واسم حرف۔

مصنف نے شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے صاف طور پر کہہ دیا کہ کلام کے حاصل ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو ضمن میں دو اسموں کے حاصل ہوگا کہ ان میں ایک مسند اور دوسرا مسند الیہ ہو جائے۔ یا ضمن میں ایک اسم اور ایک فعل کے حاصل ہوگا تو فعل مسند اور اسم مسند الیہ ہو جائے گا۔ باقی رہی اور چار صورتیں۔ یعنی دو فعل۔ یا ایک اسم اور ایک حرف۔ یا ایک فعل اور ایک حرف۔ تو ان سے کلام کا مرکب ہونا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ کلام میں مسند اور مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اور ان چار صورتوں میں سے کسی صورت میں مسند الیہ ہے مسند نہیں ہے، اور کسی صورت میں مسند ہے مسند الیہ نہیں ہے، اور کسی صورت میں دونوں میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے۔

اشکال: متن کی عبارت ”وَأَقْلَّ اِئْتِلَافِهِ مِنْ اِسْمَيْنِ“ پر اشکال ہوتا ہے کہ مصنف نے ”مِنْ اِسْمَيْنِ“ کی ترکیب کو ”أَوْ فِعْلٍ وَاسْمٍ“ کی ترکیب سے مقدم کیوں فرمایا، وجہ تقدیم کیا ہے؟
جواب: ”مِنْ اِسْمَيْنِ“ کی ترکیب کو مصنف نے فعل واسم کی ترکیب پر مقدم کیا اس وجہ سے کہ اس کے دونوں جزء مستحق تقدیم ہیں، چوں کہ دونوں اسم ہوتے ہیں۔

نوٹ:- جو کلام دو اسموں کی ترکیب سے حاصل ہوتا ہے اس کلام کا نام جملہ اسمیہ رکھا جاتا ہے، یوں کہ اس میں پہلا جزء بھی اسم ہوتا ہے۔ اور جملہ اسمیہ اس کو کہتے ہیں جس کا پہلا جزء اسم ہو۔ فافہم واحفظ۔

اشکال: متن کی عبارت ”أَوْ فِعْلٍ وَاسْمٍ“ پر اشکال ہوتا ہے کہ فعل کو مصنف نے اسم پر کیوں مقدم کیا، وجہ تقدیم کیا ہے؟

جواب: فعل کو مصنف نے اسم پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ مصنف جملہ فعلیہ کے بیان کے درپے ہیں اور اس میں فعل مقدم ہوتا ہے۔

نوٹ:- جو کلام کہ فعل واسم سے حاصل ہوتا ہے اس کا نام جملہ فعلیہ رکھا جاتا ہے اس وجہ سے کہ اس میں پہلا جزء فعل ہوتا ہے۔

فَصْلٌ. أَنْوَاعُ الْأَعْرَابِ أَرْبَعَةٌ: رَفْعٌ، وَنَصْبٌ. فِي إِسْمٍ وَفِعْلٍ، نَحْوُ "زَيْدٌ يَقُومُ" وَ "إِنَّ زَيْدًا لَنْ يَقُومَ" وَجَرُّ فِي إِسْمٍ، نَحْوُ "زَيْدٌ" وَجَزْمٌ فِي فِعْلٍ، نَحْوُ "لَمْ يَقُمْ". فَيُرْفَعُ بِضَمَّةٍ، وَيُنْصَبُ بِفَتْحَةٍ. وَيُجْزَمُ بِكَسْرَةٍ، وَيُجْزَمُ بِحَذْفِ حَرَكَةٍ.

ترجمہ:- یہ فصل ہے۔ اعراب کی قسمیں چار ہیں۔ رفع اور نصب، اسم و فعل (دونوں) میں۔ جیسے زیدٌ یقوم۔ اور إِنَّ زیدًا لَنْ یقوم۔ اور جر ہے (صرف) اسم میں جیسے زید۔ اور جزم ہے (صرف) فعل میں۔ جیسے لَمْ یقوم۔ پس رفع دیا جائے گا ضمہ کی شکل میں، اور نصب دیا جائے گا فتح کی شکل میں، اور جزم دیا جائے گا کسرہ کی شکل میں۔ اور جزم دیا جائے گا حرکت کے حذف کے ساتھ۔

وضاحت:- جب مصنف رحمۃ اللہ علیہ کلام کے تفصیلی بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے اسم، فعل اور حرف کے اعراب کو بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ فرمایا:

اعراب کی تعریف:

کلام میں پائے جانے والے کلمہ کے آخری حرف پر ظاہر یا مقدر اثر کو اعراب کہتے ہیں۔ ظاہر کی مثال جیسے جَاءَ زَيْدٌ (زید کے آخری حرف دال پر ضمہ ظاہر ہے) رَأَيْتُ زَيْدًا۔ (زید کے آخری حرف دال پر فتح ظاہر ہے) اور مَرَرْتُ بِزَيْدٍ (زید کے آخری حرف دال پر کسرہ ظاہر ہے) اور اس کو اثر ظاہری کہتے ہیں۔

مقدر کی مثال: جیسے جَاءَ الْفَتَى (الْفَتَى کے آخری حرف یاء پر حالت رفع میں ضمہ تقدیری ہے) رَأَيْتُ الْفَتَى۔ (الْفَتَى کے آخری حرف یاء پر حالت نصب میں فتح تقدیری ہے) اور مَرَرْتُ بِالْفَتَى (میں آخری حرف جزم میں کسرہ تقدیری ہے) اور اس کو اثر تقدیری کہتے ہیں۔ اور یہ اعراب و اثر کا مقدر ہونا حرکت کے ظاہر نہ ہونے کے عذر کی وجہ سے ہے۔

اعراب کی قسمیں:

اعراب ایک ایسا جنس ہے جس کے تحت چار قسمیں ہیں: ۱۔ رفع ۲۔ نصب ۳۔ جزم اور جزم۔

اعراب کی چاروں قسموں کا منقسم ہونا:

پھر استعمال کے اعتبار سے اعراب کی یہ چاروں قسمیں تین اقسام میں منقسم ہوتی ہیں۔
 پہلی قسم: ایک قسم تو وہ ہے جس میں اسماء و افعال مشترک ہیں۔ وہ رفع اور نصب ہیں۔ رفع میں دونوں کے مشترک ہونے کی مثال: زَيْدٌ يَقُومُ ہے کہ زید مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور علامت رفع ضمہ ہے۔ اور يَقُومُ مرفوع ہے، کیوں کہ فعل مضارع ہے جو ناصب و جازم سے خالی ہے، اس کی علامت رفع بھی ضمہ ہے۔

نصب میں دونوں کے مشترک ہونے کی مثال: "إِنَّ زَيْدًا لَّنْ يَقُومَ" ہے کہ زید اسم ہے، جو إِنَّ کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کی علامت نصب فتحہ ہے۔ اور يَقُومُ فعل مضارع لَّنْ کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور اس کی علامت نصب بھی فتحہ ہے۔

دوسری قسم: دوسری قسم جر کی ہے جو اسماء کے ساتھ خاص ہے۔ جیسے مَرَرْتُ بِرَيْدٍ کہ زید باء کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور علامت جر کسرہ ہے۔

تیسری قسم: تیسری قسم جزم کی ہے جو افعال کے ساتھ خاص ہے جیسے لَمْ يَقُمْ کہ يَقُمْ فعل مضارع لَمْ کی وجہ سے مجزوم ہے اور علامت جزم حرکت کا حذف ہے۔

اعراب کی چاروں قسموں کی علامتیں:

اعراب کی چاروں قسموں کی علامتیں ہیں، جنہیں کلی طور پر دو قسموں میں منقسم کیا گیا ہے۔
 (۱) علامات اصول (۲) علامات فروع۔

علامات اصول تو چار ہیں: (۱) رفع کا اظہار ضمہ کے ذریعہ ہو (۲) نصب کا اظہار فتحہ کے ذریعہ ہو (۳) جر کا اظہار کسرہ کے ذریعہ ہو (۴) اور جزم کا اظہار سکون یعنی حرکت کے حذف کے ذریعہ ہو۔ ہم نے ان تمام کی وضاحت مذکورہ بالا مثالوں میں کر دی ہیں۔

علامات فروع سات ابواب میں منحصر ہے جن میں سے اسماء کے لیے پانچ اور افعال کے لیے دو، ان کا تفصیلی بیان مختلف ابواب کی شکل میں آ رہا ہے۔

إِلَّا الْأَسْمَاءَ السِّتَّةَ، وَهِيَ أَبُوهُ، وَأَخُوهُ، وَحَمُوها، وَهَنُوهُ، وَفُوهُ،
 وَذُوْمَالٍ، فَتَرْفَعُ بِالْوَاوِ، وَتُنْصَبُ بِالْأَلِفِ، وَتُجَرُّ بِالْيَاءِ۔

ترجمہ: مگر اسمائے ستہ، اور وہ أَبُوهُ، أَخُوهُ، حَمُوها، هَنُوهُ، فُوهُ اور ذُوْمَالٍ ہیں۔ پس وہ رفع دیے جاتے ہیں واؤ کے ساتھ اور نصب دیے جاتے ہیں الف کے ساتھ اور جر دیے جاتے ہیں۔

جاتے ہیں یا کے ساتھ۔

وضاحت:- اعراب کی علامات میں اصل وہی ہے جس کا ہم نے اعراب کی بحث میں تذکرہ کیا، مگر اس اصل سے سات باب خارج ہیں، جن میں پہلا باب ”اسمائے ستہ معتلہ مضافہ“ ہے۔ اور وہ اَبُوہ، اَخُوہ، حَمُوہا، هَنُوہ، فُوہ اور ذُو مال ہے۔

اسمائے ستہ کا اعراب:

اسمائے ستہ کو حالت رُفعی میں ضمہ کے بجائے واؤ کے ساتھ، حالت نصبی میں فتح کے بجائے الف کے ساتھ اور حالت جری میں کسرہ کے بجائے یاء کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے جیسے جَاءَ نَبِیُّ اَبُوہ، وَاخُوہ، وَحَمُوہا، وَهَنُوہ، وَفُوہ، وَذُو مال (حالت رُفعی میں ضمہ کے بجائے واؤ کے ساتھ) رَأَيْتُ اَبَاہ، وَاخَاہ، وَحَمَاهَا، وَهَنَاهُ، وَفَاهُ، وَذَامَال۔ (یہ تمام اسماء حالت نصبی میں فتح کے بجائے الف کے ساتھ ہیں) مَرَرْتُ بِاَبِیہ، وَاخِیہ، وَحَمِیہا، وَهَنِیہ، وَفِیہ، وَذِی مَال۔ (یہ تمام اسماء حالت جری میں کسرہ کے بجائے یاء کے ساتھ ہیں)

اسماء ستہ پر اعراب بالحرکات آنے کی شرطیں:

اسمائے ستہ کا مذکورہ بالا اعراب (یعنی حالت رُفعی میں واؤ کے ساتھ حالت نصبی میں الف کے ساتھ، اور حالت جری میں یاء کے ساتھ) کے لیے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط:- یہ اسماء مفرد ہوں۔ تشنیہ و جمع نہ ہوں۔ اگر یہ اسماء تشنیہ ہوں تو ان کا اعراب وہی ہوگا جو تشنیہ کا ہوتا ہے۔ یعنی حالت رُفعی میں الف کے ساتھ اور حالت نصبی و جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ۔ جیسے جَاءَ نَبِیُّ اَبُوَان، وَاخُوَان (حالت رُفعی میں الف کے ساتھ ہے) رَأَيْتُ اَبَوَیْنِ وَاخَوَیْنِ۔ وَمَرَرْتُ بِاَبَوَیْنِ وَاخَوَیْنِ (حالت نصبی و جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ ہے)

اور اگر یہ اسماء جمع ہوں تو ان کا اعراب وہی ہوگا جو جمع کا ہوتا ہے۔ اگر وہ جمع۔ جمع مکسر ہے تو حرکات اصلہ یعنی حالت رُفعی میں ضمہ کے ساتھ، حالت نصبی میں فتح کے ساتھ، اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہوگا۔ جیسے جَاءَ نَبِیُّ اَبَاءَکَ (حالت رُفعی کی مثال) وَرَأَيْتُ اَبَاءَکَ (حالت نصبی کی مثال) وَمَرَرْتُ بِاَبَاءَکَ (حالت جری کی مثال ہے)۔ اور اگر وہ جمع۔ جمع تصحیح ہے تو اعراب دیا جائے گا حالت رُفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی و جری میں یاء ماقبل مکسور کے ساتھ۔ جیسے جَاءَ نَبِیُّ اَبُوَان (حالت رُفعی کی مثال) وَرَأَيْتُ اَبِیْنِ۔ (حالت نصبی کی مثال) وَمَرَرْتُ بِاَبِیْنِ (حالت جری کی مثال ہے) جمع تصحیح ہونے کی صلاحیت ان اسمائے ستہ میں سے فقط تین اسماء میں ہے

اور وہ آب، آخ، حَم ہیں۔

دوسری شرط:- یہ اسماء ستہ مکبرہ ہوں۔ مصغرہ نہ ہوں۔ اور اگر مصغرہ ہوں خواہ مضاف الی غیر یا المتکلم ہوں، یا مضاف نہ ہوں۔ تو ان کا اعراب۔ اعراب بالحرکت ہوتا ہے۔ جیسے جَاءَ نَبِيُّ أَبِيكَ (حالت رُفْعی میں ضمہ کے ساتھ) وَرَأَيْتُ أَبِيكَ (حالت نَصْبی میں فتح کے ساتھ) وَمَرَرْتُ بِأَبِيكَ (حالت جَری میں کسرہ کے ساتھ ہے)

تیسری شرط:- یہ اسماء مضاف ہوں۔ اگر مفرد ہوں اور مضاف نہ ہوں۔ یا مضاف الی غیر یا المتکلم ہوں تو ان کا اعراب بھی اعراب بالحرکت ہوتا ہے جیسے هَذَا ابِّي (حالت رُفْعی کی مثال ہے) وَرَأَيْتُ أَبَا (حالت نَصْبی کی مثال ہے) وَمَرَرْتُ بِأَبٍ (یہ حالت جَری کی مثال ہے) اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو یاء کی مناسبت کی وجہ سے ان کے آخر کو کسرہ دیا جائے گا، اور اعرابی حرکات یائے متکلم سے پہلے تقدیری ہوں گی، جیسے جَاءَ نَبِيُّ أَبِي، وَرَأَيْتُ أَبِي، وَمَرَرْتُ بِأَبِي۔ تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگی اور یاء کی مناسبت سے ان کے آخر میں کسرہ دیا جائے گا۔

نوٹ:- مذکورہ بالا تینوں شرطوں میں سے ایک بھی شرط مفقود ہو تو اعراب بدل جائے گا۔

اشکال: متن کی عبارت "حَمُوَهَا" پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب اسمائے ستہ معتلہ کا ذکر فرمایا تو ان سب میں "ة" ضمیر مذکر لائے، لیکن "حَمُوَهَا" میں "ها" ضمیر مؤنث لائے۔ ایسا کیوں؟
جواب: "حَم" زوج کے بھائی یعنی دیور کو کہتے ہیں۔ اور دیور عورت کو ہوتا ہے، مرد کو نہیں، لہذا اس کی اضافت عورت ہی کی طرف ہو سکتی ہے نہ کہ مرد کی طرف، اس لیے ضمیر مؤنث لائے۔

وَالْأَفْصَحُ اسْتِعْمَالُ الْهَنْ كَقَدِ

ترجمہ:- هَنْ (بمعنی ایسی چیز جس کا تذکرہ قبیح سمجھا جاتا ہو) کا استعمال زیادہ فصیح ہے غد کی طرح۔

وضاحت:- "هَنْ" کے ترجمہ میں کئی اقوال ہیں۔ بعض اجناس سے کنایہ مانتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جس چیز کی صراحت قبیح ہے اس کے لیے "هَنْ" استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض فرج کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

هَنْ کا اعراب؟ "هَنْ" جب بلا اضافت استعمال ہوگا تو بالاجماع منقوص ہوگا یعنی لام کلمہ حذف ہوگا، پھر اس پر تمام حرکات جاری ہوں سکیں گے یعنی حالت رُفْعی میں ضمہ کے ساتھ، حالت نَصْبی میں فتح کے ساتھ اور حالت جَری میں کسرہ کے ساتھ، جیسے هَذَا هَنْ، رَأَيْتُ هَنْ، وَمَرَرْتُ بِهَنْ۔

جیسا کہ تم کہتے ہو یُعْجِبُنِي غَدًا. وَأَصُومُ غَدًا. وَاعْتَكَفْتُ فِي غَدٍ۔

اور جب مضاف ہو تو جمہور کلمات عدم اضافت ہی کا اعراب دیتے ہیں، جیسے جَاءَ هُنَا (حالت رفع میں ضمتہ کے ساتھ ہے) وَرَأَيْتُ هُنَاكَ (حالت نصبی میں فتح کے ساتھ ہے) وَمَرَرْتُ بِهَيْنِكَ (حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہے) جیسا کہ تم غَدِكَ میں پڑھتے ہو۔

لیکن بعض کلمات آخ، آب کی طرح اعراب بالحرروف کے قائل ہیں۔ جیسے هَذَا هُنَاكَ، رَأَيْتُ هُنَاكَ، وَمَرَرْتُ بِهَيْنِكَ لیکن یہ قلیل الاستعمال لغت ہے جو سیبویہ کا قول ہے۔

امام فراء اور امام زجاجی کے نزدیک هُنَّ اسمائے ستہ میں سے نہیں ہے، کیوں کہ یہ دونوں حضرات اس کے قلیل الاستعمال ہونے کی وجہ سے اس پر مطلع نہ ہو سکے اس وجہ سے انہوں نے دعویٰ کیا کہ اعراب بالحررف قبول کرنے والے اسماء چھ نہیں بلکہ پانچ ہیں۔

وَالْمُتْنَى كَ"الرَّيْدَانِ" فَيُرْفَعُ بِالْأَلِفِ، وَجَمْعُ الْمَذْكَرِ السَّالِمِ، كَ"الرَّيْدُونَ"۔ فَيُرْفَعُ بِالْوَاوِ، وَيُجَرَّانِ وَيُنْصَبَانِ بِالْيَاءِ وَ"كِلَا" وَ"كِلْتَا" مَعَ الضَّمِيرِ كَالْمُتْنَى، وَكَذَا "اِثْنَانِ" وَ"اِثْنَتَانِ" مُطْلَقًا. وَإِنْ رُكِبَا. وَ"أُولَا" وَ"عِشْرُونَ" وَ"أَخَوَاتُهُ" وَعَالِمُونَ، وَأَهْلُونَ، وَوَابِلُونَ، وَأَرْضُونَ، وَ"سِنُونَ" وَ"بَابُهُ" وَ"بَنُونَ" وَ"مَلِئُونَ" وَشَبَّهَهُ. كَالْجَمْعِ۔

ترجمہ:- اور تشنیہ جیسے زیدان، اس کو رفع بشکل الف دیا جاتا ہے۔ اور جمع مذکر سالم جیسے زیدون۔ اس کو رفع بشکل واو دیا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں جر اور نصب بشکل یاء دیئے جاتے ہیں۔ اور کلا وکلتا ضمیر کے ساتھ تشنیہ کی طرح ہے۔ اور اسی طرح "اِثْنَانِ"، "اِثْنَتَانِ" بغیر کسی قید کے اگرچہ یہ دونوں مرکب ہوں۔ اور "أُولَا"، "عِشْرُونَ" اور ان دونوں کی نظیریں۔ اور عالمون، واهلون، اور وابلون، اور ارضون، اور سنون، اور اس کا باب اور بنون، وعلیون اور اس کے مشابہ جمع کی طرح ہیں۔

وضاحت:- دوسرا اور تیسرا باب جو اصل سے مشتق ہے تشنیہ ہے، جیسے زیدان۔ اور جمع مذکر سالم ہے جیسے زیدون۔ پہلے ہم تشنیہ کی بحث لارہے ہیں اس کے بعد جمع مذکر سالم کی بحث بیان کریں گے، تاکہ علاحدہ علاحدہ مستقل بیان ہو جائے۔

تشنیہ کی تعریف:

تشنیہ ایسا اسم ہے جو دو پر دلالت کرے۔ (یہ دراصل باہم معطوف و معطوف علیہ بننے والے کلموں

کا اختصار ہے) عربی زبان میں اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ صیغہ واحد کے آخر میں حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح اور حالت نصبی و جری میں یا ماقبل مفتوح اور دونوں کے بعد نون مکسور بڑھانے سے بنتا ہے، جیسے زید سے زیدان، اور زیدین۔

تشنیہ کا اعراب:

اس باب کا اعراب حالت رفع میں ضمہ کے بجائے الف کے ساتھ۔ اور حالت جر و نصب میں کسرہ و فتح کے بجائے یا ماقبل مفتوح، مابعد مکسور کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے جَاءَنِي الزَّيْدَانِ۔ (حالت رفعی میں ضمہ کے بجائے الف کے ساتھ ہے) وَرَأَيْتُ الزَّيْدَيْنِ۔ وَمَرَرْتُ بِالزَّيْدَيْنِ (میں حالت نصبی و جری میں فتح و کسرہ کے بجائے یا ماقبل مفتوح اور نون مکسور ہے۔)

كَلَّا، وَكَلْتَا۔ اِثْنَانِ وَ اِثْنَتَانِ کی تحقیق:

جس طرح کلام عرب میں تشنیہ کو مذکورہ بالا اعراب دیا جاتا ہے، اسی طرح چار الفاظ اور ہیں جنہیں بھی تشنیہ کا اعراب دیا جاتا ہے۔ ان میں سے دو الفاظ ایسے ہیں جن کو شرائط کے ساتھ یہ اعراب دیا جاتا ہے۔ اور دو الفاظ ایسے ہیں جن کو بغیر شرائط کے یہ اعراب دیا جاتا ہے۔

كَلَّا وَكَلْتَا۔ یہ دو الفاظ ہیں جنہیں ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی شرط پر تشنیہ کا اعراب دیا جاتا ہے جیسے جَاءَ نِي كِلَاهُمَا وَكَلْتَاهُمَا (یہ دونوں حالت رفعی میں ضمہ کے بجائے الف کے ساتھ ہیں) زَأَيْتُ كِلَيْهِمَا وَكَلْتَيْهِمَا۔ وَمَرَرْتُ كِلَيْهِمَا وَكَلْتَيْهِمَا۔ (یہ دونوں حالت نصبی و جری میں فتح و کسرہ کے بجائے یا ماقبل مفتوح ہیں)

اگر یہ دونوں اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو ہر حال میں یہ دونوں الف کے ساتھ رہیں گے۔ غصی و فتی کی طرح اسم مقصور ہو کر، جیسے جَاءَ نِي كِلَا أَخَوَيْكَ، وَرَأَيْتُ كِلَا أَخَوَيْكَ، وَمَرَرْتُ بِكِلَا أَخَوَيْكَ اسی طرح كَلْتَا کی مثال لے آئیے۔

اِثْنَانِ وَ اِثْنَتَانِ: یہ دو الفاظ ہیں جن پر بلا شرط تشنیہ کا اعراب داخل ہوتا ہے، چاہے یہ دونوں مفرد ہوں جیسے جَاءَ نِي اِثْنَانِ وَ اِثْنَتَانِ، وَرَأَيْتُ اِثْنَيْنِ وَ اِثْنَتَيْنِ، وَمَرَرْتُ بِاِثْنَيْنِ وَ اِثْنَتَيْنِ یا یہ دونوں ضمیر کی طرف مضاف ہوں جیسے اِثْنَاهُم۔ یا یہ دونوں اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں جیسے اِثْنَا أَخَوَيْكَ۔ یا یہ لفظ عَشَرَ کے ساتھ مرکب ہوں جیسے جَاءَ نِي اِثْنَا عَشَرَ، وَرَأَيْتُ اِثْنِي عَشَرَ، وَمَرَرْتُ بِاِثْنِي عَشَرَ۔ (ہر حال میں حالت رفعی میں الف کے ساتھ، اور حالت نصبی و جری میں یا ماقبل مفتوح ہوگا۔)

جمع مذکر سالم کی تعریف:

اس جمع صحیح کو کہتے ہیں جس کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم اور نون مفتوح ہو۔ یا یا ماقبل مکسور اور نون مفتوح ہو، جیسے زیدون، زیدین۔

جمع مذکر سالم کا اعراب:

جمع مذکر سالم حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی وجرئی میں یاء کے ساتھ، جیسے جاءنی الزیدون (حالت رفعی کی مثال ہے) وَرَأَيْتُ الزَّيْدِينَ - وَمَرَرْتُ بِالزَّيْدِينَ - (حالت نصبی وجرئی کی مثال ہے۔)

نوٹ۔ مصنف نے ”مذکر“ کی قید لگا کر مؤنث سے احتراز کیا ہے، جیسے هُنَّ ذَاتٌ اور ”سالم“ کی قید لگا کر جمع مکسر سے احتراز کیا ہے جیسے غِلْمَانٌ، زَيُّونٌ۔

جمع مذکر سالم سے ملحق کچھ الفاظ کا اعراب:

جس طرح کلام عرب میں جمع مذکر سالم کو مذکورہ بالا اعراب دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ الفاظ ہیں (مثلاً۔ اولوا، عالمون، ارضون، سنون، اور عشرون وغیرہ) جنہیں یہی اعراب دیا جاتا ہے۔ ان میں سے پہلا لفظ ”اولو“ ہے۔

اولوا کی تحقیق: یہ جمع نہیں، بلکہ اسم جمع ہے اس کا کوئی واحد لفظی نہیں ہے، لیکن اس کا واحد معنوی یعنی ”ذو“ ہے۔

جمع سے مراد وہ اسم ہے جو تین یا زائد افراد کو بتائے اور اس کا کوئی واحد لفظی ہو۔

اسم جمع سے مراد وہ اسم ہے جس میں جمعیت کا معنی ہو، مگر اس کا واحد لفظی نہ ہو، ہاں واحد معنوی ہو، جیسے جندی کی جمع جیش۔ یا رجل کی جمع قوم۔

”اولوا“ کو وہی اعراب دیا جائے گا جو جمع مذکر سالم پر آتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول ”وَلَا يَأْتِلْ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَى“ (اور جو لوگ تم میں سے بزرگی اور وسعت والے ہیں اہل قرابت کو دینے سے قسم نہ کھائیں۔ پارہ ۸ رکوع ۱۹) اس آیت میں محل استشہاد ”اولوا“ ہے۔ اور وجہ استدلال یہ ہے کہ ”اولو“ ”یأتل“ کا فاعل ہے، علامت رفع واؤ ہے، کیوں کہ حالت رفع میں جمع مذکر سالم کو بھی بجائے ضمہ کے واؤ دیا جاتا ہے۔ اور ”أُولَى“ ”يُؤْتُوا“ کا مفعول ہے۔ اس کی علامت نصب یاء ہے کیوں کہ جمع مذکر سالم کو حالت نصب میں فتح کے بجائے یا ماقبل مکسور دیا جاتا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول ”إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولَى الْأَلْبَابِ“ (بے شک اس میں

اہل عقل کے لیے بڑی عبرت ہے۔ پارہ ۲۳ رکوع ۱۷) میں محل استشہاد "لاولی" ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ اولوا مجرد کی مثال ہے اور اس کی علامت جریاء ہے۔

اور انہی الفاظ میں سے عالمون، عشرون اور تسعون تک اس کے اخوات ہیں، کیوں کہ یہ بھی اسمائے جمع ہیں (جمع نہیں) ان کا کوئی واحد لفظی نہیں ہے جیسے جَاءَ نَبِیْ عَشْرُونَ، وَرَأَيْتُ عَشْرِينَ وَمَرَزْتُ بَعِشْرِينَ۔ اسی پر دوسرے نظیروں کی مثال لے آئیے۔

أَهْلُونَ کی تحقیق: اور انہی الفاظ میں سے "أَهْلُونَ" ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول: شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا (ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے اور گھر والوں کے۔ پارہ ۲۶، سورہ فتح آیت ۱۱) اس مثال میں "أَهْلُونَا" شَغَلَتْ فعل کا فاعل ہے، علامت رفع واؤ ہے، کیوں کہ حالت رفع میں جمع مذکر سالم کو بھی بجائے ضمہ کے واؤ دیا جاتا ہے۔

دوسری آیت:- مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ (اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو۔ پارہ ۷، سورہ مائدہ، آیت ۸۹) اس آیت میں "أَهْلِيكُمْ" تُطْعَمُونَ فعل کا مفعول ہے۔ اس کی علامت نصب یاء ہے، کیوں کہ جمع مذکر سالم کو حالت نصب میں فتح کے بجائے یا ماقبل مکسور دیا جاتا ہے۔

تیسری آیت:- "إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا" اس آیت میں "أَهْلِي" إلى حرف جر کی وجہ سے مجرد ہے اس کی علامت جریاء ہے۔

وَابِلُونَ کی تحقیق:- اسی میں سے "وَابِلُونَ" ہے، یہ وَا بِل کی جمع ہے (بمعنی موسلا دھار بارش) اَرْضُونَ کی تحقیق:- اور انہی الفاظ میں سے "اَرْضُونَ" بفتح الراء ہے، یہ مؤنث غیر عاقل کی جمع تکسیر ہے، کیوں کہ اس کا واحد "اَرْضٌ" سکون الراء آتا ہے، اَرْضٌ مؤنث ہے "وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا" (اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ پارہ ۳۰، رکوع ۲۴) کی دلیل سے یہ قطعی طور پر غیر عاقل ہے، لیکن اس پر جمع مذکر سالم کا اعراب آتا ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ اس معرب (یعنی جس کی جمع واؤ نون کے ساتھ آتی ہے) کو مذکر عاقل کی جمع سالم کے حکم میں رکھا جاتا ہے۔ جیسے ہذہ اَرْضُونَ وغیرہ۔ اور ضرورہ کبھی راء کو ساکن کر دیا جاتا ہے جیسے حدیث میں ہے۔ "وَمَنْ غَضِبَ قَيْدَ شَبْرٍ مِنْ أَرْضٍ طَوَّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ" (جس شخص نے ایک بالشت زمیں غصب کر لی، قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈالا جائے گا) اس میں اَرْضٌ سکون الراء مستعمل ہے۔

سِنُونَ کی تحقیق:- انہی الفاظ میں سے سِنُونَ ہے۔ سِنُونَ کی طرح بروہ اسم ثلاثی

جس کا لام کلمہ حذف کر کے تاء تانیث کو بدل میں لائی گئی ہو تو اس کو بھی جمع لاتے وقت جمع مذکر سالم کا اعراب دیا جاتا ہے۔ لام کلمہ کے حذف کا انجبار کرنے کے لیے، کیوں کہ یہ قاعدہ ہے کہ بروہ جمع جس کے مفرد میں تین شرائط پائی جائیں اس کی جمع واؤنوں کے ساتھ آئے گی۔ (۱) مفرد ثلاثی ہو، لہذا جعفر رباعی جیسے کی جمع واؤنوں کے ساتھ نہیں آئے گی۔ (۲) لام کلمہ حذف کر دیا گیا ہو، لہذا عِدَّة، زِنَّة صِفَّة نکل گئے، کیوں کہ ان سب میں فاکلمہ حذف ہے نہ کہ لام۔ (۳) لام محذوف کے عوض تاء تانیث لائی گئی ہو، لہذا يَدٌ، دَمٌ، اِسْمٌ وغیرہ نکل گئے۔ نیز اس کی جمع تکسیر بھی نہ آتی ہوتی واؤنوں کا اعراب دیا جائے گا، چنانچہ "سِنُونٌ" یہ بھی اَرْضُون کی مانند ہوگا، کیوں کہ یہ سَنَّة کی جمع ہے اور سَنَّة کا پہلا حرف مفتوح ہے اور سِنُون کا پہلا حرف مکسور ہے، سَنَّة مؤنث غیر عاقل ہے، اس کی اصل سَنَوٌ یا سَنَّة ہے۔ اس کی دلیل عربوں کا اس کی جمع الف تاء کے ساتھ لاتے وقت سَنَوَات اور سَنَهَات کہنا ہے۔ جب اہل عرب نے مفرد سے لام کلمہ واؤ یا ہاء کو حذف کر دیا اور اس کے عوض میں تاء تانیث لے آئے تو سَنَّة ہو گیا۔ اسی طرح عِصَّة اور عِضُون عِزَّة اور عِرْوَن، ثَبَّة اور ثُبُون، قُلَّة اور قُلُون۔ میں اہل عرب کا قول ہے۔

اہل عرب فرماتے ہیں کہ جو ثلاثی کلمہ کی جمع ہونے میں سنین کی طرح ہو، جس کا لام کلمہ حذف کر دیا گیا ہو اور اس کے عوض تاء تانیث (مدورہ) لائی گئی ہو۔ تو اس کو یہی اعراب دیا جاتا ہے۔ جیسے قُلَّة (کُلی) قُلَيْن۔ عِزَّة (گروہ) عِزَيْن۔ عِصَّة (فرقہ، ٹکڑا) عِصَيْن۔ وغیرہ۔ اور باری تعالیٰ کا قول "الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ" (جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ پارہ ۱۴، رکوع ۶) میں "عِصَيْن" جَعَلُوا کا مفعول ثانی ہے۔ بشکل یاء منصوب ہے یہ عِصَّة کی جمع ہے۔ اس کی اصل عِضُو ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزَيْن" (یعنی داہنے اور بائیں سے دوڑے چلے آ رہے ہیں آپ کی طرف مختلف گروہ بن کر۔) اس آیت میں "عِزَيْن" کا منصوب ہونا مُهْطِعِينَ کی صفت ہونے کی وجہ سے اور مُهْطِعِينَ کا منصوب ہونا حال ہونے کی وجہ سے ہے۔

بَنُون کی حقیقی:۔ اور انہیں الفاظ میں سے بَنُون اور "عَلِيُون" ہے، یعنی ان دونوں کو بھی جمع مذکر سالم کا اعراب دیا جاتا ہے، اسی طرح وہ نام جو جمع کے صیغہ سے بنایا گیا ہو جیسے "عَلِيَيْن" عَلَي کی جمع ہے۔ اس معنی سے نقل کر کے جنت کے اعلیٰ درجہ کا نام رکھ دیا اور اس کے اصل کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع مذکر سالم کا اعراب دیا گیا۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِي عَلِيَيْن، وَمَا اَدْرَاكَ مَا عَلِيُون" میں جنت کے اعلیٰ مقام کا نام مراد ہے۔ اور حرف جر "فی" کی وجہ

سے عَلَيْنَيْنِ حالت جری میں یاء کے ساتھ ہے اور عَلَيَّوْنَ حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ ہے۔ اسی بناء پر اگر آپ کسی شخص کا نام "زَيْدُوْنَ" رکھ دیں تو اسے بھی وہی اعراب دیا جائے گا جو جمع مذکر سالم کا ہوتا ہے۔ جیسے هَذَا زَيْدُوْنَ و رَأَيْتُ زَيْدَيْنِ۔ وَمَرَرْتُ بِزَيْدَيْنِ۔

الباب الرابع:- الجمع بالألف والتاء الزائدتين

و "أُولَاتُ" وَمَا جُمِعَ بِأَلْفٍ وَتَاءٍ مَزِيدَتَيْنِ، وَمَا سُمِّيَ بِهِ وَنَهْمًا، فَيُنْصَبُ بِالْكَسْرِ نَحْوُ (خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ) وَاصْطَفَى الْبَنَاتِ۔

ترجمہ:- اور "أُولَاتُ" اور وہ اسماء جو الف، تاء زائدہ کے ساتھ جمع بنائے گئے ہوں۔ اور وہ اسماء جو ان دونوں (یعنی الف تاء زائدہ) کی وجہ سے اس کے نام (یعنی جمع کے نام) کے ساتھ موسوم ہوں، تو وہ نصب دیے جائیں گے کسرہ کی شکل میں جیسے خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ اور اصْطَفَى الْبَنَاتِ۔
وضاحت:- چوتھا باب جو علامات اصول سے مستثنیٰ ہے وہ جمع ہے جو الف تاء زائدتین کے ساتھ ہو۔ جیسے هُنَّ ذَاتُ، اور زَيْنَبَاتُ۔ هُنَّ اور زَيْنَبُ کی جمع ہے جو الف تاء زائدتین کے ساتھ جمع بنائے گئے ہیں۔

حکم: جمع مؤنث۔ اور ہر وہ جمع جو الف تاء زائدہ کے ساتھ بنائی گئی ہو خواہ اس کا مفرد مذکر ہو یا مؤنث، اسی طرح وہ جمع جو اس کے صیغے کے وزن پر ہو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ حالت نصب میں بجائے فتح کے بشکل کسرہ اعراب دیا جاتا ہے۔ جیسے رَأَيْتُ الْهِنْدَاتِ وَالزَّيْنَبَاتِ، اس مثال میں لفظ هِنْدَاتِ اور زَيْنَبَاتِ رَأَيْتُ فعل کا مفعول واقع ہے جو حالت نصبی میں ہے اور حالت نصبی میں بجائے فتح کے بشکل کسرہ اعراب آتا ہے، اسی وجہ سے یہاں فتح کے بجائے بشکل کسرہ اعراب آیا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ" میں لفظ "السَّمَوَاتِ" خَلَقَ فعل کا مفعول ہے جو بر بنائے مفعولیت حالت نصبی میں ہے، لہذا اسے بھی بجائے فتح کے بشکل کسرہ اعراب آیا ہے۔ اسی طرح ارشاد خداوندی "وَاصْطَفَى الْبَنَاتِ" میں لفظ "الْبَنَاتِ" اصْطَفَى فعل کا مفعول ہے جس پر حالت نصبی میں بجائے فتح کے کسرہ آیا ہے، لیکن حالت رفعی اور جری میں اصلی اعراب آتا ہے یعنی حالت رفیع میں غنمہ کے ساتھ اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ جیسے هُنَّ بَنَاتُ، وَمَرَرْتُ بِبَنَاتِ۔

جمع مؤنث کہلانے کی وجہ:

لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جمع کے جمع مؤنث کہلانے کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کے کئی وجوہات ہیں۔ اور ان وجوہات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) کبھی لفظ کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے جمع مؤنث کہتے ہیں جیسے لفظ ھنڈ معنوی طور پر مؤنث ہے، لہذا اس کی جمع ھنڈاٹ لائے جو عورتوں کے لیے مستعمل ہے۔

(۲) کبھی لفظ تاء کی رعایت کرتے ہوئے جمع مؤنث کہتے ہیں جیسے طَلْحَة سے طَلْحَات، لفظ طَلْحَة میں تاء تانیث لفظی ہے اس کی وجہ کہ اس کی جمع طَلْحَات لائے ہیں۔

(۳) کبھی لفظ تاء اور معنی دونوں کے مجموعہ کی رعایت کرتے ہوئے جمع مؤنث کہتے ہیں، جیسے فاطمة سے فاطمات۔ لفظ فاطمة معنوی طور سے بھی مؤنث ہے اور تاء تانیث بھی موجود ہے۔

(۴) کبھی الف مقصورہ کی وجہ سے جمع مؤنث کہتے ہیں، جیسے حُبْلَى سے حُبْلَيَات کیوں کہ الف مقصورہ تانیث کی علامت ہے، لہذا اس کی جمع بھی مؤنث آئے گی۔

(۵) کبھی الف ممدودہ کی وجہ سے جمع مؤنث کہلاتی ہے جیسے صحراء سے صَحْرَاوَات، کیوں کہ الف ممدودہ بھی تانیث کی علامت ہے، اس وجہ سے اس کی جمع، جمع مؤنث آئے گی۔

(۶) اور کبھی تو مفرد مذکر کی جمع بھی جمع مؤنث آتی ہے۔ جیسے اِصْطَبَل سے اِصْطَبَلَات۔

اور حَمَام سے حَمَامَات۔

اسی طرح جمع مؤنث میں یہ شرط بھی ملحوظ نہیں ہے کہ اس جمع کے واحد کا وزن سلامت رہے جیسے ضُخْمَة سے ضُخْمَات جمع آئی ہے اس میں واحد کا وزن سلامت ہے۔ یا واحد کا وزن سلامت نہ رہے جیسے سَجْدَة سے سَجَدَات اور حُبْلَى سے حُبْلَيَات اور صَحْرَاء سے صَحْرَاوَات۔ ان تینوں مثالوں میں غور کرو کہ کسی میں بھی واحد کا وزن جمع میں جانے کے بعد سلامت نہیں ہے، جیسے پہلی مثال کے واحد میں درمیانی حرف جیم مجزوم ہے، لیکن جمع مؤنث کی صورت میں متحرک ہے، دوسری مثال کے صیغہ واحد کا الف جمع میں یاء سے بدلا ہوا ہے۔ اور تیسری مثال میں واحد کا ہمزہ جمع میں جانے کے بعد واو سے بدل دیا گیا ہے۔

چند اصطلاحات:

جمع مؤنث ایسی جمع کو کہتے ہیں جس کے آخر میں الف تاء زائد تین ہوں۔ اس کا اعراب بھی حرکت کے ساتھ ہوتا ہے۔

اسم مقصور ایسا اسم ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے حُبْلَى، مُؤَسَّی وغیرہ۔

اس کا اعراب تقدیری ہوگا یعنی حالت رُفعی میں ضمہ تقدیری، حالت نصبی میں فتح تقدیری، حالت جزی میں کسرہ تقدیری ہوگا جیسے هُنَّ حُبْلَى، رَأَيْتُ حُبْلَى، وَمَرَزْتُ بِحُبْلَى۔

اسم ممدودہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کے آخر میں الف ممدودہ ہو جیسے صحراء۔

وما جمع بالف وتاء مزیدتین کی قید سے احتراز:

مصنف کی عبارت "وَمَا جُمِعَ بِالْفِ وَتَاءٍ مَزِيدَتَيْنِ" پر اشکال ہوتا ہے کہ جمع کی تعریف میں الف اور تاء کے زائد ہونے کی قید کیوں لگائی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ الف تاء زائدتین ہونے کی قید لگا کر "بیت وابیات" اور "میت و اموات" جیسی مثالوں کو خارج کیا ہے، کیوں کہ ان دونوں مثالوں میں تاء زائدہ نہیں ہے، بلکہ اصلی ہے، اس وجہ سے یہ دونوں الفاظ حالت نصب میں فتح دیئے جاتے ہیں اور یہی اعراب اصلی ہے۔ جیسے "سَكَنْتُ اَبِيَّاتًا" اور "حَضَرَ اَمَوَاتًا" اور باری تعالیٰ کے قول "وَكُنْتُمْ اَمَوَاتًا فَاحْيَاكُمْ" ان تینوں مثالوں میں لفظ "اَبِيَّاتًا" اور "اَمَوَاتًا" حالت نصی میں فتح کے ساتھ مذکور ہے۔ اور تاء اصلی ہے، زائدہ نہیں۔

اسی طرح قضاة اور غزاة بھی "وَمَا جُمِعَ بِالْفِ وَتَاءٍ مَزِيدَتَيْنِ" کی قید سے خارج ہوں گے، کیوں کہ ان دونوں میں تاء اگرچہ زائدہ ہے مگر الف اصلی ہے، اس لیے کہ یہ الف دراصل یاء سے اور واؤ سے بدل کر آیا ہے، اس طور پر کہ قضاة کی اصل قضیة اور غزاة کی اصل غزوة ہے۔ ان دونوں میں تعلیل اس طرح ہوئی ہے۔ واؤ اور یاء متحرک، ماقبل ساکن، واؤ اور یاء کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دے دیا۔ اب ماقبل کے فتح کی مناسبت سے واؤ اور یاء کو الف سے بدل دیا۔ قضاة اور غزاة ہو گیا، لہذا ان دونوں کو حالت نصی میں فتح دیا جاتا ہے اور یہی اصل ہے جیسے رَأَيْتُ قُضَاةً وَغُزَاةً۔ بر بنائے مفعولیت منصوب ہے۔

وَمَا لَا يَنْصَرِفُ، فَيُجَرُّ بِالْفَتْحَةِ نَحْوُ (بِأَفْضَلٍ مِنْهُ) إِلَّا مَعَ أَلْ نَحْوُ (بِالْأَفْضَلِ) أَوْ الْإِضَافَةِ نَحْوُ (بِأَفْضَلِكُمْ)

ترجمہ:- اور غیر منصرف تو وہ جر بشل فتح دیا جاتا ہے جیسے بِأَفْضَلٍ مِنْهُ۔ الا یہ کہ اس پر اَلْ داخل ہو جائے جیسے بِالْأَفْضَلِ۔ یا اس کو مضاف بنا دیا جائے جیسے بِأَفْضَلِكُمْ۔

وضاحت:- پانچواں باب جو اصل اعراب سے مستثنیٰ ہے وہ غیر منصرف کا باب ہے۔

غیر منصرف کی تعریف:

غیر منصرف وہ ایسا اسم معرب ہے جس میں منع صرف کی نوعلتوں (اسباب) میں سے دو علت فرعیہ یا ایک ایسی علت جو ان نوعلتوں میں سے دو کے قائم مقام ہو پائی جائیں۔ جزء اول کی مثال جیسے فاطمة اس میں تعریف و تانیث دو علتیں پائی جا رہی ہیں جو تذکیر و تنگی کی فرع ہے۔ جزء ثانی کی مثال

جیسے مساجد اور مصابیح۔ یہ دونوں جمع ہیں اور جمع واحد کی فرع ہے اور ان دونوں کے صیغے جمع منتہی المجموع ہیں ان کی اب جمع نہیں آسکتی۔ یہی اصول افاعل، مفاعل اور مفاعیل کے وزن پر آنے والے اسم کا ہے کہ پھر ان کی جمع نہیں آسکتی، کیوں کہ یہ جمع کے دوسرے صیغوں کے بعد بطور جمع الجمع کے مستعمل ہیں، گویا جمع کی تکرار ان میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ دو جمع کے قائم مقام ہو جاتے ہیں، برخلاف دوسرے جمع کے صیغوں کے کہ ان کی پھر جمع الجمع بھی آتی ہے جیسے کَلْبٌ کی جمع اَکْلَب۔ اور جمع الجمع اکالِب آتی ہے۔ اور فَلْس کی جمع فُلُوس اور جمع الجمع اَفْلُس آتی ہے۔ اسی طرح عَرَب کی جمع اَعْرَب اور جمع الجمع اَعَارِب آتی ہے۔

جزء ثانی کی مزید مثالیں صحراء وحبلی کے وزن پر آنے والے صیغہ تانیث کی ہیں، اس میں تانیث تذکیر کی فرع ہے جو تانیث لازم ہے۔ تانیث و لزوم تانیث گویا دو علتیں ہو گئیں، اس لیے یہ صیغے بھی غیر منصرف ہوتے ہیں۔

ماحصل کلام یہ نکلا کہ جو تانیث الف مقصورہ جیسے حبلی۔ یا الف ممدودہ جیسے صحراء کے ساتھ ہو اس کے غیر منصرف بننے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے، بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دو سبب کے قائم مقام ہے ایک تانیث اور دوسرا لزوم تانیث۔ ان دو علتوں کی وجہ سے یہ دونوں غیر منصرف ہوتے ہیں۔

غیر منصرف کا پہلا حکم:

فُجِرَ بِالْفَتْحَةِ نَحْوُ بِأَفْضَلِ مِنْهُ سے مصنف علیہ الرحمۃ نے غیر منصرف کا پہلا حکم بیان فرمایا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر رفع بشكل ضمہ اور نصب بشكل فتحة اور جر بھی بشكل فتحة ہی آتا ہے۔ جیسے مَرَزَتْ بِفَاطِمَةَ وَمَسَاجِدَ وَمَصَابِيحَ وَصَحْرَاءَ اس مثال میں تمام اسماء کو حالت جر میں بشكل فتحة اعراب دیا گیا ہے جیسا کہ ان تمام اسماء کو مفعول ہونے کی صورت میں فتحة دیا جاتا ہے۔ جیسے رَأَيْتُ فَاطِمَةَ وَمَسَاجِدَ وَمَصَابِيحَ وَصَحْرَاءَ۔

قرآن کریم میں بھی غیر منصرف کو حالت جر میں بجائے کسرہ کے فتحة اعراب آیا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول "وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ" (اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب کے پاس وحی بھیجی تھی۔ پارہ ۶ سورۃ النساء، آیت ۱۶۳) میں لفظ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب حالت جر میں بشكل فتحة اعراب دیا گیا ہے، حالاں کہ یہ سب الی حرف جر کی وجہ سے مجرور ہیں۔

اسی طرح دوسری آیت میں بھی غیر منصرف کو حالت جر میں بشكل فتحة اعراب دیا گیا ہے۔ جیسے

باری تعالیٰ کا قول: "يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَتَمَائِيلٍ" (وہ جنات ان کے لیے وہ چیزیں بناتے ہیں جو ان کو منظور ہوتا۔ بڑی بڑی عمارتیں اور صورتیں۔ پارہ ۲۲، سورۃ سبا، آیت ۱۳) اس آیت میں لفظ محارِب اور تمائیل غیر منصرف ہیں، اور من حرف جر کی وجہ سے حالت جر میں ہیں، اس کے باوجود بشکل فتحہ اعراب دیا گیا ہے۔

غیر منصرف کا دوسرا حکم:

الَا مَعَ أَلْ نَحْوِ بِالْأَفْضَلِ الْخ سے مصنف نے غیر منصرف کا دوسرا حکم بیان فرمایا ہے جو مذکورہ بالا حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اس حکم کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس پر الف لام آجائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو مضاف کر دیا جائے، تو ان دونوں صورتوں میں حالت جر میں اصل کے مطابق بشکل کسرہ اعراب آتا ہے۔ پہلی صورت کی مثال جیسے "وَأَنْتُمْ عَلَافُونَ فِي الْمَسَاجِدِ" اس میں لفظ الْمَسَاجِدِ غیر منصرف ہے، لیکن الف لام کے دخول کی وجہ سے اصل کے مطابق حالت جر میں بشکل کسرہ اعراب آیا ہے۔ اسی طرح بِالْأَفْضَلِ میں ہوا ہے۔

دوسری صورت کی مثال جیسے فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ میں أَحْسَنِ غیر منصرف ہے جو مضاف ہے اور اس کی اضافت لفظ تقویم کی طرف ہو رہی ہے، لہذا یہ بھی اصل کے مطابق حالت جر میں بشکل کسرہ اعراب دیا گیا ہے، اسی طرح بِالْأَفْضَلِكُمْ کو جان لو۔

نوٹ:- جو الفاظ علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہوتے ہیں اگر انہیں مضاف بنا دیا جائے تو منصرف بن جائیں گے، کیوں کہ مضاف نکرہ ہوتا ہے۔ یہ اضافت کی وجہ سے علمیت سے نکل جاتے ہیں جیسے عثمان غیر منصرف ہے، کیوں کہ اس میں دو سبب ایک علم اور دوسرا الف نون زائد تان پائے جاتے ہیں، لیکن عثمان کو مضاف بنا دیا جائے تو اضافت کے وقت یہ علمیت سے خارج ہو کر نکرہ ہو جائے گا، لہذا اس میں صرف ایک سبب باقی رہا جو دو کے قائم مقام نہیں ہے، چنانچہ یہ غیر منصرف نہیں پڑھا جائے گا۔ برخلاف اُحْمَل کے کہ اگر اس کی اضافت کسی کی طرف کر دی جائے تو بھی یہ غیر منصرف ہی رہے گا، کیوں کہ اس میں ابھی بھی دو سبب ایک تو صفت اور دوسرا وزن فعل پایا جا رہا ہے۔ اور جب دو سبب موجود ہوں تو اب غیر منصرف بننے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔

نوٹ:- غیر منصرف پر اگر الف لام داخل کر دیا جائے تو پھر اصل کے مطابق حالت جر میں بشکل کسرہ اعراب آئے گا، اس کی مثال مصنف کا قول "بِالْأَفْضَلِ" شاعر کے قول:

رَأَيْتُ الْوَلِيدَ بْنَ الْيَزِيدِ مُبَارَكًا شَدِيدًا بِأَعْبَاءِ الْخِلَافَةِ كَاهِلَةً

(ترجمہ: میں نے ولید بن الیزید کو برکت والا، بہادر، عظیم الشان حکومت کا عظیم مالک اور

شوکت و قوت والا پایا) سے بہتر ہے۔ یہ شعر ابن میادہ رماح بن اسود بن ثوبان کا ہے جو شعراء متقدمین میں سے یکتا و یگانہ روزگار ہے۔

شعر میں لفظ الیزید غیر منصرف ہے، لیکن الف لام کے دخول کی وجہ سے حالت جر میں اعراب اصلی بشکل کسرہ آیا ہے، لیکن احتمال ہے کہ شاعر "یزید" کے بعد لفظ الشیاع کو مقدر مانتا ہو، تو ایسی صورت میں یزید مضاف ہونے کی وجہ سے علمیت سے خارج ہو کر نکرہ ہو جائے گا۔ پس اس بناء پر اس میں صرف وزن فعل باقی رہے گا۔ جو اکیلا غیر منصرف نہیں بنا سکتا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ علمیت باقی رہے اور الف لام زائد ہو، لیکن مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "بِالْأَفْضَلِ" میں ایسا احتمال نہیں ہے، لہذا مصنف کا قول بِالْأَفْضَلِ شاعر کے قول سے بہتر ہوا۔

الباب السادس: الأفعال الخمسة حكم هذه الأفعال

وَالْأُمُثْلَةُ الْخَمْسَةُ، وَهِيَ: تَفْعَلَانِ، وَتَفْعَلُونَ، بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيهِمَا، وَتَفْعَلَيْنِ، فَتَرْفَعُ بِثُبُوتِ النُّونِ، وَتُجْزَمُ وَتُنْصَبُ بِحَذْفِهَا نَحْوُ: (فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا يَأَيُّ تَفْعَلُوا)

ترجمہ:- اور پانچ مثالیں۔ اور وہ تَفْعَلَانِ، وَتَفْعَلُونَ۔ ان دونوں میں یاء اور تاء کے ساتھ۔ اور تَفْعَلَيْنِ تو ان کو نون کے ذکر کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے۔ اور نون کے حذف کے ساتھ جزم و نصب دیا جاتا ہے۔ جیسے فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا۔

وضاحت:- چھٹا باب جو علامات اصول سے مستثنیٰ ہے وہ یہ پانچ مثالیں ہیں۔ تَفْعَلَانِ،

تَفْعَلَانِ، يَفْعَلُونَ، تَفْعَلُونَ اور تَفْعَلَيْنِ۔

الْأُمُثْلَةُ الْخَمْسَةُ کی تعریف:

اس سے مراد ہر وہ فعل مضارع ہے جس میں تشنیہ کا الف ملا ہوا ہو۔ جیسے تشنیہ غائب کی مثال يَقُومَانِ، اور تشنیہ حاضر کی مثال يَقُومَانِ۔ ان دونوں مثالوں میں تشنیہ کا الف فعل مضارع کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یا جمع کا واؤ ملا ہوا ہو جیسے جمع غائب کی مثال يَقُومُونَ۔ اور جمع حاضر کی مثال يَقُومُونَ۔ ان دونوں مثالوں میں جمع کا واؤ فعل مضارع کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یا واحد مؤنث حاضر کی یاء لگی ہوئی ہو جیسے يَقُومِينَ اس مثال میں واحد مؤنث حاضر کی یاء فعل مضارع کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

حکم: ان پانچ مثالوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو رفع، ضمہ کے بجائے نون کے ذکر کے ساتھ۔ اور نصب و جزم، فتح و سکون کے بجائے نون کے حذف کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ جیسے "أَنْتُمْ يَقُومُونَ" رفع

کی مثال ہے، یہ ناصب و جازم سے خالی ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے علامت رفع نون کا ذکر ہے۔ اور "لَمْ تَقُومُوا" جازم و مجزوم ہے، علامت جزم و سکون کے بجائے نون کے حذف کے ساتھ مذکور ہونا ہے۔ اور "لَنْ تَقُومُوا" ناصب و منصوب ہے، علامت نصب، فتح کے بجائے نون کے حذف کے ساتھ مذکور ہونا ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول: "فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا، وَلَنْ تَفْعَلُوا" ہے کہ لَمْ تَفْعَلُوا جازم و مجزوم ہے اور لَنْ تَفْعَلُوا ناصب و منصوب ہے۔ اور جزم و نصب کی علامت بجائے فتح و سکون کے نون کا حذف ہونا ہے۔

الباب السابع: الفعل المضارع المعتل الآخر

وَالْفِعْلُ الْمُضَارِعُ الْمُعْتَلُ الْآخِرُ، فَيُجْزَمُ بِحَذْفِ آخِرِهِ، نَحْوُ "لَمْ يَغْزُ" وَ "لَمْ يَخْشُ" وَ "لَمْ يَرْمِ"۔

ترجمہ:- اور وہ فعل مضارع جس کے آخر میں حرف علت ہو، تو اس کو جزم اس کے آخر (حرف علت) کے حذف کی شکل میں دیا جاتا ہے۔ جیسے لَمْ يَغْزُ اور لَمْ يَخْشُ اور لَمْ يَرْمِ۔
وضاحت:- یہ ان سات ابواب میں سے آخری باب ہے جو علامات اصول سے مستثنیٰ ہیں یعنی وہ فعل مضارع جس کے آخر میں حرف علت واو، الف اور یاء ہو جیسے يَغْزُوا، وَيَخْشَى اور يَرْمِي۔
حکم: اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو حرکت کے حذف کے بجائے آخری حرف حذف کر کے جزم دیا جاتا ہے۔ جیسے لَمْ يَغْزُ فعل مضارع مجزوم ہے اور علامت جزم واو کا حذف ہونا ہے۔ وَلَمْ يَخْشُ فعل مضارع مجزوم ہے اور علامت جزم الف کا حذف ہونا ہے اور وَلَمْ يَرْمِ بھی فعل مضارع مجزوم ہے اور علامت جزم یاء کا حذف ہونا ہے۔

الفصل في علامة الأعراب ظاهرة أو مقدرة

فَصْلٌ: تُقَدَّرُ جَمِيعُ الْحَرَكَاتِ فِي نَحْوِ غَلَامِي وَالْفَتَى، وَيُسَمَّى الثَّانِي مَقْصُورًا، وَالضَّمَّةُ وَالْكَسْرَةُ فِي نَحْوِ: الْقَاضِي، وَيُسَمَّى مَنقُوصًا، وَالضَّمَّةُ وَالْفَتْحَةُ فِي نَحْوِ: يَخْشَى، وَالضَّمَّةُ فِي نَحْوِ: يَدْعُو وَيَقْضِي، وَتَظْهَرُ الْفَتْحَةُ فِي نَحْوِ: إِنَّ الْقَاضِي، لَنْ يَقْضِي، وَلَنْ يَدْعُو۔

ترجمہ:- فصل، غلامی اور الْفَتَى جیسی مثالوں میں تمام حرکات تقدیری ہوتی ہیں۔ اور دوسرے (الْفَتَى) کا نام اسم مقصور رکھا جاتا ہے۔ اور الْقَاضِي جیسی مثال میں ضمہ اور کسرہ تقدیری

ہوتے ہیں۔ اس کا نام منقوص رکھا جاتا ہے۔ اور یَخْشَى میں ضمہ اور فتح تقدیری ہوتے ہیں۔ اور يَذْعُو وَيَقْضِي میں ضمہ تقدیری ہوتا ہے۔ اور "إِنَّ الْقَاضِي، لَنْ يَقْضِي، وَلَنْ يَذْعُو جیسے میں فتح ظاہری ہوتا ہے۔

وضاحت:۔ علامات اعراب کی دو قسمیں ہیں، اعراب ظاہری، اعراب تقدیری، مذکورہ بالا سات اقسام جو علامات اصول سے مستثنیٰ ہیں وہ اعراب ظاہری کے اقسام تھے، لیکن اعراب کبھی مقدر بھی ہوتا ہے، اس کی پانچ صورتیں ہیں۔

اعراب تقدیری کی صورتیں:

اعراب تقدیری کی پانچ صورتیں ہیں: (۱) کبھی اعراب کی تمام ہی حرکات مقدر ہوتی ہیں، جب کہ کلمہ کے آخر میں الف لازم ہو، چوں کہ یہ ذاتی طور پر کوئی حرکت قبول ہی نہیں کرتا، اسے اسم مقصور کہتے ہیں جیسے الْفَتَى، آپ کہیں گے، جَاءَ الْفَتَى رَأَيْتُ الْفَتَى، وَمَرَرْتُ بِالْفَتَى، پہلی مثال میں ضمہ تقدیری، دوسری میں فتح تقدیری اور تیسری میں کسرہ تقدیری ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کے آخر میں ایسا الف ہے جو ذاتی طور پر کسی حرکت کو قبول ہی نہیں کرتا ہے، لہذا اس پر حرکت کے متغذر ہونے کی وجہ سے تینوں حرکات تقدیری ہوں گی۔

(۲) کبھی اعراب کی تمام حرکات مقدر ہوتی ہیں۔ کلمہ سے کسی حرف کے متصل ہو جانے کی وجہ سے جیسے کسی اسم کی اضافت یا متکلم کی طرف ہو جائے تو یاء ہر حال میں اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے۔ لہذا یہاں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا۔ جیسے غُلَامِي أَخِي، أَبِي، وغیرہ۔ ان مثالوں کو ماقبل یاء پر تقدیری حرکتوں کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اسم کا آخر یا متکلم اپنے مناسب حرکت کسرہ کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے دوسرے اعراب کے ظاہر ہونے سے روک دے گی۔ اس لیے اس وقت یاء سے پہلے اعرابی حرکات کا آنا محال ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ محل واحد، آن واحد میں دو حرکتوں کو قبول نہیں کرتا ہے، لہذا جب آپ "جَاءَ غُلَامِي" کہیں گے تو علامت رفع ماقبل یاء (میم) پر ضمہ تقدیری ہوگا، اور "رَأَيْتُ غُلَامِي" کہیں گے تو علامت نصب ماقبل یاء پر فتح تقدیری ہوگا، اور "مَرَرْتُ بِغُلَامِي" کہیں گے تو علامت جر ماقبل یاء پر کسرہ تقدیری ہوگا، نہ کہ یہ موجودہ کسرہ۔

(۳) جس اسم کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو اس میں ضمہ اور کسرہ کا اعراب تقدیری ہوتا ہے، ایسے اسم کو اسم منقوص کہتے ہیں۔ جیسے قَاضِي اور دَاعِي۔ لہذا جب آپ "جَاءَ الْقَاضِي وَالْدَّاعِي" کہیں گے تو علامت رفع ماقبل یاء پر ضمہ تقدیری ہوگا۔ اور "مَرَرْتُ بِالْقَاضِي وَالْدَّاعِي" کہیں گے تو

علامت جر ماقبل یاء کسرہ تقدیری ہوگا، لیکن رَأَيْتُ الْقَاضِيَ وَالذَّاعِيَ میں علامت نصب ماقبل یاء پر فتحہ ظاہری ہوگا۔

(۴) وہ فعل جس کا آخری حرف الف ہو (معتل الف) اس میں ضمہ وفتحہ تعذر کی وجہ سے تقدیری ہوتے ہیں کیوں کہ الف پر حرکت متعذر ہوتی ہے، اس فعل کو معتل الفاء کہتے ہیں، جیسے يَخْشَى لہذا جب آپ يَخْشَى زَيْدٌ کہیں گے تو علامت رفع الف پر ضمہ تقدیری ہوگا۔ اور لَنْ يَخْشَى عمرو کہیں گے تو علامت نصب الف پر فتحہ تقدیری ہوگا۔ اور لَمْ يَخْشَ کہیں گے تو اس پر جزم آئے گا جو حرف آخر (الف) کے حذف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) اگر فعل مضارع معتل واوی یا معتل یائی (یعنی لام کلمہ واویا یا یاء) ہے تو ضمہ تقدیری رہے گا۔ معتل واوی جیسے يَدْعُو اور معتل یائی جیسے يَزِيْمي ان دونوں میں اعراب ثقیل ہونے کی وجہ سے صرف ضمہ تقدیری ہوتا ہے۔ آپ کہیں زَيْدٌ يَدْعُو اور زَيْدٌ يَزِيْمي تو ان دونوں میں علامت رفع ضمہ تقدیری ہوگا اور دو حرکتیں ان میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک نصب فتحہ کے ساتھ اور یہ اس کے خفیف ہونے کی وجہ سے ہے۔ نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوگا معتل یائی میں۔ خواہ وہ اسماء ہوں یا افعال۔ جیسے اِنَّ الْقَاضِيَ اسم ہے اس کے یاء پر نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہے۔ لَنْ يَقْضِيَ فعل ہے، اس کے یاء پر بھی نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، لیکن معتل واوی پر نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوگا فقط افعال میں اسماء میں نہیں۔ جیسے لَنْ يَدْعُو فعل ہے اس کے واو پر نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ" (اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی پکار کو قبول کرو) میں دَاعِيَ اسم ہے معتل یائی ہے اس کے یاء پر بر بنائے مفعولیت نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہے اور لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا (اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو ثواب نہ دے گا۔ پارہ ۱۲، رکوع ۳) میں لَنْ يُؤْتِي فعل ہے اور معتل یائی ہے، اس کے یاء پر لَنْ حرف ناصب کی وجہ سے نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ اور لَنْ نَدْعُو مِنْ دُونِهِ إِلَهًا (ہم اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں۔ پارہ ۱۵، رکوع ۱۲) میں لَنْ نَدْعُو فعل ہے اور معتل واوی ہے اس کے واو پر لَنْ حرف ناصب کی وجہ سے نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔

بَابُ رَفْعِ الْفِعْلِ الْمُضَارِعِ

فَصْلٌ: يُرْفَعُ الْمُضَارِعُ خَالِيًا مِنْ نَاصِبٍ وَجَازِمٍ، نَحْوُ "يَقُومُ زَيْدٌ"

ترجمہ:- فعل: مضارع کو رفع دیا جائے گا (عالم) ناصب و جازم سے خالی ہونے کی

وجہ سے جیسے "يَقُومُ زَيْدٌ"۔

وضاحت: - تمام نحویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب فعل مضارع عامل ناصب و جازم سے خالی ہو تو مرفوع ہوگا جیسے يَقُومُ زَيْدٌ اور يَقْعُظُ عَمْرُو۔ لیکن فعل مضارع کا عامل رفع کیا ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام فراء اور ان کے ہمنواؤں کا مذہب یہ ہے کہ فعل مضارع کا عامل ناصب و جازم سے خالی ہونا اس کے رفع ہونے کا عامل ہے۔

امام کسائی کا مذہب ہے کہ فعل مضارع کا عامل حروف مضارع ہے۔ اور حروف مضارع چار ہیں، الف، تاء، یاء، نون، جن کا مجموعہ "آتین" ہے۔ امام ثعلب کا مذہب یہ ہے کہ مضارع کا اسم کے مشابہ ہونا رفع کا عامل ہے جیسے يَقُومُ معنی میں قائم کے مشابہ ہوتا ہے۔

نحات بصرہ کہتے ہیں کہ فعل مضارع کا اسم کی جگہ میں ہونا اس کے رفع کا عامل ہے پس "زَيْدٌ يَضْرِبُ" چوں کہ زَيْدٌ ضَارِبٌ کی جگہ میں ہے، لہذا اس کو وہ اعراب دیا گیا جو اسبق اور اقویٰ ہے، لیکن جب اس پر "أَنْ لَنْ، لَمْ، لَمَّا" داخل ہو تو اس کا مرفوع ہونا ممتنع ہو جائے گا، کیوں کہ ان حروف کے بعد اسم واقع نہیں ہوتا، لہذا اب یہ اسم کی جگہ میں نہیں ہوگا۔

مصنف فرماتے ہیں کہ سب سے اصح اور درست قول پہلا قول ہے کہ فعل مضارع کا عامل ناصب و جازم سے خالی ہونا اس کے رفع کا عامل ہے۔ اور یہی اہل عرب کا بھی مشہور قول ہے۔ رہا امام کسائی کا مذہب کہ فعل مضارع کا عامل حروف مضارع ہے، تو یہ درست نہیں، کیوں کہ شئی کا جزء اسی شئی میں عمل نہیں کرتا ہے، لہذا یہ حروف مضارع بھی عامل نہیں ہو سکتا۔

اور امام ثعلب کا مذہب یہ ہے کہ فعل مضارع کا اسم کے مشابہ ہونا رفع کا عامل ہے، کیوں کہ مشابہت من حیث الجملة اسم کے اعراب کا تقاضہ کرتا ہے یہ بھی درست نہیں، کیوں کہ اس وقت اعراب کے اقسام میں سے ہر ایک قسم ایک ایسے عامل کا محتاج ہوگا جو اس کا تقاضہ کرے، لہذا اس وقت فعل مضارع کا دائمی مرفوع ہونا لازم آئے گا، حالاں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اور بصریین کا مذہب کہ مضارع کا اسم کی جگہ میں ہونا اس کے رفع کا عامل ہے یہ بھی درست نہیں، کیوں کہ "هَلَّا يَقُومُ" جیسی میں "هَلَّا" حرف خفض کے بعد فعل واقع ہوا ہے۔ اور حرف خفض کے بعد اسم نہیں آتا ہے، اگر فعل مضارع کا اسم کی جگہ میں آنا عامل رفع ہے تو پھر "هَلَّا يَقُومُ" میں يَقُومُ کو اسم کی جگہ میں ہونا چاہیے، حالاں کہ "هَلَّا" کے بعد اسم نہیں آتا ہے، لہذا یہاں يَقُومُ فعل اسم کی جگہ میں نہیں آیا، اور جب فعل کا اسم کی جگہ میں واقع ہونا درست نہیں تو اب اس کا عامل رفع بھی ہونا درست نہیں۔

بَابُ نَوَاصِبِ الْمُضَارِعِ — الْكَلَامُ عَلَى "لَنْ"

وَيُنْصَبُ بَلَنْ، نَحْوُ "لَنْ نَبْرَحَ".

ترجمہ: - اور فعل مضارع نصب دیا جاتا ہے لن کی وجہ سے جیسے لن نبرح۔

وضاحت: - جب مصنف فعل مضارع کے عامل رفع کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب عامل نصب کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ جب "لَنْ، كَيْ، إِذَنْ اور أَنْ" ان چاروں حروف میں سے کوئی ایک فعل مضارع کے شروع میں آئے تو مضارع پر نصب آئے گا۔

مثال: یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ جب فعل مضارع کو نصب دینے والے عامل چار ہیں لَنْ، كَيْ، إِذَنْ اور أَنْ، تو ان میں "لَنْ" کو بقیہ عوامل ناصبہ پر مقدم اور "أَنْ" کو مؤخر کیوں کیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ لَنْ مطلقاً نصب کے لیے آتا ہے برخلاف دوسرے عوامل ناصبہ کے کہ وہ مطلقاً نصب کے لیے نہیں آتے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ مطلق مقید پر مقدم ہوتا ہے، لہذا لَنْ بھی مقدم ہوگا۔ اسی بناء پر لَنْ کو مقدم فرمایا۔ اور أَنْ کو مؤخر اس لیے کیا چونکہ اس کی بحث طویل ہے، جس کے لیے مستقل وقت اور خالی الذہن ہونا درکار ہے، تا کہ بعد میں اطمینان سے بیان کیا جائے۔

لَنْ کی تحقیق:

"لَنْ" بالاتفاق فعل مضارع کو نفی مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے، لیکن دوام کا تقاضہ کرتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام زنجشیریؒ کے نزدیک یہ دوام کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور جمہور کے نزدیک تقاضہ نہیں کرتا، اسی طرح یہ تاکید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یا نہیں؟ تو جمہور کا کہنا ہے کہ یہ تاکید کے لیے نہیں آتا، لیکن امام کشاف فرماتے ہیں کہ تاکید کے معنی پر دلالت کرتا ہے، لہذا اس اختلاف کی بنیاد پر "لَنْ يَقُومُ" جیسی مثال میں آپ "إِنَّكَ لَا تَقُومُ أَبَدًا" کا معنی بھی مراد لے سکتے ہیں اور "إِنَّكَ لَا تَقُومُ بَعْضُ أَرْمَنَةِ الْمُسْتَقْبَلِ" کا معنی بھی مراد لے سکتے ہیں، لہذا یہ "لَا أَقُومُ" کی طرح ہو جائے گا، تاکید کا فائدہ نہ دینے میں۔

ایک اختلاف یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ "لَنْ" دعاء کے لیے آتا ہے یا نہیں، تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ دعاء کے لیے نہیں آتا، لیکن ابن السراج کا کہنا ہے کہ یہ دعاء کے لیے آتا ہے۔ اور استدلال میں باری تعالیٰ کا قول: "قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ" (ترجمہ: کہنے لگے اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا، میں بھی اب ہرگز کسی گنہگار کا مددگار نہ بنوں گا۔ پارہ ۲۰، سورۃ القصص آیت ۱۷) پیش کیا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں لَنْ دعاء کے لیے استعمال کیا

گیا ہے، لہذا لَنْ دعاء کے لیے آئے گا۔

جمہور فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال کرنا درست نہیں، کیوں کہ یہاں "لَنْ اَكُوْنَ" "فاجعلنی لَا اَكُوْنَ" کے معنی میں ہے۔ اور یہ نفی محض پر محمول ہے اور اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کر رہا ہے کہ اب وہ مجرمین کی مدد نہیں کرے گا، اس فضل اور انعام کے سبب جو خدا نے اس پر کیا ہے، لہذا یہ نفی محض کے لیے ہے دعاء کے لیے نہیں ہے۔

لَنْ کی اصلیت:

"لَنْ" کی حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں ائمہ نحو کا باہم اختلاف ہے۔ امام خلیل کا کہنا ہے کہ اس کی اصل "لَا اَنْ" ہے، ہمزہ بغرض تخفیف اور الف التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ جیسے "ای شئی" کو مخفف کرنے کے "ایش" کرتے ہیں۔ امام فراء کا مذہب یہ ہے کہ اس کی اصل "لا" ہے، الف کو نون سے بدل دیا ہے، لیکن امام سیبویہ اور مصنف کا مذہب یہ ہے کہ یہ مستقل کلمہ ہے، کسی کی اصل سے بدلا ہوا نہیں ہے۔ اور نہ لَّا اَنْ سے مرکب ہے۔

وَبِكَيِّ الْمَصْدَرِيَّةِ، نَحْوُ: "لِكَيْلَا تَأْسُوا"

ترجمہ:۔ اور فعل مضارع کو نصب دیا جاتا ہے کئی مصدریہ کی وجہ سے جیسے لِكَيْلَا تَأْسُوا۔

وضاحت:۔ فعل مضارع کے عوامل ناصبہ میں سے دوسرا عامل ناصب حرف "کئی" ہے۔

حرف کئی اَنْ مصدریہ کے قائم مقام ہو کر مضارع کو نصب دیتا ہے۔ یہی عمل یہ اس وقت بھی کرتا ہے جب اس پر لفظ لام داخل ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول: "لِكَيْلَا تَأْسُوا" اور "لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ" ان دونوں مثالوں میں لام لفظاً کئی پر داخل ہے، لہذا اپنے بعد آنے والے فعل مضارع کو کئی نے نصب دیا ہے۔

یا تقدیراً لام داخل ہو جیسے جِئْتُكَ کئی تُکْرِمُنِي میں کئی دراصل لکئی ہے، لام حذف کر دیا گیا اور اس کے موجود ہونے کی نیت کر لی گئی۔ اگر لام مقدر نہ مائیں تو کئی حرف جر بنے گا، لام تعلیل کے قائم مقام ہو کر اور اس کے بعد لازماً اَنْ مقدر ہوگا، جس کی وجہ سے فعل مضارع کو نصب دیا جائیگا۔

وَبِإِذْنٍ مُّصَدَّرَةٍ وَهُوَ مُسْتَقْبَلٌ مُّتَّصِلٌ أَوْ مُنْفَصِلٌ بِقَسَمٍ نَحْوُ "إِذْنُ أَكْرَمَكَ" وَ "إِذْنُ وَاللَّهِ نَرْمِيَهُمْ بِحَرْبٍ"

ترجمہ:۔ اور فعل مضارع کو نصب دیا جاتا ہے إِذْنُ مُصَدَّرَةٍ (یعنی صدر کلام میں

آنے والا إِذْنُ) کی وجہ سے اور وہ مستقبل متصل ہوتا ہے یا منفصل ہوتا ہے قسم کے بعد، جیسے إِذْنُ

اُکْرِمَكَ (تب میں تیری تعظیم کروں گا) اور اِذَنْ وَاللّٰہِ نَرْمِيْہُمْ بِحَرْبٍ (تب تو خدا کی قسم ہم ان سے ایسی جنگ کریں گے)۔

وضاحت:- تیسرا عامل ناصب "اِذَنْ" ہے، اسے امام سیبویہ کے نزدیک جواب اور جزاء کا حرف کہا جاتا ہے۔ یہی قول امام شلوین کا ہے۔ کیوں کہ یہ جواب اور جزاء میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور امام فارسی نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ جواب اور جزاء میں کثیر الاستعمال ہے۔ اور بعض نے صرف حرف جواب کہا ہے۔ اور استدلال کیا ہے اہل عرب کے قول "اُحِبُّكَ" سے، وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کوئی آپ سے "اُحِبُّكَ" کہے تو آپ اس کے جواب میں "اِذَا اَظْلَنُكَ صَادِقًا" کہیں گے۔ اور یہ جواب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جواب کا حرف ہے۔

اِذَنْ کے عامل ناصب بننے کی شرطیں:

اِذَنْ فعل مضارع کو تین شرطوں کے ساتھ نصب دیتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ یہ صدارت کلام میں ہو، اگر صدارت کلام میں نہ ہو تو پھر اس وقت وہ فعل مضارع کو نصب دے گا، بلکہ اس وقت اس کا مابعد مرفوع ہوگا، جیسے "زَيْدٌ اِذَنْ اُکْرِمُهُ" میں فعل مضارع کو رفع کے ساتھ پڑھا جائے گا، کیوں کہ اِذَنْ صدارت کلام میں نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اِذَنْ کے بعد فعل زمانہ مستقبل کے ساتھ خاص ہو، نہ کہ حال کے۔ اگر حال کا معنی پایا جارہا ہو تو پھر اس فعل مضارع کو نصب نہیں دے گا، بلکہ رفع آئے گا۔ جیسے تم سے کوئی بات کہے تو تم "اِذَنْ تَصَدَّقْ" (تب تم سچ کہتے ہو) کہو تو اس وقت حال کا معنی پایا جارہا ہے، اس کی وجہ سے اِذَنْ، تَصَدَّقْ کو نصب نہیں دے گا۔

تیسری شرط:- اِذَنْ اور فعل مضارع کے درمیان قسم کے علاوہ اور کوئی فاصل نہ ہو جیسے "اِذَنْ وَاللّٰہِ اُکْرِمَكَ" اسی طرح شاعر کا قول:

اِذَنْ وَاللّٰہِ نَرْمِيْہُمْ بِحَرْبٍ تَشِيْبُ الطِّفْلَ مِنْ قَبْلِ الْمَشِيْبِ۔

(ترجمہ: تب تو خدا کی قسم ہم ان سے ایسی جنگ کریں گے جو بچوں کو جوانی سے بوڑھا کر دے گی)۔

یہ حسان بن ثابت کا شعر ہے جیسا کہ سبیل الہدی ص ۵۹ پر مرقوم ہے۔

اس شعر میں "اِذَنْ" فعل مضارع پر داخل ہو کر نصب دے رہا ہے، حرف قسم فاصل ہے، لیکن یہ فاصل اِذَنْ کے عمل کرنے سے مانع نہیں ہے، اگر حرف قسم کے علاوہ دوسرا فاصل ہو تو پھر یہ فعل مضارع کو نصب نہیں دے گا، مثلاً اگر تم "اِذَنْ يَا زَيْدٌ" کہو تو اس کے بعد آنے والے فعل "اُکْرِمَكَ" کو رفع کے ساتھ پڑھو گے۔ اسی طرح جب اِذَنْ فِی الدَّارِ کہو گے تو اس کے بعد آنے والے فعل کو "اُکْرِمَكَ" رفع

کے ساتھ پڑھو گے۔ اسی طرح "إِذْنُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَكْرَمُكَ" کو رفع کے ساتھ پڑھو گے، کیوں کہ إِذْنُ اور فعل کے درمیان میں حرف قسم کے علاوہ دوسرا حرف فاعل ہے جو کہ إِذْنُ شرط کے خلاف ہے، لہذا رفع آئے گا نصب نہیں۔

وَبَيَانَ الْقَصْدِ رِيَّةً، ظَاهِرَةً، نَحْوُ (أَنْ يَغْفِرَ لِي) مَا لَمْ تُسَبِّقْ بِعِلْمٍ، نَحْوُ (عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضًى) فَإِنْ سُبِقَتْ بِظَنْ فَوْجَهَانِ، نَحْوُ (وَحَسِبُوا أَنْ لَا تَكُونُ فِتْنَةً) وَمُضْمَرَةٌ جَوَارًا بَعْدَ عَاطِفٍ مَسْبُوقٍ بِاسْمٍ خَالِصٍ، نَحْوُ "وَلَبَسُ عِبَاءَةً وَتَقَرَّ عَيْنِي" وَبَعْدَ اللَّامِ، نَحْوُ (لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ)، إِلَّا فِي نَحْوِ (لِئَلَّا يَعْلَمَ)، وَ (لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ) فَتَظْهَرُ لَا غَيْرُ، وَنَحْوُ (وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ) فَتُضْمَرُ لَا غَيْرُ، كَمَا ضَمَّرَهَا بَعْدَ "حَتَّى" إِذَا كَانَ مُسْتَقْبَلًا، نَحْوُ (حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَى)۔

ترجمہ:- اور (فعل مضارع کو نصب دیا جاتا ہے) اَنْ مصدریہ کی وجہ سے، کبھی اَنْ ظاہر ہوتا ہے (لفظوں میں) جیسے "أَنْ يَغْفِرَ لِي" (وہ مجھے بخش دے) جب تک اس سے پہلے مادہ علم نہ لایا گیا ہو، جیسے "عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضًى" (اللہ نے جانا کہ عنقریب تم میں بیمار ہوں گے) پس اگر مادہ ظن (اَنْ سے) پہلے لایا گیا ہو تو (اَنْ کی) دو صورتیں ہیں۔ جیسے "وَحَسِبُوا أَنْ لَا تَكُونُ فِتْنَةً" (اور ان لوگوں نے خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی) اور اَنْ کا پوشیدہ لایا جانا جائز ہوتا ہے ایسے حرف عطف کے بعد جو اسم خالص کے ساتھ لایا گیا ہو، جیسے "وَلَبَسُ عِبَاءَةً وَتَقَرَّ عَيْنِي" (عباء پہننا اور یہ کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہو) اور لام گئی کے بعد (ان پوشیدہ لایا جاتا ہے) جیسے "لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ" (یہ کہ تو واضح کر دے لوگوں کے سامنے) مگر "لِئَلَّا يَعْلَمَ" (تاکہ وہ نہ جانے) اور "لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ" (تاکہ نہ رہے لوگوں کو) جیسی مثالوں میں۔ تو وہ (یعنی اَنْ) ظاہر ہوگا۔ اس کے علاوہ نہیں۔ (یعنی پوشیدہ نہ ہوگا) اور "وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ" (اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان پر) جیسی مثال میں، تو وہ (یعنی اَنْ) پوشیدہ لایا جاتا ہے، اس کے علاوہ نہیں، جیسا کہ اس کا (یعنی اَنْ) (کا) پوشیدہ ہونا حتی کے بعد (لازم ہے) جب کہ وہ صیغہ مستقبل ہو، جیسے "حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَى" (جب تک لوٹ کر آئے موسیٰ ہمارے پاس)۔

وضاحت:- فعل مضارع کا چوتھا اور آخری عامل ناصب "اَنْ" ہے۔ اَنْ حروف ناصبہ

میں اصل اور اُمّ الباب کہلاتا ہے، اور اس کی دو جہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ اس ”اَنْ“ کے ساتھ لفظاً اور معنی مشابہت رکھتا ہے جو مشدّدہ سے مخفف ہے لفظاً تو ظاہر ہے اور معنی اس وجہ سے کہ دونوں مصدر یہ ہیں۔ اور باقی حروف ناصبہ عمل میں اس پر محمول ہیں، کیوں کہ وہ استقبال کے لیے آتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مُنظہر اور مُضمر دونوں صورتوں میں فعل مضارع کو نصب دیتا ہے برخلاف بقیہ نواصب کے کہ وہ فقط مُنظہر ہونے کی صورت میں عمل کرتے ہیں۔ حالت اضمار میں نہیں۔

مصنفؒ نے ”اَنْ“ کی بحث کو بقیہ عوامل ناصبہ سے اس لیے مؤخر فرمایا کہ اس کی بحث طویل ہے اور بقیہ عوامل ناصبہ کی بحثیں زیادہ طویل نہیں، لہذا مصنفؒ نے یہ بہتر سمجھا کہ آسان اور چھوٹی بحثیں پہلے ذکر کر دی جائیں اور طویل بحث بعد میں اطمینان سے بیان کیا جائے، تاکہ مبتدی طلبہ کے لیے اکتاہٹ نہ ہو۔

اَنْ ناصبہ ظاہرہ کا عمل:

وَبَانَ الْمَصْدَرِيَّةُ ظَاهِرَةً کی وضاحت: ”اَنْ“ فعل مضارع کے شروع میں لفظوں میں ظاہر ہوتا ہے اور مضارع کو مصدر کے معنی میں کرتے ہوئے آخر کو نصب دیتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول: ”وَالَّذِي اَطْمَعُ اَنْ يَغْفِرَ لِيْ خَطِيئَتِيْ“ (اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر، پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۸۲) اور ”يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ“ (اللہ چاہتا ہے تم سے بوجھ کا ہلکا کر دینا) ان دونوں آیتوں میں ”اَنْ“ لفظوں میں ظاہر ہے اور فعل مضارع کو مصدر کے معنی میں کرتے ہوئے آخر کو نصب دیا ہے، مصنفؒ نے پہلی آیت میں ”اَنْ يَغْفِرَ لِيْ“ ثلاثی کی مثال دی ہے اور دوسری آیت میں ”اَنْ يُخَفِّفَ“ رباعی کی مثال دی ہے، تاکہ یہ اشکال نہ ہو سکے کہ ”اَنْ“ صرف ثلاثی ماضی سے آنے والے فعل مضارع میں عمل کرتا ہے اور رباعی ماضی سے آنے والے فعل مضارع میں نہیں۔

اَنْ مصدر یہ سے احتراز:

مصنفؒ نے ”اَنْ“ کو مصدر کے ساتھ مقید فرما کر اَنْ مفسرہ اور اَنْ زائدہ سے احتراز کیا ہے، کیوں کہ ان دونوں کی وجہ سے فعل مضارع کو نصب نہیں دیا جاتا۔

اَنْ مفسرہ کی تعریف:

اَنْ مفسرہ ایسے حرف کو کہتے ہیں جس سے پہلے قول کے معنی پر دلالت کرنے والا کوئی فعل لایا گیا ہو اور وہی معنی مراد لیا گیا ہو جیسے كَتَبْتُ اِلَيْهِ اَنْ يَّفْعَلَ كَذَا اس مثال میں اَنْ فعل مضارع يَّفْعَلُ کو نصب نہیں دیا، کیوں کہ اَنْ مفسرہ ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے ایسا فعل لایا گیا ہے جو قول کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور وہی معنی مراد لیا گیا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اَنْ سے پہلے قول کے معنی پر

دلالت کرنے والا کوئی فعل ہو تو وہ اَنْ مفسرہ ہوگا، فعل پر عمل نہیں کرے گا۔

اَنْ زائدہ کی تعریف:

اَنْ زائدہ ایسے حرف کو کہتے ہیں جو قسم اور لَوْ کے درمیان واقع ہو جیسے "أُقْسِمُ بِاللَّهِ لَوْ يَأْتِيَنِي زَيْدٌ لَّا كَرِمَنَّهُ" (خدا کی قسم اگر میرے پاس زید آئے گا تو میں اس کی ضرور عزت کروں گا) اس مثال میں اَنْ نے فعل مضارع يَأْتِيَنِي کو نصب نہیں دیا ہے، کیوں کہ یہ اَنْ زائدہ ہے جو قسم اور لَوْ کے درمیان واقع ہے۔

عِلْم اور ظن کے بعد اَنْ کا واقع ہونا:

مَا لَمْ تُسَبِّقْ بِعِلْمٍ النِّح کی وضاحت:- مصنف نے مَا لَمْ تُسَبِّقْ بِعِلْمٍ کی قید لگا کر اَنْ مخففہ من المثلثہ سے احتراز کیا ہے۔ وہ اس طور پر کہ اَنْ مصدریہ کی اپنے ماقبل کے اعتبار سے تین حالتیں ہوتی ہیں۔

پہلی حالت:- اگر اَنْ سے پہلے عِلْم یا اس کے مشتقات پر دلالت کرنے والا کوئی فعل واقع ہو تو اَنْ مخففہ من المثلثہ ہی ہوگا، ناصبہ نہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عِلْم کے بعد آنے والا اَنْ مخففہ من المثلثہ ہوتا ہے، ناصبہ نہیں، ایسا کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چون کہ اَنْ مخففہ من المثلثہ ہے نہ کہ ان مصدریہ ناصبہ۔ یہی وجہ ہے کہ "عِلْمٌ اَنْ سَيَكُونُ" میں نحوی حضرات کہتے ہیں کہ یہ دراصل "اَنَّهُ سَيَكُونُ" تھا، چنانچہ اب قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ ہی رہا، اس کلیہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

فعل علم سے مراد:

علم سے مراد وہ فعل ہے جو مفید یقین ہو، خواہ لفظ علم یا اس کے علاوہ رُوِيَتْ اور وجدان اور یقین، تحقیق اور انکشاف وغیرہ ہو، جو مفید یقین ہوتے ہیں۔

اب جاننا چاہیے کہ جب علم کے بعد فعل مضارع پر اَنْ مخففہ من المثلثہ آیا ہے، تو اس وقت فعل مضارع میں دو امر واجب ہوں گے، ایک تو فعل مضارع مرفوع ہوگا، دوسرا اَنْ کے بعد فعل مضارع پر چار چیزوں یعنی حرف تنفیس (سین، سوف) یا قد، یا لَوْ، یا حرف نفی میں سے بطور فعل کے ایک کا ہونا ضروری ہے، تاکہ شروع ہی سے اَنْ مخففہ من المثلثہ اور مصدریہ میں فرق ظاہر ہو جاوے، ورنہ آخر میں فرق ظاہر ہوگا، کیوں کہ اَنْ مصدریہ اور اس فعل کے درمیان جس پر داخل ہوا ہے حروف مذکورہ میں سے کوئی فاصل نہیں آتا ہے۔

حرف تنفیس کی مثال: جیسے "عِلْمٌ اَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضًى" (اللہ نے جانا کہ عنقریب تم

میں بیمار ہوں گے۔ پارہ ۲۹، سورۃ مزل آیت ۲۰) اس مثال میں ان مخففہ اور فعل کے درمیان حرف تنفیس سین داخل ہے جو حد فاصل اور یہی مخففہ ہونے کی علامت ہے۔

حرف نفی کی مثال: "أَفَلَا يَرَوْنَ أَنْ لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا" (بھلا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب تک نہیں دیتا ان کو کسی بات کا۔ پارہ ۱۶، سورۃ طہ، آیت ۸۹) اس میں اَنْ مخففہ اور فعل کے درمیان حرف نفی لا فاصل ہے اور یہی مخففہ ہونے کی علامت ہے۔

حرف قد کی مثال: "عَلِمْتُ أَنْ قَدْ يَقُومُ زَيْدٌ" (میں نے جانا کہ بے شک زید کھڑا ہے) اس مثال میں اَنْ مخففہ اور فعل کے درمیان قد فاصل ہے اور یہی مخففہ ہونے کی علامت ہے۔

حرف لو کی مثال: "أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا" (اگر چاہے اللہ تو راہ پر لائے سب لوگوں کو۔ پارہ ۱۳ سورۃ رعد، آیت ۳۱) اس مثال میں اَنْ اور فعل مضارع کے درمیان لَوْ آیا ہے، جو فاصل ہے اور اس اَنْ سے پہلے "أَفَلَمْ يَيَأْسِ الَّذِينَ آمَنُوا" ہے جو أَفَلَمْ يَعْلَمُ کے معنی میں ہے اور مفسرین نے یہی تفسیر مراد لیا ہے، نیز قبیلہ نخع و ہوازن کی لغت میں بھی "أَفَلَمْ يَعْلَمُ" کے معنی میں مستعمل ہے۔

اسی طرح حکیم نامی شاعر نے بھی اپنے شعر:

أَقُولُ لَهُمْ بِالشَّعْبِ إِذْ يَأْسِرُونَ نِيَّيْ أَلَمْ تَيَأْسُوا أَنِّي ابْنُ فَارِسٍ زَهْدَمِ

(ترجمہ: میں ان سے گھائی میں کہہ رہا تھا جب وہ مجھے گرفتار کر رہے تھے کیا تمہیں نہیں معلوم میں

فارس زہدم کا بیٹا ہوں۔) میں اَلَمْ تَيَأْسُوا کو اَلَمْ تَعْلَمُوا کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

نیز حضرت ابن عباسؓ کی قراءت میں أَفَلَمْ يَيَأْسِ کا ترجمہ أَفَلَمْ يَتَبَيَّنْ سے کیا گیا ہے، اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ يَيَأْسُ، يَعْلَمُ کے معنی میں ہے۔ لیکن امام فراء نے يَيَأْسُ کا يَعْلَمُ کے معنی میں ہونے سے انکار کیا ہے ان کا یہ قول ضعیف ہے۔

دوسری حالت:- اگر اَنْ سے پہلے ظن پر دلالت کرنے والا کوئی فعل ہو تو اس میں دو وجہ جائز ہیں، اَنْ مخففہ من المشقلہ بھی کہہ سکتے ہیں اور ان مصدر یہ ناصبہ بھی، لیکن اَنْ مصدر یہ کا ہونا زیادہ رائج ہے اور یہی قیاس کے مطابق ہے، کیوں کہ یہی کثیر الاستعمال ہے۔ اسی بناء پر علمائے نحو نے باری تعالیٰ کے قول: "الْم أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يَتْرَكُوْا" (کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے۔ پارہ ۲۰، سورۃ عنکبوت آیت ۱۰۲) میں اَنْ کو ناصبہ ہونے پر اتفاق کیا ہے، چنانچہ اَنْ ناصبہ نے فعل مضارع کے آخر سے نون جمع کو گرا کر نصب دیا ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول: "وَحَسِبُوا أَنْ لَا تَكُونَ فِتْنَةً" (اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی۔

پارہ ۶ سورۃ مائدہ آیت ۱۷) میں علمائے نحو کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں اَنْ محقفہ من المثلثہ ہے، لہذا فعل مضارع پر رفع آئے گا۔ اور "وَحَسِبُوا اَنْ لَا تَكُوْنُ فِتْنَةً" پڑھا جائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اَنْ مصدر یہ ناصبہ ہے، لہذا فعل مضارع پر نصب آئے گا اور اَنْ لَا تَكُوْنُ پڑھا جائے گا، ماحصل یہ کہ ان ناصبہ کی صورت میں نصب آئے گا اور ان محقفہ کی صورت میں رفع ہوگا۔

تیسری حالت :- اور جب اَنْ سے پہلے علم اور ظن نہ ہو تو فعل مضارع کو جو بانصب دیتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول: "وَالَّذِي اَطْمَعُ اَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي" (اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر۔ پارہ ۱۹ سورۃ الشعریٰ آیت ۸۲)

اَنْ مضمراً کا عمل:

وَمُضْمَرَةٌ جَوَازًا بَعْدَ عَاطِفٍ مَسْبُوقٍ بِاسْمٍ خَالِصٍ کی وضاحت :- جس طرح اَنْ ناصبہ ملفوظہ کے بعد فعل مضارع منصوب ہوتا ہے، اسی طرح اَنْ مضممرہ (مقدرہ) کے مابعد بھی فعل مضارع پر نصب آتا ہے۔

ان کے پوشیدہ رکھنے کی دو صورتیں ہیں (۱) اَنْ کا پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔ (۲) ان کا پوشیدہ رکھنا واجب و لازم ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اَنْ کا کہاں پوشیدہ رکھنا جائز ہے؟ اور کہاں واجب؟ تو آپ پہلے بالترتیب جائز ہونے کے مقامات کو ملاحظہ فرمائیں، پھر واجب ہونے کے مقامات کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

(۱) اَنْ کسی ایسے حرف عطف کے بعد واقع ہو جس سے پہلے اسم خالص ہے جو فعل کی جگہ استعمال نہیں ہوتا ہے تو اس وقت اَنْ کا اظہار و اضمار دونوں جائز ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يَكْلِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا" (اور کسی انسان کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے رو برو گفتگو کرے، مگر الہام کے ذریعے، یا پردے کے پیچھے سے اسے فرشتہ بھیج کر۔ پارہ ۲۵ سورۃ زخرف آیت ۵۱) میں يُرْسِلَ فعل مضارع کو قراء سبعہ میں سے بعض نے اَنْ پوشیدہ مان کر نصب کے ساتھ پڑھا ہے، لہذا تقدیری عبارت یوں ہوگی "اَوْ اَنْ يُرْسِلَ" اور وَحْيًا ایسا اسم خالص ہے جو فعل کی جگہ میں استعمال نہیں ہوتا ہے۔

اور اگر آپ يُرْسِلَ سے پہلے اَنْ ظاہر کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے، اسی طرح شاعر نے اپنے کلام میں اَنْ کے اظہار و اضمار دونوں کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ میسون بنت بحدل زوجہ معاویہ بن سفیان نامی شاعر نے کہا:

وَلَبَسَ عِبَاءَةً وَتَقَرَّرَ عَيْنِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ لَبَسِ الشَّفُوفِ

(ترجمہ: عبا پہننا اور یہ کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہو مجھے نرم لباس پہننے سے زیادہ محبوب ہے۔)
اس شعر میں "وَتَقَرَّرَ عَيْنِي" فعل مضارع اس عطف کے بعد آیا ہے جس کا معطوف سے پہلے ایک ایسا اسم خالص ہے جو فعل کی جگہ استعمال نہیں ہوتا ہے وہ لَبَسُ ہے، لہذا یہاں واو عطف کے بعد اُن مصدر یہ پوشیدہ ہوگا۔ جو فعل مضارع کو تاویل مصدر میں لے کر اسم بنائے گا اور اس طرح اس کا لَبَسُ پر عطف درست ہوگا۔ اب تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ وَلَبَسَ عِبَاءَةً وَأَنْ تَقَرَّرَ عَيْنِي۔

(۲) دوسری صورت:- لام جر کے بعد بھی اَنْ ناصبہ کا اظہار و اضمار جائز ہے۔ خواہ وہ لام جر تعلیل کے لیے ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول: "وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ" (اور ہم نے نازل کیا آپ پر ذکر تاکہ آپ لوگوں کے سامنے واضح کر دیں۔ پارہ ۱۴، سورۃ نحل، آیت ۴۴) اس آیت میں لِتُبَيِّنَ محل استشہاد ہے، لام جر تعلیل کے لیے ہے، لہذا اَنْ ناصبہ کا ظاہر کر کے لِأَنْ تُبَيِّنَ لِلنَّاسِ پڑھنا اور پوشیدہ کر کے پڑھنا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول: "إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ" (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے، تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے ہوئے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ پارہ ۲۶، سورۃ فتح آیت ۱۰۲) میں لِيُغْفِرَ فعل مضارع میں لام جر تعلیل کے لیے ہے اور فعل مضارع منصوب ہے، کیوں کہ لام تعلیل کے بعد اَنْ کا پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔ اور ظاہر کرنا بھی جائز ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی لِأَنْ يَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ۔

یلام جر عاقبت کے لیے ہو تو بھی اس کے بعد ان کا پوشیدہ ہونا جائز ہے اور ظاہر ہونا بھی جائز ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول: "فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا" (آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا کہ آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا۔ سورۃ قصص آیت ۸، پارہ ۲۰) میں لام تعلیل کے لیے نہیں ہے، بلکہ لام جر عاقبت کے لیے ہے، جس کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے فعل مضارع کو نصب آیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ لِيَكُونَ میں لام جر تعلیل کے لیے ہے تو درست نہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے نہیں اٹھایا ان کو اس وجہ سے بلکہ اٹھایا تاکہ ان کے لیے آنکھ کی ٹھنڈک ہو جائے، لیکن اس کا بدلہ یہ ہوا کہ ان کے لیے باعث غم و عداوت ہو گیا۔

اسی طرح اگر لام جر زائدہ ہو تو اس کے بعد بھی اَنْ کا اظہار و اضمار دونوں صورتیں جائز ہیں اور لام جر زائدہ کے بعد آنے والے فعل مضارع پر اَنْ مضمرة کی وجہ سے نصب آئے گا جیسے "إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ" (اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ ہر

قسم کی گندگی کو دور کر دے۔ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب آیت ۳۳) اس آیت میں لِيُنْذِهْبَ فعل مضارع میں لام جر زائدہ ہے جس کے بعد اُن کا پوشیدہ ہونا جائز ہے، اسی اُن ناصبہ مضمرة کی وجہ سے فعل مضارع پر نصب آیا ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے "لَاَنْ يُذْهِبَ عَنْكُمْ" اور اُن کا اظہار بھی جائز ہے، اسی طرح کئی جارہ کے بعد بھی ان پوشیدہ ہوتا ہے۔

إِلَّا فِي نَحْوِ لَيْلًا يَعْلَمُ الْخ کی وضاحت:

یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر اُن کسی ایسے حرف عطف کے بعد ہو جس سے پہلے اسم خالص ہے جو فعل کی جگہ استعمال نہیں ہوتا ہے تو اس کا اظہار و اضمار دونوں جائز ہے۔ اسی طرح لام جر اگر تعلیل یا عاقبت کے لیے ہو، یا زائدہ ہو اور فعل مضارع پر داخل ہو تو اس کے بعد ان کا اظہار و اضمار جائز ہے، لیکن کچھ صورتیں ایسی ہیں جہاں اُن کا اظہار کرنا واجب ہے اور کچھ صورتیں ایسی بھی ہیں جہاں اُن کا اضمار کرنا واجب ہے۔

جہاں اُن ناصبہ کا ظاہر کرنا واجب ہے:

جس فعل مضارع پر لام داخل ہو اور وہ لاء کے ساتھ ملا ہوا ہو تو اس صورت میں لام کے بعد اُن ناصبہ کا ظاہر کرنا واجب ہوگا، تاکہ اجتماع دو لام لازم نہ آئے، خواہ وہ لاء نافیہ ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول: "لَيْلًا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ" (تاکہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے۔ پارہ ۲، سورہ بقرہ آیت ۱۵) میں لام ایسے فعل مضارع پر داخل ہو جو لاء نافیہ کے ساتھ ملا ہوا ہے، لہذا اس وقت لام کے بعد اُن کا ظاہر کرنا واجب ہوگا، تاکہ لام اور لاء نافیہ کے درمیان اجتماع لازم نہ آئے، چنانچہ اسی اُن کی وجہ سے يَكُونُ فعل مضارع کو نصب آیا ہے۔ یا وہ لاء زائدہ ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول: "لَيْلًا يَعْلَمُ أَهْلُ الْكِتَابِ" اس مثال میں بھی دو لام کے درمیان اُن کا ظاہر کرنا واجب ہے، تاکہ دو لام کا اجتماع لازم نہ آئے۔ اس آیت میں لاء زائدہ ہے، لہذا آیت کا ترجمہ ہوگا "تاکہ اہل کتاب جان لے" ماحصل یہ نکلا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں لام کے بعد ان ناصبہ کا ظاہر کرنا واجب ہے۔

جہاں اُن ناصبہ کا پوشیدہ رکھنا واجب ہے:

فَتَضْمَرُ لَا غَيْرُ كَاضْمَارِهَا بَعْدَ حَتَّى الْخ کی وضاحت:- اگر لام سے پہلے کان کا لفظ یا معنی ماضی آیا ہو تو اُن کا اضمار (پوشیدہ کرنا) لازم ہے اظہار جائز نہیں۔ جیسے "وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ" (اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان پر جب تک تو رہتا ان میں۔ پارہ ۹، سورہ انفال، آیت ۳۳) اس آیت میں لام سے پہلے كَانَ لفظ ماضی آیا ہے۔ لہذا قاعدہ کے مطابق لام کے بعد اُن کا

اضمار لازم ہوا جس کی وجہ سے فعل مضارع کو نصب آیا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "لَا اَنْ يُعَذِّبَهُمْ" یا لام سے پہلے کان کا معنی ماضی آیا ہو تو اس وقت بھی لام کے بعد ان کا اضمار لازم ہے۔ جیسے "لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرْلَهُمْ" اس مثال میں "يَكُنْ" لَمْ حرف جازم کی وجہ سے فعل ماضی منفی کے معنی میں ہے لفظاً تو فعل مضارع ہے، لیکن معنی ماضی ہے، اس لیے "لِيَغْفِرْلَهُمْ" میں لام کے بعد اَنْ کا اضمار لازم ہے، جس نے فعل مضارع کو نصب دیا ہے۔ اس لام کو لام جحد کہتے ہیں۔

لام جحد کی تعریف:

لام جحد وہ لام کہلاتا ہے جو کہ کان منفی کی خبر پر داخل ہو کر تاکید نفی کے لیے آتا ہے۔ جیسے "مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ" اور چوں کہ یہ حرف جارہ ہے، اور قاعدہ ہے کہ حرف جار فعل پر داخل نہیں ہوتا، لہذا اس کے بعد اَنْ مصدر یہ ناصبہ مقدر ہوگا، تاکہ فعل مضارع بتاویل مصدر ہو کر داخل خبر ہو سکے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ لام کے بعد اَنْ کی تین حالتیں ہوتی ہیں (۱) وجوب اضمار، اور یہ لام جحد کے بعد ہوتا ہے۔

(۲) وجوب اظہار۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ فعل مضارع لاء کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

(۳) جواز الوجہین دونوں صورتیں یعنی اضمار اور اظہار دونوں جائز ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَأْمُرْنَا لِنُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ" میں لِنُسَلِّمَ فعل مضارع کے لام کے بعد اَنْ کا اظہار و اضمار دونوں جائز ہیں اور اسی وجہ سے نصب آیا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "لَا اَنْ نُسَلِّمَ" اور دوسری آیت "وَأْمُرْتُ لَا اَنْ اَكُوْنَ" میں لام کے بعد اَنْ کا اضمار جائز ہے، چنانچہ بعد اضمار لَا اَكُوْنَ پڑھا جائے گا۔

مزید چار مسائل میں اَنْ کا اضمار لازم؟

جس طرح لام جحد کے بعد اَنْ کا اضمار لازم ہوتا ہے، اسی طرح مزید چار مسائل اور ہیں جن میں اَنْ کا اضمار لازم ہوتا ہے۔

پہلا مسئلہ:- حَتّٰی کے بعد اَنْ ناصبہ لازمیہ مضمر ہوتا ہے اور فعل مضارع کو نصب دیتا ہے، جب کہ حَتّٰی کا مدخول اس کے ماقبل کے لحاظ سے زمانہ مستقبل میں ہو تو حَتّٰی معنی میں کئی یا الٰہی کے ہوگا۔ پھر ماقبل کے اس کا مابعد مترقب الحصول ہو۔ عام اس سے کہ بوقت زمانہ تکلم اس کا مابعد ماضی میں ہو یا حال میں یا استقبال میں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَٰلِفِينَ حَتّٰی يَرْجِعَ الْيُنٰا مُؤَسّٰی" (ہم برابر اس پر لگے بیٹھے رہیں گے جب تک لوٹ کر آئے ہمارے پاس موٹی۔ پارہ ۱۶، سورہ طہ، آیت ۹۱) یہ حَتّٰی بمعنی الٰہی کی مثال ہے اور حَتّٰی بمعنی الٰہی اس وقت ہوگا جب کہ حَتّٰی کا مابعد اس

کے ماقبل کے لیے غایت ہو۔ اس مثال میں حتیٰ بمعنی الیٰ ہے، اس لیے کہ موسیٰ کا لوٹ کر آنا متکلم کے برابر بیٹھے رہنے کی غایت اور انتہاء ہے۔ اس کے لیے سبب نہیں ہے کہ بمعنی کی ہو۔ نیز مثال مذکور میں حتیٰ کا مابعد اس کے ماقبل کے لحاظ سے بھی زمانہ مستقبل میں ہے۔ اور زمانہ تکلم کے لحاظ سے بھی جیسا کہ ظاہر ہے کہ "لَنْ نَبْرَحَ فَعْل مضارع کا صیغہ ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول: "وَرُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ" (اور جھڑجھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول۔ پارہ ۲، سورہ بقرہ، آیت ۲۱۴) اس مثال میں حتیٰ بمعنی الیٰ ہے اور اس میں حتیٰ کا مابعد یعنی قول رسول، تکلم کے زمانہ کے لحاظ سے اگرچہ زمانہ ماضی میں ہے، لیکن اپنے ماقبل یعنی زلزال کے لحاظ سے مستقبل میں ہے۔ اور "أَسْلِمَ حَتَّى تَدْخُلَ الْجَنَّةَ" یہ حتیٰ بمعنی کی کی مثال ہے، (حتیٰ بمعنی کی اس وقت ہوگا جب کہ حتیٰ کا ماقبل حتیٰ کے مابعد کے لیے علت ہو) اس میں حتیٰ کا مابعد یعنی دخول جنت اس کے ماقبل یعنی اسلام لانے کے لحاظ سے بھی مستقبل میں ہے اور تکلم کے زمانہ کے لحاظ سے بھی زمانہ مستقبل میں ہے۔

اور "لَا سَيَرَنَّ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ" یہ مثال حتیٰ بمعنی کی کی بھی ہو سکتی ہے اور حتیٰ بمعنی الیٰ کی بھی ہو سکتی ہے۔ حتیٰ بمعنی کی کی مثال اس وقت ہوگی جب کہ اس سے متکلم کا قصد سببیت کا ہو اور اس صورت میں یہ معنی ہوگا کہ میں ضرور سیر کرتا رہوں گا، تا کہ سورج طلوع ہو جائے۔ اور حتیٰ بمعنی الیٰ کی مثال اس وقت ہوگی جب کہ مقصود متکلم کا غایت اور انتہاء ہو، اور اس صورت میں اس کے یہ معنی ہوں گے، میں ضرور سیر کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ اب مثال مذکور میں حتیٰ کا مابعد یعنی طلوع شمس ماقبل حتیٰ کے لحاظ سے زمانہ مستقبل میں ہے۔

اور باری تعالیٰ قول "فَقَاتِلُوا الَّذِينَ تَبَغُّوْا حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ" (تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر، پارہ ۲۶، سورہ حجرات آیت ۹) اس آیت میں دو صورتیں جائز ہیں، اگر چاہیں تو حتیٰ تَفِيءَ کے بجائے کئی تَفِيءَ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور چاہیں تو اُن تَفِيءَ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اس آیت میں حتیٰ کا مابعد یعنی اللہ کے حکم پر آنا اس کے ماقبل یعنی لڑائی کرنے کے لحاظ سے بھی مستقبل میں ہے، اور تکلم کے زمانہ کے لحاظ سے بھی زمانہ مستقبل میں ہے۔

مذکورہ بالا تمام مثالوں اور ان سے مشابہت رکھنے والی نظیروں میں یقینی طور پر حتیٰ کے بعد اُن پوشیدہ ہوگا، یہاں ایک بات دھیان رہے کہ حتیٰ کے بعد آنے والا فعل مضارع اُن مضمرة کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے نفس حتیٰ کی وجہ سے نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چون کہ حتیٰ جارہ ہے اور ایک ہی حرف اسم کے لیے جار اور فعل کے لیے ناصب ہو، کلام عرب میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، لہذا یہ اپنے مابعد اسم کو جر دے گا جیسے باری تعالیٰ کا قول: "حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ" میں مَطْلَعِ اسم ظرف ہے اور حتیٰ کی وجہ سے

جرا آیا ہے، اسی طرح حتی حین میں بھی حتی کی وجہ سے جرایا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حتی حرف جار ہے۔ علمائے کوفہ کا مذہب ہے کہ حتی کی وجہ سے فعل مضارع کو نصب آتا ہے۔

حتی کے بعد فعل مضارع کا مرفوع ہونا:

حتی کے بعد فعل مضارع کو رفع آئے گا، لیکن تین شرطوں کے ساتھ۔

پہلی شرط:- حتی کا مابعد اس کے ماقبل سے مسبب ہو، اگر یہ شرط موجود نہ ہوگی تو پھر حتی کے بعد فعل مضارع کو نصب آئے گا رفع نہیں، جیسا کہ سِرْتُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ میں حتی کے بعد فعل کو نصب پڑھا گیا ہے۔ کیوں کہ اس مثال میں حتی بمعنی الی ہے، اس لیے کہ طلوع شمس سیر متکلم کی غایت اور انتہاء ہے، اس کے لیے سبب نہیں کہ حتی کا مابعد ماقبل سے مسبب ہو۔

دوسری شرط:- یہ کہ جب حتی کے مابعد سے حال کا ارادہ کریں حقیقتاً یا تقدیراً تو اس وقت حتی ابتدائیہ اور استثنائیہ ہوگا نہ کہ جارہ اور عاطفہ۔ اور حتی کا مابعد کلام مستقل مرفوع ہوگا، چوں کہ اس صورت میں حتی کے مابعد کا ماقبل سے ارتباط لفظی فوت ہو چکا ہے، لہذا یہ ضروری ہے کہ حتی کا ماقبل کلام مابعد کے لیے سبب ہوتا کہ ارتباط معنوی فوت نہ ہو۔

حقیقتاً کی مثال جیسے سِرْتُ حَتَّى ادْخُلَهَا اس مثال میں مابعد حتی یعنی دخول شہر سے حال حقیقتاً مراد ہے جیسا کہ ظاہری ہے۔ اور زمانہ حال بعینہ زمانہ تکلم کا ہے، اس لیے دخول شہر زمانہ تکلم میں پایا جاتا ہے، پس مثال مذکور میں حتی کا مابعد مرفوع اور اس کا ماقبل یعنی سیر مابعد حتی یعنی دخول شہر کا سبب ہے۔ تقدیراً کی مثال:- تقدیراً کی مثال وہی ہے جو حقیقتاً کی ہے۔ بشرطیکہ عبارت مذکورہ کو متکلم نے اس وقت کہا ہو جب کہ وہ زمانہ تکلم سے پہلے شہر میں داخل ہو چکا ہو۔ پس ظاہر ہے کہ اس جگہ فعل مذکور حال گذشتہ سے حکایت ہے، اس لیے کہ اصل عبارت شہر میں داخل ہوتے وقت متکلم کو بولنی چاہیے تھی، لیکن اب وہ زمانہ تکلم میں اپنے شہر میں داخل ہونے کی حکایت کرتا ہے کہ گویا اس وقت داخل ہو رہا ہے۔ پس حال بطریق حکایت ہوگا اور جب مابعد حتی سے حال کا ارادہ کیا گیا تو اس مثال میں بھی حتی کا مابعد مرفوع ہوگا۔ اسی بناء پر باری تعالیٰ کا قول: حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ پُرْفَع پڑھنا جائز ہے، کیوں کہ زلزال اور قول رسول دونوں ماضی ہیں، لیکن حتی کے بعد قول رسول سے حال کا ارادہ کیا گیا ہے۔

تیسری شرط:- یہ ہے کہ حتی کا ماقبل تام ہو، یعنی کان تامہ ہونے کی صورت میں حتی کے مابعد کو رفع دینا جائز ہے۔ جیسے كَانَ سِيرِي حَتَّى ادْخُلَهَا (میری سیر یہاں تک ہوئی کہ میں اب داخل ہوتا ہوں) اس مثال میں كَانَ کو تامہ اور حتی کو حرف ابتداء مانا گیا ہے، اس لیے کہ كَانَ تامہ

خبر کو نہیں چاہتا ہے۔ لہذا حتی کے مابعد فعل مضارع کو رفع پڑھنا جائز ہے، کیوں کہ اس وقت معنی میں کوئی قباحۃ نظر نہیں آتی، ہاں اگر حتی کا ماقبل تامہ نہ ہو جیسے سیری حتی أدخلها یا حتی کا ماقبل کان ناقصہ ہو جیسے کان سیری حتی أدخلها تو مابعد حتی میں رفع ممتنع ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے مرفوع ہونے کی صورت میں حتی ابتدائی ہوگا اور مابعد حتی کا ماقبل۔ یہ انقطاع ہوگا۔ اور اس وقت کان ناقصہ بلا خبر رہ جائے گا۔ پس لامحالہ حتی کو جارہ کہیں گے، تاکہ اس کے بعد ان مقدر ہو اور جار مجرور مل کر کان کی خبر ہو جائے۔

وَبَعْدَ أَوْ الَّتِي بِمَعْنَى إِلَى، نَحْوُ "أَوْ أَدْرِكَ الْمُنَى" أَوْ الَّتِي بِمَعْنَى إِلَّا نَحْوُ: - وَكُنْتُ إِذَا غَمَرْتُ قَنَاءَ قَوْمٍ. كَسَرْتُ كُغُوبَهَا أَوْ تَسْتَقِيمًا. وَبَعْدَ فَاءِ السَّبَبِيَّةِ أَوْ وَائِ الْمَعِيَّةِ مَسْبُوقَتَيْنِ بِنَفْيٍ مَحْضٍ أَوْ طَلَبٍ بِالْفِعْلِ، نَحْوُ (لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا) (وَيَعْلَمُ الصَّابِرِينَ) (وَلَا تَطْفُوا فِيهِ فَيَحِلَّ) وَ "لَا تَأْكُلِ السَّمَكُ وَتَشْرَبِ اللَّبَنَ".

ترجمہ:- اور اس اَوْ کے بعد (اِنْ پوشیدہ لایا جاتا ہے) جو الی کے معنی میں ہو جیسے اَوْ اَدْرِكَ الْمُنَى (میں کوشش کرتا رہوں گا آرزو کے پانے تک) یا وہ اَوْ اِلَّا کے معنی میں ہو جیسے وَكُنْتُ إِذَا غَمَرْتُ الْخ. (جب میں کسی قوم کا نیزہ آزمانے کے لیے لیتا ہوں تو اس کے ابھار کو توڑ دیتا ہوں اِلَّا یہ کہ وہ درست ہو جائے) اور (اِنْ پوشیدہ لایا جاتا ہے) فاء سببیہ کے بعد، یا ایسے واو معیت کے بعد جو نفی محض یا طلب بالفعل (یعنی امر) کے ساتھ لائے گئے ہو۔ جیسے "لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا" (نہ ان پر حکم پہنچے کہ وہ مرجائیں) وَ يَعْلَمُ الصَّابِرِينَ (اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو) وَلَا تَطْفُوا فِيهِ فَيَحِلَّ (اور نہ کرو اس میں زیادتی پھر تو اترے گا) اور وَلَا تَأْكُلِ السَّمَكُ وَتَشْرَبِ اللَّبَنَ (دودھ پینے کے ساتھ مچھلی مت کھاؤ)

وضاحت

دوسرا مسئلہ:- وَبَعْدَ أَوْ الَّتِي بِمَعْنَى إِلَى کی وضاحت: یہ عبارت بَعْدَ حَتَّى پر معطوف ہے۔ یعنی کلمہ اَوْ کے بعد مضارع بتقدیر اِنْ اس وقت منصوب ہوتا ہے جب کہ وہ معنی میں اِلَى اِنْ، یا اِلَّا اِنْ کے ہوتا ہے۔ اور دراصل اَوْ کے معنی اِلَى یا اِلَّا کے ہیں، اِنْ اَوْ کے مفہوم سے خارج ہے۔ ورنہ اگر اِنْ کو بھی مفہوم اَوْ میں داخل کیا جاوے گا تو تکرار اِنْ لازم آئے گا۔

اَوْ بمعنی اِلَى کی مثال: جیسے "لَا لَزَمَنَّكَ اَوْ تَقْضِيَنِي حَقِّي اِیْ اِلَى اِنْ تَقْضِيَنِي حَقِّي

ہے۔ (میں تیرے لازم رہوں گا یعنی ہمیشہ ساتھ رہوں گا یہاں تک کہ تو میرا حق مجھ کو دیدے) اس مثال میں اُو کے بعد مضارع بتقدیر اُن منصوب ہو رہا ہے اور یہ اُو الی اُن کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح شاعر کے قول سے بھی استدلال ہو رہا ہے۔ شاعر کا قول:

لَا سَتَسْهَلَنَّ الصَّعْبُ أَوْ أُدْرِكَ الْمُنَى فَمَا أَنْقَادَتِ الْأَمَالُ إِلَّا لِصَابِرٍ
ای الی اُن اُدْرِكَ الْمُنَى (میں ضرور دشواریوں کو آسان بناؤں گا حتیٰ کہ اپنی آرزوئیں پالوں امیدیں صبر کرنے والوں کے لیے ہی پوری ہوتی ہیں) اس شعر میں محل استشہاد اُو اُدْرِكَ الْمُنَى ہے، کیوں کہ اُو بمعنی الی ہے جس کے بعد مضارع بتقدیر اُن منصوب ہو رہا ہے۔ (اس شعر کا قائل معلوم نہ ہو سکا) اُو بمعنی الّا کی مثال:۔ جیسے "لَا قَتْلَنَّ الْكَافِرَ أَوْ يُسْلِمَ" (میں کافر کو ضرور قتل کروں گا الا یہ کہ وہ اسلام لے آئے) اس مثال میں اُو بمعنی الّا ہے کہ جس کے بعد مضارع يُسْلِمَ بتقدیر اُن منصوب ہو رہا ہے۔ اسی طرح زیادہ عجم نامی شاعر کا شعر

وَكُنْتُ إِذَا غَمَرْتُ قَنَاءَ قَوْمٍ كَسَرْتُ كُغُوبَهَا أَوْ تَسْتَقِيمًا
(جب میں کسی قوم کا نیزہ آزمانے کے لیے لیتا ہوں تو اس کے اُبھار کو توڑ دیتا ہوں الا یہ کہ وہ درست ہو جائے۔)

اس شعر میں محل استشہاد کُغُوبَهَا اَوْ تَسْتَقِيمًا ہے کیوں کہ اُو الّا اُن کے معنی میں ہے، جس کے بعد مضارع بتقدیر اُن منصوب ہو رہا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی، ای الّا ان تَسْتَقِيمَ فَلَا أُكْسِرُ كُغُوبَهَا۔ یہاں اُو کو الی کے معنی میں مراد لینا درست نہیں، کیوں کہ استقامت کسر کے لیے انتہاء نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ:۔ وَبَعْدَ فَاءِ السَّبَبِيَّةِ کی وضاحت: یہ عبارت بَعْدَ حَتَّى پر معطوف ہے، یعنی فاء سببیہ کے بعد فعل مضارع بتقدیر اُن اس وقت منصوب ہوگا جب کہ دو شرطیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ فاء کا ماقبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہو۔ دوسرے یہ کہ فاء کے ماقبل اشیاء تسعہ میں سے ایک شئی ہو، اشیاء تسعہ یہ ہیں (۱) نفی محض (۲) طلب فعل (۳) نہی (۴) تخصیض (۵) تمنی (۶) ترجی (۷) دعاء (۸) استفہام (۹) عرض۔

شرط اول کی تفصیل:۔ پہلی شرط یہ ہے کہ فاء کا ماقبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہو، کیوں کہ رفع سے نصب کی طرف عدول سببیت پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے کہ تغیر لفظ تغیر معنی پر دلالت کرتا ہے پس اگر سببیت مقصود نہ ہو تو رفع سے نصب کی طرف عدول کرنے کی حاجت نہ ہوگی۔

شرط دوم کی تفصیل :- دوسری شرط یہ ہے کہ فاء کے ماقبل اشیاء تسعہ میں سے ایک ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فاء سے پیشتر اشیاء تسعہ مذکورہ میں سے ایک شئی ہوگی تو سننے والے کو یہ وہم ہوگا کہ فاء کا مابعد جملہ سابقہ پر معطوف ہے، اس لیے کہ یہ اشیاء از قبیل انشاء ہیں اور خبر کا عطف انشاء پر درست نہیں۔ ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) نفی محض کی مثال :- جیسے باری تعالیٰ کا قول ”لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا۟ اٰی فَاَنۡ يَّمُوتُوا۟“ اس مثال میں فاء سیبہ کے بعد اُن پوشیدہ ہے جس نے فعل مضارع يَمُوتُوا۟ سے نون اعرابی گرانے کی شکل میں نصب دیا ہے۔ اور یہ لاء نافیہ کی مثال ہے۔

اسی طرح اہل عرب کا قول ”مَا تَأْتِيْنَا فَتُحَدِّثُنَا۟“ اٰی فَاَنۡ تُحَدِّثُنَا۟ (تو ہمارے پاس نہیں آیا کہ ہم تجھ سے بات نہ کریں) اس مثال میں فاء سیبہ کے بعد اُن پوشیدہ ہے، جس نے فعل مضارع تُحَدِّثُ کو نصب بشکل فتح دیا ہے اور یہ مانافیہ کی مثال ہے۔

سوال :- یہاں ایک طالب علم نہ اشکال ہوتا ہے کہ مصنف نے نفی کے ساتھ محض کی قید کیوں لگائی ہے؟
جواب :- مصنف محض کی قید لگا کر ”مَا تَرٰلَ تَأْتِيْنَا فَتُحَدِّثُنَا۟“ اور ”وَمَا تَأْتِيْنَا اِلَّا فَتُحَدِّثُنَا۟“ جیسی مثالوں کو نفی کی بحث سے خارج کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ان دونوں مثالوں میں اثبات کے معنی ہیں، نفی محض نہیں۔ وہ اس طور پر کہ پہلی مثال میں ”رٰلَ نفی کے لیے آتا ہے، لیکن جب حرف نفی ما داخل ہو تو اب نفی نفی مل کر اثبات ہوگئی، اسی طرح دوسری مثال میں مَا تَأْتِيْنَا فعل منفی ہے، لیکن الا حرف استثنائی کے ذریعہ معنی نفی ٹوٹ کر اثبات میں بدل گیا، لہذا نفی محض کی بقاء نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں مثالوں میں فاء کے بعد اُن پوشیدہ نہ ہوگا اور فعل مضارع کو نصب بھی نہیں پڑھا جائے گا بلکہ رفع پڑھا جائے گا۔

(۲) طلب فعل کی مثال :- (طلب فعل سے مراد امر ہے) جیسے شاعر کا قول:

يَا نَاقَ سِيرِي عَنَقًا فَسِيْحًا اِلٰی سُلَيْمَانَ فَنَسْتَرِيْحًا

(ترجمہ: اے اونٹوں کوہ سلیمانی تک تیز رفتار سے چلو ہم آرام کریں گے۔) یہ ابو نجم جیلی فضل بن قدامہ کا شعر ہے۔ اس شعر میں کل استشہاد ”فَنَسْتَرِيْحًا“ ہے، اصل عبارت ”فَاَنۡ نَسْتَرِيْحًا“ ہے، چوں کہ فَنَسْتَرِيْحًا میں فاء سیبہ ہے جو سیری امر بالفعل کے بعد واقع ہے، لہذا فاء کے بعد ان مصدریہ کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے فعل مضارع نَسْتَرِيْحًا منصوب ہے۔

سوال :- یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے طلب میں فعل کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب :- دراصل اس قید سے اہل عرب کا قول ”نَرٰلَ فَنُكْرِِمُكَ“ اور ”صَه فَتُحَدِّثُكَ“

جیسی مثالوں کو خارج کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ان دونوں مثالوں میں "تَزَالِ اور صَہ مختلف فیہ ہیں، بعض نے فعل امر کہا ہے اور بعض نے اسم فعل کہا ہے، لہذا اس کی وجہ سے فاء سیبہ کے بعد اُن پوشیدہ ہو کر فعل مضارع کو نصب نہیں دے گا، بلکہ رفع ہی آئے گا۔

(۳) نہی کی مثال:- جیسے باری تعالیٰ کا قول: "وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي" ائی فَاَنْ يَّحِلَّ (تم سرکشی نہ کرو کہ میرا غضب تم پر نازل ہو) اس مثال میں "لَا تَطْغَوْا" فعل نہیں ہے، لہذا فاء سیبہ کے بعد اُن پوشیدہ ہو کر یَحِلُّ فعل مضارع کو نصب دیا ہے۔

(۴) تخصیض کی مثال:- جیسے باری تعالیٰ کا قول: "لَوْ لَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقْتُ" ائی فَاَنْ أَصَّدَّقُ۔ (اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی سی مدت کہ میں خیرات کرتا۔ پارہ ۲۸، سورۃ منافقون آیت ۱۰) اس مثال میں "لَوْ لَا أَخَّرْتَنِي" فعل تخصیض ہے، اس لیے فَاَصَّدَّقْتُ فعل مضارع فاء سیبہ کے بعد بتقدیر اُن منصوب ہے۔

(۵) تمنی کی مثال:- جیسے "يَا لَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ" ائی فَاَنْ أَفُوزَ (کاش کہ میں ان کے ساتھ ہوتا تو میں کامیاب ہوتا) اس مثال میں "يَا لَيْتَنِي كُنْتُ" فعل تمنی ہے، لہذا فاء سیبہ کے بعد بتقدیر اُن مضارع فَاَفُوزَ منصوب ہے۔

(۶) ترجی کی مثالی:- جیسے "لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ، أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَأَطَّلِعَ" ائی فَاَنْ أَطَّلِعَ (شاید میں جا پہنچوں رستوں میں، رستوں میں آسمانوں کے، پھر جہانک کر دیکھوں۔ پارہ ۲۴، سورۃ المؤمن آیت ۳۶، ۳۷) اس مثال میں "لَعَلِّي أَبْلُغُ" فعل ترجی ہے، جس کی وجہ سے فعل مضارع فَاَطَّلِعَ، فاء سیبہ کے بعد بتقدیر اُن منصوب ہوا ہے۔

(۷) دعاء کی مثال:- جیسے شاعر کا قول:

رَبِّ وَفَّقْنِي فَلَا أَعْدِلَ عَنْ سَنَنِ السَّاعِيْنَ فِي خَيْرِ سَنَنْ

(ترجمہ: اے میرے رب مجھے اس بات کی توفیق دے کہ خیر طریق میں کوشش کرنے والے کے طریق سے عدول نہ کروں) شاعر کے نام کا پتہ نہیں چل سکا۔ اس شعر میں محل استشہاد "فَلَا أَعْدِلَ" ہے جس کو فاء سیبہ کے بعد بتقدیر اُن نصب دیا گیا ہے اور یہ فاء سیبہ دعاء رَبِّ وَفَّقْنِي کے بعد ہے۔

(۸) استفہام کی مثال:- جیسے شاعر کا قول:

هَلْ تَعْرِفُونَ لُبَانَاتِي فَأَرْجُو أَنْ تُقْضَىٰ فَيَرْتَدَّ بَعْضُ الرُّوحِ لِلْجَسَدِ

(ترجمہ: تم میری ضروریات سے واقف ہو مجھے ان کے پورا کرنے کی امید ہے، چاہے بعض روح دوبارہ جسم میں لوٹ آئے) قائل کا پتہ نہیں چل سکا۔ اس شعر میں محل استشہاد فَأَرْجُو اور فَيَرْتَدَّ

ہے، جس میں فاء سیہ کے بعد بتقدیر آن نصب آیا ہے، جو فاء هل تعرفون استفہام کے بعد واقع ہے۔
(۹) عرض کی مثال: - جیسے شاعر کا قول:

يَابْنَ الْكَرَامِ لَا تَذْنُوا فِتْبَصِرَ مَا قَدْ حَدَّثُوكَ، فَمَا رَأَى كَمَنْ سَمِعَا

(ترجمہ: اے شریفوں کی اولاد! قریب ہو جاؤ، پھر تم ان چیزوں کو دیکھ لو گے جسے ان لوگوں نے تمہارے سامنے بیان کیا اور یہ مسلم ہے کہ دیکھنے والا سننے والے کی طرح نہیں ہوتا) اس شعر میں محل استشہاد "فَتَبْصِرَ" ہے جو "لَا تَذْنُوا" (عرض) کے بعد واقع ہے اور فاء سیہ کے بعد بتقدیر آن منصوب ہے۔

چوتھا مسئلہ: - اَوْ وَاوِ الْمُعِيَّةِ کی وضاحت: واؤ کے بعد بھی مضارع بتقدیر آن منصوب ہوتا ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ، ایک جمعیت و معیت، کہ جس کا معنی ہے کہ واؤ کا ماقبل اس کے مابعد کا صاحب ہو، یعنی دونوں کے حصول کا زمانہ ایک ہو۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ واؤ سے ماقبل فاء سیہ کی طرح اشیاء تسعہ مذکورہ میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہو۔ باقی رہی واؤ کی مثالیں تو وہ اسی طرح ہیں جس طرح فاء کی مثالیں ہیں، صرف واؤ کو فاء کی جگہ استعمال کریں۔ مزید کسی تصرف کی ضرورت نہیں۔

مثلاً باری تعالیٰ کا قول: "وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ" اِیْ وَأَنْ يَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (ترجمہ: حالاں کہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں۔ پارہ ۴، سورۃ آل عمران آیت ۱۴۳) اس مثال میں وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ محل استشہاد ہے جس میں واؤ معیت کے بعد بتقدیر آن نصب آیا ہے، چوں کہ یہ واؤ معیت نفی محض کے بعد واقع ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "يَا لَيْتَنَّا نُرَدُّ وَلَا نَكْذِبُ بِآيَاتِ رَبَّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" اِیْ وَأَنْ لَا نَكْذِبُ بِآيَاتِ رَبَّنَا، وَأَنْ نَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (ترجمہ: ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ پارہ ۷، سورۃ الانعام آیت ۲۷) اس آیت میں محل استشہاد "وَلَا نَكْذِبُ" اور "وَنَكُونُ" ہے جو واؤ معیت کے بعد بتقدیر آن منصوب ہے اور یہ واؤ معیت "يَلَيْتَنَّا نُرَدُّ" تمنی کے جواب میں واقع ہے۔

اسی طرح شاعر کا قول: اَلَمْ اَكْ جَارَكُمْ وَيَكُونُ بَيْنِي — وَبَيْنَكُمْ الْمَوَدَّةُ وَالْإِخَاءُ (کیا میں تمہارا پڑوسی نہیں رہا اور تمہارے درمیان بھائی چارگی اور محبت تھی۔) یہ زبرقان بر بدرنامی شاعر کا شعر ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد "وَيَكُونُ" ہے جو واؤ معیت کے بعد بتقدیر آن

منسوب ہے چوں کہ واؤ سے پہلے فی محض ہے۔

دوسرے شاعر کا قول: لَا تَنَّهُ عَنْ خُلُقٍ وَتَاتِي مِثْلَهُ — عَارٌّ عَلَيْكَ إِذَا فَعَلْتَ عَظِيمٌ (ایسے اخلاق سے مت روکو جن کو تم خود کرتے ہو، اگر ایسا کرو گے تو تمہارے لے بڑی شرم کی بات ہے۔) یہ ابوالاسود دؤلی نامی امام نحو کا شعر ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد ”وَتَاتِي مِثْلَهُ“ ہے جس کو واؤ معیت کے بعد بتقدیر آن نصب آیا ہے، چوں کہ واؤ سے پہلے فعل نہیں لَاتَنَّهُ آیا ہے۔

اہل عرب کا قول: لَا تَأْكُلِ السَّمَكَ وَتَشْرَبِ اللَّبَنَ (مچھلی مت کھاؤ دودھ پینے کے ساتھ) اس مثال میں تَشْرَبِ فعل مضارع واؤ معیت کے بعد ان پوشیدہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، چوں کہ یہ واؤ فعل نہیں کے بعد واقع ہے۔ اور اگر آپ ان دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کو فعل نہیں مانیں تو اس وقت لاء نہیں کی وجہ سے ہر ایک کو جزم آئے گا جیسے لَا تَأْكُلِ السَّمَكَ وَلَا تَشْرَبِ اللَّبَنَ اور اگر پہلے فعل کو نہیں اور دوسرے کو مستقل علاحدہ جملہ مانیں تو دوسرے فعل کو رفع آئے گا جیسے لَا تَأْكُلِ السَّمَكَ وَلَكَ شَرَبُ اللَّبَنِ۔ (از مؤلف)

بَابُ جَوَازِ الْفِعْلِ الْمُضَارِعِ

فَإِنْ سَقَطَتِ الْفَاءُ بَعْدَ الطَّلَبِ وَقَصِدَ الْجَزَاءُ جُزِمَ، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى (قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ) وَشَرُطُ الْجُزْمِ بَعْدَ النَّهْيِ صِحَّةُ حُلُولِ ”إِنْ لَا“ مَحَلَّهُ، نَحْوُ ”لَا تَدْنُ مِنَ الْأَسَدِ تَسْلَمَ“ بِخِلَافِ ”يَاكُلُكَ“ وَيُجْزَمُ أَيْضًا بِلَمْ نَحْوُ (لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ) وَلَمَّا، نَحْوُ (وَلَمَّا يَقْضِ) وَبِالْلامِ وَ”لَا“ الطَّلِبَتَيْنِ نَحْوُ (لِيَنْفِقَ، لِيَقْضِ، لَا تَشْرِكْ، لَا تُؤَاخِذْنَا)۔

ترجمہ:- پس اگر طلب (یعنی فعل امر) کے بعد فاء ساقط ہو جائے۔ اور (فعل مضارع سے) جزاء کا قصد کیا جائے تو وہ (یعنی مضارع) مجزوم ہوگا، جیسے باری تعالیٰ کا قول ”قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ“ (آپ کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں) اور فعل نہیں کے بعد (مضارع کو) جزم آنے کی شرط یہ ہے کہ اس لاء نہیں کی جگہ ”إِنْ لَا“ کا آنا درست ہو جیسے ”لَا تَدْنُ مِنَ الْأَسَدِ تَسْلَمَ“ (شیر کے قریب مت جاؤ محفوظ رہو گے) برخلاف ”يَاكُلُكَ“ کے۔ اور (مضارع کو) لَمْ کی وجہ سے بھی جزم دیا جاتا ہے جیسے ”لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ“ (نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا) اور لَمَّا کی وجہ سے بھی جزم دیا جاتا ہے جیسے ”وَلَمَّا يَقْضِ“ (اس نے ابھی تک پورا نہیں کیا۔) اور لام (یعنی لام امر) اور لاء (یعنی لاء نہیں) طلبیہ کے ذریعہ جزم دیا جاتا ہے جیسے لِيَنْفِقَ (چاہیے کہ وہ خرچ کرے) لِيَقْضِ (چاہیے

کہ وہ پورا کرے) "لَا تُشْرِكْ" (تو شرک مت کر) "لَا تَتَّخِذْنَا" (تو ہمیں نہ پکڑنا)

وضاحت: - جب مصنف عموماً ناصبہ کی بحث کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے عموماً جازمہ کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا۔

عموماً جازمہ کی تعریف:

عموماً جازمہ وہ حروف ہیں جو فعل مضارع پر داخل ہو کر چار تشبیہ، دو جمع مذکر غائب و حاضر اور ایک واحد مؤنث حاضر کے صیغے سے نون اعرابی کو گراتے ہیں۔ اور پانچ صیغوں میں جزم کرتے ہیں۔ یعنی واحد مذکر غائب و حاضر، واحد مؤنث غائب، واحد متکلم، جمع متکلم اور دو صیغوں میں کوئی عمل نہیں کرتے اور وہ جمع مؤنث غائب و حاضر ہیں۔

عموماً جازمہ کی قسمیں:

فعل مضارع کو جزم دینے والے عموماً دو قسم کے ہیں۔ بعض ایک فعل کو جزم دیتے ہیں۔ بعض دو فعلوں کو جزم دیتے ہیں۔

ایک فعل کو جزم دینے والے عموماً:

ایک فعل کو جزم دینے والے عموماً پانچ ہیں (۱) طَلَبَ (۲) لَمْ (۳) لَمَّا (۴) لام طلبیہ (۵) لام نہی۔

جازم اول طلب کی وضاحت:

فَإِنْ سَقَطَتِ الْفَاءُ بَعْدَ الطَّلَبِ الْخ کی وضاحت: جب امر، نہی، استفہام، دعاء، عرض وغیرہ انواع طلب پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ مقدم ہو اور اس کے بعد فعل مضارع ہو جو فاء سے خالی ہو اور اس سے جواب طلب مراد لیا گیا ہو تو وہ فعل مضارع اس طلب کی وجہ سے مجزوم ہوگا، کیوں کہ اس میں شرط کا معنی موجود ہے۔ اور اصلاً شرط و جزاء مجزوم ہوتا ہے اور اس طلب و جزاء میں بھی شرط و جزاء بننے کی صلاحیت ہوتی ہے، اس طرح کہ طلب سبب بنتی ہے اور جواب طلب مسبب ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول: "قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ" (آپ کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں۔ پارہ ۸، سورہ انعام آیت ۱۵۱) اس آیت میں تَعَالَوْ فعل طلب امر پر دلالت کرتا ہے جو مقدم ہے۔ اور اَتْلُ فعل مضارع فاء سے خالی ہے جو مؤخر ہے اور اس سے جزاء یعنی جواب طلب کا قصد کیا گیا ہے، کیوں کہ اس آیت کا مفہوم ہے کہ آؤ! اگر تم آؤ گے تو میں تمہارے سامنے پڑھوں گا، لہذا ان کے سامنے پڑھنا مسبب ہوا ان کے آنے کا۔ اسی وجہ سے اَتْلُ فعل مضارع کو جزم آیا ہے اور علامت جزم حرف آخر (واؤ) کے حذف کی صورت میں

ظاہر ہوا ہے، شاعر کے قول سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ شاعر کا قول:

قَفَا نَبْكَ مِنْ ذِكْرِي حَبِيبٍ وَمَنْزِلٍ بِسِقْطِ اللَّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَخَوْمَلٍ
(تم دونوں ٹھہر جاؤ کہ ہم روئیں اپنے محبوب اور اس کی منزل کو یاد کرتے ہوئے جو ریت کے
تودے کے پاس ہے دخول اور حومل کے درمیان) یہ امر القیس نامی شاعر کا قول ہے جو زمانہ جاہلیت کا
یگانہ روزگار شاعر تھا۔ اس شعر میں محل استشہاد "قَفَا نَبْكَ" ہے، قَفَا فعل طلب امر پر دلالت کرتا ہے جو
مقدم ہے اور نَبْكَ فعل مضارع کا فاء سے خالی ہے۔ جو مؤخر ہے اور اس سے جزاء یعنی جواب طلب کا
قصد کیا گیا ہے اور اسے جزم دیا گیا ہے، علامت جزم حرف آخر (ی) کے حذف کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔
اور اہل عرب کا قول "إِنِّي أَكْرِمُكَ" (تو میرے پاس آ میں تیری عزت کروں گا) یہ فعل امر کی
مثال ہے، کیوں کہ اس قول میں اتنی صیغہ امر ہے۔ اور "أَكْرِمُكَ" فاء سے خالی ہونے اور جواب امر
واقع ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

اور "هَلْ تَأْتِنِي أَحَدُثُكَ" (کیا تو میرے پاس آئے گا تو میں تجھ سے گفتگو کروں گا) میں هَلْ
تَأْتِنِي فعل طلب استفہام پر دلالت کرتا ہے اور أَحَدُثُكَ سے جواب طلب کا قصد کیا گیا ہے، اسی لیے
مجزوم ہے۔

اور "وَلَا تَكْفُرْ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ" (تو کفر مت کر جنت میں داخل ہوگا) یہ فعل نہی کی مثال ہے۔
اس مثال "وَلَا تَكْفُرْ" میں فعل طلب نہی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کے بعد آنے والے فعل "تَدْخُلُ"
سے جواب طلب کا قصد کیا گیا ہے اور فاء سے خالی ہے، اس لیے مجزوم ہے۔

ماحصل یہ نکلا کہ جواب امر مجزوم ہوتا ہے، لیکن امر نہی کے بعد مضارع پر فاء داخل ہو جائے تو
پھر مجزوم نہ ہوگا، جیسے كُنْ فَيَكُونُ کہ اصل عبارت كُنْ فَهُوَ يَكُونُ ہے اور مضارع مجزوم نہیں بلکہ
مرفوع ہے۔

فعل مضارع کب مجزوم نہ ہوگا:

اگر طلب کے بجائے فعل مضارع سے پہلے مثبت یا منفی یا خبر ہو تو فعل مضارع مجزوم نہ ہوگا، جیسے
"مَا تَأْتِينَا تُحَدِّثُنَا" اس مثال میں تُحَدِّثُنَا فعل مضارع سے پہلے مَا تَأْتِينَا فعل منفی آیا ہے، اس
وجہ سے کہ باتفاق علمائے نحو فعل مضارع کو مرفوع پڑا گیا ہے، اسے مجزوم پڑھنا جائز نہیں، لیکن اس بحث
میں صاحب جمل سے تسامح ہو گیا کہ انہوں نے اس صورت میں بھی جزم دینا جائز قرار دیا ہے۔ اور
أَنْتَ تَأْتِينَا تُحَدِّثُنَا میں أَنْتَ تَأْتِينَا فعل مثبت ہے اور اس کے بعد آنے والا مضارع تُحَدِّثُنَا

باتفاق علمائے نحو مرفوع پڑھا گیا ہے۔

سوال: یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ اہل عرب کا قول "اتَّقَى اللہ امرؤ فَعَلَ خَيْرًا يُثَبُّ عَلَيْهِ" مجزوم ہے جب کہ اس سے پہلے اتَّقَى اللہ اور فَعَلَ ماضی ہے گرچہ قانون کی رو سے یہ دعویٰ غلط ہے، لیکن ظاہر میں فعل ماضی ہے صیغہ امر نہیں تو پھر یُثَبُّ عَلَيْهِ پر جزم کیوں آیا جب کہ یہ جواب طلب نہیں بن رہا ہے۔

جواب: اتَّقَى اللہ اور فَعَلَ درحقیقت امر ہیں اور یُثَبُّ عَلَيْهِ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، کیوں کہ یہ دونوں لیتَقَى اللہ امرؤ وَلَيَفْعَلُ خَيْرًا ہے، ایسا نہیں جیسا کہ آپ نے خیال فرمایا ہے۔ یہی حال باری تعالیٰ کے قول "هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ، تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ، ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، يَغْفِرْ لَكُمْ" (اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔ پارہ ۲۸، سورہ صف آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲) میں "تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ" کے بعد یَغْفِرْ لَكُمْ کے مجزوم ہونے کا ہے، کیوں کہ یہ افعال طلبیہ ہیں۔ اور یَغْفِرْ لَكُمْ جواب طلب ہے۔ بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کا قول: "تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ" آمِنُوا وَجَاهِدُوا کے معنی میں ہے۔ استفہام کے لیے جواب نہیں ہے، لہذا اس کے بعد آنے والا فعل یَغْفِرْ لَكُمْ جواب طلب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگا، کیوں کہ گناہ معاف کرنے کا سبب ایمان اور جہاد ہے اور سبب و مستبب دونوں موجود ہیں، لہذا جزم آئے گا۔

طلب کے بعد آنے والے فعل مضارع کی تین حالتیں:

طلب کے بعد آنے والے فعل مضارع کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں (۱) یا تو وہ جواب طلب ہی بنے گا تو اس وقت لزوم و ما مجزوم ہوگا۔

(۲) جواب طلب بھی بن سکتا ہے اور صفت بھی بن سکتا ہے تو صفت مان کر مرفوع اور جواب طلب مان کر مجزوم دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں جیسے باری تعالیٰ کا قول: "تَخْذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ، صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ" (آپ ان کے مالوں میں صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں۔ پارہ ۱۱، سورہ توبہ آیت ۱۰۳) میں "تُطَهِّرُهُمْ" کو تمام قراء نے مرفوع پڑھا ہے، اگرچہ فعل طلب

(یعنی خُذْ) کے ساتھ لایا گیا ہے، لیکن اس سے جواب طلب کا قصد نہیں کیا گیا ہے یعنی اِنْ تَأْخُذْ مِنْهُمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ کا معنی مراد نہیں لیا گیا، بلکہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً مُطَهِّرَةً کا معنی مراد لیا گیا اور تُطَهِّرُهُمْ کو صَدَقَةً کی صفت مان لیا گیا ہے۔

اور تُطَهِّرُهُمْ کو جزم کے ساتھ بھی پڑھنا درست ہے، جب کہ اس سے جزاء اور جواب طلب کا قصد کیا جائے، کیوں کہ خُذْ فعل طلب ہے اور تُطَهِّرُهُمْ فاء سے خالی ہونے کے ساتھ ساتھ جواب طلب بن رہا ہے، لہذا مجزوم پڑھا جائے گا۔ اور یہ جائز ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول: "فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي" (پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو۔ پارہ ۱۶، سورہ مریم آیت ۵۰۶) میں يَرِثُنِي کو وَلِيًّا کی صفت مان کر رفع پڑھنا درست ہے، کیوں کہ اس صورت میں جملہ اول سبب نہیں ہے اور فعل طلب (یعنی فَهَبْ لِي) کا جواب طلب ان کر مجزوم پڑھنا درست ہے، کیوں کہ جملہ اول سبب بن رہا ہے۔

(۳) اگر طلب سے سبب کا اور مابعد طلب سے مسبب کا قصد نہیں کیا ہے تو پھر فعل مضارع کو ماقبل کی صفت مان کر مرفوع ہی پڑھنا ہوگا۔ مجزوم نہیں۔ جیسے "اِئْتِنِي بِرَجُلٍ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ" (میرے پاس ایسے ایک آدمی کو لاؤ جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو۔) اس مثال میں "اِئْتِنِي" فعل طلب ہے، لیکن اس سے سبب کا قصد نہیں کیا گیا ہے، لہذا اس کے بعد آنے والا فعل مضارع يُحِبُّ اور اَنَّ مُحَبَّةَ الرَّجُلِ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ کو آنے کے لیے مسبب نہیں مانا گیا ہے، بلکہ ترکیب میں حال واقع ہے، لہذا شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھنا واجب ہوگا، مجزوم جائز نہیں۔ ہاں اس کے برخلاف "اِئْتِنِي اُكْرِمَكَ" میں اُكْرِمَكَ فعل مضارع اِئْتِنِي فعل طلب کا مسبب بھی ہے اور جواب طلب بھی، لہذا اُكْرِمَكَ کو مجزوم پڑھا جائے گا۔

جواب نہی بھی مجزوم ہوتا ہے:

وَشَرُّطُ الْجَزْمِ بَعْدَ النَّهْيِ الْخ کی وضاحت:- صاحب قطر الندی نے اس عبارت میں یہ فرمایا کہ جواب نہی بھی جواب امر کی طرح مجزوم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ نہی پر اِنْ لَا لگانا درست ہو سکے۔ یعنی نہی کو شرط بنایا جاسکے معنی کی درستگی کے ساتھ۔ جیسے "لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ" ای اِنْ لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ (اگر تو کفر نہ کرے گا تو تو جنت میں داخل ہوگا) یہاں پر اِنْ کا مقدر ماننا اور نہی کو شرط قرار دینا درست ہے بغیر فساد معنی کے۔ اور "لَا تَدْنُ مِنَ الْاَسَدِ تَسْلَمُ" ای اِنْ لَا تَدْنُ مِنَ الْاَسَدِ تَسْلَمُ۔ (اگر تو شیر کے قریب نہ ہوگا تو تو محفوظ رہے گا) یہاں بھی اِنْ کا مقدر ماننا درست ہے۔

اس کے برخلاف "لَا تَكْفُرُ تَدْخُلُ النَّارَ" اور "لَا تَذُنُ مِنَ الْأَسَدِ يَأْكُلُكَ" میں اِنْ شرطیہ کا مقدر ماننا درست نہیں، کیوں کہ تقدیر اِنْ کی صورت میں فساد معنی لازم آرہا ہے اور جب اِنْ شرطیہ کو مقدر ماننا درست نہیں تو پھر شرط مفقود ہونے کی وجہ سے مابعد فعل مضارع پر جزم نہیں آسکتا بلکہ وہ مرفوع ہی پڑھا جائے گا، اسی وجہ سے قراء سبعہ نے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ" (اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کرو۔ پارہ ۲۹، سورۃ مدثر آیت ۶) کو مرفوع پڑھا ہے مجزوم نہیں، چوں کہ اس پر اِنْ لَا لگا کر شرط نہیں بنایا جاسکتا اور اِنْ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ نہیں پڑھا جاسکتا۔ یہ ابن ہشام کا دعویٰ ہے۔

لیکن پھر اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حق تو یہ ہے کہ تَسْتَكْثِرُ حال ہے لَا تَمْنُنْ کی ضمیر سے، اس لیے محلاً منصوب ہے مجزوم نہیں۔ اب عبارت اس طرح ہوگی "لَا تَمْنُنْ مُسْتَكْثِرًا" (اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی چیز دیں اور زیادہ معاوضہ کی توقع رکھیں۔)

سوال: لیکن یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ حسن بصریؒ نے تو تَسْتَكْثِرُ کو مجزوم پڑھا ہے، کیوں؟
جواب: حضرت حسن بصریؒ کی قراءت میں تَسْتَكْثِرُ کو مجزوم پڑھا گیا ہے، اس کی تین وجہات ہیں۔ (۱) تَمْنُنْ سے بدل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، لَا تَمْنُنْ لَا تَسْتَكْثِرُ یعنی احسان مت جتاؤ اور جو دیا ہے زیادہ مت سمجھو۔ (۲) ہو سکتا ہے اس آیات کی وجہ سے وقف کیا ہو اور وقف کی وجہ سے اسے ساکن پڑھا ہو۔ پھر وقف کی نیت سے وصل کی ہو۔ (۳) سباع یعنی آیات کے اوزان فَكَبِّرْ، فَطَهِّرْ، فَاهْجُرْ، کی رعایت میں مجزوم پڑھا ہو۔

ایک فعل کو جزم دینے والے امور خمسہ میں کا دوسرا عامل:

وَيُجْزَمُ أَيْضًا بِلَمْ الْخ کی وضاحت:- ایک فعل کو جزم دینے والے امور خمسہ میں دوسرا عامل "لَمْ" ہے، جو فعل مضارع کو منفی کرتا ہے اور زمانہ ماضی میں بدل دیتا ہے۔ جیسے "لَمْ يَقُمْ" اور "لَمْ يَقْعُدْ" اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" (نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ پارہ ۳۰ سورۃ اخلاص آیت ۳) ان تمام مثالوں میں لَمْ فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے جزم دیا ہے اور ماضی منفی کے معنی میں کر دیا ہے۔

تیسرا عامل جازم:

تیسرا عامل "لَمَّا" ہے، یہ چار چیزوں میں لَمْ کا شریک ہے۔ (۱) حرف ہونے میں (۲) مضارع کے ساتھ مخصوص ہونے میں (۳) مضارع کو جزم دینے میں (۴) مضارع کو زمانہ ماضی میں بدل دینے میں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ" (اس نے اب تک اللہ کے حکم کی

بجا آوری نہیں کی۔ پارہ ۳۰، سورۃ عبس آیت ۲۳) اسی طرح باری تعالیٰ کا دوسرا قول ”بَلْ لَمَّا يَذُوقُوا عَذَابٌ“ (بلکہ انہوں نے اب تک میرا عذاب چکھا نہیں۔ پارہ ۲۳، سورۃ ص، آیت ۹) ان دونوں آیتوں میں لَمَّا چاروں چیزوں میں لم کے ساتھ شریک ہے، حرف ہونے میں، مضارع کے ساتھ مخصوص ہونے میں مضارع کو جزم دینے میں، کیوں کہ پہلی آیت میں يَقْضِ سے حرف علت گرانے کی شکل میں جزم دیا ہے اور دوسری آیت میں يَذُوقُوا سے نون اعرابی کو گرا کر جزم دیا ہے اور مضارع کو زمانہ ماضی میں بدل دینے میں شریک ہے۔

لَمَّا اور لَمْ میں فرق:

لَمْ اور لَمَّا میں چار چیزوں کے درمیان فرق ہے یعنی لَمَّا، لَمْ سے علاحدہ ہوتا ہے۔ (۱) لَمَّا کی نفی زمانہ حال تک مستمر رہتی ہے یعنی ماضی کے تمام زمانوں کو گھیر لیتی ہے۔ اور تکلم کے زمانے تک اس کی نفی ہوتی ہے جیسے ”لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ“ (اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی) جب کہ لَمْ کی نفی کبھی مستمر رہتی ہے جیسے ”لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ“ (نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا) اور کبھی منقطع ہو جاتی ہے جیسے ”هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا“ (یقیناً گذرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ پارہ ۲۹، سورۃ دھر، آیت ۱) اسی وجہ سے لَمَّا يَقُمْ ثُمَّ قَامَ کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہاں معنی میں تناقض پیدا ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ جب لَمَّا يَقُمْ کہا تو تکلم کے زمانہ تک کی نفی ہو رہی ہے پھر ثُمَّ قَامَ کا اثبات کیسے ہوگا، لیکن لَمْ يَقُمْ ثُمَّ قَامَ کہنا درست ہے، کیوں کہ اس میں زمانہ ماضی کی نفی ہو رہی ہے تکلم کے زمانہ کی نہیں۔ اور ثُمَّ قَامَ کا اثبات تکلم کے زمانہ میں ہو رہا ہے۔

(۲) لَمَّا اکثر و بیشتر اپنے مابعد کے واقع ہونے کی توقع بتلاتا ہے جیسے ”بَلْ لَمَّا يَذُوقُوا عَذَابٌ“ (بلکہ انہوں نے اب تک میرا عذاب چکھا نہیں۔ تھوڑی مدت کے بعد وہ ضرور چکھیں گے) اس مثال میں آئندہ زمانہ میں عذاب کے چکھنے کی امید و توقع بتلاتا ہے۔ اور لَمْ اس کا تقاضہ نہیں کرتا۔ علامہ زحشریؒ نے اپنی کتاب میں اس کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے، فَلْيُرَاجِعْ۔

(۳) لَمَّا کے بعد کبھی فعل مضارع حذف بھی کر دیا جاتا ہے، لیکن لَمْ کے بعد نہیں۔ جیسے آپ سے کوئی شخص کہے هَلْ دَخَلْتَ الدَّارَ، تو آپ اس کے جواب میں کہیں گے قَارَبْتُهَا وَلَمَّا۔ اور مراد لیں گے وَلَمَّا ادْخُلَهَا لیکن هَلْ دَخَلْتَ الدَّارَ کے جواب میں قَارَبْتُهَا وَلَمْ کہنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ لَمْ کا دخول جائز الحذف نہیں ہوتا۔

(۴) لَمَّا سے حرف شرط ملحق نہیں ہوتا، لیکن لم کے اوپر حرف شرط داخل ہوتا ہے۔ جیسے اِنْ لَمْتَقُمْ قُمْتُ کہنا درست ہے، لیکن اِنْ لَمَّا تَقُمْ قُمْتُ کہنا درست نہیں۔

چوتھا عامل جازم:

چوتھا عامل جو ایک فعل کو جزم دے لام طلب ہے۔ چاہے امر پر دلالت کرے جیسے "لِيُنْفِقْ ذَوْسَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ" (کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے۔ پارہ ۲۸، سورۃ طلاق آیت ۷) میں "لِيُنْفِقْ" پر لام طلب داخل ہے جس نے اسے جزم دیا ہے یا دعاء پر دلالت کرے جیسے "لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ" (دعاء کرو کہ تیرا پروردگار ہم پر فیصلہ کر دے) میں "لِيَقْضِ" پر لام طلب داخل ہے جو دعاء پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسی نے فعل سے حرف علت گرانے کی شکل میں جزم دیا ہے۔

پانچواں عامل جازم:

پانچواں عامل جو ایک فعل کو جزم دے وہ لاء طلبیہ ہے چاہے نہی پر دلالت کرے جیسے "لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ" یا دعاء پر دلالت کرے "جیسے لَا تُؤْخِذْنَا" (ہمیں نہ پکڑنا) ان دونوں مثالوں میں لاء طلبیہ نے فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے جزم دیا ہے۔

وَيَجْزِمُ فَعْلَيْنِ اِنْ، وَاِذَا، وَاَيْنَ، وَاَنّى، وَاَيَّانَ، وَمَتَى، وَمَهْمَا، وَمَنْ، وَمَا، وَحَيْثُمَا، نَحْوُ (اِنْ يَشَايْذُ هُبُكُمُ، مَنْ يَّعْمَلُ سُوءًا يُجْزِيْهِ، مَا نَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِيْهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا) وَيُسَمَّى الْاَوَّلُ شَرْطًا وَالثَّانِي جَوَابًا وَجَزَاءً، وَاِذَا لَمْ يَصْلَحْ، لِمُبَاشَرَةِ الْاَدَاةِ قَرْنَ بِالْفَاءِ، نَحْوُ (وَإِنْ يَّمْسَسْكَ بَخِيرٌ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) اَوْ بِاِذَا الْفَجَائِيَّةِ نَحْوُ (وَإِنْ تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمْتْ اَيْدِيَهُمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ)۔

ترجمہ: - اور دو فعلوں کو اِنْ، اِذَا، اَيْنَ، اَنّى، اَيَّانَ، مَتَى، مَهْمَا، مَنْ، مَا، حَيْثُمَا، اَيّ، جزم دیتے ہیں، جیسے "اِنْ يَشَايْذُ هُبُكُمُ" (اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھالے) "مَنْ يَّعْمَلُ سُوءًا يُجْزِيْهِ" (جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا) "مَا نَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِيْهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا" (جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں۔) پہلا فعل شرط اور دوسرا جواب و جزاء کہلاتا ہے۔ اور جب وہ آداة کے بعد آنے والا جملہ جواب بننے کی صلاحیت نہ رکھے تو فاء کے ساتھ لایا جائے گا جیسے "وَإِنْ يَّمْسَسْكَ بَخِيرٌ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" (اور اگر تجھ کو

اللہ تعالیٰ نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے) یا اِذَا فُجِئَیْہِ کے ساتھ لایا گیا ہو جیسے "وَاِنْ تُصِیْبُہُمْ سَیِّئَةٌ بِمَا قَدَّمْتَ اَیْدِیْہُمْ اِذَا ہُمْ یَقْنَطُوْنَ" (اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض ناامید ہو جاتے ہیں۔)

وہ عوائل جو دو فعلوں کو جزم دیتے ہیں:

وَيَجْزِمُ فَعْلَيْنِ اِنْ، وَاِذَا مَا، الْخ کی وضاحت: جب مصنف ان عوائل جازمہ کی بحث کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے جو فقط ایک فعل کو جزم دیتے ہیں، تو اب یہاں سے ان عوائل کو بیان کرنا شروع کیا جو دو فعلوں کو جزم دیتے ہیں، چنانچہ فرمایا وہ گیارہ ادوات ہیں، جنہیں ادوات شرط بھی کہتے ہیں۔ (۱) اِنْ (اگر) (۲) اَیْنَ (جہاں) (۳) اَیَّ (کونسا، جب بھی، جو بھی) (۴) مَن (جو بھی، جو شخص) (۵) مَا (جو کچھ بھی، جو چیز، جو) (۶) مَہْمَا (جب، جس وقت) (۷) مَتَّی (جس وقت) (۸) اَیَّانَ (جب بھی) (۹) حَیْثُمَا (جہاں کہیں) (۱۰) اِذَا مَا (اگر) (۱۱) اَنِّی (کہاں)۔

(۱) اِنْ شرطیہ کی وضاحت:۔ یہ حرف دو فعلوں پر آتا ہے جن میں سے پہلا فعل دوسرے فعل کا سبب ہوتا ہے۔ جیسے "اِنْ یَشَأْ یُذْہِبْکُمْ" (اگر اسے منظور ہو تو تم سب کو لے جائے۔ پارہ ۵، سورۃ نساء، آیت ۱۳۳) پہلے فعل کو شرط اور دوسرے فعل کو جزاء اور جواب شرط کہتے ہیں اور دونوں فعل "اِنْ" شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

(۲) اَیْنَ کی وضاحت:۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول: "اَیْنَمَا تَکُونُوا یُذْرِکُمْ الْمَوْتُ" (موت تم کو پکڑے گی جہاں بھی تم رہو۔ پارہ ۵، سورۃ النساء آیت ۷۸) تَکُونُوا اور یُذْرِکْ دونوں فعل "اَیْنَ" کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

(۳) اَیَّ کی وضاحت:۔ اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہوتا ہے اور ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "اَیَّامًا تَدْعُوا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی" (جس نام کے ساتھ چاہو خدا کو پکارو، اس کے لیے اچھے اچھے نام ہیں۔ پارہ ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۱۰)

(۴) مَن کی وضاحت:۔ اس کا استعمال ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے "مَن یَعْمَلْ سُوْءًا اُجْزَ بِہِ" (جو برا کرے گا اس کو اس کام کی سزا دی جائے گی۔ پارہ ۵، سورۃ نساء آیت ۱۲۳) اس میں یَعْمَلْ اور یُجْزَ دونوں "مَن" کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

(۵) مَا کی وضاحت:۔ اس کا استعمال غیر ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ

کا قول "وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ" (جو بھی اچھا کام تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔ پارہ ۲، سورہ بقرہ آیت ۱۹۷) اس میں تَفْعَلُوا اور يَعْلَمُهُ دونوں ما شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

(۶) مَهْمَا کی وضاحت:- یہ غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے، جیسے امری القیس کا شعر:

أَغْرَكَ مِنِّي أَنَّ حُبَّكَ قَاتِلِي وَأَنَّكَ مَهْمَا تَأْمُرِي الْقَلْبَ يَفْعَلُ

(ترجمہ: کیا تجھے میرے باب میں دھوکہ ہو گیا ہے کہ تیری محبت میرا قاتل ہے۔ اور تو جو کچھ دل کو

کہے گی کر ڈالے گا۔) یہ امرء القیس بن حجر الکندی کا شعر ہے۔ (سبیل الہدی ص ۵۸)

اس شعر میں محل استشہاد "مہما تأمری القلب یفعل" ہے، اس طور پر کہ مہما نے دونوں فعلوں کو جزم دیا ہے جن میں اول فعل دوسرے فعل کا سبب بن رہا ہے۔

(۷) مَتَى کی وضاحت:- یہ ظرف زمان کے لیے آتا ہے جیسے شاعر کا قول: "مَتَى أَضَعِ

الْعِمَامَةَ تَعْرِفُونِي" (جب میں عمامہ اتار دوں گا تب تم لوگ مجھے پہچان لو گے) اس شعر میں مَتَى حرف شرط ہے جس کی وجہ سے أَضَعِ اور تَعْرِفُوا دونوں مجزوم ہیں۔ (یہ حکیم بن وثیل ریاحی کا شعر

ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے: أَنَا ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَائِيَا — مَتَى أَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُونِي

(۸) آيَان کی وضاحت:- یہ بھی ظرف زمان کے لیے آتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول

"فَآيَانَ مَا تَعْدِلُ بِهِ الرِّيحُ تَنْزِلُ" (جب ہوا معتدل ہو جائے گی پانی بر سے گا) اس شعر میں آيَان حرف شرط ہے تَعْدِلُ اور تَنْزِلُ دونوں اس کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ پورا شعر اس طرح ہے:

إِذَا النُّعْجَةُ الْعَجْفَاءُ كَانَتْ بِقَفْرَةٍ — فَآيَانَ مَا تَعْدِلُ بِهِ الرِّيحُ تَنْزِلُ

(۹) حَيْثُمَا کی وضاحت:- یہ ظرف مکان کے لیے آتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول:

حَيْثُمَا تَسْتَقِمُ يُقَدِّرُ لَكَ اللَّهُ نَجَاحًا فِي غَابِرِ الْأَرْمَانِ۔ (تو جہاں ٹھہرے گا اللہ تعالیٰ تیرے

لیے بقیہ زمانے میں کامیابی مقدر کر دے گا۔) اس مثال میں حَيْثُمَا حرف شرط ہے جو ظرف مکان کے

لیے ہے، اس نے تَسْتَقِمُ اور يُقَدِّرُ دونوں فعل کو جزم دیا ہے۔

(۱۰) إِذْمَا کی وضاحت:- جیسے شاعر کا قول:

وَأَنَّكَ إِذْمَا تَأْتِ مَا أَنْتَ آمِرٌ بِهِ تُلْفِ مَنْ إِيَّاهُ تَأْمُرُ آتِيًا۔

(اور بے شک اگر تو کسی چیز کا حکم کرے تو وہ لے آئے گا جس کا تو حکم کرتی ہے) اس میں إِذْمَا

حرف شرط ہے جس نے تَأْتِ اور تُلْفِ سے حرف علت کو گرا کر جزم دیا ہے۔ (البیت التي لم نعثر

لها على قائل معين۔)

(۱۱) أَنِي کی وضاحت:- یہ ظرف مکان کے لیے آتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول: فَاصْبَحْتَ

اَنّی تَاتِہَا تَشْتَجِرُ بِہَا تَجِدُ۔ (جس جگہ بھی تو صبح کرے گا تو وہاں باہم اختلاف پائے گا) اس شعر میں اَنّی حرف شرط ہے جس نے تَشْتَجِرُ اور تَجِدُ دونوں فعل کو جزم دیا ہے۔ (یہ لبید بن ربیعہ عامر کا شعر ہے، جس کا دوسرا مصرعہ علامہ سجائی نے مکمل فرمایا۔ شعر اس طرح ہے۔

(فَاصْبَحْتَ اَنّی تَاتِہَا تَشْتَجِرُ بِہَا تَجِدُ — حَطَبًا جَزَلًا وَنَارًا تَأْجِجًا)
مذکورہ بالا تمام ادوات شرط دو افعال یعنی شرط و جزاء کو جزم دیتے ہیں۔ پہلے فعل کا نام شرط اور دوسرے کا جزاء رکھا جاتا ہے۔

دوسرے فعل میں جزاء بننے کی صلاحیت نہ ہو تو؟

وَإِذَا لَمْ تَصْلَحْ لِمُبَاشَرَةِ الْآدَاءِ الْخ کی وضاحت: اور اگر دوسرے فعل میں جزاء بننے کی صلاحیت نہ ہو کہ اس پر حرف شرط آسکے تو فاء داخل کی جائے گی جب کہ بعد والا جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ انشائیہ ہو، یا منفی بَلَنْ ہو یا بِمَا ہو، یا قد، یا سین و سوف اس پر داخل ہو۔ فاء کی مثال جیسے ”وَإِنْ يَمْسَسْكَ بَخِيرٌ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔“ (اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ پارہ ۷، سورہ انعام آیت ۱۷) اس مثال میں شرط کی جزاء جملہ اسمیہ ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے کہ اس پر حرف شرط آسکے تو فاء داخل کی گئی ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول ”قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ“ (اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۳۱) اس آیت میں شرط کی جزاء جملہ فعلیہ انشائیہ بَشَلْ امر ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس پر حرف شرط آسکے تو فاء داخل کی گئی ہے۔

باری تعالیٰ کا قول ”إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا فَعَسَى رَبِّي“ (اگر تو مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے۔ پارہ ۱۵، سورہ کہف آیت ۳۹، ۴۰) اس آیت میں شرط کی جزاء اسم جامد ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس پر حرف شرط آسکے تو فاء داخل کی گئی ہے۔

باری تعالیٰ کا قول ”وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ“ (یہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناکدری نہ کی جائے گی۔ پارہ ۴، سورہ آل عمران آیت ۱۱۵) اس آیت میں شرط کی جزاء فعل مضارع يُكْفَرُوهُ ہے جو لَنْ کے ساتھ ہے اور یہ جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، اس لیے اس پر فاء داخل کی گئی ہے۔

باری تعالیٰ کا قول ”وَمَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ، فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا

رِکَابٍ“ (اور ان کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا ہے جس پر نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ پارہ ۲۸، سورۃ حشر، آیت ۶) اس آیت میں شرط کی جزاء جزاء فَمَا أَوْجَفْتُمْ ایسی ماضی ہے جس پر مَا داخل ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، لہذا فاء داخل کی گئی ہے۔

باری تعالیٰ کا قول ”إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ“ (اگر اس نے چوری کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تحقیق کہ اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔ پارہ ۱۲، سورۃ یوسف، آیت ۷۷) اس آیت میں شرط کی جزاء قد سَرَقَ ایسی ماضی ہے جس پر قد لفظ داخل ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، لہذا فاء داخل کی گئی ہے۔ فَقَدْ سَرَقَ۔

باری تعالیٰ کا قول ”مَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا“ (جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آجائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے۔ پارہ ۵، سورۃ نساء، آیت ۷۴) اس آیت میں شرط کی جزاء فسوف نؤتیہ مضارع مثبت ہے جس کے شروع میں حرف تنفیس ”سوف“ ہے، جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، اس لیے اس پر فاء داخل کی گئی ہے۔

فاء کی جگہ اِذَا فِجَائِیَہ کا استعمال:

جب دوسرے جملہ میں جزاء بننے کی صلاحیت نہ ہو کہ اس پر حرف شرط آسکے تو کبھی فاء کی جگہ اِذَا فِجَائِیَہ بھی آجاتا ہے بشرطیکہ وہ جملہ اسمیہ ہو۔ فاء کی جگہ اِذَا فِجَائِیَہ کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ دونوں کے اندر قربت معنی ہے یعنی دونوں کسی شئی کے بعد دوسری شئی کے حدوث و ظہور کی خبر دیتے ہیں، لیکن اِذَا فِجَائِیَہ اسم کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔

جیسے باری تعالیٰ کا قول ”وَإِنْ تُصِيبَهُمْ بِمَا قَدَّمْتَ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ“ (اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کر توت کی وجہ سے کوئی بُرائی پہنچے تو ایک دم وہ محض نا اُمید ہو جاتے ہیں۔ پارہ ۲۱، سورۃ روم، آیت ۳۶) اس آیت میں شرط کی جزاء إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ہے جو جملہ اسمیہ ہے اور جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، لہذا اِذَا فِجَائِیَہ داخل کیا گیا ہے۔

نوٹ:- جملہ اسمیہ پر اِذَا فِجَائِیَہ داخل ہو سکتا ہے۔ اصل یعنی متن میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے، چوں کہ یہ حرف جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص ہے، اسی لیے اس کی شرط لگانے سے میں نے بے نیازی اختیار کی ہے۔

بَابُ النِّكَرَةِ وَالْمَعْرِفَةِ

فَصْلٌ: الْأِسْمُ ضَرْبَانِ: نِكْرَةٌ، وَهُوَ مَا شَاعَ فِي جِنْسٍ: مَوْجُودٍ، كَرَجُلٍ، أَوْ مُقَدَّرٍ كَشَمْسٍ، وَمَعْرِفَةٌ، وَهِيَ سِتَّةٌ: الضَّمِيرُ، وَهُوَ مَا دَلَّ عَلَى مُتَكَلِّمٍ أَوْ مُخَاطَبٍ أَوْ غَائِبٍ، وَهُوَ إِمَّا مُسْتَتِرٌ كَالْمُقَدَّرِ وَجُوبًا فِي نَحْوِ "أَقُومُ" وَ "نَقُومُ" - أَوْ جَوَازًا فِي نَحْوِ "رَيْدٌ يَقُومُ" أَوْ بَارِرٌ، وَهُوَ إِمَّا مُتَّصِلٌ كَتَاءٍ "قُمْتُ" وَكَافٍ "أَكْرَمَكَ" وَهَاءٍ "غَلَامُهُ" - أَوْ مُنْفَصِلٌ كـ "أَنَا" وَ "هُوَ" وَ "إِيَّايَ" وَلَا فَصْلَ مَعَ إِمْكَانِ الْوَصْلِ، إِلَّا فِي نَحْوِ الْهَاءِ مِنْ "سَلْنِيهِ" بِمَرْجُوحِيَّةٍ، وَ "ظَنَنْتُكَ" وَ "كُنْتُ" بِرُجْحَانٍ -

ترجمہ:- فصل: اسم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نکرہ۔ اور وہ ایسا اسم ہے جو پوری جنس میں مشترک ہوتا ہے، چاہے ظاہر میں اس کے افراد موجود ہوں جیسے رَجُلٌ (آدمی)۔ یا مقدر ہوں (یعنی ظاہر میں افراد موجود نہ ہوں) جیسے شَمْسٌ (سورج) (۲) اور معرفہ تو وہ چھ ہیں۔ ضمیر۔ اور وہ وہ اسم ہے جو متکلم یا مخاطب یا غائب پر دلالت کرے اور وہ (یعنی ضمیر) مستتر ہوگی۔ جیسے "أَقُومُ" اور "نَقُومُ" جیسی مثالوں میں وجوباً مقدر ہوتی ہے یا متصل ہوگی جیسے "قُمْتُ" کی تاء اور "أَكْرَمَكَ" کی کاف اور "غَلَامُهُ" کی ہاء یا وہ منفصل ہوگی جیسے "أَنَا" اور "هُوَ" اور "إِيَّايَ"۔ اور ضمیر متصل لانا ممکن ہونے کے ساتھ ضمیر منفصل لانا جائز نہیں، مگر "سَلْنِيهِ"، بِمَرْجُوحِيَّةٍ اور ظَنَنْتُكَ اور كُنْتُ جیسی مثالوں میں ہاء کی صورت میں رجحان کے ساتھ۔

وضاحت:- فصل: الاسم ضربان نكرة کی وضاحت: تعریف و تنکیر کے اعتبار سے اسم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نکرہ (۲) معرفہ۔

سوال: لیکن یہاں طالب علمانہ ایک اعتراض ہوتا ہے کہ مصنف نے نکرہ کو معرفہ پر کیوں مقدم فرمایا؟
جواب: چوں کہ نکرہ اصل ہے اور معرفہ فرع ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے، اس لیے مصنف نے بر بنائے اصلیت نکرہ کو معرفہ پر مقدم فرمایا۔

نکرہ کی تعریف:

نکرہ ایسا اسم ہے جو پوری جنس میں مشترک ہوتا ہے، چاہے اس کے افراد خارج میں موجود ہوں جیسے رَجُلٌ یہ حیوان ناطق مذکر کے لیے موضوع ہے، جب بھی اس جنس کا کوئی فرد پایا جائے گا اس پر اسی لفظ کا اطلاق ہوگا، یا اس کے افراد خارج میں موجود نہ ہوں، بلکہ مقدر ہوں جیسے شمس یہ دن کے ایسے ستارہ

کے لیے موضوع ہے، جس کا ظہور رات کی تاریکی کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خارج میں پائے جانے کے اعتبار سے یہ تنہا ہے۔ اگر رَجُل کی طرح خارج میں مزید افراد ہوتے تو یہ لفظ اس کے بھی قابل تھا، جیسا کہ رَجُل متعدد افراد پر بولا جاتا ہے اور اس کے افراد خارج میں موجود ہوتے ہیں۔ یہ زید عمرو، بکر کی طرح ذات معین کے لیے موضوع نہیں ہے۔

معرفہ کی تعریف اور اس کی قسمیں:

وَمَعْرِفَةٌ وَهِيَ سِتَّةُ الْخ کی وضاحت:- معرفہ وہ اسم ہے جو متعین شی کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسے زید، عمرو، بکر وغیرہ۔

اسم معرفہ کی چھ قسمیں ہیں، ان میں سب سے پہلی قسم ضمیر ہے، چوں کہ وہ اعرف المعارف ہے، اس لیے اس کو تمام اقسام پر مقدم فرمایا ہے اور بقیہ اقسام معرفہ کو ثَمَّ کے ذریعہ اس پر عطف کیا ہے۔

ضمیر کی تعریف:

ضمیر وہ اسم ہے جو متکلم یا مخاطب یا غائب پر دلالت کرے جس کا ذکر لفظاً یا معنی یا حکماً پہلے آچکا ہو۔ متکلم کی مثال "أَنَا" مخاطب کی مثال "أَنْتَ" اور غائب کی مثال "هُوَ" ہے۔

ضمیر کی قسمیں:

اولاً ضمیر کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مُسْتَر - (۲) بَارِز۔
اگر لفظوں میں کوئی ظاہری صورت ہے تو بارز ہے ورنہ مستتر۔ بارز کی مثال جیسے قُمْتُ میں تاء ضمیر بارز ہے اور مستتر کی مثال جیسے قُمْ میں أَنْتَ ضمیر پوشیدہ ہے۔

مستتر کی قسمیں:

مستتر کی دو قسمیں ہیں (۱) واجب الاستتار (۲) جائز الاستتار۔
واجب الاستتار سے مراد یہ ہے کہ اس کی جگہ اسم ظاہر لانا درست نہ ہو جیسے فعل مضارع کے پانچ صیغے ایک وہ جن کی ابتداء ہمزہ کے ذریعہ ہو مثلاً واحد متکلم اقُوم، یا نون کے ذریعہ ہو مثلاً جمع متکلم نَقُوم، یا تاء کے ذریعہ ہو مثلاً واحد مؤنث غائب، واحد مذکر حاضر تَقُوم۔ ان تمام میں ضمیر مرفوع واجب الاستتار ہے، اسی وجہ سے اقُوم زید اور نقول عمرو کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اس مثال میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے جو قاعدہ کے برخلاف ہے۔

جائز الاستتار سے مراد یہ جس کی جگہ اسم ظاہر لایا جاسکے مثلاً فعل مضارع کے غائب کا صیغہ جیسے زید

یقوم اسے زید یقوم علامہ پڑھنا درست ہے، یقوم فعل میں ضمیر مرفوع ہے جو حائز الاستار ہے۔
ضمیر بارز کی قسمیں:

اتصال اور انفصال کے اعتبار سے ضمیر بارز کی دو قسمیں ہیں (۱) متصل (۲) منفصل۔
متصل: وہ ضمیر ہے جو غیر مستقل بالذات ہو، تنہا استعمال نہ ہو سکتی ہو جیسے قُمْتُ کی تاء۔
منفصل: وہ ضمیر ہے جو مستقل بالذات ہو جیسے اَنَا، أَنْتَ اور هُوَ۔

متصل کی قسمیں:

مواقع اعراب کے اعتبار سے ضمیر متصل کی تین قسمیں ہیں (مرفوع المحل (۲) منصوب المحل (۳) مجرور المحل۔

مرفوع سے مراد فاعل کی وہ ضمیر جو فعل سے ملی ہوئی ہو جیسے قُمْتُ کی تاء۔ حالت رفعی میں ہے، کیوں کہ یہ فاعل کی ضمیر ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے، لہذا یہ بھی مرفوع ہے۔

منصوب سے مراد مفعول کی وہ ضمیر جو اپنے عامل سے ملی ہوئی ہو جیسے أَكْرَمَكَ کا کاف حالت نصی میں ہے، کیوں کہ یہ مفعول کی ضمیر ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے، لہذا یہ بھی منصوب ہے۔

مجرور سے مراد وہ ضمیر ہے جس پر حرف جر داخل ہو یا جس سے پہلے مضاف ہو جیسے غَلَامَةُ کی ہاء، حالت جری میں ہے، کیوں کہ ترکیب میں مضاف الیہ واقع ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے، لہذا یہ بھی مجرور ہے۔

منفصل کی قسمیں:

مواقع اعراب کے اعتبار سے منفصل کی دو قسمیں ہیں (۱) مرفوع المحل (۲) منصوب المحل۔ (یہ مجرور المحل نہیں ہوتی ہے۔)

مرفوع المحل سے مراد فاعل کی ضمیر جو فعل سے جدا ہو اور حالت رفعی میں ہو۔

منصوب المحل سے مراد مفعول کی وہ ضمیر جو فعل سے جدا ہو اور محل نصب میں ہو۔

ضمیر مرفوع منفصل کے بارہ کلمے ہیں۔ اَنَا، نَحْنُ، أَنْتَ، أَنْتُمَا، أَنْتُمْ، أَنْتُنَّ، هُوَ، هِيَ، هُمَا، هُنَّ۔

ضمیر منصوب منفصل کے بھی بارہ کلمے ہیں۔ إِيَّايَ، إِيَّانَا، إِيَّاكَ، إِيَّاكُمَا، إِيَّاكُمْ، إِيَّاكُنَّ، إِيَّاهُ، إِيَّاهَا، إِيَّاهُمَا، إِيَّاهُمْ، إِيَّاهُنَّ۔

نوٹ:- جس طرح ضمیر مرفوع منفصل کے بارہ کلمے محل رفع میں واقع ہوتے ہیں، اسی طرح ضمیر منصوب متصل کے بارہ کلمے محل نصب میں واقع ہوں گے۔

مرفوع منفصل کی مثال: اَنَا مُؤْمِنٌ میں اَنَا مبتداء ہے اور مبتداء کا اعراب رفع آتا ہے۔
منصوب منفصل کی مثال: اِيَّاكَ اَكْرَمْتُ میں اِيَّاكَ مفعول مقدم ہے اور مفعول کا اعراب نصب آتا ہے۔ اس کے برعکس جائز نہیں یہ، یعنی اِيَّايَ مُؤْمِنٌ اور انت اَكْرَمْتُ کہنا درست نہیں ہے۔

ضمیر منفصل کا استعمال کب درست نہیں؟

ولا فصل مع امکان الوصل الخ کی وضاحت: یہاں سے مصنف ایک دوسرا قاعدہ بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب تک ضمیر کو متصل لانا ممکن ہو، منفصل نہیں لایا جاسکتا۔ ہاں جہاں جہاں متصل لانا دشوار ہو وہاں منفصل ذکر کیا جائے گا۔ جیسے قَامَ اَنَا اور اَكْرَمْتُ اِيَّاكَ کہنا درست نہیں، کیوں کہ یہاں ضمیر کو متصل لانا اور قُمْتُ اور اَكْرَمْتُ پڑھنا ممکن ہے۔ برخلاف مَا قَامَ اِلَّا اَنَا اور مَا اَكْرَمْتُ اِلَّا اِيَّاكَ کی صورت میں ضمیر منفصل لانا درست ہے، کیوں کہ یہاں متصل لانا دشوار اور متعذر ہے۔ اس لیے کہ الا اتصال سے مانع ہے۔ اسی لیے یہاں منفصل لائی گئی ہے، لیکن دو مقامات ایسے ہیں جہاں اتصال ممکن ہونے کے باوجود انفصال جائز ہے۔

(۱) دو ضمیریں جمع ہوں۔ پہلی دوسری کے مقابلہ میں زیادہ معرفت رکھتی ہو اور ضمیر مرفوع نہ ہو تو متصل و منفصل دونوں طرح لاسکتے ہیں۔ جیسے "سَلِّينِيْہِ اور سَلِّنِيْ اِيَّاهُ۔ خَلِّتُكَ اور خَلِّتُكَ اِيَّاهُ۔" ضمائر کے متعلق ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ ضمائر میں متکلم کی ضمیر اعراف ہے مخاطب سے۔ اور مخاطب کی ضمیر اعراف ہے غائب کے مقابلہ میں۔

(۲) ضمیر کَانَ یا اس کے اخوات کی خبر ہو، چاہے کَانَ خبر سے پہلے آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ کَانَ کی خبر بننے کی مثال "الصَّدِيقُ كُنْتُہُ" اور "الصَّدِيقُ كَانَهُ زَيْدٌ" ان میں كُنْتُ اِيَّاهُ اور كَانَهُ اِيَّاهُ زَيْدٌ پڑھنا درست ہے۔

ضمیر کی پہلی صورت یعنی "سَلِّينِيْہِ" والے قاعدہ میں نَحَاۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضمیر متصل لانا اولیٰ ہے۔ الا یہ کہ فعل قلبی ہو جیسے سَلِّينِيْہِ اور اَعْطِیْنِيْہِ۔ یہی ضابطہ قرآن کریم کی آیت "اَنْزِلْ مَكْمُوْہَا، اِنْ یَسْأَلُکُمْ وَّہَا اور فَسَیْکُفِیْکُمْ اللّٰہُ" پر صادق آتا ہے اور وہاں ضمیر متصل لانا اولیٰ ہے۔ لیکن افعال قلوب مثلاً خَلِّتُكَ اور ظَنَنْتُكَ میں اور کَانَ کے باب مثلاً كُنْتُہُ اور كَانَهُ زَيْدٌ میں جمہور نَحَاۃ اور ابن مالک کے مابین اختلاف ہے۔ جمہور نَحَاۃ کے یہاں ضمیر منفصل لانا رائج اور

اولیٰ ہے۔ اور ابن مالک نے کَنّ کے باب میں تو اتصال کو رائج قرار دیا ہے، لیکن افعال قلبیہ میں کبھی جمہور کی موافقت کرتے ہیں اور کبھی ان کی مخالفت۔

ثُمَّ الْعَلَمُ، وَهُوَ: إِمَّا شَخْصِيٌّ كَزَيْدٍ، أَوْ جَنَسِيٌّ، كَأَسَامَةِ، وَإِمَّا إِسْمٌ كَمَا مَثَّلْنَا، أَوْ لَقَبٌ، كَزَيْنِ الْعَابِدِينَ وَقَفَّةً، أَوْ كُنْيَةً كَأَبِي عَمْرٍو وَأُمُّ كَلْثُومٍ، وَيُوَخَّرُ اللَّقَبُ عَنِ الْإِسْمِ تَابِعًا لَهُ مُطْلَقًا، أَوْ مَخْفُوضًا بِإِضَافَتِهِ إِنْ أَفْرَدَا كَسَعِيدٍ كُرْزٍ۔

ترجمہ:- پھر عَلَم، اور وہ یا تو شخصی ہوگا جیسے زید، یا جنسی ہوگا جیسے اُسامہ، اور یا اسم ہوگا جیسا کہ ہم نے اس کی مثالیں پیش کی ہیں، یا لقب ہوگا جیسے زین العابدین وَقَفَّة، یا کنیت ہوگا جیسے ابو عمرو اور ام کلثوم۔ اور لقب اسم سے مؤخر کیا جائے گا مطلقاً نام کے تابع ہو کر یا اگر دونوں (نام و لقب) مفرد ہوں تو اضافت کی وجہ سے مجرور ہو کر جیسے سعید کُرْز۔

وضاحت:- ثُمَّ الْعَلَمُ وَهُوَ إِمَّا شَخْصِيٌّ الخ کی وضاحت: معرفہ کی دوسری قسم علم ہے۔ اور وہ وہ اسم معرفہ ہے جس سے کسی چیز کو اس طرح معلق کر دیا گیا ہو کہ لفظ معین شئی کے مشابہات کو شامل نہ رہے۔

علم کی قسمیں:

اس کی مختلف اعتبار سے مختلف اقسام ہیں۔ اپنے مُسَمًّى کے مشخص اور غیر مشخص ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں (۱) علم شخصی (۲) علم جنسی۔

علم شخصی کی تعریف:

اس سے مراد وہ علم ہے جو کسی معین ذات کے ساتھ معلق کر دیا جائے جیسے زید، عمرو وغیرہ۔

علم جنسی کی تعریف:

اس سے مراد وہ اسم ہے جو ایک قسم کی چیزوں کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسے اُسامہ شیر کے لیے۔ لُغَالِہ لومڑی کے لیے اور ذوالہ بھیڑیا کے لیے۔

مذکورہ بالا الفاظ میں سے ہر ایک ان اجناس کے افراد میں سے ہر ایک فرد پر صادق آئے گا یعنی ہر شیر کے لیے اُسامہ اور ہر لومڑی کے لیے لُغَالِہ اور ہر بھیڑیا کے لیے ذوالہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مثلاً جس شیر کو بھی آپ دیکھیں تو آپ کے لیے تِلْكَ اُسَامَةُ مُقْبَلًا کہنا درست ہوگا۔ اسی طرح باقی کو قیاس کر لیجیے۔

باعتبار ذات کے علم کی قسمیں:

باعتبار ذات کے علم کی دو قسمیں ہیں (۱) مفرد (۲) مرکب۔ مفرد جیسے زید اور اسامہ، مرکب دو سے زیادہ کلموں سے مل کر بنا ہو جیسے عبد اللہ۔

مرکب کی قسمیں:

مرکب کی تین قسمیں ہیں (۱) مرکب اضافی (۲) مرکب امتزاجی (۳) مرکب اسنادی۔ مرکب ترکیب اضافی سے مراد وہ مرکب غیر مفید ہے جس میں پہلا جز مضاف ہو اور دوسرا جزء مضاف الیہ ہو جیسے عبد اللہ اس میں عبد مضاف ہے اور اللہ مضاف الیہ ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ جزء اول کو عوائل کے اعتبار سے اعراب آئے گا۔ اور جزء دوم ہمیشہ اضافت کی وجہ سے مکسور ہوگا۔

مرکب ترکیب امتزاجی سے مراد یہ ہے کہ دو اسموں کو ملا کر ایک کر دیا جائے اور وہ عدد نہ ہو جیسے بعل بک دو اسم ملا کر ایک بنائے گئے ہیں، یہ شام کے ایک شہر کا نام ہے اس میں بعل ایک بت کا اور بک اس شہر کے بانی کا نام ہے۔ پس ان دونوں کلموں کو ایک کیا اور ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا بعل بک اسے رفع کی حالت میں ضمہ اور نصب و جر کی حالت میں غیر منصرف کی طرح فتح دیا جاتا ہے۔ اور اگر پہلے اسم کے آخر میں "وِیْہ" آئے تو بنی علی الکسر ہوگا۔

مرکب ترکیب اسنادی سے مراد وہ ہے جو دراصل جملہ ہو پھر دو لفظوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہو اس پر عوائل کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ نقل سے پہلے جو حالت رہی ہے اسے بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ جیسے شَابَ قَرْنَاهَا۔ ایک عورت کا نام ہے جس کے دونوں گیسو سفید ہو گئے تھے۔ شَابَ بمعنی سفید ہونا۔ اور قَرْنَاهَا تثنیہ قرن بمنی گیسو۔ شَابَ قَرْنَاهَا منی ہے، کیوں کہ یہ مرکب اسنادی ہے۔ لہذا اس پر کوئی بھی عامل مؤثر نہیں ہوگا۔

علم شخصی کی تعریف:

وَمَا اسْمٌ كَمَا مَثَلْنَا أَوْ لِقَبِ الْخ کی وضاحت: علم شخصی کی تین قسمیں ہیں (۱) اسم (۲) کنیت (۳) لقب۔

کنیت سے مراد وہ اسم ہے جس کے شروع میں اب، یا اُم ہو۔ جیسے ابو بکر، ام بکر، ابو عمرو، ام عمرو۔ لقب سے مراد وہ ایسا اسم ہے جو مسکنی کی رفعت شان اور عظمت کو ظاہر کرے جیسے زین العابدین یا رزالت کو بتلائے جیسے قُفَّة (ٹھگنا) اور بَطَّة (بطخ) اور انف الناقہ (اونٹنی کی ناک)

اسم سے مراد وہ نام ہے جو صرف کسی ذات پر دلالت کرے۔ مذکورہ بالا معانی میں سے کوئی معنی اس میں نہ ہو جیسے زید، عمرو، حذیفہ، بکر وغیرہ۔

اسم اور لقب دونوں کے اجتماع کا بیان:

وَيُوْخِرُ اللَّقْبُ عَنِ الْإِسْمِ تَابِعًا لَهُ مُطْلَقًا الْخ کی وضاحت: جب اسم و لقب دونوں جمع ہوں تو اسم کو لقب پر وجوباً مقدم رکھیں گے۔ اس صورت میں اس کی چار شکلیں ہوں گی۔ (۱) اسم و لقب دونوں مرکب اضافی ہوں۔ جیسے عبد اللہ، زین العابدین۔ اس مثال میں عبد اللہ اسم اور زین العابدین لقب ہے۔ اور دونوں مرکب اضافی ہیں۔

(۲) اسم مفرد ہوں اور لقب مرکب اضافی ہو جیسے زید، زین العابدین میں زید اسم ہے جو مفرد ہے اور زین العابدین لقب ہے جو مرکب اضافی ہے۔ (۳) یا اسم مرکب اضافی ہو اور لقب مفرد ہوں جیسے عبد اللہ فقہ۔ عبد اللہ گرز۔ تو اس وقت اعراب کے لیے دوسرے (یعنی لقب) کو پہلے یعنی اسم کے تابع بنانا واجب و لازم ہوگا۔ اس طور پر کہ یہ لقب اسم کا بدل واقع ہوگا یا عطف بیان۔

(۴) اسم و لقب دونوں مفرد ہوں جیسے زید فقہ، سعید گرز۔ تو اس صورت میں کوئی حضرات اور امام زجاج دو صورتیں جائز قرار دیتے ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ لقب اسم کے تابع رہے گا اعراب میں مذکورہ بالا اقسام کی طرح۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اسم کی اضافت لقب کی طرف کی جائے گی۔

جمہور بصریین اضافت کو لازم سمجھتے ہیں، لیکن تابع قرار دینا صحیح ہے۔ اور زیادہ قرین قیاس ہے لیکن اضافت زیادہ مستعمل ہے۔

ثُمَّ الْإِشَارَةُ، وَهِيَ: ذَالِ الْمَذْكَرِ، وَذِي وَذِهِ، وَتِي وَتِهِ، وَتَا لِلْمُؤَنَّثِ، وَذَانِ وَتَانِ لِلْمُثَنِّي، بِالْأَلِفِ رَفْعًا، وَبِالْيَاءِ جَرًّا وَنَصْبًا، وَأُولَاءِ لَجْمَعِهِمَا، وَالْبَعِيدُ بِالْكَافِ مُجَرَّدَةٌ مِنَ اللَّامِ مُطْلَقًا، أَوْ مَقْرُونَةٌ بِهَا إِلَّا فِي الْمُثَنِّي مُطْلَقًا وَفِي الْجَمْعِ فِي لُغَةٍ مِّنْ مَّدَّة، وَفِيمَا تَقَدَّمَ هَا التَّنْبِيْهِ۔

ترجمہ:- پھر اشارہ، اور وہ ذاند کر کے لیے ہے۔ اور ذی و ذہ، اور تی، وتہ، اور تا مؤنث کے لیے ہے۔ اور ذان اور تان ثنیہ کے لیے ہے حالت رفع میں الف کے ساتھ اور حالت نصب و جر میں یاء کے ساتھ۔ اور اولاء دونوں (یعنی مذکر و مؤنث کی) جمع کے لیے ہے۔ اور اسمائے اشارہ کا کاف کے ساتھ خالی عن اللام مستعمل ہونا مطلقاً بعید کے لیے ہے۔ یا اسمائے اشارہ لام کے

ساتھ ملا ہوا ہوگا، سوائے تشنیہ کے اور سوائے جمع کے، ان لوگوں کی لغت کے مطابق جو اس کو مد دیتے ہیں بلا کسی قید کے۔ اور سوائے ان اسماء کے جن کے شروع میں ہاء تنبیہ لگی ہو۔

وضاحت: - ثُمَّ الْإِشَارَةُ کی وضاحت: معرفہ کی تیسری قسم اسم اشارہ ہے۔

اسم اشارہ کی تعریف:

اسم اشارہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو اس چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو جس کی طرف اشارہ کیا جائے۔ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اسے مثلاً الیہ کہتے ہیں۔

اسم اشارہ کی قسمیں:

مثلاً الیہ کی مفرد، تشنیہ اور جمع ہونے کے اعتبار سے اسماء اشارات کی تین قسمیں ہیں۔ پھر مفرد، تشنیہ و جمع میں سے ہر ایک مذکر و مؤنث کی طرف منقسم ہوتا ہے۔

(۱) مفرد مذکر کے لیے ایک ہی لفظ وضع ہوا ہے اور وہ ذاء ہے۔

(۲) مفرد مؤنث کے لیے دس کلمات ہیں۔ پانچ ذال سے شروع ہوتے ہیں جیسے ذی، ذہی

اشباع کے ساتھ۔ ذہ کسرہ کے ساتھ، ذہ سکون کے ساتھ اور ذات (اس کا استعمال اشارہ میں نادر ہے) درحقیقت اس کا استعمال صَاحِبَةُ کے معنی میں معروف و مشہور ہے۔ جیسے ذَاتُ جَمَالٍ (بمعنی صاحب حسن) یا بعض قبیلہ طی کی لغت میں اللّٰتِ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، چنانچہ فرانے لکھا ہے "بِالْفَضْلِ ذُو فَضْلِكُمُ اللّٰهُ بِهِ، وَالْكَرَامَةُ ذَاتُ اَكْرَمِكُمُ اللّٰهُ بِهَا" اِی اللّٰتِ اَكْرَمَكُمُ اللّٰهُ بِهَا۔ (فضل وہ جس کے ذریعہ اللہ نے تمہیں فضیلت دی، بزرگی وہ جس کی وجہ سے اللہ نے تمہیں مکرم بنایا) اس طرح ذَات اشارہ بمعنی صاحبہ ہے اور اللّٰتِ تین معنی کے لیے آتا ہے۔

(۱) مفرد مؤنث کی طرف اس سے اشارہ کرنا (۲) صاحبہ کے معنی میں استعمال ہونا (۳) اسم موصول بمعنی اللّٰتِ کے معنی میں مستعمل ہونا۔

(۵) وہ کلمات جو تاء سے شروع ہوتے ہیں۔ مفرد مؤنث کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتے

ہیں وہ تہی، تہی اشباع کے ساتھ، اور تہ کسرہ کے ساتھ، اور تہ سکون کے ساتھ، اور تاء ہیں، اور تشنیہ مذکر کے لیے ذان حالت رفع میں الف کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَذَاتُكَ بُرْهَانَانِ" میں ذان تشنیہ مذکر کے لیے ہے جو حالت رفعی میں الف کے ساتھ ہے۔ اور حالت نھسی و جری میں یاء کے ساتھ ذین آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "رَبَّنَا اَرِنَا الَّذِیْنَ" (اے رب ہمارے ہم کو دکھلا دے وہ دونوں جنہوں نے۔ پارہ ۲۴، سورہ لہم سجدہ آیت ۲۹) میں ذین تشنیہ مذکر کے لیے

ہے جو حالت نصی و جری میں یاء کے ساتھ ہے۔

اور تشنیہ مؤنث کے لیے حالت رفی میں تان الف کے ساتھ جیسے جَاءَ تَنِي هَاتَانِ اور نصی و جری میں یاء کے ساتھ آتی ہے۔ جیسے جَاءَ تَنِي هَاتَيْنِ۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "اِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ" (ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے۔ پارہ ۲۰، سورۃ قصص آیت ۲۷) میں تَيْنِ یاء کے ساتھ ہے۔

وَأُولَاءِ لِجَمْعِهِمَا کی وضاحت: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جمع مذکر و مؤنث دونوں کے لیے "أُولَاءِ" مد کے ساتھ آتا ہے مجازین کی لغت میں۔ اور اسی کے مطابق قرآن مجید میں آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" اور "هَؤُلَاءِ بَنَاتِي" اور بنو تمیم اُولی بالقصر استعمال کرتے ہیں۔

مشار الیہ کی صورتیں:

والبعید بالكاف مجردة من اللام مطلقاً کی وضاحت: پھر مشار الیہ قریب ہو گا یا بعید۔ اگر مشار الیہ قریب ہے تو ایسا اسم اشارہ لایا جائے جو جو بوا کاف سے خالی ہو۔ اور ہاء تشنیہ جواز اُملی ہوئی ہو جیسے جاء نی هذا۔ اور جاءنی ذاك، لیکن یہاں ایک بات یاد رہے کہ جس پر ہاء تشبیہ آتی ہے اس اسم اشارہ پر لام بعد نہیں آ سکتا، چوں کہ ہاء قریب کے لیے ہے۔ اور لام بعد بعید کو بتلاتا ہے۔ اور اگر مشار الیہ بعید ہو تو کاف خطاب کا الحاق واجب ہو گا، خواہ الف لام متصل ہو جیسے ذاك یا نہ ہو جیسے ذاك۔ سوال: اسمائے اشارہ کے آخر میں کاف خطاب کیوں بڑھادیتے ہیں؟

جواب: اسم اشارہ کے آخر میں کاف خطاب کا بڑھادیتے ہیں جو مخاطب کے حال پر دلالت کرتا ہے کہ مخاطب واحد ہے، یا تشنیہ، یا جمع، مذکر ہے یا مؤنث۔ جیسے ذَا سے ذَاكَ اور اگر مشار الیہ بعید ہے تو اس میں لزوماً کاف پایا جائے گا اور لام بعد جواز آئے گا، کبھی رہے گا جیسے ذَالِكَ۔ اور کبھی نہیں رہے گا جیسے ذَاكَ۔

لام بعد کا استعمال چند مقامات پر ممتنع ہے:

الْأَفِي الْمُثْنِي مطلقاً وفي الجمع الخ کی وضاحت: تین مقامات ایسے ہیں جن میں لام بعد کا آنا جائز نہیں۔

(۱) تشنیہ:۔ یعنی اسم اشارہ تشنیہ کے لیے ہو تو اس پر لام بعد نہیں آئے گا خواہ تشنیہ مذکر کے لیے ہو یا مؤنث کے لیے۔ جیسے ذَاكَ تشنیہ مذکر کے لیے اور بِنَاكَ تشنیہ مؤنث کے لیے ہے۔ تم اسے ذَانِ لَكَ اور تَانِ لَكَ نہیں پڑھ سکتے۔

(۲) جمع:- یعنی اسم اشارہ جمع کے لیے ہواں لوگوں کی لغت کے مطابق جو اس کو مذہب دیتے ہیں جیسے "أُولَئِكَ" مد کے ساتھ بغیر لام کے۔ لہذا "أُولَا، لَكَ" پڑھنا جائز نہ ہوگا اور جو لوگ اسے قصر پڑھتے ہیں تو ان کے نزدیک لانے اور نہ لانے دونوں کا اختیار ہے "أُولَئِكَ" پڑھنا بھی درست ہے اور "أُولَا لَكَ" بھی پڑھنا درست ہے۔

(۳) ہر وہ اسم اشارہ جس کے شروع میں ہائے تنبیہ لگی ہو اس اسم اشارہ پر لام بعد نہیں آ سکتا۔ جیسے هَذَاكَ (برائے واحد مذکر) هَاتَاكَ، هَاتِيكَ (برائے واحد مؤنث) لیکن اگر اس سے ہائے تنبیہ ہٹالی جائے تو اس وقت لام بعد کا آنا اور نہ آنا دونوں درست ہے۔

ثُمَّ الْمُوصُولُ، وَهُوَ: الَّذِي، وَالَّتِي، وَاللَّذَانِ، وَاللَّتَانِ، بِالْأَلِفِ رَفْعًا، وَبِالْيَاءِ جَرًّا وَنَصْبًا. وَلِجَمْعِ الْمَذْكَرِ الَّذِينَ. بِالْيَاءِ مُطْلَقًا. وَالْأَلِي، وَلِجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ اللَّائِي، وَاللَّائِي، وَبِمَعْنَى الْجَمِيعِ: مَنْ، وَمَا، وَأَيُّ، وَأَلٌ فِي وَصْفٍ صَرِيحٍ لِيُغَيَّرَ تَفْضِيلٌ كَالضَّارِبِ وَالْمَضْرُوبِ، وَذُو فِي لُغَةٍ طَيِّ، وَذَا بَعْدَ مَا أَوْ مِنْ الْأَسْتِفْهَامِيَّتَيْنِ، وَصِلَةُ آلِ الْوَصْفِ، وَصِلَةُ غَيْرِهَا إِمَّا جُمْلَةً خَبَرِيَّةٌ ذَاتُ ضَمِيرٍ مُطَابِقٍ لِلْمَوْصُولِ يُسَمَّى عَائِدًا، وَقَدْ يُحْذَفُ نَحْوُ: (أَيُّهُمْ أَشَدُّ) وَمَا عَمِلَتْ أَيْدِيهِمْ، (فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ) (وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ) أَوْ ظَرَفٌ أَوْ جَارٌّ، مَجْرُورٌ تَامًا مُتَعَلِّقًا بِاسْتَقَرَّ مَحْذُوفًا.

ترجمہ:- پھر موصول۔ اور وہ الَّذِي اور الَّتِي۔ اللَّذَانِ اور اللَّتَانِ ہے۔ حالت رفع میں الف کے ساتھ اور حالت نصب و جر میں یاء کے ساتھ اور جمع مذکر کے لیے الَّذِينَ مطلقاً یاء کے ساتھ ہے۔ اور اُولٰی بھی جمع مذکر ہی کے لیے ہے۔ اور جمع مؤنث کے لیے اللَّائِي اور اللَّائِي ہے، اور مَنْ، مَا، أَيُّ، تمام موصولات کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور الف لام وصف صریح میں داخل ہوگا بغیر افضلیت کے جیسے الضَّارِبُ الْمَضْرُوبُ اور ذُو بَنِي طَيِّ کی لغت میں (اسم موصول ہے) اور مَا یا مَنْ استفہام کے بعد ذاء ہو (تو اسم موصول ہوگا) اور الف لام کا صلہ وصف صریح ہوگا اور اس کے علاوہ کا صلہ یا توضیح والا جملہ خبریہ ہوگا۔ جو کہ موصول کے مطابق ہو اس کا نام عائد رکھا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی حذف کر دیا جاتا ہے جیسے "أَيُّهُمْ أَشَدُّ" اور "وَمَا عَمِلَتْ أَيْدِيهِمْ" اور "فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ" "وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ" یا ظرف یا جار مجرور بشرطیکہ دونوں تام ہوں۔ اور "اسْتَقَرَّ" محذوف کے ساتھ متعلق ہو۔

وضاحت:- ثُمَّ الْمُوصُولُ کی وضاحت: چوتھا معرفہ اسم موصول ہے۔

اسم موصول کی تعریف: موصول اس اسم کو کہتے ہیں جو بغیر صلہ کے جملہ کا جزء تام نہ بن سکے۔
بالفاظ دیگر: اسمائے موصولہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو صلہ اور عائد کا محتاج ہو۔

اسمائے موصولہ کی قسمیں:

اسمائے موصولہ کی دو قسمیں ہیں (۱) بعض مخصوص ہیں دو اعتبار سے اسم موصولہ ہونے میں بھی۔
اور مفرد، تشنیہ و جمع مذکر و مؤنث میں بھی کسی خاص قسم کے ساتھ۔ جیسے الَّذِي مفرد و مذکر کے لیے۔ الَّتِي مفرد مؤنث کے لیے، اللّٰذَان تشنیہ مذکر کے لیے، اللّٰتَان تشنیہ مؤنث کے لیے، یہ دونوں کے دونوں حالت رفع میں الف کے ساتھ اور حالت نصب و جر میں یاء کے ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں۔ الْاُولٰی اور الَّذِیْنَ جمع مذکر کے لیے ہیں، الَّذِیْنَ تمام حالتوں میں یاء کے ساتھ ہی مستعمل ہوتے ہیں جمہور کے نزدیک، لیکن قبیلہ ہذیل اور عقیل حالت رفع میں اللّٰذَوْنَ اور حالت نصب و جر میں الَّذِیْنَ پڑھتے ہیں۔ اور اللَّائِی اور اللَّائِی اثبات یاء اور بغیر یاء کے جمع مؤنث کے لیے ہے۔

(۲) اسم موصول کی دوسری قسم مشترک کی ہے یہ دو اعتبار سے مشترک ہیں، اسم موصول بن کر بھی آتے ہیں اور کبھی دوسرے معانی مثلاً شرط یا استفہام کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور دوسری وجہ اشتراک یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک مفرد، تشنیہ و جمع، مذکر و مؤنث سب کے لیے آتا ہے۔ اور وہ "مَنْ، مَا، اَيُّ، ذُو اور ذَا" ہیں۔ چنانچہ آپ مَنْ کو کبھی يُعْجِبُنِي مَنْ جَاءَكَ، مَنْ جَاءَ تَكَ، مَنْ جَاكَ، وَمَنْ جَاءَ تَاكَ، وَمَنْ جَاؤُوكَ اور مَنْ جِئْنَاكَ کی شکل میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اور یہ استعمال کرنا درست ہے۔ اسی طرح جو شخص "اِشْتَرَيْتُ حِمَارًا اَوْ اَتَانًا، يَا حِمَارَيْنِ اَوْ اَتَانَيْنِ، يَا حِمْرًا اَوْ اُتْنًا" کہے تو اس کے جواب میں کہنا درست ہے۔ مثلاً اَعْجَبَنِي مَا اِشْتَرَيْتَهُ، وَمَا اِشْتَرَيْتَهَا، وَمَا اِشْتَرَيْتَهُمَا، مَا اِشْتَرَيْتَهُمْ اور مَا اِشْتَرَيْتَهُنَّ کہنا درست ہے، اسی طرح باقی کو اس پر قیاس کر لیجیے۔

آل موصول کی وضاحت:

وَالْ فِي وَصْفٍ صَرِيحٍ بغير تفصیل کی وضاحت: آل کے موصول بنانے کے لیے اس کا وصف صریح پر داخل ہونا شرط ہے، وہ وصف صریح اسم تفصیل نہ ہو بلکہ اسم فاعل ہو جیسے الضَّارِبُ پر الف لام بمعنی الَّذِي ضَارِبٌ ہے۔ اور اسم مفعول ہو جیسے الْمَضْرُوبُ پر الف لام بمعنی الَّذِي مَضْرُوبٌ کے معنی میں ہے اور صیغہ صفت مشبہ ہو جیسے الْحَسَنُ پر الف لام بمعنی الَّذِي حَسَنٌ کے

معنی میں ہے۔ اگر اسم تفضیل (الاعلیٰ) یا مبالغہ (العلام) یا اسم جامد (الرجل) یا وصف مشابہ بالجامد (الصاحب) پر الف لام داخل ہو تو وہ الف لام تعریف کے لیے ہوگا موصول نہیں بنے گا۔

ذو اسم موصول کی وضاحت:

وَذُو فِي لُغَةٍ طَىٰ کی وضاحت:- ذو خاص طور پر بنو طی کے یہاں الذی اسم موصول کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے جَاءَ نَبِيٌّ ذُو قَامٍ اِی جَائِنِی الذی قَام۔ چنانچہ بعض اہل عرب سے ”لَا وَذُو فِي السَّمَاءِ عَرْشُهُ“ جیسا قول سنا گیا ہے جس میں ذُو بمعنی الذی اسم موصول مستعمل ہوا ہے۔ اسی طرح شاعر نے بھی اپنے شعر میں ذُو کو الذی کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ شاعر کا قول:

فَإِنَّ الْمَاءَ مَاءُ أَبِي وَجَدِّي — وَبِئْرِي ذُو حَضْرَتٍ وَذُو طَلْوَيْتٍ.

ای الذی حَضْرَتٌ وَالذی طَلْوَيْتُهُ۔ (ترجمہ: بے شک پانی میرے آباؤ اجداد کا پانی ہے۔

اور میرا کنواں وہ ہے جس کو میں نے کھودا ہے) اور جس کی من میں نے بنائے ہے۔)

اس شعر کا قائل سان بن محل ہے جو قبیلہ طی کا ہے، ماء بمعنی پانی، جمع میاہ اور امواہ آتی ہے، اَبَ باپ جمع آباء، جد داد جمع اجداد۔ بِئْرُ کنواں جمع آبار۔ حَضْرَتٌ واحد متکلم من الحضر بمعنی کھودنا۔ اور طَلْوَيْتُ طَوَى سے بمعنی من باندھنا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ وہ پانی جس میں نزاع ہے میرے آباء و اجداد کا پانی ہے یعنی میں اس کا باپ سے وارث ہوں اور متنازعہ فیہا کنواں وہ ہے جس کو میں نے کھودا ہے اور میں نے اس کی من باندھی ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد ذُو ہے جو الذی اسم موصول کے معنی میں مستعمل ہے۔

ذو اسم موصول کی وضاحت:

ذو کے موصولہ بننے کے لیے اس سے پہلے ما اور مَنْ استفہامیہ لانا شرط ہے۔

مَا کی مثال: جیسے ”مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ“ (یعنی کیا ہے وہ جو تمہارے رب نے نازل کیا ہے)

اس آیت میں ذُو سے پہلے ما استفہامیہ لایا گیا ہے اور یہ ما الذی أَنْزَلَ رَبُّكُمْ کے معنی میں ہے۔

مَنْ کی مثال: جیسے شاعر کا قول ”وَقَصِيدَةٌ تَأْتِي الْمُلُوكَ عَرِيبَةً. قَدْ قُلْتُهَا لِيُقَالَ مَنْ

ذَا قَالَهَا؟ اِی مَنْ الذی قالها؟۔ (بہت سے نادر قصیدے جو بادشاہوں کے پاس پہنچتے ہیں وہ میں

نے اس لیے کہے ہیں، تاکہ کہا جائے یہ کس نے کہے ہیں۔) اس شعر میں مَنْ ذُو محل استشہاد ہے جو مَنْ

الذی قالها کے معنی میں ہے۔ اس شعر کا قائل اعشی ابوبصیر میمون بن قیس بن جندل ہے۔

اگر ما یا مَنْ استفہامیہ ذُو سے پہلے نہ ہو تو وہ اسم اشارہ ہوگا، لیکن کو فہم کے نزدیک پھر بھی

موصولہ ہی رہے گا، اسی لیے کوفیوں نے یہ شرط نہیں لگائی ہے۔ کوفیوں نے استدلال میں ایک شعر پیش کیا ہے جس میں ذابغیر ما اور من استفہامیہ کے مذکور ہے پھر بھی وہ موصولہ ہے۔ اسم اشارہ نہیں۔

شاعر کا قول: عَدَسٌ، مَا لِعَبَادٍ عَلَيْكَ اِمَارَةً — اَمِنْتُ، وَهَذَا تَحْمِلَيْنَ طَلِيقَ۔

(ترجمہ: عباد کی اب تیرے اوپر امارت نہیں ہے تو مامون ہوگئی اور جسے تو اپنے اوپر سوار کیے ہوئے ہے وہ (جیل) سے آزاد ہے۔) یہ شعر یزید بن مفرغ الحمیری کا ہے جو اس نے قید سے چھوٹنے پر اور امیر بختان عباد بن زیاد کے دائرہ امارت سے باہر آ کر اپنی گھوڑی کو مخاطب کر کے کہا ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد ”وہذا تحمیلین طلیق“ ہے کہ شاعر نے بلا شرط استعمال کیا ہے ورنہ وَهَآمَنْ ذَا تَحْمِلَيْنَ طَلِيقٌ ہوتا۔ ہذا کو کوفیین حضرات موصول مبتداء مان رہے ہیں اور تحمیلین کو اس کا صلہ بناتے ہیں اور عائد محذوف ہے اور طلیق اس کی خبر ہے اور تقدیری عبارت ہے والذی تحمیلینہ طلیق، لیکن دوسرے حضرات اسے اسم اشارہ مانتے ہیں اور اس شعر کے ذریعہ استدلال کرنے کو درست قرار نہیں دیتے ہیں، کیوں کہ ذابغیر ما اور مبتداء ہے اور طلیق اس کی خبر ہے اور تحمیلین جملہ حالیہ ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے۔ وہذا طلیق فی حالة کونہ محمولاً لک۔ دوسری بات یہ کہ اس پر حرف تشنیہ کا داخل ہونا اس کے اسم اشارہ ہونے کے قوی دلیل ہے، کیوں کہ ہاء تنبیہ اسم موصول پر داخل نہیں ہوتی ہے۔

اصطلاحات: - وصف صریح سے مراد وہ اسم مشتق ہے جو تہجد و حدوث میں فعل سے ایسی قوی مشابہت رکھتا ہو کہ وہ فعل کی جگہ رکھا جاسکے۔ قوی مشابہت سے مراد یہ ہے کہ اسم مشتق معنی، عمل، زمانہ پر دلالت اور حرکات و سکنات میں فعل مضارع کا شریک ہو۔ یہ اشتراک اسم فاعل، مفعول کو پورے طور پر حاصل ہے، لہذا وصف صریح کا مصداق یہی دونوں قرار پائے۔ جیسے قائم یقوم کے اور مکرم یکرم کے مشابہ ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مشتقات اسم آلہ تفضیل زمان و مکان وغیرہ بھی فعل مضارع سے مشابہت رکھتے ہیں، مگر جزوی طور پر، اسی وجہ سے یہ وصف صریح سے خارج ہیں۔ (مستفاد الخ الوافی ص ۳۸۷، ج ۱)

صلہ کی تعریف و تقسیم:

أَمَّا جُمْلَةُ خَبَرِيَّةٍ ذَاتُ ضَمِيرٍ مُطَابِقٍ لِلْمَوْصُولِ کی وضاحت: صلہ وہ جملہ خبریہ ہے جو موصول کے ابہام و اجمال کو دور کرے۔ اور اس کے اندر ایک عائد ہو جو موصول کی طرف لوٹے۔ جیسے جَاءَ نَبِيَّ الَّذِي ضَرَبَ۔ ضَرَبَ کے اندر ایک ضمیر ہے جو الَّذی کی طرف لوٹ رہی ہے، لہذا الَّذی اسم موصول ہے اور ضرب جملہ ہو کر اس کا صلہ ہے۔

صلہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) جملہ (۲) شبہ جملہ

جملہ کے صلہ بننے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ جملہ خبریہ ہو یعنی اس میں صدق و کذب کا احتمال ہو، چنانچہ جَاءَ الَّذِي اضْرِبَتْ كَهْنًا درست نہیں۔ اسی طرح جَاءَ الَّذِي بِعْتُكَ كَهْنًا درست نہیں، جب تم اس سے انشاء کا قصد کرو۔ کیوں کہ یہ دونوں انشاء کی مثال ہو جائیں گی اور انشاء میں صدق و کذب کا احتمال نہیں ہوتا، لہذا وہ جملہ خبریہ بھی نہیں بن سکتا۔ اس کے برخلاف جَاءَ الَّذِي ابُوهُ قَائِمٌ (آیا وہ شخص جس کا باپ کھڑا ہے) اور جَاءَ الَّذِي ضَرَبْتُهُ (آیا وہ شخص جس کو میں نے مارا) کہنا درست ہے، کیوں کہ پہلی مثال میں جَاءَ فعل الَّذِي اسم موصول ابُو مضاف ہاء مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، قائم خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا، موصول اپنے صلہ سے مل کر جَاءَ کا فاعل ہوا۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اس میں صلہ ابُوہ قائم جملہ اسمیہ خبریہ ہے، جس میں ہاء ضمیر الَّذِي اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے۔ اور دوسری مثال میں جَاءَ فعل۔ الَّذِي اسم موصول۔ ضَرَبْتُ فعل با فاعل۔ ضمیر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا۔ صلہ موصول مل کر جَاءَ کا فاعل۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اس میں صلہ ضَرَبْتُہ جملہ فعلیہ خبریہ ہے جس میں ضمیر مفعول کی اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے۔

جملہ کے صلہ بننے کی دوسری شرط یہ ہے کہ جملہ میں ایسی ضمیر ہو جو مفرد، تشبیہ، جمع مذکر اور مؤنث ہونے میں موصول کے مطابق ہو۔ جیسے جَاءَ الَّذِي اَكْرَمْتُهُ (آیا وہ شخص جس کا میں نے اکرام کیا) میں ہاء ضمیر واحد مذکر جو الَّذِي اسم موصول واحد مذکر کی طرح ہے اور جَاءَتْ اَلَّتِي اَكْرَمْتُهَا (آئی وہ عورت جس کا میں نے اکرام کیا) میں ہاء ضمیر واحد مؤنث ہے جو کہ اَلَّتِي واحد مؤنث کے مطابق ہے جَاءَ اللَّذَانِ اَكْرَمْتُهُمَا میں ہما ضمیر تشبیہ مذکر کے لیے ہے اور اللَّذَانِ اسم موصول بھی تشبیہ مذکر کے لیے ہے۔ جَاءَتْ اللَّتَانِ اَكْرَمْتُهُمَا میں ہما ضمیر تشبیہ مذکر کے لیے ہے اور اللَّتَانِ اسم موصول بھی تشبیہ مذکر کے لیے ہے۔ جَاءَتْ اللَّتَانِ اَكْرَمْتُهُمَا میں ہما ضمیر تشبیہ مؤنث کے لیے ہے اور اللَّتَانِ اسم موصول بھی تشبیہ مؤنث کے لیے ہے جَاءَ الَّذِينَ اَكْرَمْتُهُمْ میں ہم ضمیر جمع مذکر الَّذِينَ اسم موصول جمع مذکر کے مطابق ہے اور جَاءَتْ اللَّاتِي اَكْرَمْتُهُنَّ میں ہن ضمیر جمع مؤنث ہے جو اللَّاتِي اسم موصول جمع مؤنث کے مطابق ہے۔ مذکورہ بالا تمام مثالوں میں ضمائر اسم موصول کے مطابق ہیں اور اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ اسی کو عائد بھی کہتے ہیں۔ یہ ضمیر کبھی مرفوعی، کبھی منصوبی، کبھی مجروری بالجریا بالاضافت ہوتی ہے۔

عائد کا محذوف ہونا:

وقد يُحذف نحو "أَيُّهُمْ أَشَدُّ" کی وضاحت: وہ ضمیر جو موصول کی طرف لوٹتی ہے کبھی حذف بھی کر دی جاتی ہے چاہے مرفوعی ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ" (پھر البتہ ضرور کھینچیں گے ہم ہر جماعت سے اس کو جو وہ زیادہ سخت ہے رُحْمَن پر باعتبار سرکشی کرنے کے) ای الذی ہو اشد۔ اس آیت میں آئی اسم موصول اور اشد فعل ہے جس میں ضمیر پوشیدہ ہے، جو عائد ہے اسم موصول کی طرف۔ اور وہ اسم موصول کے مطابق ہے مرفوع ہونے میں، یا منصوب ہو جیسے "وَمَا عَمِلْتُ أَيُّدِيهِمْ" کو حمزہ، کسائی اور شعبہ کے علاوہ فراء نے عَمِلَتْہا کے ساتھ اصل پر قیاس کر کے پڑھا۔ اور ان حضرات نے ہا کے محذوف ہونے کی صورت میں پڑھا ہے۔ اور یہ مفعول کی ضمیر ہے، اس لیے بر بنائے مفعولیت منصوب ہے۔ یا مجرور بالا ضافت ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ" ای ما انت قاضیہ میں قاض مضاف اور ضمیر مضاف الیہ ہے، لہذا یہ اضافت کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔

اور شاعر نے بھی ضمیر عائد کو حذف کی صورت میں استعمال فرمایا ہے جیسے شاعر کا قول:

سَتُبْدِي لَكَ الْآيَامَ مَا كُنْتَ جَاهِلًا ————— وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزُودِ۔
ای ما کنت جاہلہ۔ (عنقریب زمانہ تجھے وہ بہت کچھ بتلا دے گا جس سے تم ناواقف تھے۔ تمہارے پاس وہ لوگ خبر لائیں گے جنہیں تم نے مقرر بھی نہیں کیا تھا) اس شعر میں محل استشہاد مَا كُنْتَ جَاهِلًا ہے جس کی اصل جَاهِلَہ ہے کہ اس سے ضمیر عائد کو محذوف کر کے استعمال کیا گیا ہے جو اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (یہ طرفہ بن عبد بکری کا شعر ہے۔) یا مجرور بحرف جر ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول: "يَلْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ" ای منہ (جس سے تم لوگ کھاتے ہو اس سے وہ کھاتا ہے اور اس سے وہ پیتا ہے جس سے تم لوگ پیتے ہو۔) اس آیت میں مِنْهُ محذوف ہے جو محل استشہاد ہے جس میں ضمیر حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے جو کہ ما اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسی طرح شاعر نے بھی ضمیر عائد کو مجرور بحرف جر محذوف کر کے استعمال کیا ہے۔ شاعر کا قول:

نُصَلِّي لِلَّذِي صَلَّتْ قُرَيْشٌ وَنَعْبُدُهُ وَإِنْ جَحَدَ الْعُمُومُ

(ترجمہ:- ہم اس کے لیے نماز پڑھتے ہیں جس کے لیے قریش نے نماز پڑھی، اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اگرچہ عامۃ الناس انکار کریں) اس شعر میں محل استشہاد صَلَّتْ قُرَيْشٌ ہے جس کی اصل عبارت صَلَّتْ لَهُ قُرَيْشٌ ہے، اس میں لہ کی ضمیر لام جر کی وجہ سے مجرور ہے اور وہ محذوف ہے، لیکن الذی اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (شاعر نا معلوم شخص ہے۔)

کبھی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھ دیا جاتا ہے جو موصول کی طرف لوٹتا ہے جیسے شاعر کا قول:

سُعَادُ الَّتِي أَضْنَاكَ حُبُّ سُعَادَا وَاعْرَاضُهَا عَنْكَ اسْتَمَرَّ وَزَادَا

(ترجمہ: سعاد جس کی محبت نے تم کو کمزور کر دیا اور اس کی بے رخی برابر بڑھتی چلی گئی) وضع الظاہر موضع المضمّر عائد کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی لیے حُبُّهَا کی ہاء کی جگہ حُبُّ سُعَادِ اسم ظاہر مذکور ہے۔ (مستفاد النحو الوانی ص ۳۷۳، جلد ۱)

کبھی اسم موصول کا صلہ شبہ جملہ ہوگا:

کبھی اسم موصول کا صلہ شبہ جملہ کی صورت میں ہوتا ہے، شبہ جملہ تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) ظرف ہو (۲) جار مجرور ہو (۳) صفت صریح ہو، جس پر الف لام ہوتا ہے۔ ظرف کی مثال جیسے الَّذِي عِنْدَكَ جار مجرور کی مثال جیسے الَّذِي فِي الدَّارِ اور صفت صریحہ الضَّارِبُ اَي الَّذِي الضَّارِبُ۔ ظرف اور جار مجرور کے خبر بننے کی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں تام ہوں یعنی ان کے آنے سے بات پوری ہو جاتی ہو۔ اسی لیے جَاءَ الَّذِي بِكَ اور جَاءَ الَّذِي اَمْسَ جیسے جملے درست نہیں ہیں، کیوں کہ بِكَ گرچہ جار مجرور ہے اور اَمْسَ ظرف ہے، لیکن دونوں تامہ نہیں ہیں، بلکہ ناقصہ ہیں، اس لیے اسے صلہ بنا نا درست نہیں۔

اور امام کسائی نے جو نقل کیا ہے نَزَّلْنَا الْمَنْزِلَ الَّذِي الْبَارِحَةَ اَي الَّذِي نَزَّلْنَاهُ الْبَارِحَةَ تو یہ شاذ ہے۔ جب ظرف یا جار مجرور صلہ نہیں تو لزوماً یہ فعل محذوف سے متعلق ہوں گے۔ اِسْتَقَرَّ مَقْدَرُ مَا نَاطِرُ ے گا۔ اور جو ضمیر فعل میں پوشیدہ ہے۔ وہ اس سے منتقل ہو کر ظرف یا جار مجرور کی طرف لوٹے گی۔

ثُمَّ ذُو الْأَدَاةِ وَهِيَ آلٌ عِنْدَ الْخَلِيلِ وَسَيِّبَوِيهِ. لَا اللَّامُ وَحْدَهَا خِلَافًا لِلْأَخْفَشِ، وَتَكُونُ لِلْعَهْدِ نَحْوُ (فِي رُجَاجَةٍ، الرُّجَاجَةُ) وَ "جَاءَ الْقَاضِي" أَوْ لِلْجِنْسِ كَ "أَهْلَكَ النَّاسَ الدِّينَارُ وَالْذَّرْهَمُ، (وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ) أَوْ لِاسْتِفْرَاقِ أَفْرَادِهِ نَحْوُ (وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا) أَوْ صِفَاتِهِ نَحْوُ "زَيْدُ الرَّجُلِ".

ترجمہ:- پھر ذوالاداة (یعنی الف لام والا اسم) ہے اور وہ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک الف لام (معرّف) ہے صرف لام نہیں۔ برخلاف امام اخفش کے (کہ ان کے نزدیک صرف لام معرف ہے) اور وہ (یعنی الف لام) عبد کے لیے ہوگا جیسے "فِي رُجَاجَةٍ، الرُّجَاجَةُ" اور جَاءَ الْقَاضِي۔

یا الف لام جنس کے لیے ہوگا جیسے "أَهْلَكَ النَّاسَ الدَّيْنَارُ وَالذَّرْهَمُ" (دینار اور درہم نے لوگوں کو ہلاک کر دیا) اور "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا) یا اس کے افراد کے استغراق کے لیے ہوگا۔ جیسے "وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا" (اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے) یا اس کی صفات کے لیے ہوگا جیسے "زَيْدُ الرَّجُلِ" (یعنی زید ایسا آدمی ہے جس میں اچھے لوگوں کی صفات مجتمع ہیں۔)

وضاحت:- ثُمَّ ذُو الْأَدَاةِ کی وضاحت: معرفہ کی پانچویں قسم ذوالاداء ہے یعنی وہ اسم جو الف لام کے ذریعہ معرفہ بنالیا گیا ہو۔ اسے معرف باللام بھی کہتے ہیں۔ جیسے الْفَرَسُ، اور الْغُلَامُ۔ کہ فَرَسٌ اور غُلَامٌ دونوں نکرہ تھا اور عموم کے معنی پر دلالت کرتا تھا لیکن الف لام داخل کر کے معرف باللام بنایا گیا ہے۔

اسم کو معرف باللام بنانے میں اختلاف:

وَهِيَ آلُ عِنْدَ الْخَلِيلِ وَسَيَبُويهِ الخ کی وضاحت: یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ معرفہ کی پانچویں قسم معرف باللام اور ذوالاداء ہے، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ الف لام دونوں مل کر کلمہ کو معرفہ بناتے ہیں یا صرف لام بناتا ہے۔ تو امام خلیل ابن احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ دونوں معرف ہیں (یعنی یہ دونوں کلمہ کو معرفہ بناتے ہیں) جب کہ سیبویہ صرف لام کو معرف مانتے ہیں۔ لیکن ابن مالک کا خیال یہ ہے کہ سیبویہ اور خلیل دونوں ہی الف لام کو معرف مانتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ خلیل دونوں کو اصل مانتے ہیں، جبکہ سیبویہ الف کو زائدہ قرار دیتے ہیں۔ ابن عصفور کا کہنا ہے کہ الف لام دونوں کلمہ کو معرفہ بناتے ہیں یہی ابن کیسان کا قول ہے اور امام خفیش نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں تین مذاہب ہیں (۱) الف لام دونوں معرف ہیں اور الف اصل ہے۔ (۲) الف لام دونوں معرف ہیں اور الف زائدہ ہے (۳) صرف لام معرف ہے۔

الف لام تعریف کی قسمیں:

وَتَكُونُ لِلْعَهْدِ نَحْوُ فِي رُجَاةٍ، الرُّجَاةُ کی وضاحت: الف لام تعریف کی تین قسمیں ہیں (۱) الف لام عہدی (۲) الف لام جنسی (۳) الف لام استغراقی جو الف لام عہدی ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ذکر (۲) ذہنی۔

الف لام عہد ذکر سے مراد یہ ہے کہ کسی اسم کو ذکر کیا گیا ہو پھر دوبارہ الف لام کے ساتھ اسے ذکر کیا جائے جیسے تیرا قول "اِشْتَرَيْتُ فَرَسًا بَعْتُ الْفَرَسَ" اس مثال میں الْفَرَسُ پر الف لام

اس فرس کی تعیین کے لیے ہے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اگر یہاں بَعَثُ الْفَرَسَ کے بجائے بَعَثُ فَرَسًا کہا جائے تو اس صورت میں مذکورہ فرس کے علاوہ کا بیچنا سمجھا جائے گا۔

الف لام عہد ذکر کی دوسری مثال باری تعالیٰ کا قول "مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ، الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ، الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ زُرِّيٌّ" ہے۔ (اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو، اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو۔ پارہ ۱۸، سورہ نور آیت ۳۵) اس آیت میں محل استشہاد "المصباح اور الزجاجۃ" ہے، جس پر الف لام عہد ذکر ہے، کیوں کہ المصباح اور الزجاجۃ ہر الف لام اس مصباح اور زجاجۃ کی تعیین کے لیے ہے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

الف لام عہد ذہنی سے مراد یہ ہے کہ متکلم و مخاطب کے درمیان کوئی عہد ہو پھر کسی اسم عام پر الف لام داخل کر کے استعمال کیا جائے جیسے "جَاءَ الْقَاضِي" پر الف لام عہد ذہنی ہے، کیوں کہ یہ اس وقت کہا جائے گا جب کہ تمہارے اور تمہارے مخاطب کے درمیان کسی خاص قاضی کی تعیین ہو۔

الف لام جنسی سے مراد یہ ہے کہ ذہن میں ایک چیز کا جو مفہوم کئی ہے اس پر من حیث المجموع اور حقیقت پر دلالت کرنے کے لیے کسی لفظ پر الف لام داخل کرتے ہیں اسے الف لام جنسی کہا جاتا ہے جیسے "الرَّجُلُ أَفْضَلُ مِنَ الْمَرْأَةِ" جب کہ کوئی مخصوص مرد اور عورت مراد نہ ہو۔ معنی ہوں گے کہ جنس مرد اپنی حقیقت کے اعتبار سے عورتوں کی حقیقت سے افضل ہیں۔ قطع نظر خارج میں موجود افراد کے کہ ان میں بعض عورتیں مردوں سے بڑھ جاتی ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ اسی طرح لفظ کا استعمال الف لام کی جگہ درست نہیں ہوگا، لہذا "إِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الرِّجَالِ أَفْضَلُ مِنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنَ النِّسَاءِ" کہنا درست نہیں، کیوں کہ یہ حقیقت واقعہ کے خلاف ہے۔ یہ الف لام کل افراد کا استجاب اور احاطہ کرتا ہے۔ اس لیے اس کو جنسی کہتے ہیں۔ اور حقیقت بیان کرنے والا یا ماہیت بیان کرنے والا بھی کہتے ہیں۔ جیسے "أَهْلَكَ النَّاسَ الدِّينَارُ وَالذَّرْهَمُ" میں الدینار والذّرہم پر الف لام جنس کے لیے ہے جو ماہیت بیان کرنے کے لیے ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا۔ پارہ ۱، سورۃ الانبیاء، آیت ۳۰) اس میں السماء پر الف لام جنس کے لیے ہے جو حقیقت بیان کرنے کے لیے ہے یعنی اس حقیقت سے بنایا نہ کہ ہر اس چیز سے جس کا نام پانی ہو۔

الف لام استغراقی کی قسمیں:

الف لام استغراقی کی دو قسمیں ہیں کبھی تو استغراق افراد کی حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور

کبھی استغراق افراد کی صفات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ پہلے کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا" (اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ پارہ ۵، سورۃ نساء آیت ۲۸) یعنی جنس انسان کا ہر فرد ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔

دوسرے کی مثال "أَنْتَ الرَّجُلُ" یعنی تو ایسا آدمی ہے جس میں اتنے لوگوں کی صفات مجتمع ہیں۔

الف لام استغراق کی پہلی قسم کا ضابطہ:

الف لام کی جگہ کل کا استعمال باعتبار حقیقت کے درست ہوگا، لہذا خُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا کی جگہ خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ ضَعِيفًا کہیں تو کل اپنے حقیقی معنی میں ہوگا۔

دوسری قسم کا ضابطہ:

یعنی صفات کے استغراق کے لیے الف لام آتا ہے اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کی جگہ لفظ کل کا لانا مجازاً صحیح ہو۔ لہذا "أَنْتَ الرَّجُلُ" کی جگہ "أَنْتَ كُلُّ الرَّجُلِ" (آپ تو کل آدمی ہیں، یعنی مردانیت کی تمام صفات آپ میں جمع ہیں) تو درست ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "كُلُّ الصَّيْدِ فِي جَوْفِ الْفَرَاءِ" (تمام شکار جنگلی گدھوں کے پیچ میں ہے) اس میں الف لام کی جگہ کل لایا گیا ہے جو مجازاً صحیح ہے۔

نوٹ:- کل الصيد فی جوف الفراء، یہ جملہ وہ شخص کہتا ہے جس کی بہت سی حاجتیں ہوں اور ان میں سے بڑی حاجت پوری ہو جائے اور اس مقصد کے لیے بھی بولا جاتا ہے کہ وہ باقی حاجتوں کے فوت ہونے کی پرواہ نہیں کرتا۔ (مصباح اللغات ص ۶۲۴) شاعر کا قول

لَيْسَ عَلَى اللَّهِ بِمُسْتَنْكَرٍ أَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِي وَاحِدٍ

(اللہ تعالیٰ کے لیے یہ امر کوئی بعید (دشوار) نہیں ہے کہ وہ عالم کو ایک ذات میں جمع کر دے۔) اس شعر میں محل استشہاد "الْعَالَمُ" ہے جس میں الف لام کی جگہ لفظ کل کا لانا مجازاً صحیح ہے۔ اَيُّ الْعَالَمِ بمعنی ای کُلِّ صفات العالم۔ (یہ ابو نواس حسن بن ہانی کا شعر ہے)

وَابْدَالَ اللَّامَ مِيمًا لَفَةً حَمِيرِيَّةً

ترجمہ:- قبیلہ حمیر کی لغت میں لام کو میم سے بدل دیا جاتا ہے۔

وضاحت:- قبیلہ حمیر کی لغت میں لام کو میم سے بدل دیا جاتا ہے، اور یہ میم بھی معرفہ کا فائدہ دیتا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی لغت میں کلام فرمایا ہے۔ حضور کا قول

”لَيْسَ مِنْ أَمِيرٍ أَمِصِيَامٌ فِي أَمْسَفَرٍ“ (سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے) یہ قبیلہ حمیر کی لغت ہے ورنہ اہل عرب کی لغت ”لَيْسَ مِنْ أَمِيرٍ أَمِصِيَامٌ فِي أَمْسَفَرٍ“ سے شاعر نے بھی لام کو میم سے بدل کر پڑھا ہے۔ جیسے شاعر کا قول

ذَاكَ خَلِيلِي وَذُو يُوَاصِلَنِي يَرْمِي وَرَائِي بِأَمْسَهُمْ وَأَمْسَلِمَةٍ

(وہ میرا خلیل ہے وہ مجھ سے مواصلت رکھتا ہے، میرے پیچھے تیرا اور پتھر پھینکتا ہے۔)

اس شعر میں محل استشہاد ”بِأَمْسَهُمْ“ اور ”أَمْسَلِمَةٍ“ ہے، کیوں کہ اس میں قبیلہ حمیر کی لغت کے مطابق الف لام کو میم سے بدل کر پڑھا گیا ہے، اس کی اصل ”بِالسَّهْمِ“ اور ”السَّلِمَةِ“ ہے۔ (یہ بحیر بن عنتمہ طائی کا شعر ہے۔)

کچھ مفید اصطلاحات:

جس کلمہ پر الف لام داخل ہوتا ہے اس کلمہ پر کبھی بھی تنوین نہیں آتی۔ مندرجہ ذیل اسماء پر دخول الف لام ممتنع و محال ہے (۱) منادی پر جیسے یا غلامُ البتہ ای اور آیتہ کے فصل کے ساتھ دخول الف لام درست ہے (۲) اسم مضاف باضافت معنویہ پر۔ البتہ اضافت لفظی میں مضاف پر الف لام داخل ہو سکتا ہے جیسے الضاربُ الولدِ (۳) علم پر البتہ جن ناموں پر الف لام شروع سے ہی داخل ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ جیسے المَدِينَةُ (۴) غیر منصرف (۵) اسم اشارہ پر جب الف لام داخل ہو تو وہ اسم موصول بن جاتا ہے جیسے ذی سے الذی۔ (لسان العرب ص ۸)

وَالْمُضَافُ إِلَى وَاحِدٍ مِمَّ ذَكَرَ، وَهُوَ بِحَسَبِ مَا يُضَافُ إِلَيْهِ، إِلَّا
الْمُضَافُ إِلَى الضَّمِيرِ فَكَالْعَلَمِ۔

ترجمہ:- اور ایسا اسم جو معرفہ کی مذکورہ قسموں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو۔ اور وہ مضاف الیہ کے اعتبار سے ہوگا، مگر مضاف ہوگا ضمیر کی طرف، جیسے علم۔

وضاحت:- معرفہ کی چھٹی قسم مضاف ہے، یعنی ایسا اسم جو معرفہ کی مذکورہ قسموں میں سے کسی ایک طرف مضاف ہو۔ جیسے غلامی میں غلام ضمیر متکلم کی طرف مضاف ہے اور غلامِ ہذا میں غلام اسم اشارہ ہذا کی طرف مضاف ہے۔ اور غلام الذی فی الدار میں اسم موصول الذی کی طرف مضاف ہے۔ اور غلامُ القاضی میں علم کی طرف مضاف ہے۔

معرفہ میں مضاف کا رتبہ:

معرفہ میں اس مضاف کا رتبہ اور مقام اس کے مضاف الیہ کے مطابق ہوگا جو رتبہ مضاف الیہ کا

ہے وہی مضاف کا ہوگا۔ سوائے ضمیر کے۔ اگر ضمیر مضاف الیہ ہو تو اس کے مضاف کا درجہ علم کا رہے گا، ضمیر کا درجہ نہیں ہوگا۔ اس پر دلیل یہ مقولہ ہے "مَرَرْتُ بِزَيْدٍ صَاحِبِكَ" زید موصوف ہے، صَاحِبِكَ صفت ہے۔ صفت معرفت میں موصول سے کم تر ہونی چاہیے۔ اگر ضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے صاحب ضمیر کے برابر کا معرفہ ہو جائے تو زید کو علم کی صفت بنانا درست نہ ہوگا۔

باب المبتداء والخبر

بَابُ: الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ مَرْفُوعَانِ: كـ "اللَّهُ رَبُّنَا" وَ "مُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا".

ترجمہ:- یہ باب ہے۔ مبتداء اور خبر دونوں مرفوع ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ رَبُّنَا (اللہ ہمارا رب ہے) اور مُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا (محمد ہمارے نبی ہیں)

وضاحت:- جب مصنف علیہ الرحمہ تعریف و تنکیر کے اعتبار سے اسم کی اقسام کو تفصیلی طور پر بیان کر چکے تو اب یہاں سے مبتداء اور خبر کی تعریف اور ان کے احکام کو بیان کرنا شروع کیا۔

اشکال: لیکن یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ مصنف نے ان دونوں کو ایک باب میں ذکر کیا ہے، جب کہ یہ مرفوعات کی مستقل دو صنفیں ہیں۔ ایسا کیوں؟

جواب: چوں کہ یہ دونوں متلازم ہیں، جب ایک مذکور ہوتا ہے تو دوسرا بھی مذکور ہوتا ہے، دوسرے اس وجہ سے جمع کیا کہ دونوں عامل میں شریک ہیں، کیوں کہ ان دونوں کا عامل معنوی ہے۔

مبتداء کی تعریف:

اسناد کے لیے آنے والا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو۔ لفظ "اسم" جنس ہے جو صریح اور موؤل دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ صریح کی مثال جیسے "زید قائم" میں زید۔ موؤل کی مثال اور تعریف: فعل مضارع پر آن داخل کر کے بتاویل مصدر اسم بن جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ" (لیکن تمہارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہے۔ پارہ ۲، سورہ بقرہ آیت ۱۸۴) میں وَأَنْ تَصُومُوا۔ بتاویل مصدر اسم ہے، جو مبتداء ہے جس کی طرف سے خبر کی خبر دی جا رہی ہے۔ یہ دونوں صورتیں مبتداء بنتی ہیں، اب مبتداء کی تعریف ان الفاظ میں ہوگی۔ اسناد کے لیے آنے والا وہ اسم صریح یا اسم تاویل ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو۔ عوامل لفظیہ سے خالی ہونا یعنی کوئی عامل اس اسم سے پہلے موجود نہ ہوں، چنانچہ اس سے "كَأَنَّ زَيْدًا عَالِمًا" جیسی مثال خارج ہوگئی، اس لیے کہ زید عوامل لفظیہ سے خالی نہیں ہے، بلکہ کان عامل موجود ہے، جس کی وجہ سے زید کو رفع اور عَالِمًا کو نصب آرہا ہے۔ اسم اسناد کے لیے ہوا اگر اسناد موجود نہ ہوگی تو پھر وہ مبتداء نہیں بن سکتا

جیسے گنتی کے وقت میں اعداد یا معدودات کو ذکر کرنا مثلاً واحد، اثنان، ثلاثہ، گرچہ یہ عوالم لفظیہ سے خالی ہیں، لیکن ان میں اسناد موجود نہیں ہے، لہذا یہ مبتداء نہیں بن سکتے۔ اسناد کی قید لگانے سے مبتداء کی اس تعریف میں دونوں قسم کے اسماء داخل ہوں گے چاہے وہ مابعد کے لیے مسندالیہ ہوں جیسے زید قائم۔ یا وہ اپنے مابعد کی طرف مسند ہو جیسے آقائم الزیدان۔

خبر کی تعریف:

خبر وہ مسند ہے جو مبتداء کے ساتھ مل کر جملہ مفیدہ بناتا ہو۔

خبر کی تعریف میں مسند کی قید لگانے سے آقائم الزیدان جیسی مثال خارج ہوگئی، کیوں کہ اس میں الزیدان خبر ہونے سے قاصر ہے اور وجہ قصور یہ ہے کہ چوں کہ یہ فاعل ہے اور فاعل مسندالیہ ہوتا ہے مسند نہیں۔ اور جو مبتداء کے ساتھ مل کر جملہ مفیدہ بناتا ہو اس قید سے قائم زید جیسی مثال خارج ہوگئی، کیوں کہ اس میں زید مسند بن سکتا ہے لیکن جملہ میں مبتداء نہیں ہے، بلکہ فاعل ہے۔

مبتداء خبر کا حکم:

مبتداء اور خبر دونوں مرفوع ہوتے ہیں جیسے زید قائم۔

وَيَقَعُ الْمُبْتَدَأُ نَكْرَةً إِنْ عَمَّ أَوْ خَصَّ، نَحْوُ: "مَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ"
"إِلَهٌ مَعَ اللَّهِ" وَ "لَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ" وَ "خَمْسُ صَلَوَاتٍ
كَتَبَهُنَّ اللَّهُ."

ترجمہ:- اور مبتداء نکرہ ہوتا ہے، جب کہ اس میں غایت درجہ کا عموم پایا جائے، یا کسی طرح کی تخصیص پیدا ہو جائے، جیسے مَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ (گھر میں کوئی مرد نہیں ہے) اِلَهٌ مَعَ اللَّهِ (کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے) اور لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (اور البتہ مومن بندہ بہتر ہے مشرک بندہ سے) اور خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ (پانچ نمازیں اللہ نے بندوں پر فرض کی ہیں)

وضاحت:- مبتداء کی اصل معرفہ ہوتا ہے نکرہ نہیں۔ چوں کہ نکرہ بالعموم مجہول ہوتا ہے اور

مجہول پر مفید کا حکم نہیں لگتا۔ لیکن کبھی مبتداء نکرہ بھی ہوتا ہے، جب کہ اس میں غایت درجہ کا عموم پایا جائے۔ یا کسی طرح کی تخصیص پیدا ہو جائے۔ اول کی مثال جیسے تیرا قول "مَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ" نکرہ تحت انشی ہونے کی وجہ سے غایت درجہ کا عموم رکھتا ہے اور مبتداء ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول "إِلَهٌ مَعَ اللَّهِ" (کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ پارہ ۲۰، سورۃ نمل آیت ۶۰) اس آیت میں اِلَهٌ نکرہ ہے جو

تحت الاستفہام ہونے کی وجہ سے غایت درجہ کا عموم رکھتا ہے اور مبتداء ہے۔

دوسری قسم کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ" (ایمان والا غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے۔ پارہ ۲ سورہ بقرہ آیت ۲۲۱) میں عبد نکرہ ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے، لہذا اس کا مبتداء ہونا صحیح نہ تھا، مگر جب اس کی صفت لائے اور لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ کہا تو بذریعہ صفت کے تخصیص ہو گئی۔ یعنی تقلیل اشتراک ہو کر اس کا مبتداء ہونا صحیح ہو گیا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ" (پانچ نمازیں اللہ نے بندوں پر فرض کی ہیں) میں خَمْسُ نکرہ ہے جو صَلَوَات کی طرف مضاف ہے۔ اور اضافت کی وجہ سے نکرہ میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے اور جب تخصیص پیدا ہو گئی تو مبتداء کی اصل معرفہ ہونا پایا گیا، لہذا خَمْسُ مبتداء ہوا۔

سوال: مبتداء کی اصل معرفہ ہونا اور خبر کی اصل نکرہ ہونا ہے۔ اور یہی جمہور نحاة کا مذہب ہے، لیکن اگر مبتداء نکرہ ہو تو بذریعہ تخصیص اس کو معرفہ کے قریب کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے چار شکلیں بیان کی ہیں (۱) نکرہ تحت اللفظی ہونا (۲) نکرہ تحت الاستفہام ہونا (۳) بذریعہ صفت موصوف کی تخصیص کرنا (۴) بذریعہ اضافت تخصیص کرنا۔ کیا آپ کی نگاہ میں اس کے علاوہ بھی صورتیں ہیں جن میں مبتداء نکرہ کو معرفہ بنا لیا جاتا ہے۔

جواب: مبتداء کے لیے معرفہ یا نکرہ ہونا ضروری ہے، کیوں کہ نکرہ بذریعہ تخصیص کے اس معرفہ کے قریب ہو جاتا ہے جس کا محکوم علیہ میں دلیل سے ہونا ثابت ہے، لیکن وجوہ تخصیص کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا وجوہات اربعہ کے علاوہ مزید کوئی وجہ نہیں۔ بعض نے تیس سے زائد تک پہنچایا ہے۔ اور کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ سب خاص و عام دو قسموں میں جمع ہو جائیں گی۔

ناچیز شارح کی رائے میں وجوہ تخصیص میں سے ایک مصغر ہوتا ہے جیسے رَجُلٌ جَاءَ نِی۔ اس لیے کہ تصغیر درحقیقت (مادہ) صغر سے صفت لانا ہے۔ گویا کہ آپ نے رجل صغیر جَاءَ نِی کہا۔ وجوہ تخصیص میں سے ایک یہ ہے کہ نکرہ سے اس کا کوئی معمول متعلق ہو۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "أَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ" (اچھی بات کا حکم کرنا صدقہ ہے، بُری باتوں سے روکنا صدقہ ہے) کہ اس میں امر و نہی مبتداء نکرہ ہیں اور ان دونوں (یعنی امر و نہی) مبتداء بننے کو جائز قرار دینے والے وہ جار مجرور ہیں جو ان سے متعلق ہیں۔ وجوہ تخصیص میں سے ایک خبر کا مبتداء پر مقدم ہونا ہے جیسے فِی الدَّارِ رَجُلٌ۔ اسی طرح کبھی متکلم کی طرف نسبت کی وجہ سے تخصیص

پیدا ہو جاتی ہے جیسے سلام علیک کہ دراصل سَلَّمْتُ سَلَامًا عَلَیْكَ تھی۔ فعل کو حذف کر کے سلامًا کو نصب سے رفع کی طرف پھیر دیا بقصد دوام و استمرار۔ (شرح جامی ص ۷۴)
ان کے علاوہ مزید وجوہ تخصیص ہیں جن کا احصار یہاں مناسب نہیں۔

وَالْخَبْرُ جُمْلَةٌ لَهَا رَابِطٌ، كَـ "زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ" وَ "لِبَاسُ التَّقْوَى ذَٰلِكَ خَيْرٌ" وَ "الْحَاقَّةُ مَا لَحَاقَةُ" وَ "زَيْدٌ نِعَمَ الرَّجُلِ" إِلَّا فِي نَحْوِ "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ"۔

ترجمہ:- اور خبر جملہ ہو تو اس کے لیے ایک رابطہ ہوگا۔ جیسے زید ابوہ قائم (زید اس کا باپ کھڑا ہونے والا ہے) اور "لباس التقوی ذالک خیر" (اور تقوے کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے) اور "الحاقۃ ما لحاقۃ" (ثابت ہونے والی، ثابت ہونے والی کیا ہے) اور "زید نعم الرجل" (زید کیا ہی اچھا آدمی ہے) مگر "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" جیسی مثال میں۔

وضاحت:- خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو اس لیے کہ مفرد ہی کے لیے یہ مناسب ہے کہ دوسرے اسم کے ساتھ وابستہ ہوتا کہ دونوں کے درمیان نسبت حاصل ہو جاوے۔ بخلاف جملہ کے کہ وہ خود ہی کامل اور تام ہوتا ہے۔ اس کو دوسرے کی حاجت نہیں، مگر بایں ہمہ خبر کبھی جملہ بھی ہوتا ہے خواہ وہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ اس میں ایک رابطہ کا ہونا ضروری ہے۔ جو اسے مبتداء سے جوڑ سکے، نحاۃ نے چار قسم کے روابط کا ذکر کیا ہے جس میں کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) ان میں سے ایک ضمیر ہے جو اس باب ربط میں اصل ہے جیسے "زید ابوہ قائم" زید مبتداء اول اور ابوہ مبتداء ثانی ہے۔ اور ضمیر مضاف الیہ اور قائم مبتداء ثانی کی خبر، اب مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتداء اول کی خبر ہے اور ان دونوں کے درمیان ضمیر رابطہ ہے جو زید کی طرف لوٹتی ہے، یہ جملہ اسمیہ خبریہ کی مثال ہے۔

(۲) دوسرا رابطہ اسم اشارہ ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذَٰلِكَ خَيْرٌ" (اور تقوے کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ پارہ ۸، سورہ اعراف آیت ۲۶) میں لباس مبتداء اول ہے اور تقوی مضاف الیہ مبتداء ثانی اور خیر مبتداء ثانی کی خبر۔ مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر۔ اور مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہاں مبتداء و خبر کے درمیان اسم اشارہ ذالک رابطہ ہے۔

(۳) تیسرا رابطہ مبتداء کے لفظ کا خبر کے جملہ میں اعادہ ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "الْحَاقَّةُ مَا

الْحَاقَّةُ (ثابت ہونے والی، ثابت ہونے والی کیا ہے۔ پارہ ۲۹، سورۃ الحاقۃ آیت ۱۰۲) الْحَاقَّةُ مبتداء اول، ما اسم استفہام مبنی علی السکون مبتداء ثانی اور دوسری الْحَاقَّةُ مبتداء ثانی کی خبر۔ مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتداء اول کی۔ مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہاں ان دونوں کے درمیان مبتداء کے لفظ کا خبر کے جملہ میں اعادہ ہونا رابطہ ہے اور جملہ اسمیہ خبریہ کی مثال ہے۔

(۳) چوتھا رابطہ عموم یعنی خبر کے جملے میں اتنا عموم ہو جو مبتداء کو بھی شامل ہو جائے۔ جیسے "زَيْدٌ نِعَمَ الرَّجُلُ" زید مبتداء اور نِعَمَ الرَّجُلُ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اور الرَّجُلُ میں الف لام جنسی ہے جو عموم ہر دلالت کرتا ہے، لہذا اس کے عموم میں زید بھی داخل ہوگا، کیوں کہ زید افراد رجُل میں سے ایک فرد ہے، لہذا مبتداء اور خبر کے درمیان ربط پایا گیا۔

یہ تمام روابط اس وقت ضروری ہیں جب کہ خبر کا جملہ نفس مبتداء نہ ہو اگر ایسا ہوگا تو رابطہ کی ضرورت نہ رہے گی۔ جیسے "قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ" (آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ پارہ ۳۰، سورۃ الاخلاص آیت ۱) ہو مبتداء اور اللہ احد مبتداء ثانی اور اس کی خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ خبریہ ہو کر مبتداء اول کی خبر۔ اور یہی جملہ مبتداء کے ساتھ مرتبط ہو گیا۔ اس لیے کہ یہ جملہ خبریہ فی نفسہ مبتداء کے معنی میں ہے۔ اور هُوَ ضمیر شان ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "أَفْضَلُ مَا قُلْتُهُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" (سب سے افضل کلام وہ ہے جس کو میں اور مجھ سے پہلے سارے نبیوں نے کہا، یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے) اس میں مَا قُلْتُهُ کی ضمیر ضمیر شان ہے اور جب مبتداء ضمیر شان ہو اور پھر اس کی خبر لائی جائے تو اس کے اندر عائد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ضمیر شان اور ضمیر قصہ:

کبھی جملہ سے پہلے ضمیر غائب بغیر مرجع کے واقع ہوتی ہے تو اگر وہ ضمیر مذکر کی ہو تو اس کو ضمیر شان کہتے ہیں، اور اگر ضمیر مؤنث کی ہو تو اس کو ضمیر قصہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد جو جملہ ہوتا ہے وہ اس ضمیر کی تفسیر کرتا ہے۔

وَضَرْفًا مَنصُوبًا نَحْوُ: وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَجَارًا وَمَجْرُورًا، كَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَتَعَلَّقَهُمَا بِمُسْتَقَرٍّ أَوْ اسْتَقَرَّ مَحذُوفَيْنِ۔

ترجمہ: اور کبھی خبر ظرف منصوب ہوتی ہے، جیسے "الرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ" (اور قافلہ تم سے نیچے تھا) اور (کبھی خبر) جار مجرور ہوتی ہے۔ جیسے "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے) اور اس وقت یہ دونوں مستقر یا استقر محذوف کے ساتھ متعلق ہوں گے۔

وضاحت:- مبتداء کی خبر کبھی ظرف منصوب ہوتی ہے اور کبھی جار مجرور، تو اس وقت ایک متعلق "مُسْتَقَرَّ، یا اِسْتَقَرَّ" لازمۃً مقدر مانا جائے گا۔ جمہور بصریین مستقر مقدر مانتے ہیں، چوں کہ خبر ہی مقدر ہے اور خبر میں اصل تو اسم مفرد ہوتا ہے، لہذا باری تعالیٰ کا قول "الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ" اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔ پارہ ۱۰، سورہ انفال، آیت ۲۲) میں الرَّكْبُ مبتداء اور اَسْفَلَ ظرف منصوب خبر ہے اور اس سے پہلے مُسْتَقَرَّ مقدر ہے اور یہ اسم مفرد ہے اور خبر میں اصل تو اسم مفرد ہی ہوتا ہے۔ اب اصل عبارت ہوگی "الرَّكْبُ مُسْتَقَرَّ اَسْفَلَ مِنْكُمْ" اور باری تعالیٰ کا قول "الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے) میں اَلْحَمْدُ مبتداء اور اللہ جار مجرور سے مل کر خبر اس سے پہلے مُسْتَقَرَّ اسم مفرد مقدر ہے جس سے متعلق ہے۔ اب اصل عبارت ہوگی "الْحَمْدُ مُسْتَقَرَّ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ"

جب کہ امام اخفشؒ، فارسیؒ، زخشریؒ، اِسْتَقَرَّ فعل مقدر مانتے ہیں، کیوں کہ ظرف کے لیے کوئی عامل ہونا چاہیے جس کے وہ متعلق ہو پس چوں کہ فعل عمل میں اصل ہے، اس لیے اس کو مقدر کریں گے۔ اور جب فعل مقدر ہو تو ظرف فعل کے متعلق ہوگا۔ اور خبر جملہ ہوگی۔ چنانچہ ان حضرات کے مذہب کے مطابق باری تعالیٰ کا قول "الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ" میں اَسْفَلَ ظرف سے پہلے اِسْتَقَرَّ فعل مقدر ہوگا اور اسی طرح "الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" میں لِلّٰهِ جار مجرور سے پہلے اِسْتَقَرَّ فعل مقدر ہوگا، کیوں کہ عامل تو اصلاً فعل ہی ہوتا ہے۔

وَلَا يُخْبِرُ بِالزَّمَانِ عَنَشِ الذَّاتِ، وَ "اللَّيْلَةُ الْهَلَالُ" مُتَأَوَّلٌ۔

ترجمہ:- اور (مبتداء) اسم ذات کی خبر ظرف زمان کے ساتھ نہیں لائی جاتی۔ اور اللَّيْلَةُ الْهَلَالُ۔ تاویل شدہ ہے۔

وضاحت:- ظرف کی دو قسمیں ہیں (۱) ظرف زمان (۲) ظرف مکان۔

مبتداء کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) ذاتی جسے جوہر کہا جاتا ہے جیسے زید، عمرو وغیرہ۔

(۲) عرضی۔ جسے وصف کہا جاتا ہے جیسے قیام، قعود وغیرہ۔

مبتداء اسم ذات ہو یا عرض۔ ظرف مکان کو اس کی خبر بنانا درست ہے، جوہر کی مثال جیسے زَيْدٌ اَمَامَكَ زید مبتداء، امام مضاف، کاف خطاب مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر ظرف مکان ہوا ثَبَّتَ یا اِسْتَقَرَّ یا ثَابِتٌ شبہ فعل کا۔ فعل یا شبہ فعل اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر مبتداء کی خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔

عرض کی مثال: وَالْخَيْرُ أَمَّاكَ کی بھی ترکیب اسی طرح ہوگی، لیکن اگر مبتداء اسم ذات ہو تو اس کی خبر ظرف زمان نہیں ہو سکتی، لیکن اس کو اسمائے اعراض کی خبر بنایا جاسکتا ہے، لہذا آپ "الصَّوْمُ الْيَوْمَ" کہہ سکتے ہیں، لیکن زَيْدُ الْيَوْمِ نہیں کہہ سکتے۔ اور کہیں کلام عرب میں ایسی کوئی نظیر ہو تو وہاں تاویل کرنا واجب ہوگا۔ جیسے عربوں کا قول "الَّيْلَةُ الْهَلَالُ" (الَّيْلَةُ کے نصب کے ساتھ کیوں کہ یہ ظرف ہے۔ الْهَلَالُ کی خبر مقدم ہے) تاویل شدہ ہے اور تاویل اس طور پر ہے کہ اس کی تقدیر "الَّيْلَةُ طُلُوعُ الْهَلَالِ" ہے۔ اور طُوع عرض ہے نہ کہ ذات پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

وَيُغْنِي عَنِ الْخَبَرِ مَرْفُوعٌ وَصِفٌ مُّغْتَمِدٌ عَلَى اسْتِفْهَامٍ أَوْ نَفْيٍ نَحْوُ
"أَقَاطِنُ قَوْمٍ سَلْمَى" وَ "مَا مَضْرُوبُ الْعَمْرَانِ"۔

ترجمہ:- اور مبتداء اپنے مرفوع سے مل کر خبر سے بے نیاز ہو جاتا ہے جب کہ مبتداء صیغہ صفت ہو۔ اور نفی یا استفہام پر اعتماد کرتا ہو۔ جیسے "أَقَاطِنُ قَوْمٍ سَلْمَى" (کیا قوم سلمیٰ قیام کرنے والی ہے) اور "مَا مَضْرُوبُ الْعَمْرَانِ"۔

وضاحت:- اگر مبتداء صیغہ صفت ہو اور نفی یا استفہام پر اعتماد کرتا ہو (اعتماد کا مفہوم یہ ہے کہ نفی و استفہام اس مبتداء سے پہلے واقع ہو) تو وہ اپنے مرفوع کے ساتھ مل کر خبر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ جیسے استفہام کی مثال "أَقَاطِنُ الرَّيْدَانِ" اور نفی کی مثال "مَا قَاطِنُ الرَّيْدَانِ" ان دونوں مثالوں میں زیدانِ وصف کے ساتھ فاعل ہے اور خبر سے مستغنی ہے، اس لیے کہ یہاں صیغہ صفت فعل کی تاویل میں ہے۔ اور مرفوع اس کا فاعل بن گیا ہے، لہذا اب یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے أَيْقُومُ الرَّيْدَانِ اور مَا يَقُومُ الرَّيْدَانِ کہنا درست ہے۔ فعل کو خبر کی ضرورت نہیں رہتی اسی طرح اسے بھی نہیں ہوتی۔

صاحب کتاب نے اشعار کے ذریعہ بھی استدلال کیا ہے جیسا کہ نفی کی استشہاد میں شاعر کا قول
خَلِيلِي مَا وَافٍ بَعْدِي أَنْتَمَا إِذَا لَمْ تَكُونَا لِي عَلَى مَنْ أَقَاطِعُ

(اے میرے دوست! تم دونوں میرے مہمان (محبت) کو پورا کرنے والے نہ ہو سکو گے، جب

تک کہ تم ان لوگوں کی مخالف ہو کر میرے (ہمدرد) نہ ہو جاؤ جن سے میں قطع تعلق رکھتا ہوں۔)

اس شعر میں محل استشہاد "مَا وَافٍ أَنْتَمَا" ہے کہ وَافٍ صیغہ صفت لائے نفی پر اعتماد کی شرط کے ساتھ، انتما کو رفع دے رہا ہے۔ خبر کی کوئی ضرورت نہیں۔ واضح رہے کہ وَافٍ کو خبر مقدم اور انتما کو مبتداء مؤخر نہیں بنایا جاسکتا۔ ورنہ تو خبر کا مفرد اور مبتداء کا تثنیہ ہونا لازم آئے گا۔ نیز اس شعر میں ان

لوگوں پر رد ہے جو مبتداء کی قسم ثانی میں ضمیر منفصل کو صیغہ صفت کا فاعل بنانے کے حق میں نہیں ہیں۔
استفہام کی استشہاد میں شاعر کا قول

أَقَاطِنُ قَوْمُ سَلْمَى أَمْ نَوَوَا ظَعَنًا؟ إِنَّ يَظْعَنُوا فَعَجِيبٌ عَيْشُ مَنْ قَطَنًا

(کیا سلمیٰ کی قوم قیام کرنے والی ہے یا اس نے کوچ کا ارادہ کر لیا ہے؟ اگر کوچ کرے گی تو اس شخص (یعنی شاعر) کا جینا عجیب ہو جائے گا جو یہاں مقیم رہے گا) اس شعر میں محل استشہاد "أَقَاطِنُ قَوْمُ سَلْمَى" ہے کہ قاطن صیغہ صفت استفہام پر اعتماد کے ساتھ قوم کو رفع دے رہا ہے۔ قوم سلمیٰ فاعل ہے اور خبر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح "ما مضروب العمران" نفی کی استشہاد میں پیش کیا گیا ہے کہ مضروب صیغہ صفت نفی پر اعتماد کے ساتھ مبتداء ہے اور العمران اس کا فاعل ہے، خبر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبَرُ، نَحْوُ "وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ"

ترجمہ:- اور کبھی کبھی ایک مبتداء کی خبر متعدد ہوتی ہیں جیسے "وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ" (وہ بڑا بخشنش کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔)

وضاحت:- ایک مبتداء کی ایک خبر تو آنا اصل ہے جیسے زید قائم، کبھی کبھی ایک مبتداء کی متعدد اور ایک سے زائد خبریں بھی آتی ہیں حرف عطف کے ساتھ ہو یا بلا حرف عطف کے۔ جیسے "هُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ" (وہ بڑا بخشنش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک، عظمت والا ہے۔ جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے۔ پارہ ۳۰، سورہ بروج آیت ۱۴، ۱۵، ۱۶) ہو مبتداء ہے، چار خبریں ہیں۔ بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ ایک مبتداء کی ایک ہی خبر ہوگی، تعدد خبر کو ناجائز کہتے ہیں، لہذا وہ حضرات ہر خبر سے پہلے مبتداء مقدر مانتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں چند خبروں کے ساتھ چند مبتداء ہوں گے اور اصل عبارت ہوگی "وہو الغفور، وہو الودود، وہو ذو العرش المجید۔ وہو فعال لما يريد۔ ہاں زید شاعر وکاتب اور الزیدان شاعر وکاتب۔ اور هذا خلق حامض جیسی مثالوں میں نحاۃ کا خبر ایک ہونے پر اتفاق ہے، چوں کہ پہلی مثال میں زید مبتداء اور شاعر خبر ہے اور کاتب کا شاعر پر عطف ہو رہا ہے۔ اور دوسری مثال میں الزیدان میں تو ہر ایک الگ الگ صفت ہے جس کے ذریعہ ہر ایک کی خبر دی جا رہی ہے۔ اور تیسری مثال میں دو خبریں خبر واحد کے حکم میں ہے، چوں کہ اس کے معنی هذا مَرٌّ یعنی دونوں ذائقوں کا مرکب کے ہیں اور یہ تمام کے تمام حقیقت میں ایک ہیں، متعدد نہیں۔

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ، نَحْوُ "فِي الدَّارِ زَيْدٌ، وَ "أَيْنَ زَيْدٌ" ؟

ترجمہ:- اور کبھی خبر مبتداء پر مقدم ہوتی ہے۔ جیسے فِي الدَّارِ زَيْدٌ (گھر میں ہے زید) اور أَيْنَ زَيْدٌ (کہاں ہے زید)۔

وضاحت:- یعنی کبھی خبر مبتداء پر مقدم ہوتی ہے۔ اس لفظ قد جو تقلیل کے واسطے آتا ہے اس سے اشارہ کر دیا کہ خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مبتداء سے متاخر ہو، کیوں کہ قلت تقدیم اصالة تاخیر کو مستلزم ہے گویا کہ مصنف نے کہا "والاصل فی الخبر أَنَّ يَتَأَخَّرَ وَقَدْ يَتَقَدَّمُ عَلَى الْمَبْتَدَأِ" یعنی اصل خبر میں یہ ہے کہ مبتداء کے بعد آئے اور کبھی مبتداء پر مقدم بھی ہوتی ہے۔ اس سے بطور کنایہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مبتداء میں اصل یہ ہے کہ وہ خبر سے مقدم ہو۔ بشرطیکہ تقدیم سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ اس لیے کہ مبتداء ذات ہے اور خبر اس کے احوال میں سے ایک حال ہے اور ذات اپنے حال پر مقدم ہوتی ہے۔ اب مذکور الصدر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خبر کبھی مبتداء سے پہلے آتی ہے، کبھی جوازاً اور کبھی وجوباً، جوازاً مقدم ہو جیسے فِي الدَّارِ زَيْدٌ (گھر میں ہے زید) اور باری تعالیٰ کا قول "سَلَامٌ هِيَ" یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے۔ پارہ ۳۰، سورہ قدر آیت ۵) اور "وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ" اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے۔ پارہ ۲۳ سورہ یسین آیت ۳۷) ان تینوں مثالوں میں خبر مقدم ہے۔ مبتداء مؤخر ہے۔ پہلے اسم کو مبتداء نہیں بنا سکتے۔ ورنہ نکرہ کی خبر معرفہ سے لانا لازم آئے گا خبر وجوباً مقدم ہو۔ جیسے فِي الدَّارِ رَجُلٌ (گھر میں ہے مرد) اور أَيْنَ زَيْدٌ (کہاں ہے زید) اور اہل عرب کا قول "عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا رُبْدًا" (کھجور پر اس کے مثل مکھن ہے) ان تینوں مثالوں میں خبر کو مبتداء پر مقدم کرنا لازم ہے۔ کیوں کہ پہلی مثال میں خبر کو مؤخر کرنا صفت کے ساتھ التباس کا تقاضہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ نکرہ تخصیص کے لیے صفت کی طلب زیادہ کرتا ہے بہ نسبت خبر کے۔ تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے رَجُلٌ نکرہ کی صفت نہیں ہے، بلکہ خبر ہی ہے۔ اسے مقدم کر دیا چوں کہ صفت کبھی مقدم نہیں ہوتی، لہذا ترکیب ہوگی۔ فِي الدَّارِ خبر مقدم اور رَجُلٌ مبتداء مؤخر ہے۔ دوسری مثال میں خبر کو مقدم کرنا لازم ہے، کیوں کہ خبر مفرد صدر کلام چاہتی ہے۔ اگر مؤخر کریں گے تو جس کا حق صدارت کلام ہے اسے صدریت سے مؤخر کرنا لازم آئے گا جیسے أَيْنَ زَيْدٌ مبتداء۔ تیسری مثال میں ضمیر کو اسم کی طرف لوٹانا لازم آئے گا جو لفظاً محلاً مؤخر ہے۔ اور یہ ناجائز ہے، لہذا عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا رُبْدًا میں عَلَى التَّمْرَةِ خبر مقدم ہے۔ اور مِثْلُهَا مع تمیز کے مبتداء مؤخر ہے۔ اور مِثْلُهَا کی ضمیر التَّمْرَةِ کی طرف راجع ہے، کھجور پر اسی کے مثل مکھن ہے۔

وَقَدْ يُحْذَفُ كُلُّ مِنَ الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبَرِ، نَحْوُ: سَلَامٌ، قَوْمٌ مُنْكَرُونَ
أَيُّ عَلَيْكُمْ، أَنْتُمْ۔

ترجمہ:- اور کبھی مبتداء و خبر میں سے ہر ایک حذف کیا جاتا ہے (کسی قرینہ کی وجہ سے) جیسے سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ (کہا سلامتی ہو) (اور کہا یہ تو) (اجنبی ہیں) یعنی تم پر، تم لوگ۔

وضاحت

حذف مبتداء و خبر کی صورتیں:

مبتداء اور خبر سے ہر ایک کا حذف کرنا کبھی جائز ہوتا ہے اور کبھی واجب۔ جائز تو اس وقت ہے جب کہ قرینہ موجود ہو جو اس کے محذوف ہونے پر دلالت کرتا ہو چاہے لفظیہ ہو یا عقلیہ، حالیہ ہو یا مقالیہ۔ پس مبتداء محذوف کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول: "قُلْ أَفَأَنْبِئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَالِكُمُ النَّارُ" ای ہی النار (کہہ دیجیے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ بدتر خبر دوں۔ وہ آگ ہے۔ پارہ ۷، سورہ حج آیت ۷۲) اس آیت میں ہی مبتداء محذوف ہے اور بشرٍ مِّنْ ذَالِكُمُ قرینہ لفظیہ ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا" ای ہذہ سورۃ (یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی ہے۔ پارہ ۱۸، سورہ نور آیت ۱) اس آیت میں ہی مبتداء محذوف ہے اور قرینہ عقلیہ و حالیہ ہے، اس لیے کہ سورۃ نازل کرنے کا مقصد ایک شئی کو متعین کر کے اس پر عملیت کا حکم کرنا ہوتا ہے، تاکہ اس کی طرح دوسرے حضرات بھی عمل کریں۔

خبر محذوف کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "أَكُلْهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا" ای ظِلُّهَا دَائِمٌ (اس کا میوہ ہمیشگی والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔ پارہ ۱۳ سورۃ رعد آیت ۳۵) اس آیت میں لفظ دَائِمٌ خبر محذوف ہے، پہلا دَائِمٌ قرینہ ہے اور یہ قرینہ لفظیہ کی مثال ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "قُلْ أَلَمْ يَعْلَمِ اللَّهُ، ای أَلَمْ يَعْلَمِ" (کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ پارہ ۱، سورہ بقرہ، آیت ۱۴۰) اس آیت میں اللہ مبتداء ہے اور اس کی خبر أَلَمْ يَعْلَمِ محذوف ہے، پہلا أَلَمْ قرینہ ہے جو دلالت کر رہا ہے، یہ قرینہ لفظیہ کی مثال ہے۔

دو مبتداء و خبر کا اجتماع اور ان کے محذوف ہونے کا حکم:

کبھی دو مبتداء و خبر اس طرح جمع ہو جاتے ہیں کہ ایک کا مبتداء محذوف ہو جاتا ہے اور دوسرے کی خبر۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "سَلَامٌ، قَوْمٌ مُنْكَرُونَ" (ابراہیم علیہ السلام نے جواب سلام دیا) (اور کہا یہ تو) (اجنبی لوگ ہیں۔ پارہ ۲۶، سورۃ الزاریات آیت ۲۵) اس آیت میں سَلَامٌ مبتداء ہے اور اس

کے بعد عَلَیْکُمْ خبر محذوف ہے۔ اصل عبارت ہے سَلَامٌ عَلَیْکُمْ۔ اور قَوْمٌ مُنْکَرُونَ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے اَنْتُمْ مبتداء ہے جو محذوف ہے۔ اصل عبارت ہے اَنْتُمْ قَوْمٌ مُنْکَرُونَ۔ اب پوری عبارت اس طرح ہوگی سَلَامٌ عَلَیْکُمْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُنْکَرُونَ۔

وَيَجِبُ حَذْفُ الْخَبْرِ قَبْلَ جَوَابِي "وَلَا" وَالْقَسَمِ الصَّرِيحِ. وَالْحَلِ الْمُتَمَتِّعِ كَوْنُهَا خَبْرًا، وَبَعْدَ وَاوِ الْمَصَاحَبَةِ الصَّرِيحَةِ، نَحْوُ: لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ "لَعَمْرُكَ لَا فَعَلَنَ" وَ "ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا" وَ "كُلُّ رَجُلٍ وَضِيعَتُهُ".

ترجمہ:- اور لَوْلَا اور قسم صریح کے جواب سے پہلے خبر کو حذف کرنا لازم ہوتا ہے، اور اس حال سے پہلے جس کا خبر بننا متمتع ہو۔ اور واو مصاحبت صریحہ کے بعد بھی (خبر کو حذف کرنا لازم ہوتا ہے) جیسے "لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ" (اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے) لَعَمْرُكَ لَا فَعَلَنَ (تیری عمر کی قسم میں ضرور بالضرور کروں گا) اور "ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا" (میرا مارنا زید کو اس حال میں ہوا کہ وہ کھڑا تھا) "وَكُلُّ رَجُلٍ وَضِيعَتُهُ" (اور ہر آدمی اپنی جاگیر داری کے ساتھ ہوگا)

وضاحت

خبر کو جو با حذف کرنا:

خبر کا حذف کرنا اس وقت واجب ہے جب کہ قرینہ اور خبر کی قائم مقامی کرنے والا دونوں موجود ہوں۔ لہذا چار مسائل میں خبر کو جو با حذف کیا جاتا ہے۔

مسئلہ اولی: لَوْلَا کے جواب سے پہلے خبر کو حذف کرنا لازم ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ" (اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے۔ پارہ ۲۲، سورہ سبا، آیت ۳۱) اس آیت میں لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ لَوْلَا کا جواب ہے۔ اور اس سے پہلے صَدَدْتُمُونَا عَنِ الْهُدَى خبر محذوف ہے وجوباً، اس پر قرینہ بعد کی آیت "اَنْحُنْ صَدَدْنَاكَم عَنِ الْهُدَى" ہے۔

مسئلہ ثانیہ: قسم صریح کے جواب سے پہلے خبر کو حذف کرنا لازم ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ سَكِرَتِهِمْ يَغْمَهُونَ" (تیری عمر کی قسم وہ تو اپنی بد مستی میں سرگرداں تھے۔ پارہ ۱۴، سورہ حجر، آیت ۲۷) اس آیت میں خبر وجوباً محذوف ہے۔ دراصل "لَعَمْرُكَ يَمِينِي، يَا لَعَمْرُكَ قَسَمِي" ہے۔ لَعَمْرُكَ مبتداء مقسم بہ ہے اور اس کا لام قسم پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ مقسم یہ بغیر قسم نہیں ہو سکتا، لہذا قَسَمِي محذوف ہے۔ لام قسم داخل ہوتے وقت عُمَر کی عین کا ضمہ فتح (عمر) سے بدل گیا۔ اور

حالت نصی میں عَمَرًا ہو گیا بغیر واؤ کے۔

سوال: مصنف نے قسم کے ساتھ صریح کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب: صریح کہہ کر عَهْدُ اللّٰہ جیسے کلمات جو کبھی قسم اور کبھی مطلق عہد کے لیے استعمال ہوتے ہیں سے احتراز کیا ہے۔ مثلاً عَهْدُ اللّٰہ لَا فَعْلَنَ کَذَا۔ قسم کے معنی میں ہے، لیکن عَهْدُ اللّٰہ یَجِبُ الْوَفَاءُ بہ مطلق عہد کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے اس خبر کو ذکر کرنا درست ہے، لہذا آپ عَلٰی عَهْدِ اللّٰہ کہہ سکتے ہیں۔

مسئلہ ثالثہ:- اس حال سے پہلے جس کا مبتداء کے لیے خبر بننا ممتنع ہو خبر کو محذوف کرنا لازم ہوتا ہے جیسے اہل عرب کا قول ضَرْبِیْ زَيْدًا قَائِمًا۔ اصل میں ضَرْبِیْ زَيْدًا حَاصِلٌ اِذَا كَانَ قَائِمًا ہے، قَائِمًا حال سے پہلے حَاصِلٌ اِذَا كَانَ محذوف نکلے گا۔ اور یہ حَاصِلٌ محذوف خبر ہوگا۔ اِذَا خبر کے لیے ظرف ہوگا جو کان تائمہ کی طرف مضاف ہے کَانَ کا فاعل اسی میں مستتر ہے جس کا مرجع ضَرْبِیْ مصدر کا مفعول ہے۔ اور قَائِمًا اس سے حال ہے۔ اور یہ قَائِمًا ایسا حال ہے جو ضربی مبتداء کی خبر نہیں بن سکے گا۔ آپ ضربی قائم نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ ضَرْبِیْ کی صفت قائم نہیں آیا کرتی۔ اور اسی طرح "اکثر شَرْبِی السَّوِیْقِ مَلْتُوْتًا" دراصل اکثر شَرْبِی السَّوِیْقِ حَاصِلٌ اِذَا كَانَ مَلْتُوْتًا ہے اور اَخْطَبَ مَا یَکُوْنُ الْاَمِیْرُ قَائِمًا۔ دراصل اَخْطَبَ مَا یَکُوْنُ الْاَمِیْرُ حَاصِلٌ اِذَا كَانَ قَائِمًا ہے۔ (اس تیسری حالت کا ضابطہ یہ ہے کہ مثال اول کی طرح مبتداء مصدر صریح ہو یا مثال ثانی کی طرح اَفْعَلُ التَّفْضِیْلِ مصدر صریح کے لیے مضاف ہو۔ یا مثال ثالث کی طرح اَفْعَلُ التَّفْضِیْلِ مصدر مَوُول کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد مصدر کے لیے مفعول ہو۔ پھر بر بنائے حال شرح کے ساتھ اسم منصوب ہوگا اور وہ شرط یہ ہے کہ یہ حال خبر واقع ہو۔)

مسئلہ رابعہ: واؤ مصاحبت صریح کے بعد مبتداء کی خبر جو با محذوف ہوتی ہے۔ جیسے کُلُّ رَجُلٍ وَضِیْعَتُهُ، اَیُّ کُلِّ رَجُلٍ مَعَ ضِیْعَتِهِ مَقْرُوْنَانِ۔ میں مَقْرُوْنَانِ کو حذف کیا ہے، کیوں کہ اس پر دلیل واؤ معیت موجود ہے۔

باب النّوَاسِخُ لِلْمُبْتَدَآءِ وَالْخَبَرِ

بَابُ: النّوَاسِخُ لِحُكْمِ الْمُبْتَدَآءِ وَالْخَبَرِ ثَلَاثَةُ اَنْوَاعٍ، اَحَدُهَا كَانَ، وَآمَسَى، وَاصْبَحَ، وَاضْحَى، وَظَلَّ، وَبَاتَ، وَصَارَ، وَلَيْسَ، وَمَا زَالَ، وَمَا فَتَى، وَمَا اَنْفَكَ، وَمَا بَرِحَ وَمَادَامَ، فَيَرْفَعَنَّ الْمُبْتَدَأُ اسْمًا لَهُنَّ

وَيَنْصِبَنَّ الْخَبَرَ خَبْرًا لَّهُنَّ، نَحْوُ (وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا).

ترجمہ:- یہ باب ہے، مبتداء اور خبر کے حکم کے لیے نواسخ تین قسم کے ہیں، ان میں ایک قسم گان، اَمْسَى، اَصْبَحَ، اَضْحَى، ظَلَّ، بَاتَ، صَارَ، لَيْسَ، مَا زَالَ، مَا فَتَى، مَا انْفَكَ، مَا بَرَحَ اور مَا دَامَ ہیں۔ پس یہ سب مبتداء کو رفع دیتے ہیں اپنے لیے اسم بنا کر، اور خبر کو نصب دیتے ہیں اپنے لیے خبر ہونے کی حیثیت سے جیسے وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا۔ (بلاشبہ آپ کا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے)

وضاحت:- نواسخ ناسخ کی جمع ہے۔ لغوی معنی زائل کرنے کے ہیں۔ چنانچہ جب سورج سایہ کو زائل کر دے تو اس وقت کہا جاتا ہے نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ (کہ سورج نے سایہ کو زائل کر دیا)۔

نواسخ کی اصطلاحی تعریف:

جو عوالم مبتداء و خبر کے حکم کو ختم کر دیں اصطلاح نحو میں نواسخ کہلاتے ہیں۔

نواسخ کی وجہ تسمیہ:

یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مبتداء و خبر کا اعراب بدل دیتے ہیں، اسی لیے ان کو نواسخ جملہ (جملہ کو منسوخ کرنے والے) کہتے ہیں۔ یہ حروف جملہ اسمیہ پر جب داخل ہوتے ہیں تو مبتداء کا نام اسم ہو جاتا ہے۔

نواسخ کی قسمیں:

نواسخ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ عوالم جو مبتداء کو اپنا اسم بنا کر رفع دیتے ہیں اور خبر کو اپنی خبر بنا کر نصب دیتے ہیں یہ گان اور اس کے اخوات ہیں۔

(۲) وہ عوالم جو مبتداء کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں۔ یہ اِنَّ اور اس کے اخوات ہیں۔

(۳) وہ عوالم جو مبتداء اور خبر دونوں کو نصب دیتے ہیں۔ وہ ظَنَّ اور اس کے اخوات یعنی افعال

قلوب ہیں۔

نواسخ کے اعتبار سے مبتداء و خبر کا نام:

باب گان کے پہلے اسم کو ان کا اسم یا فاعل اور دوسرے کو ان کی خبر یا مفعول کہا جاتا ہے۔ باب اِنَّ کے پہلے اسم کو ان کا اسم اور دوسرے کو ان کی خبر کہتے ہیں، باب ظَنَّ کے پہلے اسم کو مفعول اول اور دوسرے کو مفعول ثانی کہتے ہیں۔

کان اور اس کے اخوات کا بیان:

افعال ناقصہ کی تعریف:- افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جو فاعل کو کسی صفت پر مقرر کرنے کے لئے وضع کیے گئے ہوں۔

افعال ناقصہ کی تعداد:- افعال ناقصہ تیرہ ہیں۔ کَانَ، اُمْسَى، أَصْبَحَ، أَضْحَى، ظَلَّ، بَاتَ، صَارَ، لَيْسَ، مَا زَالَ، مَا فَتَى، مَا انْفَكَ، مَا بَرَحَ، مَا دَامَ۔

افعال ناقصہ کی وجہ تسمیہ:- دیگر افعال کی طرح یہ افعال حدوث پر دلالت نہیں کرتے۔ نیز فاعل (اسم) پر تام نہیں ہوتے بلکہ خبر کے محتاج رہتے ہیں۔

افعال ناقصہ کا عمل:- یہ افعال جملہ اسمیہ (مبتداء و خبر) پر داخل ہوتے ہیں۔ مبتداء جس کا نام اسم ہو جاتا ہے رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا" (بلاشبہ آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے۔ پارہ ۱۹، سورۃ فرقان آیت ۵۲)

مذکورہ عمل کے اعتبار سے افعال ناقصہ کی تقسیم:

مذکورہ بالا عمل کے اعتبار سے افعال ناقصہ کی تین قسمیں ہیں (۱) جو مبتداء کو رفع اور خبر کو نصب بلا شرط دیتے ہیں۔ یہ آٹھ ہیں۔ کَانَ، اُمْسَى، أَصْبَحَ، ظَلَّ، بَاتَ، صَارَ، لَيْسَ، أَضْحَى۔
(۲) جو یہی عمل اس شرط کے ساتھ کرتے ہیں کہ ان سے پہلے نفی یا شبہ نفی ہو یہ چار ہیں۔ زَالَ، بَرَحَ، فَتَى، انْفَكَ۔ نفی کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ" (اور ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ پارہ ۱۲، سورہ ہود، آیت ۱۱۸) اس آیت میں يَزَالُونَ سے پہلے لاء نفی موجود ہے۔ شبہ نفی سے مراد نفی اور دعاء ہے۔ نفی کی مثال جیسے شاعر کا قول

صَاحِ شَمْرُ، وَلَا تَزَلْ ذَاكِرُ الْمَوْتِ، فَنَسِيَانُهُ ضَلَالٌ مُبِينٌ

(بے ہوشی سے افاقہ پانے والے تیار رہ اور مسلسل موت کو یاد کرتا رہ اسے بھول جانا بڑی گمراہی ہے)
محل استشہاد:- اس شعر میں محل استشہاد "لَا تَزَلْ ذَاكِرُ الْمَوْتِ" ہے جو فعل نہیں ہے، اَنْتَ اسم ہے مَا زَالَ کا اور ذَاكِرُ الْمَوْتِ خبر ہے، چوں کہ زَالَ پر حرف نفی داخل ہے، اس لیے کہ یہ فعل ناقص بنا ہے۔

دعاء کی مثال: جیسے شاعر کا قول

أَلَا يَا أَسْلَمِي يَا دَارَ مَيِّ عَلَى الْبَلَى وَلَا زَالَ مِنْهُلًا بِجَرِّ عَائِكَ الْقَطْرُ
(اے خبردار! تو سلامت رہ، اے مئی کے گھر جو کھنڈر بن رہے ہو، ہمیشہ تمہارے آگن میں

قطرے برستے رہیں) یہ غیلان بن عقبہ کا شعر ہے۔

محل استشہاد:- اس شعر میں محل استشہاد "لَا تَزَلْ مِنْهُلَا" دعاء ہے اس لیے لازال فعل ناقص بنا ہے۔

(۳) تیسری قسم فعل ناقص کی جو اس شرط کے ساتھ یہ عمل کرتی ہے کہ اس سے پہلے ما مصدریہ ظرفیہ ہو، اور یہ دَامَ ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا" (اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ پارہ ۱۶، سورہ مریم آیت ۳۱) اس آیت میں محل استشہاد "مَا دُمْتُ" ہے، جو مُدَّة دَوَامی کے معنی میں ہے، اس کو ما مصدریہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر "الدَّوَامُ" مصدر ہی بنتی ہے۔ اور ظرفیہ اس لیے کہتے ہیں کہ چوں کہ تقدیراً ظرف نکالا جاتا ہے، مُدَّة۔

وَقَدْ يَتَوَسَّطُ الْخَبَرُ، نَحْوُ فَلَيْسَ سِوَاءَ عَالِمٍ وَجَهْلٍ۔

ترجمہ:- اور کبھی خبر فعل ناقص اور اس کے اسم کے درمیان ہوتی ہے۔ جیسے فَلَيْسَ سِوَاءَ عَالِمٍ وَجَهْلٍ۔ (پس عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے)

وضاحت

خبر کا فعل ناقص اور اسم کے درمیان آنا:

کبھی خبر فعل ناقص اور اس کے اسم کے درمیان یعنی اسم پر مقدم ہو جاتی ہے، جیسے کبھی مفعول فاعل پر مقدم ہو جاتا ہے۔

مثلاً باری تعالیٰ کا قول "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ" (ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔ پارہ ۲۱، سورہ روم، آیت ۴۷) اس آیت میں "نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ" کان کا اسم اور "حَقًّا عَلَيْنَا" کان کی خبر ہے۔ اور خبر فعل ناقص کے اسم پر مقدم ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "اَكُنْ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا" (کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیجی۔ پارہ ۱۱، سورہ یونس، آیت ۲) اس آیت میں "اَنْ اَوْحَيْنَا" کان کا اسم مؤخر ہے اور لِلنَّاسِ عَجَبًا خبر مقدم ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "لَيْسَ الْبِرُّ اَنْ تُولُّوا وُجُوهَكُمْ" (ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منھ کرنے میں ہی نہیں۔ پارہ ۲، سورہ بقرہ آیت ۱۷۷) اس آیت میں "اَنْ تُولُّوا" لیس کا اسم مؤخر ہے اور "الْبِرُّ" نصب کے ساتھ خبر مقدم ہے۔

شاعر کا قول سلیٰ اِنْ جَهِلْتُ النَّاسَ عَنَّا وَعَنَهُمْ — فَلَيْسَ سَوَاءَ عَالِمٍ وَجَهِولٍ
(تو اگر ناواقف ہو تو لوگوں سے ہمارے بارے میں اور اُن کے بارے میں پوچھ لے۔ عالم اور
جاہل برابر نہیں ہو سکتے) اس شعر میں عالم و جہول لیس کا اسم مؤخر اور سواء خبر مقدم ہے۔ (یہ
سموال بن عادیا یہودی کا شعر ہے جو زمانہ جاہلیت میں شہرہ آفاق انسان تھا۔) اور دوسرے شاعر کا قول
لَا طَيْبَ لِلْعَيْشِ مَا دَامَتْ مُنْغَضَةٌ لَذَاتُهُ بِإِذْكَارِ الْمَوْتِ وَالْهَرَمِ
(زندگی میں کوئی مزہ نہیں ہے جب تک کہ اس کی لذتیں موت اور بوڑھا پے کی یاد میں اٹکی رہیں)
اس شعر میں لَذَاتُهُ مَا دَامَتْ مُنْغَضَةٌ کا اسم مؤخر اور "مُنْغَضَةٌ" خبر مقدم ہے۔

نوٹ:- ابن درستویہ فارسی کی ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ لیس کی خبر کا اسم پر مقدم کرنا
جائز ہے۔ اور ابن مغط کا الفیہ میں یہ قول منقول ہے کہ دام کی خبر کا اسم پر مقدم کرنا ناجائز ہے۔ اور یہ
دونوں قول ہمارے مذکورہ شواہدات و دلائل سے مغلوب ہیں۔

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ الْخَبَرُ، إِلَّا خَبَرَ دَامَ وَلَيْسَ -

ترجمہ:- اور کبھی (فعل ناقص کی) خبر (فعل ناقص اور اسم دونوں پر) مقدم ہوتی ہے، بجز
دَامَ وَلَيْسَ کی خبر کے

وضاحت

خبر کی فعل ناقص واسم پر تقدیم:

خبر کے مجموعی طور پر تین احوال ہیں۔ (۱) فعل ناقص اور اسم کے اسم کے بعد ہو جو اس کا اصل محل
ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا" (بلاشبہ آپ کا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے۔ پارہ ۱۹،
سورۃ فرقان، آیت ۵۴) اس آیت میں كَانَ فعل ناقص اور رَبُّكَ اس کا اسم اور قَدِيرًا خبر ہے۔ اور یہ تمام
کے تمام اصل محل میں ہیں

(۲) فعل ناقص اور اسم کے درمیان آجائے جیسے "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ"
(ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔ پارہ ۲۱، سورہ روم آیت ۴۷) اس آیت میں "نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ" كَانَ
کا اسم مؤخر اور حَقًّا عَلَيْنَا خبر مقدم ہے۔

(۳) فعل ناقص اور اسم کے اسم دونوں پر خبر مقدم ہو جیسے "عَالِمًا كَانَ زَيْدٌ" اس مثال میں
"عَالِمًا" فعل ناقص کی خبر ہے جو فعل ناقص اور اسم کے اسم دونوں پر مقدم ہے۔

اس پر باری تعالیٰ کے قول "أَهْوَلَاءِ إِنَّا كُنَّا كَانُوا يَعْبُدُونَ" (کیا یہ لوگ تمہاری عبادت

کرتے تھے۔ پارہ ۲۲، سورہ سبا آیت ۴۰) کے ذریعہ دلالت ہو رہی ہے۔ اس آیت میں كَانَ فعل ناقص، هُمْ ضمیر اس کا اسم، يَعْبُدُونَ خبر اور اِيَّاكُمْ، يَعْبُدُونَ کا مفعول ہے جو کان پر مقدم ہے اور معمول کا مقدم ہونا عامل ہونے کو جائز قرار دیتا ہے۔

مادام اور لَيْسَ کی خبر کے بارے میں مختلف رائے:

إِلَّا خَبَرَ دَامَ وَلَيْسَ کی وضاحت: مادام اور لیس کی خبر ان افعال پر مقدم نہیں ہوتی۔ جیسے "لَا أَصْحَبُكَ مَا دَامَ زَيْدٌ صَدِيقَكَ" (میں تجھ سے دوستی نہیں کروں گا جب تک زید تیرا دوست ہے) میں خبر اپنی حالت پر برقرار ہے۔ مادام کی خبر کے بارے میں نحاۃ کا اتفاق ہے، چوں کہ اس میں ما موصولہ ہے جس کی تقدیر مصدریہ آتی ہے۔ اگر خبر اس سے پہلے آئے گی تو صلہ کو موصول پر مقدم کرنا لازم آئے گا اسی طرح ایسا بھی نہیں کر سکتے کہ خبر کو ما کے بعد دام سے پہلے ذکر کریں، کیوں کہ یہ موصول حرفی ہے، اس لیے اس کے اور صلہ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہونا چاہیے، چوں کہ یہ حروف شرطیہ، استفہامیہ وغیرہ بھی ہوتے ہیں اس لیے اس کی تعیین کے لیے کہ یہاں موصولہ بن کر آئے ہیں صلہ کا متصل رہنا ضروری ہے۔ جیسے "عَجِبْتُ مِمَّا زَيْدًا تَصْحَبُ" جیسی مثال درست نہیں ہے جن میں ما موصولہ اور صلہ کے درمیان زیدًا فاصلہ ہے۔ ہاں موصولِ اسمی میں موصول و صلہ کے درمیان فاصلہ مقرر نہیں ہوتا جیسے "جَاءَ الَّذِي زَيْدًا ضَرَبَ" (الآیہ کہ الف لام موصول بنے تو پھر فصل جائز ہے، چوں کہ الف لام داخل ہی اس صیغہ صفت پر ہوتا ہے جو اس کا صلہ بن رہا ہے۔ جیسے جَاءَ الضَّارِبُ زَيْدًا لیکن زیدًا کو الضَّارِبُ پر مقدم کیا جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

لَيْسَ کی خبر کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ لَيْسَ کی خبر لَيْسَ پر مقدم نہیں ہوتی۔ یہ کوفین، مبرّد اور ابن السراج وغیرہ کا مسلک ہے۔ اور یہی درست ہے۔ اس لیے کہ "ذَا هَبَا لَسْتُ" جیسی مثال غیر مسموع ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لیس فعل جامد ہونے کی وجہ سے عَسَى کے مشابہ ہے۔ اور عَسَى کی خبر کا عَسَى پر مقدم ہونا بالاتفاق ممنوع ہے۔ امام فارسی اور ابن حنی وغیرہ نے خبر کا تقدم لَيْسَ پر جائز قرار دیا ہے اور استدلال میں باری تعالیٰ کا قول "إِلَّا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ" (سنو! جس دن وہ ان کے پاس آئے گا پھر ان سے ٹلنے والا نہیں۔ پارہ ۱۲، سورہ ہود، آیت ۸) پیش کرتے ہوئے کہا کہ يَوْمَ مَصْرُوفًا سے متعلق ہے اور مَصْرُوفًا لیس کی خبر ہے تو خبر کا معمول لیس پر مقدم ہوا۔ اور معمول کا مقدم ہونا عامل کے مقدم ہونے کو جائز کر دیتا ہے، لیکن اس کا جواب دیا ہے کہ يَوْمَ ظَرْف ہے۔ اور ظرف کے باب میں بہت وسعتیں ہیں۔ اسے کہیں بھی ذکر کر سکتے ہیں۔

امام سیبویہ سے دو طرح کی روایتیں منقول ہیں۔ ایک تو جواز کی اور دوسری نا جائز کی۔

وَتَخْتَصُّ الْخَمْسَةَ الْأَوَّلُ بِمُرَادِفَةٍ صَارَ۔

ترجمہ:- اور شروع والے پانچوں صَار کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔

وضاحت

وہ پانچ افعال ناقصہ جو صَار کے معنی میں ہیں:

كَانَ، اَمْسَى، اَصْبَحَ، اَضْحَى، ظَلَّ، یہ پانچ افعال ہیں جو صَار کے معنی میں بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول ”وَبَسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا، فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا“ (اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، پھر وہ مثل پراگندہ غبار کے ہو جائیں گے۔ پارہ ۲۷، سورہ واقعہ آیت ۶۵) اس آیت میں كَانَتْ صَارَتْ کے معنی میں مستعمل ہے۔

باری تعالیٰ کا قول: ”وَكُنْتُمْ اَرْوَاجًا ثَلَاثَةً“ (اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے۔ پارہ ۲۷، سورہ واقعہ آیت ۷) اس آیت میں کان، صار کے معنی میں مستعمل ہے۔

باری تعالیٰ کا قول: ”فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا“ (پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔ پارہ ۴، سورہ آل عمران آیت ۱۰۳) اس میں اَصْبَحَ صَارَ کے معنی میں ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول ”ظَلَّ وَجْهُهُ مُسَوِّدًا“ (تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ پارہ ۲۵ سورہ زخرف آیت ۲۷) اس آیت میں ظل، صار کے معنی میں ہے۔

اور شاعر کا قول:

اُمْسَتْ خَلَاءً وَاُمْسَى اَهْلُهَا اَحْتَمَلُوا — اَخْنَى عَلَيَّهَا الَّذِي اَخْنَى عَلَيَّ نَقِيْدِ
(وہ اکیلی ہو گئی، اور اس کے گھر والوں نے صبر کیا۔ اس کے ساتھ اس نے بے وفائی کی جس نے یہاں رہنے والوں کے ساتھ بے وفائی کی۔) اس شعر میں اُمْسَى بمعنی صَار مستعمل ہوا ہے۔ (یہ نابغہ دیبائی کا قول ہے۔)

اسی طرح دوسرے شاعر کا قول:

اَضْحَى يُمَرِّقُ اَثْوَابِي، وَيَضْرِبُنِي — اَبْعَدَ شَيْبِي يَبْغِي عِنْدِي الْاَدْبَا؟
(وہ میرے کپڑے پھاڑنے لگا اور مجھے مارنے لگا۔ کیا میرے بڑھاپے کے بعد میرے پاس ادب ڈھونڈتا ہے؟) اس شعر میں اَضْحَى بمعنی صَار مستعمل ہے۔

وَعَبْرُ لَيْسَ، وَفَتَى، وَزَالَ بِجَوَازِ التَّمَامِ، أَيْ: الْأَسْتِغْنَاءِ عَنِ الْخَبَرِ،
نَحْوُ: "وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ" "فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ
تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ" "خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ."

ترجمہ:- لیس، فتی اور زال کے علاوہ دیگر افعال تمام ہونے کے جواز کے ساتھ
مستعمل ہیں۔ یعنی خبر سے مستغنی ہوتے ہیں۔ جیسے "وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ"
(اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے) "فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ
تُصْبِحُونَ" (پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور صبح کرو) "خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ
السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ" (وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان و زمین برقرار ہیں۔

وضاحت

چند افعال ناقصہ کا تام بن کر مستعمل ہونا:

فَتَى، زَالَ اور لَيْسَ کے علاوہ اس باب کے دیگر افعال تام بن کر بھی مستعمل ہوتے ہیں۔
تمام سے مراد یعنی اسم فاعل کے ساتھ مل کر خبر سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَإِنْ
كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ" (اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو آسانی تک مہلت دینی چاہیے۔
پارہ ۲، سورۃ بقرہ آیت ۲۸۰) میں ذُو عُسْرَةٍ کان کا اسم ہے۔ دونوں مل کر جملہ مکمل ہے خبر کی کوئی ضرورت
نہیں ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ" (پس اللہ تعالیٰ
کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔ پارہ ۲۱ سورہ روم آیت ۱۷) میں تُمْسُونَ،
تُصْبِحُونَ فعل، ہُمْ ضمیر مستتر فاعل، خبر کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ فعل تام ہے۔ باری تعالیٰ کا قول
"خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ" (اور وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں، جب تک
آسمان و زمین برقرار ہیں۔ پارہ ۱۲، سورہ ہود، آیت ۱۰۷) میں مَا دَامَتِ کا اسم السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ
ہے۔ خبر کی ضرورت نہیں۔

اور شاعر کا قول: تَطَاوَلَ لَيْلُكَ بِالْأَثْمِدِ ————— وَبَاتَ الْخَلِيُّ وَلَمْ تَرْقُدِ
(اے میرے نفس مقام اشم میں تیری شب غم دراز ہو گئی۔ اور جو شخص خالی عن العشق ہے وہ سو گیا
لیکن تجھے نیند نہیں آئی)

وَبَاتَ وَبَاتَتْ لَهُ لَيْلَةٌ ————— كَلِيلَةَ ذِي الْعَائِرِ الْأَرْمَدِ
(اور تو نے رات گزار دی، اور رات گزر بھی گئی۔ اگرچہ اس کرب و بے چینی کے ساتھ کہ جس

طرح مبتلا آشوب چشم کی رات گزرتی ہے)

وَذَاكَ مِنْ نَبَأٍ جَاءَنِي — وَخُبْرَتُهُ عَنْ بَنِي الْأَسْوَدِ

(اور یہ اضطراب و بیداری اس منحوس خبر کی وجہ سے تھی، جو مجھ تک پہنچی یعنی مجھ کو خبر دی گئی ابوالاسود کے موت کی)

ان اشعار میں باتِ تامہ ہے خبر کی ضرورت نہیں۔ (یہ امرء القیس بن عانس کے اشعار ہیں جو شعراء جاہلیت میں سے ہے) ابن ہشام (یعنی صاحب قطر الندی) نے تام کی تعریف کی جو فاعل یا اسم کے ساتھ مل کر پورا ہو جائے، خبر کی ضرورت نہ ہو۔ ناقص جسے خبر کی بھی ضرورت پیش آئے۔ اسی تعریف کو وہ درست بتاتے ہیں، جب کہ اکثر بصریین فعل تام کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ جو حدث و زمان دونوں پر دلالت کرے۔ ناقص وہ ہے جس میں سے حدوث کے معنی سلب کر لیے جائیں صرف زمان باقی رہے۔

وَكَانَ بِجَوَازِ زِيَارَتِهَا مُتَوَسِّطَةً، نَحْوُ: "مَا كَانَ أَحْسَنَ زَيْدًا"

ترجمہ: — اور کان کا زائدہ ہونے اور درمیان میں لائے جانے کے جواز کے ساتھ جیسے مَا كَانَ أَحْسَنَ زَيْدًا۔

وضاحت: — عربی زبان میں کان تین طریقوں سے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) ناقصہ: — جسے ایک اسم مرفوع اور خبر منصوب کی ضرورت ہوتی ہے جیسے "وَكَانَ رَبُّكَ

قَدِيرًا" (بلاشبہ آپ کا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے)

(۲) تامہ: — جو اسم مرفوع کے ساتھ مل کر تام ہو جائے خبر کی ضرورت نہ ہو جیسے باری تعالیٰ کا

قول "وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ (اور اگر کوئی تنگی والا ہو)

(۳) زائدہ: — کان زائدہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساقط کر دینے سے جملہ کے معنی میں

کوئی اثر نہ پڑے، اسے نہ اسم کی ضرورت ہوگی نہ خبر کی۔

کان کے زائد ہونے کی شرطیں:

کان کے زائد ہونے کے لیے دو شرطیں خاص ہیں۔

(۱) کان صیغہ ماضی ہو — (۲) دوا لیے لازم و ملزوم کے درمیان ہو جو جار مجرور نہ ہوں

جیسے "مَا كَانَ أَحْسَنَ زَيْدًا" اصلاً ما احسن زيدا تھا۔ ما اور احسن کے درمیان کان زائد آیا ہے، یہ کان زائدہ زائد فی العمل ہوتا ہے جو اسناد کے لیے نہیں لایا جاتا، ہاں اپنا معنی ضرور دے گا۔

وَحَذَفِ نُونٌ مُضَارِعِهَا الْمَجْزُومُ، وَصَلًا إِنْ لَمْ يَلْقَهَا سَاكِنٌ وَلَا
ضَمِيرٌ نَصْبٍ مُتَّصِلٍ۔

ترجمہ:- اور اس (یعنی کَانَ) کے مضارع مجزوم کے نون کا حذف ہونا، وصل ہونا۔
(یعنی اس پر وقف نہ ہو رہا ہو) اس کے بعد کوئی ساکن نہ آ رہا ہو۔ اس کے ساتھ ضمیر منصوب متصل نہ ہو۔

وضاحت

کَانَ کے آخری حرف کا حذف کرنا پانچ شرطوں کے ساتھ:

دوسرے افعال ناقصہ کے مقابلہ میں کَانَ کی کچھ انفرادی خصوصیات ہیں، جن میں سے ایک اس کا زائدہ ہونا ہے، جیسا کہ ذکر پہلے آچکا۔ اسی طرح اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا آخری حرف حذف کرنا جائز ہے، اس کی پانچ شرطیں ہیں (۱) وہ صیغہ مضارع ہو (۲) صیغہ مضارع مجزوم ہو (۳) اس پر وقف نہ ہو رہا ہو بلکہ وصل ہو رہا ہو (۴) اس کے ساتھ ضمیر منصوب متصل نہ ہو (۵) اس کے بعد کوئی ساکن نہ آ رہا ہو۔ اس کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا" (اور نہ میں بدکار ہوں۔ پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۲۰) میں أَكُ اصلاً اَكُونُ تھا۔ لَمْ کی وجہ سے نون مجزوم ہوا۔ (اور ضمہ حذف کر دیا گیا) اجتماع ساکنین کی وجہ سے واو حذف ہو گیا۔ ان دونوں کو حذف کرنا لازم تھا۔ پھر بغرض تخفیف نون کو بھی حذف کر دیا اور یہ حذف کرنا جائز تھا، اب أَكُ رہ گیا۔

باری تعالیٰ کا قول "لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ" (اہل کتاب کے کافر لوگ باز رہنے والے نہ تھے۔ پارہ ۳۰، سورہ البینہ آیت ۱) میں نون حذف نہیں ہوگا، چوں کہ اس کے بعد لام ساکن ہے جس کی وجہ سے نون پر حرکت آئی ہے اور حرکت کی وجہ سے قوت پا کر اب حذف سے بہت دور ہوگئی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "إِنْ يَكُنْهُ فَلَنْ تُسَلِّطَ عَلَيْهِ" (اگر یہ وہی ہے تو اس پر تم کو ہرگز قابو نہیں دیا جائے گا۔ مشکوٰۃ شریف فی کتاب الفتن) میں يَكُنْ سے ضمیر منصوب متصل ہے، اس لیے حذف نہیں ہوگا، چوں کہ ضمیر صیغے کو اپنی اصل شکل پر لے آتی ہیں۔

حدیث شریف کی توضیح:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مدینہ طیبہ کے اندر ابن صیاد نامی ایک نوعمر قریب البلوغ یہودی تھا، جو کاهنوں کی طرح غیب دانی کا دعویٰ کرتا تھا۔ جھوٹی سچی باتوں سے لوگوں کو بہکایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کے ہمراہ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ابن صیاد میں مسیح دجال کی بھوس کی اور آپ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی

تو جواباً آپ نے کلمات ارشاد فرمائے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر یہ (ابن صیاد) وہی (مسح دجال) ہے تو اس پر تم کو ہرگز قابو نہیں دیا جائے گا اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تم کو اس کے قتل میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔
(مستفاد از مشکوٰۃ، ج ۲، دہلی الادب)

وقف کی صورت میں یکن کا نون:

جس پر وقف کیا جائے اس یکن کا نون بھی حذف کرنا جائز ہے۔ ابن خروف نے اس کی صراحت کی ہے اور یہی زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ فعل موقوف علیہ جب کہ اس میں سے حرف کو حذف کر دیا جائے دو حرفی یا ایک حرفی باقی رہ جاتا ہے تو اس پر وقف ہائے سکتہ کے ساتھ لازم ہے جیسے عہ، لم یعہ، اس میں حرف اصلی صرف عین ہے اور ہائے سکتہ لگی ہے، اگر یکن کا نون بھی حذف کر دیں تو لم یك رہ جائے گا لم یع کی طرح۔

وقف کی دو شکلیں:

وقف کی دو شکلیں ہیں یا تو محذوف حرف کو واپس لے لیں، یا ہاء سکتہ بڑھا دیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ اصلی حرف کا اعادہ کر لینا نئے حرف کو بڑھانے سے بہتر ہے، اس لیے لم یکن رہ گیا، لیکن یہی منطق لم یعہ میں نہیں چل سکے گی کہ بجائے ہاء سکتہ کے یاء کا اعادہ کر لیں جو کلمہ کا اصلی حرف ہے، کیوں کہ یاء واپس لانے سے لم جو جازم ہے اسے بے عمل کرنا لازم آئے گا، برخلاف لم یکن کے کہ جازم تو وہاں ضمہ کے حذف کا مطالبہ کرتا ہے نہ کہ نون کے حذف کا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

وَحَذَفَهَا وَحَذَهَا مَعَوَّضًا عَنْهَا "مَا" فِي مِثْلِ "أَمَّا أَنْتَ ذَا نَفَرٍ" وَمَعَ
إِسْمِهَا فِي مِثْلِ "إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ" وَ "الْتِمَسْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ"

ترجمہ:- اور اس کو تنہا حذف کر کے اس کے عوض میں مالانا (کان کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے) اَمَّا أَنْتَ ذَا نَفَرٍ جیسی مثال میں۔ اور اس (یعنی کَانَ) کے اسم کے ساتھ حذف کرنا (جائز) ہے۔ اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ اور اِلْتِمَسْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيدٍ جیسی مثالوں میں۔
وضاحت:- کَانَ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کَانَ لفظی کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔

کان کے محذوف ہونے کی دو صورتیں:

کَانَ کے محذوف ہونے کی دو صورتیں ہیں، کبھی تو صرف کَانَ حذف کیا جاتا ہے، اسم اور خبر

باقی رہتے ہیں اور کَانَ کے عوض میں مَا لایا جاتا ہے۔ کبھی کان اور اس کا اسم دونوں حذف کر دیئے جاتے ہیں اور خبر باقی رہتی ہے۔ اور کوئی کلمہ عوض میں نہیں لایا جاتا۔

پہلی صورت کی وضاحت:

جہاں کان کو حذف کر کے عوض میں مَا لایا جائے یہ اُن مصدر کے بعد ہر اس جگہ ہوتا ہے جہاں ایک فعل کو دوسرے فعل کی علت بنایا گیا ہو جیسے "أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا إِنْطَلَقْتُ" اس کی اصل "لَاَنْ كُنْتُ مُنْطَلِقًا" تھی۔ لَاَنْ كُنْتُ مُنْطَلِقًا کو اہتمام یا تخصیص کی وجہ سے مقدم کر دیا۔ "لَاَنْ كُنْتُ مُنْطَلِقًا إِنْطَلَقْتُ" ہو گیا۔

پھر لام جارہ کو بغرض اختصار حذف کر دیا جو اکثر اُن سے پہلے حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّقَ بِهِمَا" بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ پارہ ۲، سورہ بقرہ آیت ۱۵۸) اصْلَافِي أَنْ يَطَّوَّقَ بِهِمَا" تھا کَانَ کو بغرض اختصار جواز حذف کر دیا گیا، ضمیر منفصل ہوئی أَنْتَ، مَا کو اُن کے بعد کَانَ کے عوض میں بڑھا دیا۔ اُن مَا أَنْتَ مُنْطَلِقًا إِنْطَلَقْتُ ہوا۔ پھر نون کا میم میں ادغام کر کے أَمَّا أَنْتَ مُنْطَلِقًا إِنْطَلَقْتُ بنا دیا۔

عدّ اس بن مرد اس نامی شاعر نے بھی کان کو حذف کر کے اس کے عوض میں ما کو استعمال کیا ہے۔

شاعر کا قول: أَبَا خُرَاشَةَ أَمَّا أَنْتَ ذَا نَفَرٍ — فَإِنَّ قَوْمِي لَمْ تَاكُلْهُمْ الضَّبْعُ۔

(ابو خراشہ) (کیا) اس وجہ سے کہ تو افراد والا ہے (فخر کرتا ہے) تجھے اس کا حق نہیں (کیوں کہ تیری قوم کا کوئی زمانہ نہیں ہے، فخر کا حق تو مجھے ہے) کیوں کہ میری قوم کو قحط سالی نے نہیں کھایا ہے) بلکہ اس کی تعداد سرفروشی و مجاہدانہ کارناموں میں گھٹی ہے)

اس شعر میں محل استشہاد "أَمَّا أَنْتَ ذَا نَفَرٍ" ہے اصلاً اُن كُنْتُ ذَا نَفَرٍ تھا، کان حذف ہوا۔ ضمیر منفصل آئی۔ اُن کے بعد ما عوضاً لایا گیا۔ پھر نون کو ما میں ادغام کرنے کے بعد أَمَّا أَنْتَ ہو گیا۔

دوسری صورت کی وضاحت:

یعنی کَانَ کو مع اسم کے حذف کرنا اور اس کی خبر کو باقی رکھنا۔ اور کوئی کلمہ عوضاً نہ لانا جائز ہے۔ یہ اِنْ اور لَوْ شرطیہ کے بعد ہوتا ہے۔

اِنْ کے بعد کی مثال: جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "الْمَرْءُ مَقْتُولٌ بِمَا قَتَلَ بِهِ إِنْ سَيْفٌ فَسَيْفٌ، وَإِنْ خَنْجَرًا فَخَنْجَرٌ" (آدمی نے جس چیز سے قتل کیا ہے اسی سے قتل کیا جائے گا، اگر وہ آلہ تلوار تھا تو تلوار سے اور اگر وہ آلہ خنجر تھا تو اسے خنجر سے قتل کیا جائے گا)

اس حدیث میں اِنْ سَيِّفًا اَصْلًا اِنْ كَانَ مَا قَتَلَ بِهِ سَيِّفًا فَالَّذِي يُقْتَلُ بِهِ سَيِّفٌ
وَإِنْ كَانَ مَا قَتَلَ بِهِ خَنْجَرًا فَالَّذِي يُقْتَلُ بِهِ خَنْجَرٌ ہے۔ کان فعل اور قتل بہ صلہ موصول
مل کر اس کا اسم تھا دونوں کو اِنْ کے بعد حذف کر دیا گیا ہے۔

دوسری مثال: وَالنَّاسُ مَجْزِيُّونَ بِأَعْمَالِهِمْ، اِنْ خَيْرًا، فَخَيْرٌ، وَإِنْ شَرًّا فَشَرٌّ
(لوگوں کو اپنے اعمال کی جزادی جائے گی، اگر اعمال اچھے ہوں گے تو اچھی جزاء اور بُرے ہوں گے تو
بُری جزاء دی جائے گی) اس حدیث میں اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ اَصْلًا اِنْ كَانَ عَمَلُهُمْ خَيْرًا فَجَزَاءُهُ
خَيْرٌ، وَإِنْ كَانَ عَمَلُهُمْ شَرًّا فَشَرٌّ تھا۔ کان فعل اور عَمَلُهُمْ، مضاف و مضاف الیہ سے مل کر اسم
تھا، دونوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔

شاعر کا قول: لَا تَقْرَبَنَّ الدَّهْرَ آلَ مُطَرِّفٍ — اِنْ ظَالِمًا اَبَدًا وَاِنْ مَظْلُومًا
(زمانہ کی پکڑ آل مطرف کو نہیں پہنچے گی۔ چاہے تو ہمیشہ ظالم رہے یا ہمیشہ مظلوم رہے) یہ لیلیٰ
انحلیہ کا شعر ہے۔

اس شعر میں "اِنْ ظَالِمًا اَبَدًا" اَصْلًا "وَإِنْ كُنْتَ ظَالِمًا اَبَدًا وَاِنْ كُنْتَ مَظْلُومًا" ہے۔
كُنْتَ یعنی کان اپنے اسم کے ساتھ حذف کر دیا گیا ہے، کیوں کہ کان فعل اور اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل
ہے۔ اور آل مطرف سے مراد قبیلہ بنو عامر ہے۔ اور قبیلہ بنو عامر لیلیٰ کے خاندان والے ہیں۔

لو کے بعد کان اور اس کے اسم کے حذف ہونے کی مثال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان
"الْتِمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ" (تلاشوا اگرچہ لوہے کی انگٹھی سے ہی کیوں نہ ہو) یہ اصل میں "الْتِمِسْ
وَلَوْ كَانَ مَا تَلْتِمِسْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ" ہے۔ کان فعل، ما تلتمس فاعل دونوں محذوف ہیں۔
شاعر کا قول:

لَا يَأْمَنُ الدَّهْرَ ذُو بَغْيٍ، وَلَوْ مَلِكًا — جُنُودُهُ ضَاقَ عَنْهَا السَّهْلُ وَالْجَبَلُ
(زمانے کی پکڑ سے کوئی ظالم مامون نہیں رہ سکتا۔ چاہے وہ ایسا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو جس کے لشکر
سے وادیاں اور پہاڑ تنگ ہو جائیں۔) اس شعر میں محل استشہاد "وَلَوْ مَلِكًا" ہے، جس کی اصل "وَلَوْ
كَانَ الْبَاغِي مَلِكًا" ہے۔ کان فعل ناقص، باغی اس کا اسم دونوں محذوف ہیں۔

وَمَا النَّافِيَةُ عِنْدَ الْحَاجَزَيْنِ كَلَيْسَ، اِنْ تَقَدَّمَ الْإِسْمُ، وَلَمْ يُسَبِّقْ
بَيَانٌ، وَلَا بِمَعْمُولِ الْخَبَرِ إِلَّا ظَرْفًا أَوْ جَارًا وَمَجْرُورًا، وَلَا اقْتَرَنَ
الْخَبَرُ بِإِلَّا، نَحْوُ (مَا هَذَا بَشَرًا)۔

ترجمہ:- اور حجازیوں کے نزدیک "ما" نافیہ عمل کرنے میں "لَیْسَ" کی طرح ہوتا ہے بشرطیکہ اسم (خبر پر) مقدم ہو۔ اور یہ کہ (اسم) اِنْ (زائدہ) کے ساتھ پہلے نہ لایا گیا ہو۔ اور یہ کہ "ما" خبر کے معمول کے ساتھ نہ ہو۔ مگر (معمول) ظرف یا جار اور مجرور تو کوئی حرج نہیں۔ اور خبر الّا سے متصل نہ ہو جیسے مَا هَذَا بَشَرًا۔ (یہ شخص آدمی ہرگز نہیں)

وضاحت:- یہ بات جان لینی چاہیے کہ حروف نفی میں سے تین حروف ایسے ہیں جنہیں نحوی حضرات لَیْسَ کا عمل دیتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ اور وہ "ما" لا، لات ہیں، ان میں سے ہر ایک کے عمل کی کچھ شرائط ہیں۔

ما: اہل حجاز کی لغت میں "ما" لَیْسَ کا عمل تین شرائط کے پائے جانے پر کرتا ہے اور اہل حجاز کی لغت، لغت قویہ کہلاتی ہے، اسی لغت کے مطابق قرآن کریم نازل ہوا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول "مَا هَذَا بَشَرًا" (یہ شخص آدمی ہرگز نہیں۔ پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۳۱) اور "مَا هُنَّ امَّهَاتِهِمْ" (وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ آیت ۲)

پہلی شرط: یہ کہ اس کا اسم اس کی خبر پر مقدم ہو۔

دو شری شرط: یہ کہ اسم اِنْ زائدہ سے متصل نہ ہو۔

تیسری شرط: یہ کہ اس کی خبر الّا سے متصل نہ ہو۔

پھر جب ما میں پورے طور پر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں گی تو "ما" یہ مذکورہ عمل کرے گا، خواہ اس کا اسم و خبر دونوں نکرہ ہوں یا معرفہ، یا اسم معرفہ اور خبر نکرہ، یا دونوں معرفہ ہوں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "مَا هَذَا بَشَرًا" میں ما لیس کی طرح عمل کرتے ہوئے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیا ہے، کیوں کہ اس میں پوری شرطیں پائی جا رہی ہیں۔ اور ہذا ضمیر جو ما کا اسم ہے وہ معرفہ ہے اور خبر بَشَرًا نکرہ ہے، اور مَا هُنَّ امَّهَاتِهِمْ میں ما کا اسم اور خبر دونوں معرفہ ہیں۔ اگر ایک بھی شرط مفقود ہوگی تو پھر مَا لَیْسَ کی طرح عمل نہیں کرے گا جیسے "مَا مُسِيٍّ مَنْ أَعْتَبَ" (جو کوئی اچھا کام کر کے ناراضگی ختم کرادے وہ خطا کار نہیں ہے۔) ترکیب اس طرح ہوگی مَنْ أَعْتَبَ مبتداء مؤخر اور مُسِيٍّ خبر مقدم ہے، جو اسم سے پہلے آئی ہے، اس لیے ما کا عمل جاری نہیں ہوا۔

اور شاعر کا قول: بَنِي غَدَانَةَ، مَا اِنْ اَنْتُمْ ذَهَبٌ۔ وَلَا صَرِيْفٌ وَلَكِنْ اَنْتُمْ الْخَرْفُ۔ (بنو غدانہ تم نہ سونا ہو نہ چاندی بلکہ تم ٹھیکریا ہوں) اس شعر میں ما کے بعد اَنْتُمْ اسم پران زائدہ کے واقع ہو جانے کی وجہ سے ما کا عمل باطل ہو گیا۔ اسی وجہ سے اَنْتُمْ ذَهَبٌ مبتداء خبر بن گئے (لم اقف لهذا البيت على نسبة الى قائل معين) اس شعر میں لفظ غدانہ سے مراد بنو ربیع کا قبیلہ ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول ”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ“ (اور حضرت محمد صرف رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ پارہ ۴، سورۃ آل عمران، آیت ۱۴۴) میں ما کی خبر رسول پر الّا داخل ہے، اس لیے مانے کچھ عمل نہیں کیا۔

باری تعالیٰ کا قول ”وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ“ (اور ہمارا حکم بس یکبارگی ہو جائے گا۔ پارہ ۲۷، سورۃ قمر، آیت ۵۰) میں بھی ما کی خبر واحدہ پر الّا داخل ہے، اس لیے ما کا کچھ عمل باقی نہیں ہوا۔ ابوتیم کے یہاں ما کوئی عمل نہیں کرے گا چاہے تینوں شرطیں ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ وہ لوگ ”مَا زَيْدٌ قَائِمٌ“ اور ”مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ“ خبر کو رفع کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں۔

وَكَذَٰلَا ”لَا النَّافِيَةُ“ فِي الشَّعْرِ، بِشَرْطِ تَنْكِيرٍ مَعْمُولِهَا، نَحْوُ:
تَعَرَّ فَلَآ شَيْءٌ عَلَى الْأَرْضِ بَاقِيًا — وَلَا وَرَزٌ مِمَّا قَضَى اللَّهُ وَاقِيًا

ترجمہ: اور اسی طرح لاء نافیہ (عمل کرنے میں لیس کی طرح) ہے (بشرطیکہ) شعر میں ہو۔ اپنے معمول کے نکرہ ہونے کی شرط کے ساتھ جیسے تَعَرَّ فَلَآ شَيْءٌ عَلَى الْأَرْضِ بَاقِيًا الخ۔ صبر کر کیوں کہ روئے زمین پر کوئی چیز باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی پناہ گاہ اللہ کے فیصلوں سے بچانے والی ہے۔

وضاحت: دوسرا حرف نفی جو لیس کا عمل کرتا ہے لاء ہے۔ اس کے عمل کرنے کی چار شرطیں ہیں (۱) لاء کا اسم پہلے ہو اور خبر بعد میں ہو (۲) خبر الّا سے متصل نہ ہو (۳) اسم و خبر دونوں نکرہ ہوں (۴) لاء شعر میں آیا ہو نثر میں نہیں۔ جیسے شاعر کا قول

تَعَرَّ فَلَآ شَيْءٌ عَلَى الْأَرْضِ بَاقِيًا — وَلَا وَرَزٌ مِمَّا قَضَى اللَّهُ وَاقِيًا
(صبر کر روئے زمین پر کوئی چیز بھی باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی پناہ گاہ اللہ کے فیصلوں سے بچانے والی ہے) (لم اقف لهذا الشاهد على نسبة الى قائل معين)

اس شعر میں محل استشہاد ”لَا شَيْءٌ بَاقِيًا“ اور ”لَا وَرَزٌ وَاقِيًا“ ہے، چاروں شرطیں موجود ہونے کی وجہ سے لاء نے لیس کی طرح عمل کرتے ہوئے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیا ہے۔ اگر ان شرائط میں سے ایک بھی شرط مفقود ہوئی ہو تو لاء نافیہ قطعاً لیس کی طرح عمل نہیں کرے گا۔ اسی لیے ”أَفْضَلُ مِنْكَ أَحَدٌ“ میں عمل نہیں ہوا ہے نثر میں ہونے کی وجہ سے۔ اور ”لَا أَحَدٌ إِلَّا أَفْضَلُ مِنْكَ“ میں عمل نہیں ہوا ہے خبر پر الّا داخل ہونے کی وجہ سے۔ اور ”لَا زَيْدٌ قَائِمٌ وَلَا عمروٌ“ میں عمل نہیں ہوا ہے زید و عمرو کے معرفہ ہونے کی وجہ سے۔ اسی تیسری شرط کی وجہ سے متنبی کے قول کی تغلیط کی گئی ہے۔

ابوالطیب متنبی کا قول:

إِذَا الْجُودُ لَمْ يُرْزَقْ خَلَا صَافِنَ الْأَذَى — فَلَا الْحَمْدُ مَكْسُوبًا وَلَا الْمَالُ بَاقِيًا
(جب فیاضی کو ایذا رسانی سے تحفظ نہ دیا جائے تو نہ تعریف حاصل ہوگی اور نہ ہی مال باقی رہے گا) اس شعر میں محل استشہاد "لَا الْحَمْدُ مَكْسُوبًا" ہے، حمد معرفہ ہے جو لاء کا اسم ہے پھر بھی لاء کو عمل دے کر مکسوباً کو منصوب ذکر کر کے متنبی نے غلطی کی۔

مصنف نے متنبی کے شعر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے متن میں لاء کی صرف دو شرطیں ذکر کی ہیں باقی کو ما پر قیاس کرتے ہوئے چھوڑ دیا، چوں کہ دونوں کا عمل ایک ہی ہے اور ما عام ہے، اس اعتبار سے کہ وہ نظم و نثر دونوں میں عامل ہے، جب کہ لاء صرف نظم میں عمل کرتا ہے تو جو شرائط ما کے لیے ہوں گی۔ وہ لاء کے لیے بدرجہ اولیٰ رہیں گی۔

نوٹ:- صاحب کتاب نے ما کے لیس کی طرح عمل کرنے کے لیے یہ شرطیں لگائیں کہ اس کی خبر اسم پر مقدم نہ ہو اور نہ اس کی خبر الاسے متصل ہو یہ دونوں شرطیں تو ضروری تھیں لیکن یہ شرط لگانا کہ اسم ان زائدہ متصل نہ ہو اس کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ لاء کا اسم ان زائدہ سے متصل نہیں ہوتا ہے۔

وَلَا تَ لَكِنْ فِي الْحَيْنِ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ جُزْءٍ يَهَا، وَالْغَالِبُ حَذَفُ
الْمَرْفُوعِ، نَحْوُ "وَلَا تَ حِينَ مَنَاصٍ"

ترجمہ:- اور لَا تَ (لیس کی طرح عمل کرتا ہے) اور اس کے دونوں جزء (یعنی اسم و خبر) کے درمیان جمع نہیں کیا جائے گا۔ اور اکثر مرفوع (یعنی اسم) کا محذوف ہونا ہے، جیسے وَلَا تَ حِينَ مَنَاصٍ (اور وہ فرار و مہلت کا وقت نہ تھا)

وضاحت:- تیسرا حرف نفی لَا تَ ہے۔ (در اصل یہ لاء نافیہ ہے صرف تاء تانیث بڑھادی گئی ہے) یہ لیس کی طرح عمل کرتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کا اسم اور خبر دونوں لفظ حین ہو۔ اور دونوں جزء میں سے کوئی ایک محذوف ہو۔ عامۃً اس کا اسم محذوف رہتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَنَادُوا وَلَا تَ حِينَ مَنَاصٍ" اس کی تقدیری عبارت واللہ اعلم لَا تَ الحین حین فرار ہے۔ (سوانہوں نے بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا۔ پارہ ۲۳، سورۃ ص، آیت ۳) اس آیت میں الحین لَا تَ کا اسم ہے جو محذوف ہے اور حین مناص مضاف و مضاف الیہ سے مل کر خبر واقع ہے جو حالت نصی میں ہے۔ اور کبھی خبر حذف کردی جاتی ہے اور لَا تَ حین مناص رفع کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ تو اس وقت تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ لَا تَ حین مناص حینا موجوداً

لہم عند تنادیہم ونزول ما نزل بہم من العذاب۔ (اور خلاصی کا وقت ایسا وقت نہیں ہے جو ان کو باہمی پکار اور اس عذاب کے نزول کے وقت حاصل رہا ہو جو ان پر نازل ہوا۔)

باب اِنْ وَاخواتِہا

الثَّانِي: اِنْ وَاَنْ لِلتَّكْيِدِ، وَلَكِنْ لِلِاسْتِذْرَاكِ وَكَأَنَّ لِلتَّشْبِيهِ، اَوْ الظَّنِّ، وَلَيْتَ لِلتَّمَنِّي، وَلَعَلَّ لِلتَّرَجِّي اَوْ الْإِشْفَاقِ اَوْ التَّغْلِيلِ، فَيَنْصِبْنَ الْمُبْتَدَأَ اسْمًا لَهْنٍ، وَيَرْفَعْنَ الْخَبَرَ خَبَرًا لَهْنٍ۔

ترجمہ:- (مبتداء اور خبر کے نواسخ میں سے) دوسرے یہ ہیں۔ اِنْ اور اَنْ تاکید کے لیے، اور لَكِنْ استدراک کے لیے، اور كَأَنَّ تشبیہ کے لیے یا ظن کے لیے، اور لَيْتَ تمنی (یعنی آرزو ظاہر کرنے) کے لیے، اور لَعَلَّ ترجی (یعنی امید کرنے) کے لیے، یا اشفاق کے لیے یا علت بیان کرنے کے لیے۔ پس یہ حروف مبتداء کو اپنے لیے اسم بنا کر نصب دیتے ہیں اور خبر کو اپنے لیے خبر ہونے کی حیثیت سے رفع دیتے ہیں۔

وضاحت:- جب فاضل مصنف "مبتداء اور خبر کے نواسخ کی پہلی قسم کان اور اس کی اخوات کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے نواسخ کی دوسری قسم اِنْ اور اس کی اخوات کو بیان کرنا شروع کیا۔ اِنْ اور اس کی اخوات چھ حروف ہیں جنہیں حروف مشبہ بالفعل کہتے ہیں۔ عبارت سمجھنے سے پہلے بطور مقدمہ کے چند باتیں ذہن نشیں کر لیجئے۔

حروف مشبہ بالفعل کی تعداد:

حروف مشبہ بالفعل چھ ہیں اِنْ، اَنْ، كَأَنَّ، لَكِنْ، لَيْتَ، لَعَلَّ۔

حروف مشبہ بالفعل کی فعل متعدی سے مشابہت:

ان حروف کو فعل متعدی سے تین چیزوں میں مشابہت ہے (۱) وزن میں (۲) عمل میں (۳) معنی میں۔

وزن میں مشابہت یہ ہے کہ جس طرح فعل ثلاثی، رباعی، خماسی اور مدغم ہوتا ہے اسی طرح حروف مشبہ بالفعل اور لَعَلَّ، كَأَنَّ رباعی مدغم، لَكِنْ خماسی مدغم ہیں۔

عمل میں مشابہت یہ ہے کہ جس طرح فعل متعدی کے لیے فاعل و مفعول بہ ہوتے ہیں اسی طرح حرف مشبہ بالفعل کے لیے اسم و خبر ہوتے ہیں۔

اور معنی میں مشابہت یہ ہے کہ **إِنَّ** و **وَأَنَّ** حَقَّقْتُ کے معنی میں ہے۔ اور **كَأَنَّ** شَبَّهْتُ کے اور **لَكِنَّ** **إِسْتَدْرَكْتُ** کے اور **لَيْتَ** **تَمَنَّيْتُ** کے اور **لَعَلَّ** **تَرَجَّيْتُ** کے معنی میں ہے اور جس طرح فعل ماضی بنی برفتحہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ حروف بھی بنی برفتحہ ہوتے ہیں۔

حروف مشبہ بالفعل کا عمل:

یہ تمام حروف اس بات میں تو شریک ہیں کہ مبتداء کو اپنا اسم بنا کر نصب اور خبر کو خبر بنا کر رفع دیتے ہیں، لیکن ہر ایک کے معنی علاحدہ علاحدہ ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

إِنَّ و **وَأَنَّ**: یہ دونوں حروف تاکید و تحقیق کے معنی رکھتے ہیں مثلاً **زَيْدٌ قَائِمٌ** میں جب تاکید کے معنی پیدا کرنا ہو تو **إِنَّ** بڑھا دیتے ہیں، اب عبارت ہوگی **إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ** (بے شک زید کھڑا ہے) یعنی میں نے زید کے قیام کو ثابت کیا ہے۔

اسی طرح **أَنَّ** بھی خبر کی تاکید کے لیے آتا ہے، مگر وہ درمیان کلام میں آتا ہے اس سے پہلے کلام ہونا ضروری ہے، مثلاً **بَلَّغْنِي** ہو یا **اعْجِبْنِي** ہو، یا اس کے علاوہ۔ اب عبارت ہوگی **"بَلَّغْنِي أَنَّ زَيْدًا مُنْطَلِقٌ"** (مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ زید چلنے والا ہے) یعنی مجھ کو زید کے چلنے کا ثبوت پہنچا۔

لَكِنَّ: یہ استدراک کے لیے آتا ہے یعنی ماقبل کے کلام سے جس بات کے ثبوت یا نفی کا وہم ہو رہا ہو اسے دور کرنے کے لیے کلام لانا جیسے **زَيْدٌ عَالِمٌ** کہا جائے جس سے اس کے صالح ہونے کا وہم ہو رہا ہو اسے دور کرنے کے لیے آپ کہیں **"لَكِنَّهُ فَاسِقٌ"** یا مثلاً **مَا زَيْدٌ شَجَاعٌ** کہا جائے تو اس سے اس کے کریم نہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے اسے دور کرنے کے لیے کہیں **"لَكِنَّهُ كَرِيمٌ"**۔

كَأَنَّ: یہ تشبیہ کے لیے آتا ہے۔ **كَأَنَّ زَيْدًا أَسَدٌ** (زید گویا شیر ہے)

اشکال: یہاں طالب علمانہ ایک اعتراض ہوتا ہے کہ **كَأَنَّ** تشبیہ کے لیے آتا ہے حالاں کہ **كَأَنَّ** زید قائم کے اندر کوئی تشبیہ نہیں ہے، ایسا کیوں؟

جواب: **كَأَنَّ** تشبیہ کے لیے اس وقت آئے گا جب اس کی خبر اسم جامد ہو اور جس وقت خبر فعل، یا اسم مشتق، یا ظرف، یا جار مجرور ہو تو اس وقت **كَأَنَّ** برائے شبک و گمان ہوتا ہے نہ کہ برائے تشبیہ، تو چوں کہ مثال مذکور میں خبر اسم مشتق ہے اس لیے جملہ میں **كَأَنَّ** تشبیہ کے لیے نہیں ہے۔

كَأَنَّ کبھی ظن اور گمان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے **كَأَنَّ زَيْدًا كَاتِبٌ** (میرے گمان میں زید کاتب ہے)

لَيْتَ: تمنی کے لیے آتا ہے، یعنی ایسی چیز مانگنا جس کی طمع نہ رہی ہو جیسے بڑھاپے میں آدمی کا

”لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُودُ يَوْمًا“ (کاش کہ ایک دن جوانی لوٹ آتی) کہنا۔ یا ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جس کا ملنا دشوار ہو مثلاً کوئی مایوس فقیروں کہے ”لَيْتَ لِي قِنْطَارًا مِنَ الذَّهَبِ“

لَعْلَ: یہ ترحی کے لیے ہے۔ یعنی کوئی ایسی چیز طلب کرنا جس کا حصول ممکن ہو جیسے کوئی کہے ”لَعْلَ زَيْدًا هَالِكًا“ (امید ہے کہ زید ہلاک ہوگا) یا علت بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول ”فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيْنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى“ (سو کہو اس سے نرم بات شاید وہ سوچے یا ڈرے۔ پارہ ۱۶، سورہ طہ، آیت ۴۴) لَعْلَ ای لَکَی یَتَذَكَّرُ۔ امام انفخس نے اس کی صراحت کی ہے۔

شرح سے الگ ہو کر کچھ ضروری اصطلاحات

لَيْتَ اور لَعْلَ میں فرق:

لَيْتَ کے ذریعہ ممکن و محال دونوں کی آرزو کی جاسکتی ہے، مگر لَعْلَ سے صرف ممکنات کی امید کی جاسکتی ہے نہ کہ ممتنعات کی، لَعْلَ کبھی تعلیل کے لیے بھی آتا ہے جیسے ”فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيْنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى“ اور کبھی یہ استفہام کے لیے بھی آتا ہے جیسے ”لَعْلَ زَيْدًا قَادِمًا“ ای ہل ہو کذاک۔ اور لعل کبھی خوف کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے جیسے ”لَعْلَ الشَّيْطَانُ نَازِلٌ“۔

دوسرا فرق: لَيْتَ امر محبوب اور لَعْلَ امر محبوب و مکروہ دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(بحوالہ مشکل ترکیبوں کا آسان حل ص ۲۰۲)

عرض و تمنی میں فرق:

دو فرق تو وہی ہیں جو ترحی و تمنی میں ہیں گویا عرض بمنزلہ ترحی کے ہے اور تیسرا فرق یہ ہے کہ عرض کا استعمال عموماً قریب الحصول شئی کے لیے ہوگا اور تمنی کا استعمال بعید الحصول شئی کے لیے۔

إِنَّ لَمْ تَقْتَرِنُ بِهِنَّ ”مَا“ الْحَرْفِيَّةُ، كَقَوْلِهِ ”إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ“ إِلَّا ”لَيْتَ“ فَيَجُوزُ الْأَمْرَانِ۔

ترجمہ:- (ان حروف کا یہ عمل اس وقت ہے) جب کہ ما حرفیہ ان کے ساتھ نہ لگا ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول ”إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ“ مگر ”لَيْتَ“ میں تو دونوں امر جائز ہیں۔

وضاحت:- حروف مشبہ بالفعل کا یہ عمل کہ مبتداء و خبر پر داخل ہو کر مبتداء کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں۔ یہ عمل اس وقت ہے جب کہ ”ما“ حرفیہ ان کے ساتھ نہ لگا ہو ورنہ ”ما“ حرفیہ ان کے ساتھ آکر عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ اور پھر ان کا جملہ فعلیہ پر داخل ہونا بھی درست ہو جاتا ہے۔ ورنہ اصل

وضع میں یہ مبتداء و خبر پر ہی داخل ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "قُلْ إِنَّمَا يُؤَخِّي إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ" (کہہ دیجیے میرے پاس تو بس وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ پارہ ۷، سورہ انبیاء، آیت ۱۰۸) اور "إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ" (اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے۔ پارہ ۱۶، سورہ نساء، آیت ۱۷۱) ان دونوں آیتوں میں إِنَّ اور أَنَّ کے ساتھ مانافہ متصل ہے، اس لیے اس کا عمل باطل ہو گیا۔ اور ان دونوں نے کچھ بھی عمل نہیں کیا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَىٰ الْمَوْتِ" (گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لیے جاتا ہے۔ پارہ ۹، سورہ انفال، آیت ۵) اس آیت میں كَأَنَّ کے ساتھ مانافہ متصل ہے، لہذا اس کا عمل باطل ہو گیا۔

اسی طرح شاعر نے بھی اپنے شعر میں حروف مشتبہ بالفعل کے ساتھ مانافہ کے ملانے کی صورت میں عمل کو لغو قرار دیا ہے۔ شاعر کا قول:

فَوَاللَّهِ مَا فَارَقْتُكُمْ قَالِيَا لَكُمْ وَلَكِنْ مَا يُقْضَىٰ فَسَوْفَ يَكُونُ

(خدا کی قسم میں نے تم سے خفا ہو کر تمہیں چھوڑا، لیکن جو فیصلہ ہو جاتا ہے تو ہو کر ہی رہتا ہے) یہ افوہ اودی نامی شخص کا کلام ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد "وَلَكِنْ مَا يُقْضَىٰ" ہے کہ لکن حرف مشبہ بالفعل ہے، لیکن اس کے ساتھ مانافہ ملا ہوا ہے جس کی وجہ سے فعل مضارع پر داخل ہے اور عمل باطل ہو گیا ہے۔

شاعر کا قول: أَعِدْ نَظْرًا يَا عَبْدَ قَيْسٍ لَعَلَّمَا — أَضَاءَتْ لَكَ النَّارُ الْجَمَارَ الْمُقَدَّ (عبد قیس پیچھے لوٹ کر تودیکھ۔ شاید آگ کی روشنی میں تجھے بندھا ہوا گدھا نظر آجائے) یہ فرزدق کا شعر ہے۔ جس کو جریر عبد قیس کی ہجو میں کہا ہے۔ (سبیل الہدی ص ۱۵۱)

اس شعر میں محل استشہاد "لَعَلَّمَا أَضَاءَتْ لَكَ" ہے، ہما کے داخل ہونے کی وجہ سے لَعَلَّ کا عمل باطل ہو گیا اور یہ فعل پر داخل ہوا۔

لَيْتَ کا بقیہ حروف مشبہ بالفعل کے اصول سے مستثنیٰ ہونا:

حروف مشبہ بالفعل کے اس اصول سے لَيْتَ مستثنیٰ ہے۔ وہ ہما کے ساتھ بھی صرف جملہ اسمیہ پر ہی آیا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں دونوں وجہیں جائز ہیں یعنی دوسرے اخوات کی متابعت میں اسے بھی ہما کی وجہ سے بے عمل کر دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ جملہ اسمیہ کے ساتھ اختصاص کی وجہ سے عمل برقرار رہے اور یہی اولیٰ ہے۔ لہذا "لَيْتَمَا قَامَ زَيْدٌ" کہنا درست نہیں ہوگا۔ اب یہاں ایک ایسا شعر پیش کیا جا رہا ہے جس میں دونوں صورتیں روایت کی گئی ہیں۔

شاعر کا قول: قَالَتْ: أَلَا لَيْتَمَا هَذَا الْحَمَامُ لَنَا — إِلَى حَمَامَتِنَا أَوْ نِصْفَهُ فَقَدْ
(اس نے کہا کاش یہ کبوتر ہماری کبوتری کے ساتھ ہمارا ہوتا یا اس کا نصف ہوتا۔) یہ نابغہ ذبیائی کا
کلام ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد "لَيْتَمَا هَذَا الْحَمَامُ" ہے۔
هذا الحمام کو مرفوع و منصوب دونوں پڑھا گیا ہے۔
سوال: مصنف نے ما کے ساتھ حرفیہ کی قید کیوں لگائی؟

جواب: ما کے ساتھ حرفیہ کی قید لگا کر ما اسمیہ سے احتراز کیا ہے، چوں کہ ما حرفیہ حروف
مشبہ بالفعل کے عمل کو باطل کرتا ہے، جب کہ ما اسمیہ ان حروف کے ساتھ آ کر خود ان کا اسم بن جاتا ہے
عمل باطل نہیں کرتا جیسے باری تعالیٰ کا قول "إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سَاجِرٌ" (انہوں نے جو کچھ بنایا ہے
یہ صرف جادو گروں کے کرتب ہیں۔ پارہ ۱۶، سورہ طہ آیت ۶۹) اس آیت میں ما موصولہ صَنَعُوا اصلہ
ہے موصول صلہ ل کر اِنْ کا اسم جو حالت نصی میں ہے۔ اور عائد محذوف ہے۔ اور كَيْدٌ سَاجِرٌ خبر
واقع ہے اِنْ کی، اصل عبارت یوں ہے۔ "إِنَّ الَّذِي صَنَعُوا كَيْدٌ سَاجِرٌ"۔

كَانَ الْمَكْسُورَةُ مُخَفَّفَةً۔

ترجمہ:- جیسے اِنْ مکسورہ مخففہ۔

اِنْ مکسورہ مخففہ کا عمل:

لَيْتَمَا میں جس طرح اعمال و اہمال یعنی عمل دینا اور بے عمل رکھنا دونوں درست ہیں، اسی طرح
اِنْ اگر مخففہ من المثلثہ ہو تو اس میں بھی اعمال و اہمال دونوں جائز ہیں، جیسے اِنْ زَيْدٌ لَمُنْطَلِقٌ (بیشک
زید چلنے والا ہے) اور اِنْ زَيْدًا لَمُنْطَلِقٌ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ہاں لَيْتَمَا میں لَيْتٌ کا عمل
برقرار رکھنا رائج تھا، جب کہ اِنْ مخففہ میں بے عمل رکھنا رائج ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا عمل ہی استعمال
ہوا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ" (کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان
فرشتہ نہ ہو۔ پارہ ۳۰، سورہ طارق، آیت ۴) باری تعالیٰ کا قول: "وَأَنَّ كُلَّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ" (اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ کہ وہ جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کی جائے گی۔ پارہ ۲۳، سورہ یسین،
آیت ۳۲) باری تعالیٰ قول "وَأَنَّ كُلَّ لَّمَّا لِيُوقَفِيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ" (اور یقیناً ان میں سے ہر ایک
جب ان کے روبرو جائے تو آپ کا رب اسے اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پارہ ۱۲، سورہ ہود
آیت ۱۱) ان تمام آیتوں میں اِنْ مخففہ من المثلثہ نے کچھ بھی عمل نہیں کیا ہے۔ اور یہی رائج ہے، لیکن
حرمیان یعنی ابن کثیر مکی، امام نافع مدنی جو قراء سبعہ میں سے ہیں انہوں نے "إِنَّ كُلَّ لَّمَّا" یعنی تخفیف

کے باوجود اِنْ کو عمل دے کر پڑھا ہے۔

فَإِمَّا لَكِنْ مُخَفَّفَةً فَتَهْمَلُ

ترجمہ:- پس بہر حال لَكِنْ مخففہ تو بے عمل رکھا جاتا ہے۔

لَكِنْ مخففہ کا بیان:

”لَكِنْ“ مشددہ چوں کہ جملہ اسمیہ کے ساتھ مختص ہوتا ہے، لیکن جب بجائے مشددہ کے ”لَكِنْ“ مخففہ آئے تو جملہ اسمیہ کے ساتھ اختصاص والا حکم اور عمل ختم ہو گیا اور اسے مہمل قرار دے دیا گیا۔ لہذا اب اس کا جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں پر داخل ہونا درست ہو گیا، لیکن بغیر کسی عمل کے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول ”وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ“ (اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے۔ پارہ ۳۵، سورہ زخرف آیت ۷۶) اس میں لَكِنْ مخففہ جملہ فعلیہ پر داخل ہے اور کچھ بھی عمل نہیں کیا ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول ”لَكِنْ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنِينَ“ (لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں۔ اور ایمان والے ہیں۔ پارہ ۶، سورہ نساء آیت ۱۶۲) میں لَكِنْ مخففہ جملہ اسمیہ پر داخل ہے۔ اور کچھ بھی عمل نہیں کیا ہے۔

وَأَمَّا ”أَنَّ“ فَتَعْمَلُ، وَيَجِبُ فِي غَيْرِ الضَّرُورَةِ - حَذَفُ اسْمِهَا ضَمِيرَ الشَّانِ، وَكُؤُنُ خَبَرِهَا جُمْلَةً مَفْصُولَةً - إِنَّ بُدِئَتْ بِفِعْلِ مُتَصَرِّفٍ غَيْرِ دُعَاءٍ - بَقْدَ، أَوْ تَنْفِيسٍ، أَوْ نَفْيٍ أَوْ لَوْ۔

ترجمہ:- اور بہر حال ”أَنَّ“ (بفتح الہمزہ مخففہ من المثلث) ہو تو عمل کرے گا۔ اور ضرورت کے علاوہ میں اس کے اسم کا محذوف ہونا، ضمیر شان کا ہونا اور اس کی خبر کا جملہ مفصولہ ہونا واجب ہے، اگر فعل متصرف سے ابتداء کی جائے دعاء کے علاوہ تو قد یا تنفیس یا نفی یا لو کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔

أَنَّ بفتح الہمزہ مخففہ من المثلث کے احکام اور اس کی پہچان:

”أَنَّ“ بفتح الہمزہ مخففہ من المثلث ہو تو واجب الاعمال باقی رہتا ہے، اسی طرح جس طرح تخفیف سے پہلے تھا، لیکن اس کے اسم میں تین شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) اس کا اسم ضمیر ہو، اسم ظاہر نہ ہو (۲) ضمیر بمعنی ضمیر شان ہو (۳) ضمیر محذوف ہو وقتاً فوقتاً ضرورت شعری کی بناء پر اس کا اسم، اسم صریح بھی آ جاتا ہے۔

اَنْ مخففہ من المثلہ کی خبر کے لیے یہ شرط لازم ہے خبر جملہ ہو مفرد نہ ہو، اگرچہ جملہ اسمیہ ہے یا ایسا جملہ فعلیہ جس کا فعل جامد ہے، یا فعل مشتق ہے، لیکن دعاء ہے تو اَنْ اور خبر کے درمیان کسی فاصل کی ضرورت نہیں ہے۔ مثالیں ترتیب وار کچھ اس طرح ہیں۔

(۱) اَنْ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَ اٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" (اور ان کی آخریات یہ ہوگی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہاں کا رب ہے۔ پارہ ۱۱، سورہ یونس آیت ۱۰) میں اَنْ کا اسم محذوف اور الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ جملہ اسمیہ خبر، جو اَنْ مخففہ سے بلا کسی فاصل کے ملا ہوا ہے، اس کی اصل عبارت یوں ہے "اِنَّهٗ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ"

(۲) اَنْ ایسے جملہ فعلیہ پر داخل ہوتا ہے جس کا فعل جامد ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَ اَنْ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَدْ اِقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ" (اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو۔ پارہ ۹، سورہ اعراف آیت ۱۸۵) اس آیت میں اَنْ کی خبر عَسٰی فعل جامد ہے جو بلا فاصل کے ہے اور اسم محذوف ہے۔ اصل عبارت "وَ اِنَّهٗ عَسٰی" ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "وَ اَنْ لِّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" (اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔ پارہ ۲۷، سورہ نجم، آیت ۳۹) میں اَنْ کی خبر لِّیْسَ فعل جامد ہے بلا فاصل کے ہے، اصل عبارت "وَ اِنَّهٗ لِّیْسَ" ہے۔

(۳) اَنْ ایسے جملہ فعلیہ مشتقہ پر داخل ہوتا ہے جو جملہ دعائیہ ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَ الْخَامِسَةُ اَنْ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهَا" (اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔ پارہ ۱۸، سورہ نور، آیت ۹) میں اَنْ کا اسم محذوف خبر دعاء کی شکل میں غضب سے شروع بلا فاصل، ان قرآن کے مطابق جو اَنْ مخففہ پڑھتے ہیں۔ اصل عبارت "وَ الْخَامِسَةُ اِنَّهٗ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهَا" ہے۔

(۴) اگر فعل مشتق غیر دعاء خبر بن رہا ہو اَنْ مخففہ کی تو قَدْ، سوف، حرف نفی، یا لو میں سے کسی ایک سے فصل کرنا ضروری ہے۔ قَدْ کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَ نَعْلَمُ اَنْ قَدْ صَدَقْتُنَا" (اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے۔ پارہ ۷، سورہ مائدہ، آیت ۱۱۳) اس آیت میں اَنْ مخففہ اور اس کی خبر کے درمیان قَدْ فاصل ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوا" (تا کہ ان کے اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے۔ پارہ ۲۹، سورہ جن، آیت ۲۸) اس آیت میں بھی اَنْ مخففہ اور اس کی خبر کے درمیان قَدْ فاصل ہے۔ حرف تنفیس کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنَ مِنْکُمْ مَّرْضٰی" (وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے۔ پارہ ۲۹، سورہ مرسل، آیت ۲۰) اس آیت میں اَنْ مخففہ اور اس کی خبر کے درمیان حرف تنفیس (سین) فاصل ہے۔

حرف نفی کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "أَفَلَا يَرَوْنَ يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا" (کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ پارہ ۱۶، سورہ لہ، آیت ۸۹) اس آیت میں لاء نافیہ فاصل ہے۔ لو کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا" (اور اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہیں۔ پارہ ۲۹، سورہ جن آیت ۱۶) اس آیت کریمہ میں اَنْ مخففہ اور اس کی خبر کے درمیان حرف لو فاصل ہے۔ اور تمام آیتوں میں خبر ایسا جملہ فعلیہ مشتقہ ہے جو دعائیہ نہیں ہے۔

کبھی کبھی شعر میں ضرورت شعری کی بناء پر بغیر فصل کے ان کی خبر آتی ہے جیسے شاعر کا قول:

عَلِمُوا أَنْ يُؤْمَلُونَ فَجَادُوا قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوا بِأَعْظَمِ سُؤْلِ

(انہیں معلوم تھا کہ ان سے امیدیں باندھی جائیں گی تو انہوں نے بڑا سوال ہونے سے پہلے سخاوت کی) (لم اقف لهذا الشاهد على نسبة قائل معين)

کبھی ضرورت شعری کی وجہ سے اَنْ مخففہ من المثلثہ کا اسم محذوف کے بجائے ضمیر اسم صریح کی شکل میں بھی آتا ہے اور اس وقت اس کی خبر مفرد و جملہ دونوں آسکتی ہے جیسا کہ یہ دونوں امور اس شعر میں جمع ہیں۔ شاعر کا قول

بَانَكَ رَبِيعٌ وَغَيْثٌ مَرِيعٌ وَأَنَّكَ هُنَاكَ تَكُونُ الثَّمَالَا

(آپ تو فصل بہار ہیں اور نفع کی بارش ہیں، اور یقیناً آپ تو وہاں فریادرس ہیں) یہ جنوب بنت عجلان بن عامر ہذنی کا کلام ہے جس کو اپنے بھائی عمر ذوالکلب کے مرثیہ میں کہا ہے۔

وَأَمَّا كَانَ فَتَعْمَلُ، وَيَقِلُّ ذِكْرُ اسْمِهَا، وَيُفْصَلُ الْفِعْلُ مِنْهَا بَلَمْ، أَوْ قَدْ۔

ترجمہ:- اور بہر حال كَانَ (مخففہ من المثلثہ) تو وہ عمل کرتا ہے اور اس کا اسم کبھی کبھی مذکور ہوتا ہے۔ اور فعل کو اس سے لَمْ یا قَدْ کے ذریعہ جدا کیا جاتا ہے۔

كَانُ مخففہ کے احکام اور اس کی پہچان:

جب كَانَ مخففہ من المثلثہ لایا جائے تو جس طرح اَنْ مخففہ واجب الاعمال ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی واجب الاعمال ہوگا۔ لیکن كَانَ کا اسم اَنْ کے اسم کے بالمقابل زیادہ مذکور ہوتا ہے۔ اور كَانَ کے اسم کا ضمیر کی شکل میں ہونا شرط نہیں ہے۔ جیسا کہ شاعر نے اپنے اس شعر کو اسی طرز پر کہا ہے۔

وَيَوْمًا تَوَافَيْنَا بِوَجْهِ مُقَسِّمٍ كَانَ ظَبِيَّةٌ تَعْطُوا إِلَى وَارِقِ السَّلَمِ

(ایک دن تو اپنے خوبصورت چہرے کے ساتھ ہمارے پاس اس طرح آگئی طالب بن کر جیسے ہرنی سلم کے پتے چھڑانے والی کی طرف گردن بلند کرتے ہوئے آتی ہے۔) یہ باعث بن صریم کا شعر

ہے اور بعض نے باغت بن صریم کہا ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد "كَأَنَّ ظَبِيَّةً" ہے، كَأَنَّ ظَبِيَّةً، كَأَنَّ کا اسم مان کر منصوب پڑھا گیا ہے اور اس کے بعد والا جملہ تَعْطُوا إِلَى وَارِقِ السَّلَمِ، ظَبِيَّةً کی صفت ہے اور خبر محذوف ہوگی۔ اب اصل عبارت اس طرح ہوگی كَأَنَّ ظَبِيَّةً عَاطِيَةً هَذِهِ الْمَرْأَةُ گردن بلند کرنے والی ہرنی یہ عورت ہے، پس تشبیہ معکوس ہوئی۔ یا كَأَنَّ مَكَانَهَا ظَبِيَّةً گویا اس کی جگہ ہرنی ہے، اصل تشبیہ ہرنی رہے گی۔ اور ظَبِيَّةً کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس کو محذوف مان کر۔ عبارت یوں ہوگی كَأَنَّهَا ظَبِيَّةً اس صورت میں ظَبِيَّةً كَأَنَّ کی خبر واقع ہوگی۔

اور جب خبر مفرد ہو یا جملہ اسمیہ ہو تو اس وقت كَأَنَّ اور اس کی خبر کے درمیان فصل لانے کی ضرورت نہیں۔ مفرد کی مثال: جیسے كَأَنَّ ظَبِيَّةً۔ اس روایت کے مطابق جس میں ظَبِيَّةً کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ جملہ اسمیہ کی مثال جیسے كَأَنَّ تَذِيَاهُ حُقَّانِ۔ (گویا اس کے دونوں پستان ابھری ہوئی زمین ہے) اور اگر خبر جملہ فعلیہ ہو تو كَأَنَّ اور اس کی خبر کے درمیان کم، یا قَدْ کے ذریعہ فصل لانا واجب ہوگا۔ اول کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "كَأَنَّ لَمْ تَعْنِ بِالْأَمْسِ" (گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ پارہ ۱۱، سورہ یونس آیت ۲۴) اس آیت میں كَأَنَّ اور اس کی خبر کے درمیان لَمْ فاصل ہے۔ اور شاعر کا قول:

كَأَنَّ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجُونِ إِلَى الْجُفَا أَيْسَ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرُ
(گویا کہ تجوں سے صفا کے درمیان کوئی غمخوار نہیں تھا۔ اور مکہ میں کسی قصہ گو نے قصہ گوئی نہیں کی)
اس شعر میں كَأَنَّ اور اس کی خبر کے درمیان لَمْ فاصل ہے۔ (یہ مضاض بن عمرو البحر ہی کا شعر ہے)
ثانی کی مثال: جیسے شاعر کا قول:

أَزِفَ التَّرْحُلُ غَيْرَ أَنَّ رِكَابَنَا — لَمَّا تَزُلْ بِرِحَالِنَا وَكَأَنَّ قَدْ
أُنِيَ وَكَأَنَّ قَدْ زَالَتْ (کوچ کا وقت قریب ہو گیا سوائے اس کے کہ ہمارا قافلہ اپنی قیام گاہ سے ابھی ہٹا نہیں ہے، لیکن گویا ہٹ گیا ہے، یعنی پوری طرح تیار کھڑا ہے) یہ نابغہ ذبیائی کا کلام ہے جس کو نعمان بن منذر کی بیوی کی شان میں کہا ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد فَكَأَنَّ قَدْ زَالَتْ ہے، زَالَتْ خبر ہے جس پر قد داخل ہے ضرورت شعری کی وجہ سے زَالَتْ فعل حذف کر دیا گیا ہے۔

وَلَا يَتَوَسَّطُ خَبْرُهُنَّ، إِلَّا ظَرْفًا أَوْ مَجْرُورًا، نَحْوُ: "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً" إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا۔

ترجمہ:- اور ان (یعنی حروف مشبہ بالفعل) کی خبر درمیان میں نہیں ہوں گی، مگر ظرف یا

مجرور ہونے کی حالت میں۔ جیسے ”إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً“ ”إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا“۔

حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا درمیان میں آنا:

حروف مشبہ بالفعل کے باب میں خبر کو عامل اور اس کے اسم کے درمیان میں لانا، یا عامل پر مقدم کرنا درست نہیں ہے، ہاں كَانَ اور اس کے اخوات کی خبر میں یہ جائز ہے۔ چنانچہ إِنَّ قَائِمٌ زَيْدًا کہنا درست نہیں، لیکن كَانَ قَائِمًا زَيْدًا کہنا درست ہے۔

دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ كَانَ فعل ہے اور إِنَّ، اَنَّ حروف ہے اور افعال حروف کے مقابلے میں عمل کرنے میں زیادہ قوی ہوتے ہیں، اس لیے اپنے معمول میں تصرفات کو زیادہ برداشت کر سکتے ہیں، لیکن حروف میں یہ قوت نہیں۔ اسی بناء پر كَانَ کی خبر کو وسط میں اور كَانَ سے بھی پہلے لانا جائز ہے، لیکن حروف مشبہ کی خبر میں یہ جائز نہیں۔

إِنَّ کی خبر کے مؤخر ہونے کا حال اس شعر میں دیکھئے جس میں ابن عنین نے اپنے پیچھے رہنے کی شکایت کتنے اچھے انداز میں کی ہے۔ شاعر کا قول

كَأَنِّي مِنْ أَخْبَارِ إِنَّ، وَلَمْ يُجَزْ لَهُ أَحَدٌ فِي النَّحْوِ أَنْ يَتَقَدَّمَ

(میں گویا اِن کی خبر کی طرح ہوں، نحو میں کوئی اس کے مقدم ہونے کو جائز نہیں کہتا) یہ ابن عنین شریف الدین ابو عباس محمد بن نصر الدین بن نصر الحسین النصارى الکوفی کا شعر ہے۔

اس اصول سے وہ خبر جو ظرف یا جار مجرور بن کر آئے وہ مستثنیٰ ہے، کیوں کہ اس صورت میں خبر کو درمیان میں لانا بھی جائز ہے، چوں کہ نحو یوں نے جو وسعت اِن میں رکھی ہیں دوسری میں نہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول ”إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا“ (یقیناً ہمارے یہاں سخت بیڑیاں ہیں۔ پارہ ۲۹، سورہ مزل آیت ۱۲) اس آیت میں اِن حرف مشبہ بالفعل اور لَدَيْنَا ظرف خبر مقدم اَنكَالًا اسم مؤخر ہے۔ باری تعالیٰ کا قول ”إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشَى“ (بیشک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے۔ پارہ ۳۰، سورہ نازعات آیت ۲۶) اس آیت میں فِي ذَٰلِكَ جار مجرور سے مل کر خبر مقدم ہے جو وسط میں واقع ہے۔

نوٹ:- ہم نے جو یہ کہا کہ ظرف اور جار مجرور کے علاوہ اِن کی خبر کا عامل اور اس کے اسم کے درمیان آنا ممنوع ہے اس تنبیہ کے ذریعہ ہم مستغنی ہو گئے یہ ذکر کرنے سے کہ خبر مقدم نہیں ہوتی، اس لیے کہ زیادہ آسان کا ممنوع ہونا اس کے علاوہ کے ممنوع ہونے کو مستلزم ہے۔ برخلاف اس کے عکس کے یعنی مشکل کا ممنوع ہونا آسان کے ممنوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور ہم نے جو یہ کہا کہ نحاۃ نے خبر کو ظرف یا جار مجرور سے مل کر آنے کی شکل میں درمیان میں آنے کو جائز کہا ہے تو اس سے ان کے مقدم ہونے کو جائز

کہنا لازم نہیں آتا، اس لیے کہ ان کا زیادہ آسان کو جائز کہنا اس کے علاوہ کو جائز کہنے کو مستلزم نہیں ہے۔

وَتُكْسَرُ إِنَّ فِي الْإِبْتِدَاءِ، نَحْوُ: (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ) وَبَعْدَ الْقَسَمِ، نَحْوُ: (حَمِّ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ) وَالْقَوْلُ، نَحْوُ: (قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ) وَقَبْلَ اللَّامِ، نَحْوُ: (وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ)۔

ترجمہ:- اور اِن مکسور الہمزہ ابتداء میں لایا جاتا ہے جیسے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا) اور قسم کے بعد جیسے ”حَمِّ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ، اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ“ (حم، قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی، یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے) اور قول کے بعد۔ جیسے ”قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ“ (بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں) اور لام سے پہلے، جیسے ”وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ“ (اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں)۔

اِنَّ مکسور الہمزہ کے مواضع استعمال کا بیان

اِنَّ مکسورۃ الہمزہ بھی استعمال ہوتا ہے اور مفتوح الہمزہ یعنی اَنَّ بھی۔ صاحب قطری الندی یہاں سے اِنَّ مکسورۃ الہمزہ کے مواضع استعمال کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ اِنَّ کے استعمال کے چار مواضع ہیں۔

(۱) اِنَّ ابتداءئے کلام میں آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ“ (یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا۔ پارہ ۳۰، سورۃ القدر آیت ۱) ”إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ“ (یقیناً ہم نے تجھے کثرت دی۔ پارہ ۳۰، سورۃ کوثر، آیت ۱) ”أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ پارہ ۱۱، سورۃ یونس آیت ۶۲) ان تمام آیات بلا میں اِنَّ ابتداءئے کلام میں واقع ہے، کیوں کہ ابتداءئے کلام موضع جملہ سے ہے، اس لیے ابتداء بالمفرد جب کہ اس سے جملہ نہ بنایا جائے عدم افادہ کی بناء پر باطل ہے، لہذا اگر اَنَّ بالفتح سے شروع کریں تو ابتداء بالمفرد لازم آتا ہے۔ (شرح جامی حاشیہ ۳۴۷)

(۲) قسم کے بعد آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول ”حَمِّ، وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَكَةٍ“ (حم، قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی، یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے۔ پارہ ۲۵، سورۃ دخان، آیت ۱، ۲) ”يَسْ، وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ، إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ“ (یس، قسم ہے قرآن با حکمت کی، کہ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔ پارہ ۲۲، سورۃ یس، آیت ۲، ۱) ان آیات میں اِنَّ قسم کے بعد واقع ہے۔

(۳) قول اور اس کے مشقات کے بعد جس سے حکایت مقصود ہو اور وہ بمعنی اعتقاد نہ ہو، کیوں کہ وہ علم و ظن کے حکم میں ہے (اور علم و ظن کے بعد اَنّ بالفتح آتا ہے) جیسے باری تعالیٰ کا قول "قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ" (بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۳۰)

(۴) اِنّ مکسورہ کے بعد لام آتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهُ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکَاذِبُوْنَ" (اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔ پارہ ۲۸، سورہ منافقون آیت ۱) اس آیت میں یَعْلَمُ اور یَشْهَدُ کے بعد اِنّ آیا ہے چوں کہ اس کے بعد لام موجود ہے ورنہ عَلِمَ اور شَهِدَ کے بعد اَنّ مفتوح آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ" (تمہاری پوشیدہ خیانتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے، پارہ ۲، سورہ بقرہ آیت ۱۸۷) اور "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" (اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۱۸) ان دونوں آیتوں میں لام نہیں ہے، اس لیے عَلِمَ اور شَهِدَ کے بعد اَنّ بالفتح آتا ہے۔

وَيَجُوزُ دُخُولُ اللّٰمِ عَلَى مَا تَأَخَّرَ مِنْ خَبَرٍ "اِنَّ" الْمَكْسُورَةَ. اَوْ اِسْمَهَا، اَوْ مَا تَوَسَّطَ مِنْ مَعْمُولِ الْخَبَرِ، اَوْ الْفَصْلِ، وَيَجِبُ مَعَ الْمُخَفَّفَةِ اِنْ اُهْمِلَتْ وَلَمْ يَظْهَرِ الْمَعْنٰی۔

ترجمہ:- اور اِنّ مکسورہ کی خبر سے مؤخر ہونے والے لفظ پر لام کا داخل ہونا جائز ہے، یا اس کے اسم سے مؤخر ہونے والے اسم پر، یا خبر کے معمول پر جو درمیان میں آجائے، یا ضمیر فصل پر۔ (لام کا داخل ہونا جائز ہے) اور اِنّ مخففہ کے ساتھ لام کا دخول واجب ہے بشرطیکہ یہ بے عمل کر دیا جائے اور اس کا کوئی معنی ظاہر نہ ہو سکے۔

اِنّ مکسورہ کے بعد چار مقامات پر لام کے دخول کا جواز:

اِنّ مکسورہ کے بعد چار مقامات میں سے کسی ایک مقام پر لاء ابتداء داخل کرنا جائز ہے۔ دو تو آخر میں آنے والے ہیں اور دو درمیان میں آنے والے ہیں۔

بہر حال آخر میں آنے والے دو مقامات تو ان میں سے ایک خبر پر لام ابتداء داخل کرنا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ" (اور بے شک تیرا رب البتہ بخشنے والا ہے۔ پارہ ۱۳، سورہ رعد آیت ۶) یا اس اسم پر لام داخل کریں جو آخر میں آئے جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً" (بے شک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے۔ پارہ ۳۰، سورہ نازعات آیت ۲۶) درمیان میں آنے

والے دو مقامات میں سے ایک تو خبر کا معمول جو خبر سے پہلے آجائے جیسے "إِنَّ زَيْدًا لَطَعَامَكَ أَكَلٌ" اس مثال میں إِنَّ کی خبر آکَل ہے جس کا معمول لَطَعَامَكَ مقدم ہے اور اس پر لام داخل ہے۔ اسی طرح وہ ضمیر جسے بھرپین نے فصل اور کو فہین نے عماد کے نام سے موسوم کیا ہے اس پر لام داخل ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ" (یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے۔ پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۶۲) باری تعالیٰ کا قول "وَأَنَا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ، وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ" (اور ہم تو (بندگی الہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔ پارہ ۲۳، سورہ صف آیت ۱۶۵، ۱۶۶) ان دونوں آیتوں میں ضمیر پر لام داخل ہے اور یہ دخول لام جائز ہے۔

ضمیر فصل و عماد سے مراد:

یہ وہ ضمیر ہے جو مبتداء و خبر کے درمیان لائی جائے بطریق جواز، جب کہ مبتداء و خبر دونوں معروف ہوں۔ یا خبر فعل التفضیل بمن ہو (کیوں کہ فعل التفضیل بمن معرفہ کے ساتھ ملحق ہے) اس پر دخول الف لام کے ممتنع ہونے کی وجہ سے، تا کہ خبر کا صفت کے ساتھ التباس لازم نہ آئے، اور جہاں التباس کا خوف نہ ہو تو وہاں طرد اللباب ضمیر فصل لائی جاتی ہے جیسے كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبُ کے اندر ضمیر موصوف نہیں بن سکتی تو الرَّقِيبُ صفت ہی کس کی بنے اور اگر مبتداء و خبر نکرہ ہوں تو اب بھی صفت کے ساتھ التباس ہے، لہذا قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ضمیر فصل لائی جائے مگر ضمیر فصل نہیں لائی جائے گی۔ (شرح جامی ص ۲۱۷ حاشیہ)

دخول لام کا واجب ہونا:

کبھی ان ہی مقامات پر لام کا داخلہ واجب ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ إِنَّ مخففہ ہو، بے عمل ہو اور اثبات کا ارادہ ظاہر نہ ہو (یعنی اس کا کوئی معنی ظاہر نہ ہو) جیسے "إِنَّ زَيْدًا لَمُنْطَلِقٌ" یہاں لام ابتداء إِنَّ نافیہ اور إِنَّ مخففہ من المثلثہ کے درمیان فرق واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "إِنَّ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ مُبِينٍ" (تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ پارہ ۱۱، سورہ یونس آیت ۶۸) اس آیت میں إِنَّ نافیہ ہے، ان مخففہ نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چوں کہ یہاں لام ابتداء نہیں لایا گیا ہے۔ لام ابتداء کے معدوم ہونے کی وجہ سے إِنَّ نافیہ آیا ہے۔ لام ابتداء کو لام فارقہ بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ نفی اور اثبات کے درمیان یہ فرق واضح کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔

شرائط مذکورہ کا مفقود ہونا:

اگر مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی ایک بھی شرط مفقود ہو تو لام ابتداء کا لانا لازم نہیں رہے گا، بلکہ جائز ہو جائے گا، اس لیے کہ إِنَّ نافیہ کے ساتھ التباس کا خطرہ نہیں رہتا مثلاً إِنَّ مخففہ نہ ہو مثلاً ہو جیسے

اِنْ زَيْدًا قَائِمًا۔ یا اِنْ مَخْفَفٌ ہو مگر عمل کر رہا ہو، جیسے اِنْ زَيْدًا قَائِمًا۔ یا اِنْ مَخْفَفٌ بھی ہو بے عمل بھی ہو، لیکن معنی ظاہر ہو رہا ہو جیسے شاعر کا قول

أَنَا ابْنُ أَبَاةِ الضَّيْمِ مِنْ آلِ مَالِكٍ وَإِنْ مَالِكٌ كَانَتْ كِرَامَ الْمَعَادِينِ
(میں آل مالک میں ظلم سے محبت رکھنے والے کا بیٹا ہوں، اگرچہ یقیناً آل مالک شریف ترین خاندانوں میں سے رہا ہے۔) اس شعر میں وَإِنْ مَالِكٌ كَانَتْ میں اِنْ مَخْفَفٌ بے عمل ہے، لیکن معنی ظاہر ہے۔ اس لیے لام لازماً نہیں جائز ہے۔ (یہ طرمح حکم بن حکیم ابونفر کا شعر ہے)

بَابُ - لَا النَّافِيَةِ لِلْجِنْسِ

وَمِثْلُ اِنْ "لَا" النَّافِيَةِ لِلْجِنْسِ، لَكِنْ عَمَلَهَا خَاصٌّ بِالنَّكَرَاتِ الْمُتَّصِلَةِ بِهَا، نَحْوُ: "لَا صَاحِبَ عِلْمٍ مَمْقُوتٌ" وَلَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا عِنْدِي" وَإِنْ كَانَ اسْمُهَا غَيْرَ مُضَافٍ وَلَا شَبَّهَ بُنِيَ عَلَى الْفَتْحِ فِي نَحْوِ "لَا رَجُلٌ" وَ "لَا رَجَالٌ" وَعَلَيْهِ أَوْ عَلَى الْكُسْرِ فِي نَحْوِ "لَا مُسْلِمَاتٌ" وَعَلَى الْيَاءِ فِي نَحْوِ "لَا رَجُلَيْنِ" وَ "لَا مُسْلِمَيْنِ"۔

ترجمہ:- اور (اسم کو نصب اور خبر کو رفع دینے میں) لاء نفی جنس اِنْ کی طرح ہے لیکن اس (یعنی لاء نفی جنس) کا عمل خاص ہے ایسے نکروں کے ساتھ جو اس سے متصل ہو جیسے "لَا صَاحِبَ عِلْمٍ مَمْقُوتٌ" اور "لَا عِشْرِينَ دِرْهَمًا عِنْدِي" اور اگر اس کا اسم مضاف اور شبہ مضاف نہ ہو تو بنی علی الفتح ہوگا "لَا رَجُلٌ" اور "لَا رَجَالٌ" جیسی مثالوں میں اور "لَا مُسْلِمَاتٌ" جیسی مثال میں بنی علی الفتح یا بنی علی الکسر ہوگا۔ اور "لَا رَجُلَيْنِ" "لَا مُسْلِمَيْنِ" جیسی مثالوں میں یاء پر بنی ہوگا۔

لاء نفی جنس کا بیان:

وَمِثْلُ اِنْ "لَا" النَّافِيَةِ لِلْجِنْسِ۔ اسم کو نصب اور خبر کو رفع دینے میں لاء بھی تین شرائط کے ساتھ اِنْ کی طرح ہے۔

شرائط ثلاثہ: (۱) لاء نفی جنس کے لیے ہو (۲) لاء کا معمول (یعنی اسم و خبر) دونوں نکرہ ہوں (۳) اسم مقدم ہو اور خبر مؤخر ہو۔

شرائط مفقود ہونے کے وقت لاء کا عمل:

اگر پہلی شرط مفقود ہو اس طرح کہ لاء ناہیہ ہو تو اس وقت وہ فعل کے ساتھ خاص ہوگا اور اسے

مجزوم کر دے گا۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا" (غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پارہ ۱۰، سورہ توبہ، آیت ۴۰) اس آیت میں لاء ناہیہ ہے جو فعل پر داخل ہو کر اسے جزم دیا ہے، یا لاء زائدہ ہو تو کچھ عمل نہیں کرے گا، جیسے باری تعالیٰ کا قول "مَا مَنَعَكَ إِلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ" (کس چیز نے تم کو سجدہ کرنے سے روک دیا جب میں نے تمہیں حکم دیا۔ پارہ ۸، سورہ اعراف، آیت ۱۲) اس آیت میں لاء زائدہ ہے جس نے کوئی عمل نہیں کیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی مفہوم کی دوسری آیت "مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيدِي" (پارہ ۲۳، سورہ ص آیت ۶۵) میں بغیر لاء کے آیا ہے۔ جو زائدہ ہونے کی علامت ہے۔

یاء وحدت کی نفی کر رہا ہو تو اس وقت لیس جیسا عمل کرے گا، یعنی اسم کو رفع اور خبر کو نصب دے گا جیسے لَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ، بَلْ رَجُلَانِ۔

اور اگر اخیر کی دونوں شرطیں مفقود ہوں (یعنی لاء کا اسم و خبر دونوں نکرہ ہو یا اسم مقدم اور خبر مؤخر نہ ہو) تو کوئی عمل نہیں کرے گا۔ اور لاء کو مکرر لانا لازم ہوگا۔ اول کی مثال "لَا زَيْدٌ فِي الدَّارِ وَلَا عَمْرُو" اس مثال میں لاء کا اسم و خبر دونوں معرفہ ہیں۔ اس وجہ سے لاء کو بے عمل رکھتے ہوئے مکرر ذکر کیا گیا ہے۔ دوم کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزِفُونَ" نہ اس سے در دسر ہوگا اور نہ اس کے پینے سے بہکیں گے۔ پارہ ۲۳، سورہ طقت آیت ۴۷) اس آیت میں لاء نفی جنس کی خبر فیہا مقدم ہے۔ اس لیے لاء بے عمل ہے اور مکرر ہے۔

لاء کی شرائط ثلاثہ کی موجودگی میں اسم کی حالت:

وَأِنْ كَانَ اسْمُهَا غَيْرَ مُضَافٍ إِلَيْهِ: اور اگر لاء کی تینوں شرطیں پائی جائیں تو اس کا اسم تین حال سے خالی نہیں ہوگا۔ یا تو مضاف ہوگا یا شبہ مضاف ہوگا، یا مفرد ہوگا۔

شبہ مضاف سے مراد:

وہ ہے کہ جو بلا کسی دوسرے کلمہ کے تام نہ ہو جس طرح مضاف بغیر مضاف الیہ کے نام سے نہیں ہوتا۔ جیسے طَالِعًا حَبَلًا۔

اگر اسم مضاف یا شبہ مضاف ہو تو اس میں نصب ظاہر ہوگا۔ مضاف کی مثال جیسے لَا صَاحِبَ عِلْمٍ مَمْقُوتٌ۔ (صاحب عالم ناپسند نہیں ہوتا) اور "لَا صَاحِبَ جُودٍ مَذْمُومٌ" (فیاض قابل مذمت نہیں) ان دونوں مثالوں میں لفظ صَاحِبَ لاء کا اسم ہے جو علم کی طرف مضاف ہے اس لیے اس پر نصب ظاہر ہوا ہے۔ مثلاً مضاف کی مثال مضاف سے معنوی مشابہت ہوگی لفظاً ترکیب اضافی نہ ہوگی۔

چاہے وہ دوسرا لفظ لاء کے اسم (جو صیغہ صفت ہوگا) کی وجہ سے مرفوع ہو جیسے "لَا قَبِيحًا فِعْلُهُ مَمْدُوحٌ" یا منصوب ہو جیسے "لَا طَالِعًا جَبَلًا حَاضِرٌ" یا مجرور ہو کسی ایسے حرف جر کا جولاء کے اسم سے متعلق ہو جیسے "لَا خَيْرًا مِنْ زَيْدٍ عِنْدَنَا"

اور اگر لاء نفی جنس کا اسم مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو معرب ہونے کی صورت میں جو حالت نصی ہوگی اسی پر مبنی ہوگا۔ پس اگر مفرد ہو یا جمع مکسر ہو تو فتح پر جیسے "لَا رَجُلٌ" "لَا رَجَالٌ" اور اگر تشبیہ یا جمع مذکر سالم ہو تو یاء پر مبنی ہوگا۔ جیسا کہ یاء کے ساتھ نصب دیا جاتا ہے۔ مثلاً لَا رَجُلَيْنِ اور لَا مُسْلِمَيْنِ عندي۔

اور اگر جمع مؤنث سالم ہو تو کسرہ پر مبنی ہوگا۔ اور کبھی فتح پر مبنی ہوگا جیسے لَا مُسْلِمَاتٍ فِي الدَّارِ کو بالفتح لَا مُسْلِمَاتٍ پڑھنا بھی درست ہے۔ شاعر کے اس شعر میں دونوں طرح کی روایتیں منقول ہیں۔ شاعر کا قول۔

لَا سَابِغَاتٍ وَلَا جَاءَ وَاءٌ بِاسِلَةً تَقَى الْمَنُونِ لَدَى اسْتِيفَاءِ آجَالِ
(کوئی آسودگی نہیں ہے اور شیرنی کو کوئی غم بھی نہیں ہے۔ موت کی حاضری کے وقت مکڑی بچا لیتی ہے)
اس شعر میں "لَا سَابِغَاتٍ" کو مبنی علی الکسر کے ساتھ ساتھ کبھی مبنی علی الفتح بھی پڑھتے ہیں۔

وَلَاكَ فِي نَحْوِ: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ": فَتَحُ الْأَوَّلِ، وَفِي الثَّانِي: الْفَتْحُ،
وَالنَّصْبُ، وَالرَّفْعُ، كَالصِّفَةِ فِي نَحْوِ "لَا رَجُلٌ ظَرِيفٌ" وَرَفْعُهُ
فَيَمْتَنِعُ النَّصْبُ، وَإِنْ لَمْ تَتَكَرَّرْ "لَا" أَوْ فُصِّلَتِ الصِّفَةُ، أَوْ كَانَتْ
غَيْرَ مُفْرَدَةٍ، اِمْتَنَعَ الْفَتْحُ۔

ترجمہ:- اور تیرے لیے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ" جیسی مثال میں اول کو فتح اور دوسرے میں فتح، نصب اور رفع صفت کی طرح پڑھنے کا اختیار ہے، جیسے "لَا رَجُلٌ ظَرِيفٌ" جیسی مثال میں اور اس (یعنی اول) کو رفع پڑھنے کی صورت میں دوسرے کو نصب پڑھنا ناجائز ہوگا۔ اور اگر "لَا" مکرر نہ لایا جائے، یا صفت کے درمیان فصل کر دیا جائے، یا غیر مفرد ہو تو فتح ناجائز ہوگا۔

لاء نفی جنس مکرر لانے کا بیان:

لاء نفی جنس کا اسم ہمیشہ نکرہ ہی ہوتا ہے، لاء کی خبر مقدم ہو یا اسم نکرہ نہ ہو تو لاء نافیہ ہوگا اور مکرر آئے گا۔ ان دونوں مقامات کی روشنی میں اگر لاء دو اسماء نکرہ پر مکرر آجائے تو ان نکرہ اسماء کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں لاء نافیہ مان کر، چوں کہ یہی نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔ جیسے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ"

لَا حَوْلَ وَقُوَّةَ لیکن دوسرے اسم میں فتح پڑھنا جائز نہیں، جیسے شاعر کا قول ۔
 "فَلَا أَبَ وَأَبْنَا مِثْلَ مَرْوَانَ وَأَبْنِهِ" (کوئی باپ اور بیٹا مروان اور اس کے بیٹے کی طرح نہیں)
 اس شعر میں "فَلَا أَبَ وَأَبْنَا" محل استشہاد ہے۔ اس طرح سے کہ دو اسماء نکرہ پر ایک ہی لاء داخل ہے پہلا اسم مفتوح ہے لاء نفی جنس کی وجہ سے، اور دوسرا اسم منصوب ہے پہلے اسم کے محل پر عطف کرتے ہوئے۔ اس دوسرے اسم کو مرفوع بھی پڑھنا جائز ہے لاء اور اس کے اسم کے محل ابتداء پر عطف کرتے ہوئے جیسے فَلَا أَبَ وَأَبْنٌ۔ (یہ شعر بنو عبد مناة بن کنانہ کا ہے)

اگر لاء اسم مفرد ہو تو اس کی صفت مفرد لائی جائے:

أَوْ فَصِلَتِ الصِّفَةُ الْخ: اگر لاء کا اسم مفرد ہو اور اس کی صفت مفرد لائی جائے اور ان دونوں کے درمیان کوئی فاصل نہ ہو مثلاً "لَارَجُلٌ ظَرِيفٌ فِي الدَّارِ" تو صفت کو مرفوع، مفتوح اور منصوب تینوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ لاء اور اس کے اسم کے محل کا اعتبار کرتے ہوئے رفع جائز ہے، چوں کہ وہ محلاً مرفوع ہے ابتداء کی وجہ سے جیسے لَارَجُلٌ ظَرِيفٌ فِي الدَّارِ، اور لاء کا اسم محلاً منصوب ہوتا ہے اس کا اعتبار کرتے ہوئے نصب پڑھنا جائز ہے جیسے لَارَجُلٌ ظَرِيفًا فِي الدَّارِ۔ اور فتح پڑھنا جائز ہے موصوف اور صفت کو مرکب بناء بنا کر جیسے خَمْسَةَ عَشَرَ دُونوں پر ایک ہی اعراب آتا ہے، یہاں دونوں مل کر لاء کا اسم ہونے کی وجہ سے مفتوح ہوگا جیسے لَارَجُلٌ أَحَدَ عَشَرَ فِي الدَّارِ۔

اگر لاء کے اسم اور اس کی صفت کے درمیان فاصل آئے یا صفت خود مرکب ہو تو پھر فتح نہیں پڑھ سکتے۔ باقی رفع و نصب دو صورتیں جائز ہوں گی۔ اول کی مثال جیسے: لَارَجُلٌ فِي الدَّارِ ظَرِيفٌ وَظَرِيفًا دوم کی مثال جیسے لَارَجُلٌ طَالِعًا جَبَلًا، وَطَالِعٌ جَبَلًا۔

باب: ظنّ و اخواتهما

الْثَّالِثُ: ظَنْ، وَرَأَى، وَحَسِبَ، وَدَرَى، وَخَالَ، وَزَعَمَ، وَوَجَدَ، وَعَلِمَ، أَلْقَبِيَّاتٌ، فَتَنْصِبُهُمَا مَفْعُولَيْنِ، نَحْوُ: رَأَيْتُ اللَّهَ أَكْبَرَ كُلِّ شَيْءٍ وَيُلَفِّغِينَ بِرُجْحَانٍ إِنْ تَأَخَّرْنَ، نَحْوُ: "الْقَوْمُ فِي أَثَرِي ظَنَنْتُ" وَبِمُسَاوَاةٍ إِنْ تَوَسَّطْنَ، نَحْوُ: "وَفِي الْأَرَاغِيزِ خِلْتُ اللَّوْمَ وَالْخَوْرَ" وَإِنْ وَلِيَهُنَّ "مَا" أَوْ "لَا" أَوْ "إِنْ" النَّافِيَّاتُ، أَوْ لَامُ الْإِبْتِدَاءِ، أَوْ الْقَسَمُ، أَوْ الْإِسْتِفْهَامُ. بَطَلَ عَمَلُهُنَّ فِي اللَّفْظِ وَجُوبًا، وَسُمِّيَ ذَلِكَ تَغْلِيْقًا، نَحْوُ "لِنَعْلَمَ أَيُّ الْجَرَبَيْنِ أَحْضَى"

ترجمہ:- نواسخ کی تیسری قسم (جو مبتداء و خبر کو ایک ساتھ نصب دے) وہ ظَنُّ، رَأَى، حَسِبَ، دَرَى، خَالَ، زَعَمَ، وَجَدَ اور عَلِمَ افعالِ قلوب ہیں۔ یہ ان دونوں (یعنی مبتداء و خبر) کو مفعول ہونے کی حیثیت سے نصب دیتے ہیں۔ جیسے ”رَأَيْتُ اللَّهَ أَكْبَرَ كُلِّ شَيْءٍ“ (میں نے اللہ کو ہر چیز سے بڑا پایا) اگر یہ سب مؤخر ہوں تو راسخ قول کے مطابق ان کا عمل باطل قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے ”الْقَوْمُ فِي أَثَرِي ظَنَنْتُ“ (قوم کو میں نے اپنے کچھ گمان کیا) اور اگر یہ درمیان میں آجائیں تو عمل دلاتا اور نہ دلاتا سب برابر رہتا ہے جیسے ”وَفِي الْأَرَا جِئِزٍ خِلْتُ اللَّوْمُ وَالْخَوْرُ“ (جب کہ قصائد میں بھی میں نے ملامت و تذلیل ہی کا خیال کیا ہے) اور اگر ان افعال سے مانافہ، یا لا مانافہ یا ان مانافہ، یا لام ابتداء، یا لام قسم، یا استفہام وغیرہ متصل ہوں تو ان افعال کا عمل لفظاً باطل ہو جاتا ہے و جو بی طور پر لیکن محلاً باقی رہتا ہے۔ اور اسے تعلیق کہا جاتا ہے جیسے ”لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحَرْبَيْنِ أَحْصَى“۔ (تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہ میں سے کس نے زیادہ یاد کر رکھا ہے۔)

افعال قلوب کا بیان:

نواسخ کی تیسری قسم جو مبتداء و خبر کو ایک ساتھ نصب دے وہ افعالِ قلوب ہیں۔

افعال قلوب کی تعریف:

افعال قلوب سے مراد وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل سے ہو، اعضاء و جوارح یعنی ہاتھ پیر وغیرہ سے نہیں۔

افعال قلوب کا حکم:

یہ افعال مبتداء و خبر پر داخل ہو کر دونوں کو اپنا مفعول بنا کر منصوب کر دیتے ہیں دو شرطوں کے ساتھ۔ اول یہ ہے کہ یہ افعال مبتداء و خبر سے پہلے ہو۔ درمیان یا آخر میں نہ ہو۔ دوم یہ کہ ان کے درمیان اور مبتداء و خبر کے درمیان کوئی ایسا کلمہ فاصل نہ ہو جو صدارت کلام چاہتا ہے۔

افعال قلوب مع مثالوں کے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ظَنُّ:- جیسے باری تعالیٰ کا قول ”وَإِنِّي لَا ظَنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا“ (اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً برباد و ہلاک کیا گیا ہے۔ پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱۰۲) اس آیت میں ظَنُّ فعلِ قلب ہے جس نے ك ضمیر مفعول اور مَثْبُورًا کو نصب دیا ہے۔

(۲) رَأَى:- جیسے باری تعالیٰ کا قول ”إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا وَنَرَاهُ قَرِيبًا“ (بے شک یہ

اس (عذاب) کو دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔ پارہ ۲۹، سورہ معارج آیت ۶، ۷) اس آیت میں رَآی نے ہا ضمیر اور بَعِيدًا کو نصب دیا ہے۔

شاعر کا قول: رَأَيْتُ اللَّهَ أَكْبَرَ كُلِّ شَيْءٍ ————— مُحَاوَلَةٌ، وَ أَكْثَرَهُمْ جُنُودًا (میں نے اللہ کو ہر چیز سے بڑا پایا سلطنت کے اعتبار سے اور لشکروں کی کثرت کے اعتبار سے) اس شعر میں محل استشہاد رَأَيْتُ اللَّهَ أَكْبَرَ ہے۔ رَآی نے اللہ اور اکبر دونوں کو منصوب کیا ہے۔ یہ خداش بن زہیر کا کلام ہے جو قبیلہ بنو بکر بن ہوازن کا فرد ہے۔

جملہ معترضہ کے طور پر طالبعلمانہ سوالات اور ان کے جوابات:

❶ افعال قلوب کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے، حالاں کہ رَأَيْتُ (بمعنی دیکھنا) کا تعلق تو آنکھ سے ہے؟
❷ رَأَيْتُ (فعل قلب) سے مراد یہاں دل سے دیکھنا ہے، یعنی سوچنا سمجھنا، نہ کہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا۔

❸ رَأَيْتُ زَيْدًا۔ افعال قلوب دو مفعولوں کا تقاضہ کرتا ہے، حالاں کہ یہاں فقط ایک ہی مفعول ہے؟
❹ کبھی بعض افعال قلوب دوسرے فعل کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے رَأَيْتُ بمعنی أَبْصَرْتُ، ظَنَنْتُ بمعنی اتَّهَمْتُ، عَلِمْتُ بمعنی عَرَفْتُ، وَجَدْتُ بمعنی أَصَبْتُ ہیں۔
دریں صورت ان افعال کے لیے صرف ایک مفعول ہو گا نہ کہ دو۔

(۳) حَسِبَ: — جیسے باری تعالیٰ کا قول ”لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم“ (تم اپنے لیے بُرا نہ سمجھو۔ پارہ ۱۸، سورہ نور آیت ۱۱) اس آیت میں ہا ضمیر اور شَرًّا دونوں کو حَسِبَ سے نصب ملا ہے۔
(۴) دَرَى: — جیسے شاعر کا قول:

”دُرَيْتَ الْوَفَى الْعَهْدُ يَاعُرُو فَاغْتَبَط ————— فَإِنَّ اغْتِبَاطًا بِالْوَفَاءِ حَمِيدٌ“
(اے عروہ تجھے وفاء عہد کرنے والا سمجھا گیا ہے اس پر تو رشک کر۔ اس لیے کہ وفاء پر رشک کرنا پسندیدہ ہے) اس شعر میں دُرَيْتَ الْوَفَى محل استشہاد ہے۔ ت ضمیر اور الْوَفَى دونوں کو دَرَى نے نصب دیا ہے۔

(۵) خَالَ: — جیسے شاعر کا قول ”يَخَالُ بِهِ رَاعِي الْحُمُولَةِ طَائِرًا“ (بار برداری کے جانوروں کے چرواہے پر پرندہ ہونے کا وہم ہوتا ہے۔) اس شعر میں رَاعِي اور طَائِرًا دونوں منصوب ہیں خَالَ سے۔ پورا شعر اس طرح ہے۔

وَحَلَّتْ بِيُوتِي فِي يَفَاعٍ مُنْعٍ ————— يَخَالُ بِهِ رَاعِي الْحُمُولَةِ طَائِرًا۔

یہ نابغہ زیبائی کا شعر ہے۔

(۶) زَعَمَ: جیسے شاعر کا قول

زَعَمْتَنِي شَيْخًا، وَلَسْتُ بِشَيْخٍ — إِنَّمَا الشَّيْخُ مَنْ يَدُبُّ دَبِيبًا۔

(اس نے مجھے بوڑھا سمجھا جب کہ میں بوڑھا نہیں ہوں۔ بوڑھا تو وہ ہوتا ہے جو گھسٹ کر چلتا ہے۔) یہ ابولمیتہ حنفی کا شعر ہے، اس کا نام اوس بتلایا جاتا ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد زَعَمْتَنِي شَيْخًا ہے، زَعَمَ نے نَبِیٰ ضمیر اور شَيْخًا کو نصب دیا ہے۔

(۷) وَجَدَ: جسے باری تعالیٰ کا قول "تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا"

(اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے۔ پارہ ۲۹، سورۃ مزمل آیت ۲۰) اس آیت میں تَجِدُوا نے ضمیر اور هُوَ خَيْرًا پورے جملہ کو اپنا مفعول بنایا ہے۔

(۸) عَلِمَ: جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ" (اگر تم ان عورتوں کو

مومنہ سمجھو۔ پارہ ۲۸، سورۃ ممتحنہ، آیت ۱۰) اس آیت میں هُنَّ اور مُؤْمِنَاتٍ دونوں عَلِمَ کے مفعول ہیں۔

افعال قلوب کے عمل میں کبھی الغاء اور کبھی جواز؟

وَيُلَفِّغْنَ بِرُجْحَانٍ إِنْ تَأَخَّرْنَ الْخِشَانُ لَطَنَ پائے جانے کی صورت میں افعال قلوب کے عمل

میں کبھی الغاء ہوتا ہے اور کبھی تعلیق۔ الغاء سے مراد۔ عمل کے لفظاً و محلاً باطل کر دینے کو الغاء کہا جاتا ہے۔

اگر پہلی شرط نہ پائی جائے یعنی افعال قلوب اپنے دونوں مفعولوں کے درمیان میں آجائیں یا

دونوں کے آخر میں آجائیں تو عمل ملغی ہو جاتا ہے۔ درمیان میں آنے کی شکل میں عمل دینا نہ دینا برابر

رہتا ہے، لیکن عمل دلانا بہتر ہے بمقابلہ ابطال عمل کے۔ جیسے "زَيْدًا ظَنَنْتُ عَالِمًا" عمل دلانے کی

صورت میں، اور "زَيْدٌ ظَنَنْتُ عَالِمًا" عمل نہ دلانے کی صورت میں پڑھا جائے گا۔

شاعر نے بھی اپنے شعر میں اسی طرح استعمال کیا ہے

أَبَا لَرَّاجِيزٍ يَأْبَنُ اللَّؤْمُ تُوْعِدُنِي وَفِي الْأَرَّاجِيزِ خِلْتُ اللَّؤْمُ وَالْخَوْرُ

(کیا قصائد سے تو مجھے وعدہ دلاتا ہے اے کمینے کی اولاد۔ جب کہ قصائد میں بھی میں نے

ملامت و تذلیل ہی کا خیال کیا ہے۔) یہ منازل بن ربیعہ منقری کا شعر ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد "وَفِي الْأَرَّاجِيزِ خِلْتُ اللَّؤْمُ وَالْخَوْرُ" ہے لؤْم اور خَوْرُ

مبتداء مؤخر اور فِي الْأَرَّاجِيزِ موضع رفع میں خبر مقدم اور خِلْتُ فعل دونوں مفعولوں کے درمیان میں

واقع ہے۔ دونوں مفعولوں کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے دونوں صورتیں جائز ہیں، لیکن عمل دلانا

بہتر ہے، بمقابلہ ابطال عمل کے۔ اور مؤخر ہونے کی صورت میں ترک عمل بہتر ہے اور بالافتاق یہی رائج قول ہے۔ جیسے "زَيْدٌ عَالِمٌ ظَنَنْتُ" اور عمل دلانا بھی جائز ہے جیسے "زَيْدًا عَالِمًا ظَنَنْتُ" اور شاعر نے اپنے شعر میں عمل نہ دلانے کو بہتر قرار دیا ہے جیسے شاعر کا قول

الْقَوْمُ فِي أَثَرِي ظَنَنْتُ، فَإِنْ يَكُنْ مَا قَدْ ظَنَنْتُ فَقَدْ ظَفِرْتُ وَخَالُوا

(قوم کو میں نے اپنے پیچھے گمان کیا۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو میں کامیاب ہو جاتا اور وہ ناکام ہوتے۔)

اس شعر میں الْقَوْمُ فِي أَثَرِي ظَنَنْتُ محل استشہاد ہے۔ الْقَوْمُ مبتداء، اور فِي أَثَرِي موضع رفع میں ہونے کی وجہ سے اس کی خبر۔ اور ظَنَنْتُ فعل قلب۔ ان دونوں سے مؤخر۔ اس لیے عمل نہیں دلایا گیا۔ اور یہی رائج قول ہے۔ ہاں اگر دونوں شرائط موجود ہوں تو عمل دینا لازم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی کوئیوں کا اختلاف ہے۔

افعال قلوب کے عمل میں تعلیق:

وَإِنْ وَلِيَهُنَّ "مَا" أَوْ "لَا" الْخ تعلیق سے مراد افعال قلوب کے عمل کو لفظاً باطل کر دینا اور محلاً باقی رکھنا تعلیق کہلاتا ہے۔ تعلیق کی صورت اس وقت پیدا ہوگی جب کہ فعل قلوب اور اس کے معمول کے درمیان کوئی ایسا کلمہ ہو جو صدارت کلام چاہتا ہے، مثلاً مانافیه، لاء مانافیه، لام ابتداء، لام قسم، استفہام وغیرہ۔ تو ان افعال کا عمل لفظاً باطل کر دیا جاتا ہے محلاً باقی رہتا ہے۔ گویا اس وقت ایک اعتبار سے یہ افعال عامل ہوتے ہیں اور ایک اعتبار سے نہیں۔

وہ کلمات جو صدارت کلام چاہتے ہیں:

وہ کلمات جو صدارت کلام چاہتے ہیں ان میں سے ایک مانافیه ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ" (یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ بولنے چالنے والا نہیں۔ پارہ ۱، سورہ انبیاء، آیت ۵۶) اس آیت میں هَؤُلَاءِ مبتداء اور يَنْطِقُونَ فعل بافاعل اس کی خبر ہے اور یہ دونوں عَلِمْتَ فعل کا نہ تو مفعول اول ہے نہ مفعول ثانی، کیوں کہ فعل اور اس کے معمول کے درمیان مانافیه موجود ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ ہاں محلاً عمل باقی ہے۔

اور تیرا قول "عَلِمْتُ مَا زَيْدٌ قَائِمٌ" تو اس مثال میں بھی عامل اور معمول کے درمیان مانافیه آیا ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے، لہذا لفظاً تو فعل قلب کا عمل باطل ہوا لیکن محلاً باقی ہے۔

دوسرا کلمہ لا نافیہ ہے، جیسے تیرا قول "لَا زَيْدٌ قَائِمٌ وَلَا عَمْرُو" میں فعل اور معمول کے درمیان لا نافیہ ہے، جو صدارت کلام چاہتا ہے، اس لیے لفظاً عمل باطل ہے۔

تیسرا کلمہ اِنْ نافیہ ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَتَتَّظُنُّونَ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيلًا" (اور تم گمان کرو گے کہ تمہارا رہنا بہت ہی تھوڑا ہے۔ پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۵۲) اس آیت میں اِنْ نافیہ ما نافیہ کے معنی میں ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔

چوتھا کلمہ لاء ابتداء ہے، جیسے تیرا قول "عَلِمْتُ لَزِيْدًا قَائِمًا" میں فعل قلب اور معمول کے درمیان لام ابتداء حائل ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول "وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِي الْاٰخِرَةِ وَنُ خَلَقَ" (اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ پارہ ۱، سورہ بقرہ، آیت ۱۰۲) اس آیت کریمہ میں فعل قلب عَلِمُوا اور اس کے معمول لَمَنِ اشْتَرَاهُ کے مابین لام ابتداء ہے جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتا ہے۔

پانچواں کلمہ لام قسم ہے: جیسے شاعر کا قول

وَلَقَدْ عَلِمْتُ لَتَأْتِيَنَّ مَنِيَّتِي اِنَّ الْمَنَآيَا لَا تَحِيْشُ سِهَامَهَا

(اور بالتحقیق میں نے جان لیا کہ ضرور بالضرور مجھے موت آئے گی۔ کیوں کہ موت کا تیر خطا نہیں کرتا۔) یہ لبید بن ربیعہ عامری کا شعر ہے۔

اس شعر میں فعل عَلِمْتُ اور اس کے معمول لَتَأْتِيَنَّ مَنِيَّتِي کے درمیان لام قسم ہے جو صدارت کلام کا متقاضی ہے۔ یہ بات دھیان رہے کہ لام قسم لام تاکید کی طرح ہوتا ہے خبر کو مؤکد کرنے کے لیے آتا ہے۔ اور قسم کا معنی نہ کرنے ضرور بالضرور کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔

چھٹا کلمہ حرف استفہام ہے۔ جیسے تیرا قول "عَلِمْتُ اَزِيْدًا قَائِمًا" میں ہمزہ حرف استفہام ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ اسی طرح جب جملہ میں اسم استفہام ہو خواہ وہ اسم استفہام جملہ کے دونوں جزو میں کا ایک ہو، یا زائد ہو۔ اول کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَتَعْلَمُنَّ اَيْنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰی" (اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔ پارہ ۱۶، سورہ طہ آیت ۱۷) اس آیت کریمہ میں اَيُّ جملہ میں اسم استفہام ہے، جو فعل قلب اور اس کے معمول کے درمیان ہے۔

ثانی کی مثال: "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيُّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ" (وہ ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔ پارہ ۱۹، سورہ شعریٰ، آیت ۲۲) اس آیت میں اَيُّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ، علی المصدر یہ سے منصوب ہے اصل عبارت اس طرح ہے "يَنْقَلِبُوْنَ اَيُّ اِنْقِلَابٍ اور يَعْلَمُ اس جملہ سے متعلق ہے جس میں اسم استفہام ہے اور وہ اَيُّ ہے۔ اور بسا اوقات بعض طلبہ کو اس بات کا وہم

ہوتا ہے کہ آئی یَعْلَمُ سے منصوب ہے یہ غلط ہے، اس لیے کہ استفہام صدر کلام کو چاہتا ہے، تو پھر اس میں اس کا ماقبل کچھ بھی عمل نہیں کر سکتا۔

ماحصل یہ نکلا کہ مذکورہ بالا تمام کلمات صدارت کلام کو چاہتے ہیں، لہذا ان کلمات کے وسط میں آنے کی وجہ سے افعال قلوب کا عمل لفظاً باطل ہوگا لیکن محلاً باقی رہے گا۔ اور اس اہمال عمل کا نام تعلیق رکھا جاتا ہے گویا اس وقت ایک اعتبار سے یہ افعال عامل ہوتے ہیں اور ایک اعتبار سے نہیں۔ جیسے آپ کا قول "عَلِمْتُ مَا زَيْدٌ قَائِمٌ" میں فعل محلاً عامل ہے اور لفظاً عامل نہیں ہے، لہذا اسے عامل لا عامل بھی کہا جاتا ہے۔

تعلیق کی وجہ تسمیہ؟

وَسُمِّيَ ذَٰلِكَ تَعْلِيقًا لِخِ تَعْلِيقُ كَوْتَعْلِيقِ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تشبہ ہے اس معلقہ عورت کے ساتھ جو نہ مطلقہ ہو نہ مزوجہ ہو، جس عورت کی زندگی اس کے شوہر نے برباد کر رکھی ہو، نہ طلاق دے اور نہ حقوق ادا کرے اسے معلقہ کہا جاتا ہے۔ یہی حال اس عامل کا ہوتا ہے کہ نہ پوری طرح بے عمل رہتا ہے اور نہ کمال کے ساتھ عمل کر پاتا ہے۔

اور محلاً باقی رہنے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد کا اسم منصوب ہو اور محلی جملہ پر نصب کے ساتھ عطف کرنا جائز ہو۔ جیسے شاعر کثیر نے اپنے اس شعر میں عطف کیا ہے۔

وَمَا كُنْتُ أَدْرِى قَبْلَ عَزَّةَ مَالِبُكِي وَلَا مُوجَعَاتِ الْقَلْبِ حَتَّى تَوَلَّيْتُ

(میں نہیں جانتا تھا عزة کی محبت سے پہلے کہ رونا کیا ہوتا ہے۔ اور نہ ہی دلوں کو تکلیف دینے والی چیزوں کو یہاں تک کہ تو (محبوبہ) نے رُخ پھیر لیا) یہ کثیر بن عبد الرحمن کا کلام ہے۔

اس شعر میں "مُوجَعَاتِ" بالتصّب کو محل "مَالِبُكِي" پر عطف کیا گیا ہے جس میں لفظ "أَدْرِى" کا عمل محلاً باقی ہے اور لفظاً باطل کر دیا گیا ہے، گویا عمل کو معلق کر دیا گیا ہے۔

تَمَّ هَذَا الْكِتَابُ بِفَضْلِهِ تَعَالَى شَانَهُ

محمد عالمگیر دانش قاسمی ابن محمد شفیق الرحمن

مقام دھنکول، پوسٹ ہر پورا، وایا پاجھی

ضلع سیٹامڑھی، بہار۔ ۸۴۳۳۱۴

کچھ ضروری اصطلاحات

نوٹ:- صاحب قطر الندی علیہ الرحمۃ نے اختصار کی بناء پر جن ضروری اصطلاحات کا ذکر نہیں کیا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ انھیں نوٹ کر دوں، تاکہ طلبہ عزیز کیلئے آسانی ہو جائے۔ (محمد عالمگیر دانش تاسی) صنعت براعینہ استہلال: براعت استہلال اس کو کہتے ہیں کہ خطبہ کے اندر ایسے الفاظ ذکر کیے جائیں جس سے مقصود کی طرف اشارہ ہو جائے۔

مصدر کا حمل ذات پر: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مبتداء ذات ہوتی ہے اور خبر مصدر تو حمل درست نہیں ہوگا، لہذا مصدر کو مشتق کی تاویل میں کر کے حمل کرتے ہیں اور کبھی بلا تاویل مبالغہ بھی حمل کر دیتے ہیں، جیسے زَيْدٌ عَدْلٌ۔ (شرح تہذیب)

تسمیۃ الكل باسم الجز: ایک چیز متعدد اجزاء سے مرکب ہو، مگر اس کا نام کسی ایک جز کے ساتھ رکھ دیا جائے تو اس کو تسمیۃ الكل باسم الجز کہتے ہیں جیسے چائے چند چیزوں سے مل کر بنتی ہے، پانی، چینی، دودھ، چائے کی پتی، مگر صرف اس کو ایک جز کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں یعنی چائے کے ساتھ۔

مقسم، تقسیم، اقسام، تقسیم: مقسم جس کی قسمیں ہوں اور اقسام مقسم کی قسموں کو کہتے ہیں اور مقسم کی قسمیں ہونے کو تقسیم کہتے ہیں اور قسمیں باہم ایک دوسرے کی قسم ہوتی ہیں جیسے کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل حرف، لہذا کلمہ مقسم ہے اور اسم فعل حرف اقسام ہیں اور اسم، فعل، حرف آپس میں ایک دوسرے کے قسم ہیں اور دو قسم آپس میں جمع نہیں ہو سکتے، مثلاً ایک کلمہ اسم بھی ہو اور حرف بھی ہو، نہیں ہو سکتا۔ اور کلمہ کی تین قسمیں ہونا تقسیم ہے۔

ترجیح بلا مرجح: ترجیح دینے والے قرینہ کے بغیر کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر ترجیح و فضیلت دے دینا۔ جیسے زید کو عمر پر بلا کسی وجہ اور دلیل کے ترجیح دے دینا۔

للاکثر حکم الكل: اکثر کے لیے کل کا حکم ہے مثلاً تنوین کی پانچ قسمیں ہیں جن میں سے چار اسم کے ساتھ خاص ہیں اور ایک یعنی تنوین ترنم عام ہے اسم ہی کے ساتھ خاص نہیں، حالاں کہ کتابوں میں مطلقاً تنوین کو اسم کا خاصہ کہا ہے تو وہاں اسی قاعدہ کی رو سے اکثر کو کل کا حکم دے دیا گیا ہے۔

محذوف و مقدر میں فرق: محذوف لفظ اور نیت دونوں سے ساقط ہوتا ہے اور مقدر صرف لفظوں سے ساقط ہوتا ہے، نیت میں برقرار رہتا ہے۔

اذافات الشرط فان الشرط: جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت

ہو جاتا ہے جیسے نقض وضو سے سقوط صلوٰۃ۔

لغت و نشر: لغت کے اندر لف کے معنی لپیٹنے اور نشر کے معنی پھیلانے کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ پہلے کئی چیزیں ذکر کی جائیں یہ لغت ہے پھر ان میں سے ہر ایک کے مناسبات اور تعلق بیان کیے جائیں یہ نشر ہے۔

لغت و نشر کی دو قسمیں ہیں: (۱) لغت و نشر مرتب، (۲) لغت و نشر غیر مرتب۔

لغت و نشر مرتب یہ ہے کہ جس ترتیب سے لغت یعنی اجمال ہو اسی ترتیب سے نشر یعنی تفصیل بھی ہو
یَسَّ وَ مِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ لِتُبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ، لَیْل کے مناسب لِتَسْكُنُوا ہے اور نَهَار کے مناسب لِتُبْتَغُوا ہے۔

لغت و نشر غیر مرتب یہ ہے کہ جس ترتیب سے لغت ہو اس ترتیب سے نشر نہ ہو۔

تقدیم ماحقہ التاخیر یفید الحصر والتخصیص:

جس کلمہ کا حق مؤخر کرنے کا تھا اس کو مقدم کرنے سے حصر اور تخصیص پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے
إِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اسی طرح وَ إِلَى رَبِّكَ فَأَرْغَبُ اپنے رب سے لو لگائیے،
لیکن کلمہ کی تقدیم ہر جگہ برائے حصر ہی نہ ہوگی۔ کبھی کبھار کسی دوسرے فائدہ کے پیش نظر بھی تقدیم کی جائے گی۔ مثلاً فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ آپ یتیم پر غصہ نہ ہوں۔ یہاں الْيَتِيمَ کو اس لیے مقدم کیا کہ اہل عرب فا، کے اتصال کو حرف شرط کے ساتھ پسند نہیں کرتے، نہ کہ حصر کی غرض سے۔

مثال و نظیر میں فرق: مثال مثل لہ کی جزئی ہوتی ہے جیسے قاعدہ ہے کُلُّ فَاعِلٍ مَرْفُوعٌ اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے مثال دی جائے جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ میں زید فاعل ہے اور مرفوع ہے اور اگر اس قاعدہ کی وضاحت اس طرح کی جائے کہ ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے جیسے زَيْدٌ عَالَمٌ میں زید مرفوع ہے تو اس کو نظیر کہیں گے نہ کہ مثال۔

جزم اور سکون میں فرق: جزم تو جازم کا اثر ہے اور حروف جازمہ فعل پر داخل ہوتے ہیں، اس لیے جزم فعل کے ساتھ خاص ہے، اور سکون نام ہے عدم حرکت کا اور یہ (سکون) اسم و فعل و حرف تینوں کے اندر پایا جاتا ہے۔ جیسے كَمْ، قُمْ، هَلْ۔ (الفوائد الصمدیہ)

مصدر اور اسم مصدر میں فرق: مصدر وہ اسم ہے جس سے افعال و اسماء مشتق ہوں اور اردو میں اس کا ترجمہ کرتے ہوئے نا آئے اور اسم مصدر سے فعل وغیرہ مشتق نہیں ہوتے اور وہ مصدر کے معنی میں ہوتا ہے جیسے سواہ اسم مصدر ہے بمعنی استواء اسی طرح غَسَلَ بمعنی اغتسال۔

اَيْضًا کی تحقیق: آض یئِض کا مصدر ہے کبھی بمعنی رَجَعَ ہوتا ہے اور اس وقت تامہ ہوگا۔ جیسے آض الّا جِئِرُ اِلٰی بَيْتِهِ (مزدور اپنے گھر لوٹ آیا) اور کبھی بمعنی صَارَ، اور اس وقت یہ ناقصہ ہوگا۔ جیسے آض التَّلَجُ مَاءً (برف پانی بن گیا)

اَيْضًا کی ترکیب: اَيْضًا عموماً آض فعل مقدر کا مفعول مطلق بنتا ہے۔ تقدیرہ آض اَيْضًا اَيَّ رَجَعَ رُجوعاً۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اَيْضًا، آض کی ضمیر مستتر سے حال بمعنی "اَيْضًا لِأَنَّ الْمَصْدَرَ لَا يَكُونُ حَالًا فِي الْمَشْهُورِ" (المعجم المفصل ص ۱۰۲، ج ۳، الفوائد العجیہ ص ۴)

اَيْضًا کا استعمال: اَيْضًا کا استعمال ایسی دو چیزوں میں ہوگا جن میں نہ نسبت بتاؤں ہو اور نہ نسبت تلازم، بلکہ نسبت توافق ہو، یعنی دو چیزوں کے درمیان ایک اتفاقی تعلق ہو، لہذا جَاءَ نِي زَيْدٌ اَيْضًا کہنا درست نہیں، کیوں کہ امر واحد ہے، اور طَلَعَ الشَّمْسُ وَوُجِدَ النَّهَارُ اَيْضًا کہنا بھی درست نہیں، کیوں کہ دونوں میں تلازم ہے۔ اور جَاءَ نِي زَيْدٌ وَذَهَبَ خَالِدٌ اَيْضًا کہنا بھی درست نہیں، کیوں کہ دونوں چیزوں (آنا اور جانا) میں بتاؤں ہے البتہ جَاءَ نِي زَيْدٌ وَآخُوهُ اَيْضًا کہنا درست ہے۔ (بحوالہ مشکل ترکیبوں کا آسان حل ص ۲۷)

مثال و شاہد میں فرق: قاعدہ کلیہ کی وضاحت کے لیے اس شخص کے کلام کو پیش کیا جائے جس کا کلام محاورات میں قابل اعتماد سمجھا جاتا ہو۔ اور مثال اس کلام کو کہتے ہیں جس سے قاعدہ کلیہ کی وضاحت مقصود ہو۔

تجاہل عارفانہ: کسی مصلحت کی بناء پر جان بوجھ کر انجان بن جانا جیسے شعر کا ایک جز ہے لیلای منکن ام لیلای من البشر۔ مجھے تباؤ کیا میری لیلیٰ تم میں سے ہے اے چٹیل میدان کی ہر نیوں یا انسانوں میں سے۔

حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ لیلیٰ انسانوں میں سے ہے مگر فرط محبت میں پوچھ رہا ہے، اسی طرح صنم کہتے ہیں کہ تیرے بھی کمر ہے ❀ کہاں ہے، کس طرح کی ہے، کدھر ہے تخصیص بعد التعمیم: عام بیان کرنے کے بعد انہیں میں سے کسی کو خاص طریقے سے بیان کرنا جیسے تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ۔ روح سے مراد جبریل ہیں جو خود الملائکہ میں داخل تھے۔

عطف الخاص علی العام: معطوف کا ایسا معطوف علیہ پر عطف کرنا کہ وہ معطوف علیہ اس معطوف کے معنی کو بھی شامل ہو جیسے والصَّلوة علی محمد وآلہ واصحابہ کے اندر لفظ آل سے اتباع مراد لیں تو صحابہ خود اس میں داخل ہو گئے۔

ایک نظر ادھر بھی

رموز و اشارات

ح	مراد	حینئذ	بط	مراد	باطل
ج	//	جمع	اہ	//	انتہی
المصنف	//	المصنف	ف	//	فائدہ
مض	//	مصدر	الخ	//	الی آخرہ
کک	//	کذا لک	ص	//	اصل
لانم	//	لا نسلم			
الظ	//	الظاہر			
عط	//	عطف			
صح	//	صحیح			
خلف	//	خلاف مفروض			
لاتخ	//	لا تخلو			
ہ	//	ہینا			
الش	//	الشارح			
ہف	//	ہذا خلف			
مم	//	ممنوع			
یق	//	یقیناً			

آج مورخہ ۱۲ اگست ۲۰۰۲ء مطابق
 ۲ جمادی الآخر ۱۴۲۳ھ بروز پیر بعد نماز عشاء
 قطر الندی جزء اول کی شرح بحمد اللہ تعالیٰ تکمیل
 کو پہنچی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس
 کے فوائد کو عام و تمام فرمائے۔

محمد عالمگیر دانش قاسمی
 جامعہ اسلامیہ بخاری چوپائی مہواندور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شَمْسُ الْهُدَى

شرح اُردو

دوم

قَطْرُ الْإِنْدَى وَبِلَّ الصَّدَى

شارح

مفتی محمد عالمگیر دانش قاسمی سیتا مڑھوی

ناشر

دارالکتاب دیوبند

فہرست شمس الہدی شرح اردو قطری الندی جلد ثانی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۷	ترجمہ العبارة	۱۸۹	باب: الفاعل، تفریغہ
۱۹۸	فعل، فاعل اور مفعول کی اصلیت	//	ترجمہ تشریح
//	اسم فاعل کے تقدیم و تاخیر کا جوازی قاعدہ	//	فاعل کی تعریف
۱۹۹	فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے	//	اسم صریح کی تعریف
//	مفعول کا مؤخر کرنا واجب ہے	//	اسم مؤول بہ کی تعریف
۲۰۰	الف مقصورہ کی تعریف	//	مؤول بہ فعل کی تعریف
//	قرینہ سے مراد	۱۹۰	قام زید کی توضیح
//	قرینہ پائے جانے کے وقت تقدیم و تاخیر دونوں	//	نکتہ ۱
//	جائز ہیں۔	۱۹۱	واقعا منہ کی تشریح
۲۰۱	ضرب موسیٰ عیسیٰ کی تشریح	//	نکتہ ۲
//	مفعول کا عامل پر مقدم ہونا جائز ہے؟	//	مرفوع کی تعریف
۲۰۲	مفعول کا فعل پر مقدم کرنا واجب ہے	//	سوال و جواب ۱
۲۰۳	افعال مدح و ذم کے فاعل کی صورتیں	//	سوال و جواب ۲
//	مخصوص بالمدح کی تعریف	۱۹۲	سوال و جواب ۳
//	مخصوص بالذم کی تعریف	//	سوال و جواب ۴
//	مخصوص بالمدح والذم کے فاعل پر تقدیم کا حکم	//	باب احکام الفاعل
۲۰۴	باب نائب الفاعل وبعض	//	ترجمہ العبارة و توضیح
//	اسباب حذف الفاعل	۱۹۳	اسم فاعل کے احکام، حکم اول، دوم، سوم۔
//	ترجمہ العبارة و تشریح	۱۹۴	ترجمہ العبارة
//	نائب فاعل کی تعریف	//	اسم فاعل کے عامل کو تاء تانیث کے الحاق کی صورتیں
۲۰۵	نائب فاعل کا حکم	//	مؤنث حقیقی کی تعریف
//	فاعل کے محذوف ہونے کی چند صورتیں	//	مؤنث مجازی کی تعریف
۲۰۶	ظرف اور مصدر کا نائب فاعل بننا؟	//	تاء تانیث کے الحاق اور عدم الحاق کی صورتیں
۲۰۷	نائب فاعل کے فعل میں تغیرات	۱۹۵	تاء تانیث کا لاحق ہونا واجب کب؟
۲۰۸	مذکورہ بحث سے متعلق ضروری نکات	۱۹۶	ترجمہ العبارة و تشریح

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۴	باب: المفعول به	۲۰۹	باب الاشتغال
//	ترجمہ و تشریح	//	ترجمہ عبارت و تشریح
//	مفعول بہ کی تعریف	//	اشتغال کا مطلب
//	اشکال و جواب (۱)	۲۱۰	باب الاشتغال کے اسم کا اعراب
۲۲۵	اشکال و جواب (۲)	//	ترجمہ عبارت
//	ماوقع علیہ فعل الفاعل کی تشریح	۲۱۱	فعل اشتغال پر مقدم ہونے والے اسم کی حالتیں
//	باب المنادی	//	اسم مقدم پر نصب کا رائج ہونا؟
//	ترجمہ و تشریح	//	اعتراض و جواب
۲۲۶	مبادی و مقدمہ	۲۱۳	ترجمہ عبارت
۲۲۷	منادی کی تعریف	۲۱۴	اسم مقدم کو نصب پڑھنا واجب ہے، دوسری قسم
//	حروف ندا کی تعداد	//	اسم مقدم کو رفع پڑھنا واجب ہے، تیسری قسم
//	باب نصب المنادی فی ثلاثہ انواع	//	اسم مقدم کو رفع و نصب دونوں درست ہیں، چوتھی قسم۔
//	ترجمہ و تشریح	۲۱۵	اسم مقدم کو رفع پڑھنا رائج ہے، پانچویں قسم
//	منادی تین مسائل میں لفظاً منصوب ہوتا ہے	//	وکل شیء فعلوہ فی الزبر کی تحقیق
۲۲۹	نکرہ غیر مقصودہ کا مطلب	۲۱۶	باب: فی التنازع
//	ترجمہ عبارت و تشریح	//	ترجمہ عبارت و تشریح
//	مفرد معرفہ کا مطلب	//	تنازع فعلان کی چند شکلیں
۲۳۰	باب: المنادی المضاف لیاء المتکلم	۲۱۷	تنازع فعلان میں کوئین و بصرین کے درمیان اختلاف
//	عبارت، ترجمہ	۲۱۸	عمل دلانے کی صورت میں ضمائر کا استعمال
//	منادی مضاف ہو یا متکلم کی طرف کا اعراب	۲۱۹	مذہب بصرین کی تائید میں شاعر کا قول
۲۳۱	یا غلام بالثلاث کی توضیح	۲۲۰	امرء القیس کا شعر باب تنازع سے نہیں
//	باب حکم أب، وأم فی النداء	//	باب المفعول
۲۳۲	إذا كانا مضامین الی الیاء	۲۲۲	ترجمہ عبارت و تشریح
//	عبارت، ترجمہ	//	سوال و جواب (۱)
//	جب منادی أب اور أم یاء متکلم کی طرف	//	سوال و جواب (۲)
//	مضاف ہو	//	منصوب کی تعریف
//	منادی کا ایسے اسم کی طرف مضاف ہونا جو یاء	//	باب انواع المفعولات
۲۳۳	متکلم کی طرف مضاف ہو۔	۲۲۳	ترجمہ عبارت و تشریح
//	اشکال و جواب	//	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۷	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	۲۳۴	باب احکام تابع المنادی
//	یا للہ المسلمین میں لام استغاثہ کا متعلق کیا ہے؟	//	عبارت و ترجمہ
//	مستغاث معطوف کا حکم	//	منادی بنی کے توابع کے احکام
۲۳۸	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	۲۳۶	منادی کے توابع جو مضاف ہوں،
۲۳۹	کاف الہی اور کاف حرفی میں فرق	//	منادی کے توابع مضاف مجرد عن اللام کے احکام
//	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	۲۳۷	منادی کا تابع ای و ایۃ کی نعت ہو
//	مستغاث بہ کے استعمال کی صورتیں	//	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب
۲۵۰	باب النذیۃ	//	منادی کا تابع بدل یا معطوف غیر معرف باللام کا حکم
//	عبارت، ترجمہ و تشریح	//	
۲۵۱	نادب و مندوب کی تعریف	۲۳۸	باب حکم المنادی العفویۃ اذا تکرر
۲۵۲	مندوب پر حرف ندا کا دخول	//	ترجمہ عبارت
//	اعراب و بناء کے اعتبار سے مندوب کا حکم	//	منادی مفرد مکرر کا بیان
//	مندوب کے آخر میں الف کا زیادہ کرنا	۲۳۹	باب الترخیم: معناه: شروطہ
۲۵۳	باب المفعول مطلق: معناه	//	ترجمہ عبارت و تشریح
//	ترجمہ و تشریح	۲۴۰	ترخیم منادی کی تعریف
۲۵۴	مفعول مطلق کی تعریف	//	شرائط ترخیم منادی
۲۵۵	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	۲۴۱	لفظ "تخیم" میں ترخیم کا حکم
//	غیر مصدر کو بر بناء مفعول مطلق نصب دینا	۲۴۲	ترخیم کے بعد منادی کے آخر کی کیفیت
۲۵۶	و کلاً منها رغداً کا اعراب	۲۴۳	نعت من ینظر و من لا ینظر کا ضابطہ
//	مفعول مطلق کی قسمیں	//	باب: المحذوف للتخیم اما
۲۵۷	مفعول مطلق کے عامل کا حذف ہونا	//	حرف واما حرفان
//	نکتہ ۱، نکتہ ۲، نکتہ ۳	//	ترجمہ عبارت و تشریح
۲۵۸	باب المفعول لہ	//	منادی مرتفع سے محذوف کی مقدار
//	ترجمہ و تشریح	۲۴۴	لفظ "مختار" میں ترخیم کا حکم
//	مفعول لہ کی تعریف	۲۴۵	ترکیب مزجی سے مراد
//	مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرطیں	//	باب المستغاث بہ۔ معناه
۲۵۹	مفعول لہ کا لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہونا کب؟	//	ترجمہ عبارت و تشریح
۲۶۰	نوٹ	//	منادی مستغاث کی وضاحت
//	باب المفعول فیہ	//	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
//	وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاقَ كِي تَحْقِيقِ وَتَادِيلِ	//	ترجمہ عبارت و تشریح
۲۷۴	بَابُ شَرْطِ صَاحِبِهَا التَّعْرِيفِ	۲۶۱	مفعول فیہ کی تعریف مع فوائد قیود
//	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۲۶۲	اسم ظرف کی قسمیں مع احکام کے
۲۷۵	ذوالحال کے لیے شرائط اربعہ کا ہونا	۲۶۳	فائدہ ۱ فائدہ ۲ خلاصہ کلام
//	اقسام حال	//	ظرف مکان مبہم کی قسمیں
۲۷۶	عوامل حال	۲۶۴	كَعِنْدَ وَلَدَى كِي تَشْرَحُ
//	حذف عامل	//	والمقادیر كالفرسخ کی تشریح
۲۷۶	بَابُ التَّمْيِيزِ	//	وَمَا صِيغَ مِنْ مُصَدَّرٍ عَامِلِهِ
//	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۲۶۵	بَابُ الْمَفْعُولِ مَعَهُ
//	تمییز کی تعریف	//	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۲۷۷	تمییز کی شرطیں	//	مفعول معہ کی تعریف
//	بَابُ احْكَامِ التَّمْيِيزِ	۲۶۶	مفعول منہ کی تعریف چند قیود کے ساتھ
//	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۲۶۷	كُلُّ رَجُلٍ وَضِيعَتُهُ كَاِعرَابِ
۲۷۸	تمییز کی قسمیں	۲۶۸	بَابُ الْأَسْمِ الْوَاقِعِ بَعْدَ الْوَاوِ
//	مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرنے والی تمییز کے	//	عبارت مع ترجمہ
//	وقوع کے لیے چار مقامات ہیں۔	//	واو معیت کے بعد آنے والے اسم کے حالات
//	نوٹ (۱)	//	مانع معنوی کی مثال
۲۷۹	نوٹ (۲)	//	مانع ضاعی کی مثال
//	کَم کی بحث	//	مردت بك و زیذا کی توضیح
//	کَم کی دو قسمیں ہیں	۲۶۹	علی الاصح کے قید کی وضاحت
۲۸۰	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	۲۷۰	باب ہذا سے متعلق دو مسئلے
//	کَم کی تمییز سے متعلق چند نکات	۲۷۱	بَابُ الْحَالِ
//	ترجمہ و تشریح	//	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۲۸۲	تمییز کی دوسری قسم کا بیان	//	حال کی تعریف
//	محول عن الفعال سے مراد	//	حال کے لیے چند شرائط
//	محول عن المفعول سے مراد	۲۷۲	اشکال وجواب (۱)
//	محول عن مضاف غیر ہما سے مراد	//	اشکال وجواب (۲)
۲۸۳	غیر محول کی وضاحت	۲۷۳	عبارت مع ترجمہ
۲۸۴	عبارت مع ترجمہ و تشریح	//	حال کی شرط

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
//	عبارت مع ترجمہ و تشریح	//	حال اور تمیز کا تاکید کی شکل میں آنا
//	مجرور بالا ضافت کی قسمیں	//	نوٹ
۳۰۰	اضافت معنوی کی صورتیں	۲۸۶	ضمیمات باب ہذا نکات
//	اضافت معنویہ کی قسمیں	۲۸۷	باب المستثنیٰ بالآ وحوالہ
۳۰۱	اضافت معنویہ کی وجہ تسمیہ	//	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۰۲	اضافت معنوی کی شرط	//	مستثنیٰ کی تعریف
//	اضافت کی دوسری قسم اضافت لفظیہ	۲۸۸	مستثنیٰ کی قسمیں
//	اضافت لفظیہ کی صورتیں	//	حروف استثناء کی تعداد
۳۰۳	اضافت لفظیہ کی وجہ تسمیہ	//	موجب اور غیر موجب کی توضیح
۳۰۴	باب الإضافة لاتجامع التنوين الخ	//	مستثنیٰ کے احکام اعراب کے اعتبار سے
//	عبارت مع ترجمہ	۲۹۰	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۱)
//	اضافت کے وقت تنوین اور نون کا حکم	۲۹۱	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲)
۳۰۵	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۱)	۲۹۲	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۳)
//	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲)	//	مستثنیٰ مفرغ اور غیر مفرغ کا بیان
۳۰۶	مضاف پر الف لام کے دخول کا جواز	۲۹۳	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب
۳۰۸	ضمیمات باب ہذا	//	باب المستثنیٰ بغیر وسوی
//	موصوف صفت میں جانہیں سے اضافت کا امتناع	//	عبارت مع ترجمہ
//	سوال و جواب	//	الّا کے علاوہ حروف استثناء کا عمل
//	دو مماثل اسموں میں اضافت کا امتناع اور اس کا سبب	//	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب
۳۰۹	باب یفعل عمل فاعله سبعة أشياء	۲۹۴	فائدہ ۱، ۲، ۳
//	عبارت مع ترجمہ	۲۹۵	نوٹ
//	اسماء عاملہ کی قسمیں	//	باب حروف الجر وانواعها
۳۱۰	اسم فعل کی تعریف اور قسمیں	//	عبارت مع ترجمہ و تشریح
//	اسم فعل کے احکام	۲۹۶	اسم مجرور کی تعریف
۳۱۳	الثانی: المصدّر	//	حروف جارہ کی تعداد اور اسباب اسقاط
//	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۲۹۸	حروف کی تعداد کے اعتبار سے حروف جارہ کی صورتیں
//	مصدر کی تعریف اور اس کا عمل	//	باعتبار عمل کے حروف جارہ کی قسمیں
۳۱۴	مصدر کے عمل کرنے کی شرطیں	//	حروف مختص بالظاہر کی قسمیں
۳۱۵	ضرباً زیدا کی تشریح	۲۹۹	باب المجرور بالاضافہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۹	صفت مشبہ باسم الفاعل کی وجہ تسمیہ	۳۱۹	مصدر کی قسمیں۔
۳۲۰	اسم فاعل اور اسم تفضیل میں فرق	۳۲۰	اول قسم مصدر مضاف
۳۲۱	صفت مشبہ کا عمل	۳۲۱	دوسری قسم مصدر منون
۳۲۲	چند امور میں صفت مشبہ اسم فاعل کا مخالف ہوتا ہے	۳۲۲	تیسری قسم مصدر معرف باللام
۳۲۳	پہلا فرق	۳۲۳	ضمیمات باب ہذا۔
۳۲۴	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۱)	۳۲۴	مصدر و اسم مصدر میں فرق
۳۲۵	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲)	۳۲۵	مصدر اور فعل میں فرق
۳۲۶	دوسرا فرق	۳۲۶	شاذ و نادر میں فرق
۳۲۷	تیسرا فرق	۳۲۷	فعل پر تنوین کیوں؟
۳۲۸	چوتھا فرق	۳۲۸	الثالث: اسم الفاعل: وشروط اعماله
۳۲۹	پانچواں فرق	۳۲۹	عبارت مع ترجمہ
۳۳۰	صفت مشبہ کے معمول کی تین حالتیں	۳۳۰	اسم فاعل سے مراد اور اس کا عمل
۳۳۱	نوٹ	۳۳۱	اسم فاعل کی صورت
۳۳۲	النوع السابع: اسم التفضیل	۳۳۲	النوع الرابع: امثلة المبالغة
۳۳۳	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۳۳	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۳۴	اسم تفضیل کی تعریف	۳۳۴	اعراب ترکیبی
۳۳۵	اسم تفضیل کے صیغے	۳۳۵	اعراب ترکیبی
۳۳۶	اسم تفضیل کے استعمال کی صورتیں	۳۳۶	نوٹ
۳۳۷	نوٹ	۳۳۷	النوع الخامس: اسم المفعول
۳۳۸	اسم تفضیل کا عمل اور حکم	۳۳۸	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۳۹	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	۳۳۹	اسم مفعول کا عمل
۳۴۰	مسئلہ الکحل کی توضیح	۳۴۰	اسم مفعول کے عمل کرنے کے لیے شرائط
۳۴۱	باب الثواب	۳۴۱	اسم مفعول اور مفعول بہ میں فرق
۳۴۲	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۴۲	اسم فاعل اور اسم مفعول کے درمیان فرق
۳۴۳	توابع کی قسمیں	۳۴۳	النوع السادس: الصفة المشبهة
۳۴۴	باب النعت	۳۴۴	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۴۵	عبارت مع ترجمہ	۳۴۵	صفت مشتبہ کی تعریف
۳۴۶	تشریح	۳۴۶	صفت مشبہ اور اسم تفضیل میں فرق
۳۴۷	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	۳۴۷	صفت مشبہ اور اسم فاعل میں فرق

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۶۴	نکتہ ۱، ۲	۳۴۷	نعت کی قسمیں
۳۶۴	باب: الفرق بین التَّوْکید والنَّعت	۳۴۷	باب فائدة النّعت
۳۶۵	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۴۸	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۶۶	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	۳۴۸	باب ما یتبع فیہ منعوۃ
۳۶۶	باب عطف البیان	۳۴۸	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۶۷	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۴۸	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۱)
۳۶۷	عطف کی لغوی واصطلاحی تعریف	۳۴۸	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲)
۳۶۷	عطف بیان کی تعریف	۳۵۱	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۳)
۳۶۷	عطف بیان کی تعریف مشتمل بر فوائد قیود	۳۵۱	نوٹ
۳۶۷	باب الموافقة بین العطف ومتبوعه	۳۵۳	ضمیمات باب ہذا
۳۶۷	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۵۳	نکتہ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷
۳۶۸	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۵۴	باب: يجوز قطع الصفة
۳۶۸	پہلی مثال اتم باللہ ابو حفص عمر کی تشریح	۳۵۴	عبارت مع ترجمہ
۳۶۸	دوسری مثال و ہذا خاتم حدید کی تشریح	۳۵۵	صفت کے محذوف ہونے کی صورتیں
۳۶۹	الفرق بین العطف والبذل	۳۵۶	باب التَّوْکید
۳۶۹	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۵۶	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۶۹	عطف بیان اور بدل میں فرق	۳۵۶	تاکید کی تعریف
۳۶۹	شعر کی ترکیب	۳۵۶	تاکید کی قسمیں
۳۷۰	باب عطف النسق	۳۵۶	تاکید لفظی کی تعریف
۳۷۰	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۵۶	ولیس منه دگّا دگّا کی توضیح
۳۷۰	عطف بحرف کی لغوی واصطلاحی تعریف	۳۵۸	الكلام على المعنوی
۳۷۰	معطوف و معطوف علیہ کا حکم	۳۵۸	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۷۰	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۵۹	تاکید معنوی کی تعریف
۳۷۰	مصنف علیہ الرحمة کا فیصلہ کن قول	۳۵۹	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب
۳۷۰	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۶۰	نفس اور عین کے ذریعہ تاکید کی توضیح
۳۷۰	فاء کا دوسرے معنی میں استعمال	۳۶۰	کُلُّ کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتیں
۳۷۰	عبارت مع ترجمہ	۳۶۱	کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ تاکید کی صورتیں
۳۷۰	نَم کی توضیح	۳۶۲	وَبِاجْمَع و جَمْعُ الخ کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتیں
۳۷۰	عبارت مع ترجمہ	۳۶۳	نوٹ ۱، ۲

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹۱	باب فوائد الصرف	//	حتیٰ کی توضیح
//	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۳۷۷	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۹۱	غیر منصرف کی تعریف اور حکم	۳۷۸	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب
//	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	//	عبارت مع ترجمہ
۳۹۲	علت کی تعریف اور اسباب منع صرف	//	معنی او کی توضیح
//	پہلا سبب - وزن فعل	۳۷۹	او کے استعمال کی صورتیں
//	دوسرا سبب - ترکیب	//	عبارت مع ترجمہ
۳۹۳	غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے شرطیں	۳۸۰	ام کی تشریح
//	بعلبک کی تحقیق	//	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۹۴	حضرت موت کی تحقیق	۳۸۱	لا، لکن، بل کی توضیح
//	معدی نگار کی تحقیق	//	ان تینوں حروف کے درمیان امتیازی فرق
//	تیسرا سبب - عجمہ	۳۸۳	باب البذل
//	عجمہ کے غیر منصرف ہونے کا سبب	//	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۳۹۵	چوتھا سبب - تعریف	//	بدل کی تعریف
۳۹۶	تعریف کا غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے شرط	//	فوائد قیود
//	پانچواں سبب - عدل	۳۸۴	بدل کی قسمیں
//	عدل کی تعریف اور قسمیں	//	بدل کل من کل کی وضاحت
//	واقع فی المعارف کی تعریف اور اس کے اوزان	//	سوال و جواب
۳۹۸	قبیلہ حجاز اور بنو تمیم کے مابین مسئلہ حضار میں اختلاف	//	بدل بعض من کل کی وضاحت
//	لفظ "آمنس" میں اختلاف	۳۸۵	بدل اضراب، غلط، نسیان کی وضاحت
//	لفظ سَحَر میں اختلاف	//	نوٹ
۳۹۹	واقع فی الصفات کی تعریف اور قسمیں	//	باب التعدد
۴۰۱	شراح موصوف کی رائے	//	عبارت مع ترجمہ و تشریح
//	خلاصہ کلام	۳۸۶	اسمائے عدد کی تعریف اور اصول
//	اوزان عدل	//	عدد کے استعمال کا طریقہ
۴۰۲	چھٹا سبب - وصف	۳۸۷	ایک شبہ اور اس کا جواب
//	شرائط	//	وہ اسماء عدد جو فاعل کے وزن پر ہو۔
//	ساتواں سبب - جمع	۳۸۸	ضمیمات باب ہذا
۴۰۳	جمع دو سبب کے قائم مقام کیوں؟	۳۹۰	اعداد کی تمیز کی شکلیں

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۱۹	شعر کا پس منظر	۴۰۴	آٹھواں سبب، الف ونون زائدتان
//	لفظ "حَبْدًا" کی تحقیق	//	الف ونون زائدتان کے استعمال کی صورتیں
۴۲۰	عبارت مع ترجمہ و تشریح	۴۰۵	نواں سبب - تانیث
//	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	//	تانیث بالالف دو سبب کے قائم مقام کیوں؟
//	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	//	موثر ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے اسباب منع صرف کی قسمیں۔
۴۲۱	باب الألف بعد واو الجماعة	۴۰۷	عبارت مع ترجمہ و تشریح
//	عبارت با اعراب مع ترجمہ و تشریح	۴۰۸	باب التعجب
//	واو جماعت کے بعد الف کیوں؟	//	عبارت مع ترجمہ
۴۲۲	فعل کے الف کی علامت	//	تشریح افعال تعجب
۴۲۳	اسم کے الف کی علامت	۴۰۹	افعال تعجب کی تعریف اور صیغے
۴۲۴	باب همزة الوصل	۴۱۰	مَا أَفْعَلُ زَيْدًا کی ترکیب
//	عبارت با اعراب مع ترجمہ و تشریح	//	أَفْعَلُ بِهِ کی ترکیب
//	ہمزہ کی قسمیں	۴۱۱	لفظ أَفْعَلُ بِهِ میں اصلاحی تغیر
//	ہمزہ اصلیہ کی تعریف	۴۱۲	افعال تعجب بنانے کا قاعدہ
//	ہمزہ زائدہ کی تعریف	۴۱۳	افعال التفضیل اور فعل تعجب میں مناسبت
۴۲۵	ہمزہ زائدہ کی قسمیں	۴۱۴	باب الوقف
//	ہمزہ وصلیہ کا حکم	//	عبارت مع ترجمہ و تشریح
//	ثبوت وحذف کے اعتبار سے ہمزہ وصلیہ کا حکم	//	وقف کی لغوی و اصطلاحی تعریف
۴۲۷	صیغہ امر پر آنے والا ہمزہ	//	لفظ "رحمة" اور "مسلمات" میں وقف
//	حرف پر آنے والا ہمزہ	//	الوقف على المنقوص
	فصل دوم - ہمزہ وصلیہ کی حرکات مختلفہ کے بیان میں	۴۱۶	عبارت مع ترجمہ و تشریح
//	لفظ "أَيْمُنُ" کی تحقیق	//	اسم منقوص کی تعریف
۴۲۸	طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب	//	اسم منقوص پر وقف کرنا
//	لفظ اِذْهَبْ کا اعراب مکسور کیوں؟	۴۱۷	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۴۲۹	ہدیہ تشکر و امتنان من جانب فاضل علام	//	عبارت مع ترجمہ و تشریح
۴۳۰	دل کی آواز حاسدین کے نام	۴۱۸	باب الوقف على اذن
//		//	عبارت مع ترجمہ
	***	//	تشریح و توضیح

باب: الْفَاعِلُ، تَعْرِيفُهُ

بَابُ الْفَاعِلِ مَرْفُوعٌ، كَ "قَامَ زَيْدٌ" وَ "مَاتَ عَمْرُو"

ترجمہ:- یہ باب ہے، فاعل مرفوع ہوتا ہے، جیسے قَامَ زَيْدٌ (زید کھڑا ہے) اور مَاتَ عَمْرُو (عمر و انتقال کر گیا)۔

تشریح:- فاضل مصنف جب مبتداء و خبر اور ابواب نواح میں سے جو ان دونوں سے متعلق ہیں کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے فاعل، نائب فاعل، تنازع فاعلان اور اس سے متعلق باب اشتغال کے مسائل و احکام کو بالتفصیل بیان کرنے کا عزم مصمم فرمایا۔

فاعل کی تعریف:

فاعل نام ہے ایسے اسم صریح یا موؤل بہ کا جس کی طرف کسی فعل یا موؤل بہ فعل کی اسناد کی گئی ہو اس طور پر کہ وہ فعل یا موؤل بہ فعل اس اسم پر متصلاً مقدم ہو اور اسی اسم سے واقع ہو، یا اس کے ساتھ قائم ہو جیسے "ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرُوًا" میں "زید" ایک ایسا اسم ہے جس کی طرف ایسے فعل کی اسناد کی گئی ہے جو اس سے صادر ہوا ہے اور وہ فعل ضَرَبَ ہے جس کا وقوع زید سے ہوا ہے۔ اور "عَلَّمَ زَيْدٌ" میں "زید" ایسا اسم ہے جس کی طرف ایسے فعل کی اسناد کی گئی ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، اور وہ فعل عَلَّمَ ہے۔

اسم صریح کی تعریف:

وہ اسم ہے جس کو اسم فاعل یا مفعول ماننے میں کسی قسم کا شبہ یا تاویل کی ضرورت نہ ہو جیسے "زید" اسم موؤل بہ کی تعریف:

وہ اسم ہے جو حقیقتاً اسم تو نہ ہو لیکن حرف مصدر یہ داخل کر کے اس کو اسم بنا لیا گیا ہو، جیسے باری تعالیٰ کا قول "الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ" (کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لیے کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے۔ پارہ ۲، سورہ حدید آیت ۱۷) میں "ان تَخْشَعَ" فاعل ہے، حالاں کہ یہ اسم نہیں بلکہ فعل ہے، لیکن حرف "ان" داخل کر کے اس کو اسم یعنی "الْخُشُوع" کے معنی میں کر لیا گیا ہے، اسی کو موؤل بہ اسم کہتے ہیں۔

موؤل بہ فعل کی تعریف:

ایسے فعل کو کہتے ہیں جو حقیقت میں فعل تو نہ ہو، لیکن بتاویل فعل کے معنی میں کر لیا گیا ہو۔ جیسے

باری تعالیٰ کا قول "مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ" (طرح طرح کے اُن کے رنگ۔ پارہ ۲۲، سورہ فاطر، آیت ۲۷) میں "أَلْوَانُهُ" "مُخْتَلِفٌ" کا فاعل ہے اور "مُخْتَلِفٌ" شبہ فعل ہے جو "يَخْتَلِفُ" کے معنی میں کر لیا گیا ہے، کیوں کہ یہ حقیقت میں اسم فاعل ہے جو بمعنی فعل مستعمل ہے، تقدیر عبارت "وَصِنْفٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ" ہے یعنی ایک نوع وہ ہے جس کے رنگ مجد مجد ہیں۔ پھر موصوف کو حذف کر دیا گیا اور صیغہ صفت (اسم فاعل) کو يَخْتَلِفُ فعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

قَامَ زَيْدٌ کی توضیح:

مصنف نے فاعل کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ فاعل نام ہے ایسے اسم صریح یا موصول بہ کا جس کی طرف کسی فعل یا موصول بہ فعل کی اسناد اس طرح کی گئی ہو کہ وہ فعل اس اسم پر متصل مقدم ہو، اور اس اسم سے فعل کا صدور ہوا ہو یا اس کے ساتھ قائم ہو۔ جیسے قَامَ زَيْدٌ میں قَامَ فعل، زَيْدٌ اسم فاعل سے متصل مقدم ہے اور قیام کا صدور زید سے ہوا ہے۔

صاحب قطر الندی کا قول "مُقَدَّمٌ عَلَيْهِ" کی قید سے فاعل ہونے سے وہ اسماء خارج ہو گئے جن سے پہلے فعل یا شبہ فعل نہ ہو، بلکہ بعد میں ہو۔ جیسے "زَيْدٌ قَامَ" میں زید ایک اسم ہے اس سے پہلے فعل یا شبہ فعل نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد ہے اس وجہ سے فاعل نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ اس قید سے وہ مبتداء نکل گئے جس کی خبر ایسا فعل ہو جس فعل کی نسبت حقیقت میں علی جہۃ القیام اس مبتداء کی طرف ہو رہی ہے جیسے "زَيْدٌ قَامَ" میں زید مبتداء ہے اور اس کی خبر ایسا فعل ہے جس کی نسبت علی جہۃ القیام اسی اسم کی طرف ہو رہی ہے اور بِالْإِصَالَةِ کی قید سے (یعنی وہ فعل یا شبہ فعل اس کی طرف مسند ہو بلا تبعیت) قائم زید میں زید اسم فاعل ہونے سے نکل گیا، اس لیے کہ اس میں فعل کی اسناد گرچہ اس کی طرف ہو رہی ہے، لیکن اسم پر اصالۃ مقدم نہیں ہے، بلکہ مؤخر ہے، کیوں کہ ترکیب میں قائم خبر مقدم اور زید مبتداء مؤخر ہے، لیکن باعتبار نیت کے قائم خبر مؤخر ہے، کیوں کہ خبر مؤخر ہوتی ہے اور جب نیت کے اعتبار سے مؤخر ہے تو پھر اصالۃ مقدم ہونا نہیں پایا گیا، لہذا قائم زید میں زید کو قائم کا فاعل کہنا درست نہیں۔

نکتہ ۷: نیز بِالْإِصَالَةِ کی قید سے وہ اسم فاعل ہونے سے نکل گیا جس سے پہلے فعل یا شبہ فعل ہو، لیکن وہ اس اسم کی طرف مسند نہ ہو اور اگر ہو تو بالتبع ہو، جیسے "ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدًا" میں زید ثانی اس کی طرف بالا صالۃ مسند نہیں ہے، بلکہ بالتبع مسند ہے، یعنی توابع فاعل پر یہ تعریف صادق نہیں آتی، کیوں کہ ان کی طرف فعل کی نسبت بالا صالۃ نہیں ہوتی، بلکہ بالتبع ہوتی ہے، یہاں پر اسناد سے مراد بالا صالۃ ہے، کیوں کہ توابع کا ذکر مصنف نے علاحدہ کیا ہے۔ نیز اس سے وہ اسم بھی فاعل ہونے سے

خارج ہو گیا، جس کے پہلے اور بعد فعل نہ ہو جیسے "زید اخوک"۔

وَأَقْعَامُنْہُ کی تشریح:

وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم سے واقع ہو، نہ کہ اس پر واقع ہو، اس قید سے مفعول مالم یسم فاعلہ، فاعل کی تعریف سے خارج ہو گیا جیسے "ضرب زید" میں زید کہ اس پر فعل مقدم ہے اور اس کی نسبت اسم کی طرف ہو رہی ہے، لیکن یہ نسبت بطور وقوع کے ہے نہ بطریق قیام کے، ایسے ہی "زید مضروب" غلامہ" میں غلامہ فاعل کی تعریف سے خارج ہو گیا، اگرچہ اس سے پہلے صفت ہے جس کی نسبت اس کی طرف ہو رہی ہے، لیکن یہ نسبت بطور وقوع ہے قیام نہیں۔

نکتہ ۲: صاحب کتاب نے فاعل کی تعریف کے بعد "قام زید" اور "مات عمرو" کے ذریعہ مثال پیش کی، تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہر فعل کے واسطے فاعل کا ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ فعل حدث ہے اور ہر حدث کے واسطے محدث کا ہونا ضروری ہے اور محدث وہ فاعل ہے، اس وجہ سے ہر فعل کے واسطے فاعل ہونا ضروری ہے، اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ "مات زید" اور "طال عمرو" میں زید اور عمرو۔ "مات" اور "طال" کے فاعل ہیں باوجودیکہ زید اور عمرو موت اور طول کے واسطے محدث نہیں ہیں؟ چوں کہ موت اور طول زید اور عمرو سے صادر نہیں ہو رہے ہیں، بلکہ اسم کی طرف فعل کی اسناد ہو رہی ہے یہ اسناد ہونا ہی اس کے فاعل ہونے کی علامت ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عمرو موت کا محدث نہیں، اس کے باوجود اس کو فاعل بنا کر اس کو رفع دیا جاتا ہے اور "مات عمرو" پڑھا جاتا ہے۔

مرفوع کی تعریف:

مرفوع ایسے اسم کو کہتے ہیں جس میں فاعل کی علامت پائی جائے۔ فاعل کی تین علامتیں ہیں (۱) واحد میں ضمہ (۲) تشنیہ میں الف۔ (۳) جمع میں واو۔

سوال ۱۔ فاعل کو مرفوع کے ساتھ موصوف کیے جانے کی وجہ کیا ہے؟

جواب۔ فاعل کو مرفوع کے ساتھ زیادہ تقریر کی وجہ سے موصوف کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا فاعل مرفوع بھی ہوتا ہے یہ صفت تخصیص یا احتراز کے واسطے نہیں ہے اعم اس سے کہ وہ فاعل اسم ظاہر ہو جیسے ذہب زید کہ اس میں زید اسم ظاہر فاعل ہے یا اسم ضمیر بارز ہو جیسے ضربت زید یا مستر ہو جیسے زید ذہب کہ ذہب میں ضمیر پوشیدہ ہے جس کو ہم "ہو" سے تعبیر کرتے ہیں وہ فاعل ہے جو زید کی طرف راجع ہے۔

سوال ۲۔ ہر فعل کے لیے فاعل مرفوع کا ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ فعل عرض اور صفت ہے اور اوصاف و اعراض کے واسطے ایسی چیز کا

ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ وہ اعراض و اوصاف قائم ہوں۔

۴۔ فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے، حالانکہ باری تعالیٰ کا قول "وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ" میں لفظ اللہ مجرور ہے کیوں؟
 "باللہ" کے اندر باء زائدہ ہے، محض تاکید کے لیے جو معنی میں کوئی اثر پیدا نہیں کرتا۔ حقیقتاً اللہ مرفوع ہی ہے۔ اسی طرح "وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوبٍ" کے اندر "لُّغُوبٍ" فاعل ہے، کبھی فاعل کے اندر اعراب تقدیری ہونے کی بناء پر فاعل بظاہر مرفوع نہیں ہوتا، مگر حقیقتاً مرفوع ہی ہوتا ہے جیسے "فَحَقُّ وَعِيدٍ" کہ دراصل وَعِيدٌ ہے یا متکلم کے ساتھ، اعراب تقدیری ہے۔

۵۔ باری تعالیٰ کا قول "لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ" (پ ۷ ع ۱) فاعل منصوب نہیں ہوتا ہے، حالاں کہ "بَيْنَكُمْ" ایک قول کے مطابق تَقَطَّعَ کا فاعل ہے اور منصوب ہے۔ ایسا کیوں؟
 ظروف زمان مہم جوینی کی طرف مضاف ہواں میں بناء رائج ہے، لہذا اس کو اسی حالت پر برقرار رکھا جائے گا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ "بَيْنَكُمْ" مفعول فیہ ہے اور فعل کے ضمن میں جو مصدر مفہوم ہو رہا ہے وہ فاعل ہے یعنی "وَقَعَ التَّقَطُّعُ بَيْنَكُمْ" (بحوالہ حل الشواہد علی الفوائد الضیائیہ ص ۳۱، شرح شذور الذہب ص ۲۵)
 ۶۔ فاعل اسم ہوتا ہے، حالاں کہ بظاہر اسم نہیں بلکہ فعل ہے۔ جیسے شعر

يَسُرُّ الْمَرْءُ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابًا

"مَا ذَهَبَ" يَسُرُّ فعل کا فاعل ہے، مگر مَا ذَهَبَ کی شکل اسم جیسی نہیں ہے؟

مَا ذَهَبَ کے اندر ما مصدریہ ہے، لہذا یہ اسم تاویل ہے، بمعنی ذہابہا۔

حروف مصدریہ تین ہیں مَا، اَنَّ، اَنَّ۔

باب احکام الفاعل

وَلَا يَتَأَخَّرُ عَامِلُهُ عَنْهُ، وَلَا تَلَحُّقُهُ عَلَامَةٌ تَثْنِيَّةٌ وَلَا جَمْعٌ، بَلْ يُقَالُ:
 قَامَ رَجُلَانِ وَرَجَالٌ وَنِسَاءٌ، كَمَا يُقَالُ قَامَ رَجُلٌ، وَشَذَّ "يَتَعَاقَبُونَ"
 فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ، "أَوْ مُخْرِجِي هُمْ" وَتَلَحُّقُهُ عَلَامَةٌ تَانِيثٌ، إِنْ
 كَانَ مُؤَنَّثًا، كَ "قَامَتْ هُنْدٌ" وَطَلَعَتِ الشَّمْسُ

ترجمہ:- اور اسم فاعل کا عامل اسم فاعل سے مؤخر نہیں ہو سکتا، اور اس کے عامل کو تثنیہ اور جمع کی علامت لاحق نہیں ہو سکتی، بلکہ قَامَ رَجُلَانِ، وَرَجَالٌ، وَنِسَاءٌ ہی کہا جائے گا جیسا کہ قَامَ رَجُلٌ کہا جاتا ہے۔ اور "يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ" اور "أَوْ مُخْرِجِي هُمْ" (میں عامل کے ساتھ جمع کی علامت کا لاحق ہونا) شاذ کے قبیل سے ہے۔ اور اسم فاعل کے عامل کو علامت تانیث

لاحق ہوگی، بشرطیکہ اسم فاعل مؤنث ہو جیسے قَامَتْ هُنَا اور حَلَلَتْ الشَّمْسُ۔

توضیح:- جب آپ نے فاعل کی تعریف مع فوائد قیود و امثلہ کے بالتفصیل جان لی تو

اب یہاں سے فاضل مصنف فاعل کے احکام کو بیان فرما رہے ہیں۔

اسم فاعل کے احکام: اسم فاعل کے چند احکام ہیں۔

حکم اول:- اسم فاعل کا عامل اسم فاعل سے مؤخر نہیں ہوگا جیسے قَامَ رَيْدٌ اور قَامَ أَخْوَاکَ

میں، رَيْدٌ قَامَ اور أَخْوَاکَ قَامَ کہنا جائز نہیں، اس لیے کہ اس مثال میں عامل فعل قَامَ فاعل سے

مؤخر ہے، اس عبارت کی اصل ترکیب یوں ہوگی۔ أَخْوَاکَ مَبْتَدَأٌ، قَامَ فَعْلٌ بِفَاعِلٍ، فعل اپنے فاعل

سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر أَخْوَاکَ مَبْتَدَأٌ کی خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

حکم ثانی:- اسم فاعل کے عامل کو تشنیہ اور جمع کی علامت لاحق نہیں ہو سکتی لہذا "قَامَا أَخْوَاکَ"

کہنا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح "قَامُوا إِخْوَتُکَ" اور "قُمْنَ نِسْوَتُکَ" کہنا بھی جائز نہیں، بلکہ مذکورہ

تمام صورتوں میں "قَامَ" مفرد ہی لایا جائے گا، جیسا کہ قَامَ أَخْوَاکَ کہا جاتا ہے اور یہی جمہور علماء کا

مذہب ہے۔

لیکن بعض اہل عرب کہتے ہیں کہ یہ علامتیں عامل کے ساتھ لاحق ہو سکتی ہیں۔ خواہ وہ عامل فعل ہو

جیسے حضور کا قول "يَتَعَاقَبُونَ فَيُكْمُ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ" میں يَتَعَاقَبُونَ فعل

مَلَائِكَةٌ اسم فاعل کا عامل ہے اور اس عامل کے ساتھ جمع کی علامت موجود ہے۔ یا وہ عامل اسم ہو جیسے

حضور اکرم کا فرمان "أَوْ مُخْرِجِي هُمْ" (کیا مجھے وہ لوگ نکال دیں گے) میں واو جمع کی علامت ہے۔

یہ کلمہ عالیہ بزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صادر ہوا جس وقت کہ ورقہ بن نوفل نے

آپ سے کہا تھا: کاش میں اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی، تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت تعجب و تأسف یہ ارشاد فرمایا کہ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ بعض اہل عرب کے نزدیک اسم فاعل کے عامل کے ساتھ تشنیہ اور

جمع کی علامتیں لاحق ہوتی ہیں ورنہ اکثر اہل عرب نے "يَتَعَاقَبُ فَيُكْمُ مَلَائِكَةٌ" اسی طرح

أَوْ مُخْرِجِي هُمْ متخفیف الیاء ہی پڑھا ہے۔

حکم ثالث:- اسم فاعل جب مؤنث ہو تو اس کے عامل کو تاء تانیث لاحق ہوگی، لیکن ساکنہ لاحق

ہوگی یا متحرکہ تو یہ دو شکلوں پر مبنی ہیں۔ اگر عامل فعل ماضی ہے تو تاء تانیث ساکنہ لاحق ہوگی اور اگر صیغہ

وصف ہے تو متحرکہ لاحق ہوگی جیسے قَامَتْ هُنَا یہ فعل ماضی کی مثال ہے۔ اور رَيْدٌ قَائِمَةٌ اُمُّہ یہ صیغہ

وصف کی مثال ہے۔

وَيَجُوزُ الْوَجْهَانِ فِي مَجَازِي التَّانِيثِ الظَّاهِرِ، نَحْوُ: (قَدْ جَاءَ تَكُمُ
مَوْعِظَةً مِّنْ رَبِّكُمْ)، (قَدْ جَاءَ كُمْ بَيِّنَةٌ)، وَفِي الْحَقِيقِيِّ الْمُنْفَصِلِ،
نَحْوُ "حَضَرَتِ الْقَاضِيَةِ امْرَأَةٌ" وَالْمُتَّصِلِ فِي بَابِ "نِعْمَ، وَبِئْسَ" نَحْوُ
"نِعْمَتِ الْمَرْأَةِ هُنْدٌ" وَفِي الْجَمْعِ، نَحْوُ: (قَالَتِ الْأَعْرَابُ) إِلَّا جَمْعِي
التَّصْحِيحِ فَكَمُفَرَدَيْهِمَا، نَحْوُ: "قَامَ الرِّيدُونَ" وَ "قَامَتِ الْهِنْدَاتُ".

ترجمہ:- اور دونوں شکلیں جائز ہیں تانیث ظاہری مجازی میں جیسے "قَدْ جَاءَ تَكُمُ
مَوْعِظَةً مِّنْ رَبِّكُمْ" (تحقیق کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی) "قَدْ
جَاءَ كُمْ بَيِّنَةٌ" (تحقیق کہ تمہارے پاس دلیل آچکی) اور مؤنث حقیقی منفصل میں جیسے حَضَرَتِ
الْقَاضِيَةِ امْرَأَةٌ (عورت قاضی کے پاس حاضر ہوئی) اور مؤنث حقیقی متصل میں نِعْمَ اور بِئْسَ کے
باب میں جیسے "نِعْمَتِ الْمَرْأَةِ هُنْدٌ" (ہندہ اچھی عورت ہے) اور جمع میں، جیسے "قَالَتِ الْأَعْرَابُ"
(دیہاتیوں نے کہا) مگر تصحیح کے دونوں جمع تو ان دونوں کے مفرد کے مطابق ہوگا جیسے "قَامَ الرِّيدُونَ"
اور "قَامَتِ الْهِنْدَاتُ".

اسم فاعل کے عامل کو تائے تانیث کے الحاق کی صورتیں:

وَيَجُوزُ الْوَجْهَانِ الْخ کبھی اسم فاعل کے عامل کو تاء تانیث لاحق کرنا جائز ہوتا ہے اور کبھی
واجب، لیکن وہ کون سے مقامات ہیں جہاں تاء تانیث کا الحاق جائز ہے اور کہاں واجب ہے، تو ان مقامات
کے معلومات سے پہلے بطور تمہید چند چیزیں ذہن نشین فرمائیں، تاکہ مسائل کا سمجھنا آسان اور سہل ہو۔
مؤنث حقیقی کی تعریف: ایسے مؤنث کو کہتے ہیں جس کے بالمقابل کوئی جاندار مذکر آئے
خواہ تاء تانیث لفظوں میں ہو یا نہ ہو جیسے امْرَأَةٌ کے مقابلہ میں رَجُلٌ آتا ہے امْرَأَةٌ میں تاء تانیث
موجود ہے اور آتَانِ کے مقابلہ میں حِمَارٌ آتا ہے، لیکن آتَانِ میں تاء تانیث موجود نہیں ہے۔
مؤنث مجازی کی تعریف: ایسے مؤنث کو کہتے ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی جاندار مذکر نہ
آئے جیسے شَمْسٌ، عَيْنٌ۔ اسے مؤنث غیر حقیقی اور لفظی بھی کہتے ہیں۔

تاء تانیث کے الحاق اور عدم الحاق کی صورتیں:

تمہیدی کلمات ذہن نشین کرنے کے بعد یہ دھیان رہے کہ اسم فاعل کے عامل کے ساتھ تاء
تانیث کا لاحق کرنا اور نہ کرنا چار مسائل میں جائز ہیں۔

پہلا مسئلہ: اسم فاعل اسم ظاہر ہو اور مؤنث مجازی ہو تو ایسے فاعل کو تاء تانیث کا لاحق کرنا جائز ہے۔ جیسے "طَلَعَتِ الشَّمْسُ" اور "طَلَعَ الشَّمْسُ" ان دونوں مثالوں میں "الشَّمْسُ" فاعل اسم ظاہر مؤنث مجازی ہے اور عامل کے ساتھ تاء تانیث کا الحاق اور عدم الحاق دونوں درست ہیں اور دونوں طرح سے یہاں مستعمل ہیں۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "قَدْ جَاءَ تَكُم مَوْعِظَةٌ" اور "قَدْ جَاءَ كُمْ بَيِّنَةٌ" ان دونوں مثالوں میں مَوْعِظَةٌ، بَيِّنَةٌ اسم فاعل مؤنث مجازی ہیں اور ان کے عوامل کے ساتھ تاء تانیث کا الحاق اور عدم الحاق دونوں طرح مستعمل ہیں، لیکن تاء تانیث کا الحاق زیادہ رائج اور اولیٰ ہے۔

دوسرا مسئلہ: فاعل اسم ظاہر ہو اور مؤنث حقیقی ہو، فاعل اور عامل کے درمیان حرفِ اِلَّا کے علاوہ کے ذریعہ فصل کیا گیا ہو تو اس وقت عامل کو تاء تانیث لاحق کرنا اور نہ کرنا دونوں صورتیں جائز ہیں جیسے "حَضَرَتِ الْقَاضِيَةُ امْرَأَةً" اور "حَضَرَ الْقَاضِيُ امْرَأَةً" دونوں طرح پڑھنا درست ہے، کیوں کہ مذکورہ مثال میں امْرَأَةً اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہے اور حَضَرَتْ عامل ہے فاعل اور عامل کے درمیان لفظ الْقَاضِي کے ذریعہ فصل کیا گیا ہے جو لفظِ اِلَّا کے علاوہ ہے، لہذا عامل کے ساتھ تاء تانیث کا الحاق و عدم الحاق دونوں درست ہے۔

تیسرا مسئلہ: فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہو اور فاعل لفظ نِعْمَ یا بَشْس ہو تو عامل کے ساتھ تاء تانیث کا لاحق کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہوگا۔ جیسے نِعِمَّتِ الْمَرْأَةُ اور نِعْمَ الْمَرْأَةُ هِنْدُ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

چوتھا مسئلہ: فاعل اسم ظاہر جمع مکسر ہو تو فاعل کے عامل کے ساتھ الحاق و عدم الحاق دونوں جائز ہے جیسے "جَاءَتِ الزُّيُورُ" اور "جَاءَ الزُّيُورُ" اسی طرح "جَاءَتِ الْهُنُودُ" اور "جَاءَ الْهُنُودُ" دونوں امر اس جمع میں اس وجہ سے جائز ہیں کہ جن بعض لوگوں نے یہ جمع جماعت کی تاویل میں لیا انہوں نے الجماعت کے معنی پر محمول کر کے مؤنث لائے اور جن لوگوں نے الْجَمْع کے معنی پر محمول کیا وہ مذکر لائے لیکن جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم کا حکم ایسا نہیں ہے بلکہ یہ دونوں جمع سابق حکم سے مستثنیٰ ہیں، لہذا ان دونوں جمع کے لیے مفرد کی طرح عامل مفرد لائے جائیں گے جیسے جَاءَتِ الْهِنْدَاتُ تاء تانیث کے ساتھ پڑھی جائے گی جس طرح جَاءَتِ هِنْدُ پڑھی جاتی ہے اور قَامَ الزَّيْدُونَ بغیر تاء کے پڑھا جائے گا، جس طرح قَامَ زَيْدٌ بغیر تاء کے پڑھا جاتا ہے۔

تاء تانیث کا لاحق ہونا واجب کب؟

اسم فاعل کے عامل کے ساتھ تاء تانیث کا لاحق کرنا دو مسائل میں واجب ہے۔

پہلا مسئلہ: فاعل اسم ظاہر، مؤنث حقیقی ہو، فاعل اور عامل کے درمیان فصل نہ کیا گیا ہو اور فاعل نِعَم یا بئس کے بعد واقع نہ ہو، تو ایسے اسم فاعل کے عامل کے ساتھ تاء تانیث کا لاحق کرنا واجب ہے جیسے "إِذْ قَالَتْ امْرَأَةُ عِمْرَانَ" (وہ وقت قابل ذکر ہے جس وقت عمران کی بیوی نے کہا) اس مثال میں لفظ "امْرَأَة" فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہے اور اس کے اور عامل کے درمیان نہ کوئی فصل ہے اور نہ فاعل نِعَم یا بئس کے بعد واقع ہے، لہذا تاء تانیث کا لاحق کرنا واجب ہے۔

دوسرا مسئلہ: اگر فاعل ضمیر متصل ہو خواہ مؤنث حقیقی کی طرف راجع ہو یا مؤنث غیر حقیقی کی طرف ہر صورت میں عامل کو تاء تانیث لاحق کرنا ضروری ہے، کیوں کہ اس وقت فاعل کی تانیث فعل کی تانیث میں اثر کرے گی، لہذا اس وقت فاعل کا اتصال فعل کے ساتھ شدید ہوگا جو سرایت کو واجب کرتا ہے اس وجہ سے فعل کو مؤنث لانا واجب ہو جاوے گا۔ اور مذکر لانا جائز نہ ہوگا جیسے الشَّمْسُ طَلَعَتْ۔

وَأِنَّمَا امْتَنَعَ فِي النَّثْرِ "مَا قَامَتْ إِلَّا هُنَّ" لِأَنَّ الْفَاعِلَ مُذَكَّرٌ مَحذُوفٌ كَحَذْفِهِ فِي نَحْوِ "أَوْ اطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا" وَ "قُضِيَ الْأَمْرُ" وَ "أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ" وَيَمْتَنِعُ فِي غَيْرِهِنَّ۔

ترجمہ:- اور نثر "مَا قَامَتْ إِلَّا هُنَّ" میں تاء تانیث کا لاحق کرنا ممتنع ہے، اس لیے کہ فعل کا فاعل مذکر محذوف ہے، جیسا کہ "أَوْ اطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ، يَتِيْمًا" اور "قُضِيَ الْأَمْرُ" اور "أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ" میں فاعل محذوف ہے اور ان کے علاوہ میں بھی تاء تانیث کا لاحق کرنا ممتنع ہے۔

تشریح:- فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ "مَا قَامَتْ إِلَّا هُنَّ" جیسی نثر میں عامل کے ساتھ تاء تانیث کا لاحق کرنا جائز ہے، حالاں کہ قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس میں دونوں صورتیں جائز ہوتیں بلکہ تاء تانیث کا الحاق رائج ہوتا جیسا کہ "حَضَرَتِ الْقَاضِيَةُ امْرَأَةٌ" میں دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اور تاء تانیث کے ساتھ پڑھنا رائج ہے، لیکن علمائے نحو نے اس نثر میں ترک تاء کو واجب قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ مثال میں "إِلَّا" کے بعد حقیقتاً لفظ "هُنَّ" فاعل نہیں بلکہ "إِلَّا" سے پہلے فاعل مقدر ہے، اس سے وہ بدل واقع ہے اور وہی فاعل مقدر مستثنیٰ منہ ہے اور مذکر ہے، اس وجہ سے عامل کا مذکر لانا ضروری ہو اور تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "مَا قَامَ أَحَدٌ إِلَّا هُنَّ"

مذکورہ بالا صورت ان مقامات اربعہ کی ایک کڑی ہے جس میں فاعل کا حذف کرنا جائز ہے، دوسری صورت مصدر کا فاعل جب کہ اس کے ساتھ فاعل اسم ظاہر مذکر نہ ہو، کیوں کہ فاعل کے لیے مصدر میں ضمیر نہیں مانی جاسکتی۔ لِأَنَّ الْمَصْدَرَ غَيْرُ مُشْتَقٍّ عِنْدَ الْبَصَرِيِّينَ فَلَا يَتَحَمَّلُ ضَمِيرًا

جیسے باری تعالیٰ کا قول "أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ إِطْعَامُهُ يَتِيمًا" (یا کھلانا بھوک کے دن میں یتیم کو جو قرابت والا ہے۔ پارہ ۳۰، سورۃ البقرہ آیت ۱۷۷، ۱۷۸) اس آیت کریمہ میں اطعام مصدر کا فاعل محذوف ہے۔

تیسری صورت باب التیابہ میں فاعل کو اس طرح حذف کرین کہ اس کی جگہ مفعول بہ یا کسی معمول کو جس کا اس کی جگہ قائم کرنا درست ہوتا ہے قائم کر دیں تو فاعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے "قُضِيَ الْأَمْرُ" کہ اس کی اصل قَضَى اللَّهُ الْأَمْرَ تھی، فاعل کو حذف کر کے مفعول بہ کو نائب فاعل بنا دیا گیا ہے۔ چوتھی صورت أَفْعُلُ فِي التَّعَجُّبِ کے فاعل کا حذف کرنا جائز ہے، بشرطیکہ دلالت کرے اس پر وہ جو ماقبل میں اسی کے مثل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ" سے بہم کو حذف کر دیا گیا ہے، "بِهِمْ" کے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے اور بقول جمہور وہ فاعلیت کی بناء پر حالت رفع میں ہے، لہذا فاعل کا محذوف ہونا پایا گیا ہے۔

بَابُ الْأَصْلِ فِي الْفَاعِلِ أَنْ يَلِيَ الْفِعْلُ

وَالْأَصْلُ أَنْ يَلِيَ عَامِلُهُ وَقَدْ يَتَأَخَّرُ: جَوَارًا نَحْوُ: (وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذْرُ) وَ "كَمَا آتَى مُوسَى عَلَى قَدَرٍ" وَوَجُوبًا نَحْوُ: (وَإِذَا بَتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ) وَ "ضَرَبَنِي زَيْدٌ" وَقَدْ يَجِبُ تَأْخِيرُ الْمَفْعُولِ كـ "ضَرَبْتُ زَيْدًا" وَ "مَا أَحْسَنَ زَيْدًا" وَ "ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى" بِخِلَافِ "أَرْضَعَتِ الصُّغْرَى الْكُبْرَى" وَقَدْ يَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ: جَوَارًا نَحْوُ (فَرِيقًا هَدَى) وَ وَجُوبًا نَحْوُ: (أَيَا مَا تَدْعُوَا): وَإِذَا كَانَ الْفِعْلُ نِعْمَ أَوْ بئْسَ فَالْفَاعِلُ إِمَّا مُعَرَّفٌ بِأَلِ الْجِنْسِيَّةِ نَحْوُ: (نِعْمَ الْعَبْدُ) أَوْ مُضَافٌ لِمَا هِيَ فِيهِ نَحْوُ: (وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ) أَوْ ضَمِيرٌ مُسْتَتِرٌ بِتَمْيِيزٍ مُطَابِقٍ لِلْمَخْصُوصِ، نَحْوُ: (بئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا).

ترجمہ:- اسم فاعل کا اپنے عامل سے متصل ہونا اصل ہے۔ اور کبھی جوازی طور پر مؤخر ہوتا ہے جیسے "وَلَقَدْ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذْرُ" اور "كَمَا آتَى مُوسَى عَلَى قَدَرٍ" اور کبھی وجوباً مؤخر ہوتا ہے۔ جیسے "وَإِذَا بَتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ" اور "ضَرَبَنِي زَيْدٌ" اور کبھی مفعول کا مؤخر کرنا واجب ہوتا ہے جیسے "ضَرَبْتُ زَيْدًا" اور "مَا أَحْسَنَ زَيْدًا" اور "ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى" برخلاف "فَرِيقًا

ہدیٰ اور کبھی وجوہاً مقدم ہوتا ہے جیسے "أَيَّامًا تَدْعُوا" اور جب فعل نِعَمَ یا بُئْسَ ہو تو فاعل یا تو الف لام جنسی کے ذریعہ معرفہ بنا لیا جاتا ہے جیسے "نِعَمَ الْعَبْدُ" یا ایسے اسم کی طرف مضاف ہوگا جس میں الف لام جنسی ہو جیسے "وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ" یا فاعل ایسا ضمیر مستتر ہوگا جس کی تفسیر ایسے تمیز سے کی گئی ہوگی جو مخصوص کے مطابق ہو جیسے "بُئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا"۔

فعل، فاعل اور مفعول کی اصلیت:

والاصل ان یلی عامله الخ فاضل مصنف نے فرمایا کہ فعل اور فاعل کلمہ واحد کے مانند ہے، چنانچہ ان دونوں کا متصلاً آنا ان دونوں کا حق ہے، اس لیے کہ فاعل بوجہ شدت احتیاج کے فعل کی طرف اس کے جزء کے مانند ہے اس وجہ سے فاعل کے لیے اصل یہی ہے کہ وہ فعل کے متصل ہو اور ان دونوں کے بعد مفعول آئے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ" (اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے۔ پارہ ۱۹، سورہ نمل آیت ۱۶) میں فعل فاعل اور مفعول علی الترتیب مذکور ہیں۔

اس بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ تلفظ میں فاعل کا مفعول کے بعد آنا جائز ہے۔ جیسے پہلے آنا جائز ہے، لیکن یہ جواز مقدم اور مؤخر آنے کا اسی وقت تک ہے جب تک کوئی مانع موجود نہ ہو اور اگر کوئی ایسا مانع موجود ہو کہ مفعول پر مؤخر کرنا جائز نہ رہے تو اس وقت مفعول پر تقدیم واجب ہو جاتی ہے۔

اسم فاعل کے تقدیم و تاخیر کا جوازی قاعدہ:

وَقَدْ يَتَأَخَّرُ جَوَازًا الخ فاعل اور مفعول میں جب اعراب لفظی متشبی نہ ہو اور نہ التباس کا خوف ہو تو فاعل کو مفعول سے پہلے بھی لانا جائز ہے۔ اور مفعول سے مؤخر کرنا بھی جائز ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذْرُ" (اور فرعونوں کے پاس ڈرانے والے پہنچے۔ پارہ ۲، سورہ قمر، آیت ۴۱) میں آلَ فِرْعَوْنَ مفعول مقدم ہے، اور النَّذْرُ فاعل مؤخر ہے اور یہ تاخیر جائز ہے۔ نیز جَاءَ النَّذْرُ آلَ فِرْعَوْنَ کہنا بھی جائز ہے، اس لیے کہ اعراب لفظی موجود ہے اور کسی اشتباہ والتباس کا خوف بھی نہیں ہے۔

اور شاعر کا قول جَاءَ الْخِلَافَةَ أَوْ كَانَتْ لَهُ قَدَرًا۔۔۔ کَمَا آتَى رَبَّهُ مُوسَى عَلَى قَدَرٍ۔ (وہ برسر اقتدار ہوا یا اس کے لیے خلافت مقدر تھی جیسا کہ موسیٰ اپنے رب کے پاس وقت مقررہ پر آئے) میں "رَبَّهُ مفعول مقدم اور "مُوسَى" فاعل مؤخر ہے اور یہ جائز ہے، اگر "کَمَا آتَى مُوسَى رَبَّهُ" کہا جائے تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ اعراب لفظی موجود ہونے کی وجہ سے کسی اشتباہ والتباس کا خوف نہیں ہے، نیز اس وقت لفظاً ورتبہ ضمیر متقدم پر عود کر رہی ہے اور ضمیر کے عود کرنے میں یہی اصل ہے۔

فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے:

ووجوباً نحو "وَإِذَا بَتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ" فاضل مصنف نے اس سے پہلے وہ صورتیں بیان کیں جہاں فاعل کا مفعول پر مقدم کرنا اور مفعول سے مؤخر کرنا دونوں جائز ہے۔ اب وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں جہاں فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے۔

(۱) فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو، یعنی وہ ضمیر مفعول کی طرف راجع ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَإِذَا بَتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ" (اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں۔ پارہ ۱، سورہ بقرہ آیت ۱۲۳) اس آیت میں رَبُّہ فاعل اپنے مفعول إِبْرَاهِيم سے مؤخر ہے اور فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہے اور تاخیر کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر فاعل کو مفعول سے پہلے ذکر کیا جائے اور إِذَا بَتَلَىٰ رَبُّہ إِبْرَاهِيم کہا جائے تو اضماع قبل الذکر لفظاً ورتبۃً دونوں طرح سے لازم آئے گا اور وہ جائز نہیں ہے۔

(۲) فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو اور فاعل کی ضمیر متصل نہ ہو جیسے "ضَرَبَنِي زَيْدٌ" تو اس صورت میں بھی فاعل کا مؤخر کرنا واجب ہے، اگر فاعل کو مقدم کر دیں اور ضَرَبَ زَيْدٌ اِيَّايَ کہیں تو "ی" ضمیر جو متصل ہے اس کو فعل سے علاحدہ بیان کرنا پڑے گا اور اس صورت میں متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا۔

(۳) فاعل إِلَّا کے بعد واقع ہو اس صورت میں مفعول کا انحصار فاعل میں ہوتا ہے جیسے "مَا ضَرَبَ عَمْرُوًا إِلَّا زَيْدٌ" اگر فاعل کو مقدم کر دیا جائے تو فاعل کا حصر مفعول پر ہو جائے گا جو خلاف مقصود ہے۔

(۴) إِنَّمَا کے ساتھ فاعل اور مفعول کا استعمال ہو اور مفعول کا حصر فاعل میں ہو تو اس صورت میں فاعل کا مؤخر کرنا واجب ہے۔ جیسے إِنَّمَا ضَرَبَ عَمْرُوًا زَيْدٌ اس میں عمرو کی مضروبیت کا حصر زید کی ضاربیت پر ہو رہا ہے، اگر فاعل کو مقدم کر دیں گے تو ضاربیت کا حصر عمرو کی مضروبیت میں ہوگا اور یہ مقصود کے خلاف ہے۔

مفعول کا مؤخر کرنا واجب ہے:

وَقَدْ يَجِبُ تَأْخِيرُ الْمَفْعُولِ الْخ اس سے پہلے وہ صورتیں بیان کی تھیں جہاں فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے، اب وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں جہاں مفعول کا فاعل سے مؤخر کرنا واجب ہے۔ اس کی بھی چند صورتیں ہیں۔

(۱) جب فاعل اور مفعول سے اعراب لفظی اور قرینہ جو کہ فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہے دونوں منقشی ہو جائیں تو اس صورت میں تاخیر مفعول از فاعل واجب ہو جاتی ہے، کیوں کہ اگر تاخیر واجب نہ ہو تو فاعل اور مفعول کے درمیان التباس و اشتباہ لازم آوے گا اور معلوم نہ ہوگا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول جیسے ضَرَبَ مُوسَىٰ عِيسَىٰ یہ دونوں اسم مقصورہ ہیں اور فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ بھی نہیں ہے، اس وجہ سے فاعل یعنی موسیٰ کی تقدیم اس مثال میں مفعول یعنی عیسیٰ پر واجب ہوگی۔

الف مقصورہ کی تعریف:

اس سے مراد ایسا اسم ہے کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے سلمیٰ، صغریٰ، کبریٰ۔

(۲) جب فاعل ضمیر مرفوع متصل ہو جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا تو فاعل کی تقدیم اور مفعول کی تاخیر واجب ہوگی۔ اور یہ اس وجہ سے واجب ہے کہ جب فاعل ضمیر متصل ہے تو اگر مقدم نہ کریں اور مؤخر کر دیں تو اس صورت میں اتصال نہ رہے گا اور متصل کو منفصل کرنا لازم آئے گا۔ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ۔

(۳) جب فاعل کا مفعول إِلَّا کے بعد واقع ہو۔ یعنی مفعول کا حصر کرنا مقصود ہو جیسے مَا ضَرَبَ زَيْدٌ إِلَّا عَمْرًا تو مفعول کی تاخیر واجب ہوگی اور وجہ تاخیر یہ ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے إِلَّا کے بعد جو واقع ہوگا اس میں حصر ہوگا اس لیے مفعول پر حصر کی صورت میں مفعول کا فاعل سے مؤخر کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے تو فاعل پر حصر ہو جائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

(۴) جب فاعل کا مفعول إِنَّمَا کے بعد واقع ہو تو مفعول کا مؤخر کرنا واجب ہے تاخیر مفعول کی وجہ یہ ہے کہ إِنَّمَا کا حال یہ ہے کہ جس پر حصر ہوتا ہے اس کو آخر میں لاتے ہیں تو اگر فاعل کا حصر مفعول پر ہے تو فاعل کو مقدم کریں گے اور مفعول کو مؤخر کریں گے ورنہ مقصود کے خلاف لازم آئے گا۔

قرینہ سے مراد: وہ شئی ہے، جو تعین مراد پر بلا وضع دلالت کرے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ قرینہ لفظیہ، قرینہ معنویہ۔ اول کی مثال جیسے ضَرَبْتُ مُوسَىٰ حَبْلِي کہ ضَرَبْتُ فعل کی تاء تانیث فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرتی ہے، لہذا حَبْلِي فاعل ہے۔

ثانی کی مثال جیسے أَكَلَ الْكُمَثَرِيُّ مُوسَىٰ (موسیٰ نے ناشپاتی کھائی) کھانے والا از روئے عقل موسیٰ ہی ہو سکتا ہے نہ کہ ناشپاتی۔

قرینہ پائے جانے کے وقت تقدیم و تاخیر دونوں جائز ہیں:

بِخِلَافِ أَرْضَعَتِ الصَّغْرَى الْكُبْرَى الخ اگر فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں مگر

التباس کا خوف نہ ہو اور نشاندہی کے لیے قرینہ معنویہ پایا جائے تو پھر فاعل کو مقدم اور مفعول کو مؤخر کرنا واجب نہیں، بلکہ تقدیم و تاخیر دونوں جائز ہیں۔ جیسے "أَرْضَعَتِ الصُّغْرَى الْكُبْرَى" میں الْكُبْرَى فاعل ہے، کیوں کہ قرینہ معنویہ بتا رہا ہے کہ كُبْرَى ہی صُغْرَى کو دودھ پلا سکتی ہے، اسی طرح "أَكَلَ الْكُمَثْرَى مُوسَى" میں ازروئے عقل قرینہ معنویہ بتلا رہا ہے کہ موسیٰ فاعل ہے، کیوں کہ موسیٰ ہی ناشپاتی کھا سکتا ہے۔

یا قرینہ لفظیہ پایا جائے جیسے "ضَرَبَتْ مُوسَى سَلْمَى" اس میں فعل کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ کا اتصال بتا رہا ہے کہ فاعل سلمیٰ ہے۔ اسی طرح ضَرَبَ مُوسَى الْعَاقِلَ عِيسَى میں مُوسَى کی صفت الْعَاقِلُ جب حالت رفع میں ہے تو موسیٰ موصوف ضرور حالت رُفْعی میں ہوگا اور حالت رُفْعی میں ہونا فاعلیت کی علامت ہے۔

ماحصل یہ نکلا کہ اگر فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں مگر التباس کا خوف نہ ہو تو پھر تقدیم و تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔ اور تقدیم فاعل واجب بھی نہیں۔

ضَرَبَ مُوسَى عِيسَى کی تشریح: جس طرح مثال مذکور میں موسیٰ اور عیسیٰ دونوں اسم مقصور ہیں اور فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ بھی نہیں۔ اس وجہ سے اس مثال میں مفعول کا صرف فاعل پر مقدم کرنا جائز نہیں، اسی طرح اس میں فاعل اور فعل دونوں پر مقدم کرنا جائز نہیں، تاکہ یہ وہم نہ ہو سکے کہ وہ مبتداء ہے اور فعل اس کی ضمیر کا متحمل ہے اور مفعول ہے۔

مفعول کا عامل پر مقدم ہونا جائز ہے؟

وقد يتقدم على العامل جواراً الخ جس وقت فاعل اور مفعول سے اعراب لفظی اور فاعلیت و مفعولیت پر دلالت کرنے والا قرینہ منقشی نہ ہو، نہ التباس کا خوف ہو تو پھر مفعول کو فاعل اور فعل دونوں پر مقدم کرنا جائز ہے، اس سے کوئی مانع نہ ہونے کی وجہ سے، جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا "عمرًا ضَرَبَ زَيْدٌ" پڑھنا درست ہے، اس لیے کہ اعراب لفظی کی موجود ہونے کی بناء پر کسی طرح کا التباس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَرِيقًا هَدَى" (ایک فرقہ کو ہدایت کی۔ پارہ ۸، سورہ اعراف، آیت ۳۰) میں فَرِيقًا مفعول فعل پر مقدم ہے اور یہ یہاں جائز ہے۔

مفعول کا فعل پر مقدم کرنا واجب ہے؟

وَوُجُوبًا نَحْوَ أَيَّامًا تَدْعُوا الخ کی تشریح: فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی مفعول کا فعل پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "أَيَّامًا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ"

”الحُسْنٰی“ (جو کہہ کر پکارو گے سو اسی کے ہیں سب اچھے نام۔ پارہ ۱۵، سورۃ الاسراء آیت ۱۱۰) میں ”ایّا“ تَدْعُوا فَعْل کے لیے مفعول ہے جو جو بَا تَدْعُوا پر مقدم ہے، وجہ تقدیم یہ ہے کہ ”ایّا“ حرف شرط ہے اور حرف شرط اپنے لیے صدر کلام چاہتا ہے، لہذا صدارت کلام کا متقاضی ہونے کی بناء پر تَدْعُوا فَعْل پر مقدم کیا گیا اور فَعْل کو اسی حرف شرط کی وجہ سے جزم آیا ہے۔

افعال مدح و ذم کے فاعل کی صورتیں:

وَإِذَا كَانَ الْفِعْلُ نِعْمَ أَوْ بَيْسَ فَالْفَاعِلُ الْخ کی تشریح: زیر بحث مسئلہ سمجھنے سے پہلے بطور تمہید کے چند اصولی باتیں ذہن نشیں فرمالیجیے تاکہ اقرب الی الفہم ثابت ہو۔ افعال مدح و ذم کی تعریف: اس سے مراد وہ افعال ہیں جو (انشاء مدح و ذم) اچھائی یا بُرائی ثابت کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہوں لہذا مَدَحْتُهُ وَذَمَمْتُهُ (میں نے اس کی مدح کی اور میں نے اس کی مذمت کی) اگرچہ مدح و ذم پر دلالت کرتے ہیں، مگر ان کو افعال مدح و ذم نہیں کہیں گے، کیونکہ ان کے اندر انشاء نہیں ہے بلکہ خبر ہے۔

افعال مدح و ذم چار ہیں، نِعْمَ، حَبَّذَا، (برائے مدح) بَيْسَ، سَاءَ (برائے ذم) جیسے ”نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ“ (زید اچھا آدمی ہے) ”بَيْسَ الرَّجُلُ عَمْرُو“ (عمرو برا آدمی ہے) جس کی تعریف یا مذمت بیان کی جائے اس کو مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم کہتے ہیں۔ اور مخصوص بالمدح والذم کو بوقت قرینہ حذف بھی کیا جاسکتا ہے۔ جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ دراصل نِعْمَ الْعَبْدُ أَيُّوبُ ہے۔

تمہیدی کلمات ذہن نشیں فرمالینے کے بعد اصل مسئلہ زیر قسطاس یہ ہے کہ نِعْمَ، بَيْسَ کے فاعل کی تین صورتیں ہیں (۱) فاعل یا تو معرف باللام ہوگا جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ (بندہ کیسا اچھا ہے) اس مثال میں الْعَبْدُ نِعْمَ کا فاعل ہے جو کہ معرف باللام ہے۔

(۲) یا فاعل معرف باللام کی طرف مضاف ہو یعنی نِعْمَ یا بَيْسَ کا فاعل ایسے اسم کا مضاف ہو جو معرف باللام ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول ”وَلِنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ“ (اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا۔ پارہ ۱۴، سورہ نحل آیت ۳۰) میں لفظ ”دَارُ“ نِعْمَ کا فاعل ہے اور معرف باللام ”الْمُتَّقِينَ“ کی طرف مضاف ہے۔ باری تعالیٰ کا قول ”فَلْيَبْئِسَ مَثْوٰی الْمُتَكَبِّرِينَ“ (سو کیا برا ٹھکانہ ہے غرور کرنے والوں کا۔ پارہ ۱۴، سورہ نحل آیت ۲۹) اس آیت میں لفظ ”مَثْوٰی“ بَيْسَ کا فاعل ہے اور یہ معرف باللام کی طرف مضاف ہے۔

(۳) یا فاعل ایسی ضمیر مستتر ہو جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہو اور اس تمیز سے اس کی تفسیر ہو رہی ہو۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول ”بَيْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا“ (برا ہاتھ لگا بے انصافوں کے بدلہ۔ پارہ ۱۵، کہف

آیت (۵۰) میں بِنَسْ کا فاعل هُوَ ضمیر پوشیدہ ہے جس کی تفسیر لفظ "بَدَلًا" سے ہو رہی ہے اور یہ نکرہ منصوب علی التمیز ہے۔

مخصوص بالمدح کی تعریف:

فعل مدح کے فاعل کے بعد ایسا اسم مرفوع لایا جائے جو اس مدح کے ساتھ مخصوص ہو۔ یعنی اس کی تعریف کی جارہی ہے جیسے نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ (زید کیا ہی اچھا آدمی ہے) مخصوص بالذم کی تعریف:

فعل ذم کے فاعل کے بعد ایک اسم مرفوع آتا ہے جس کی مذمت کی جاتی ہے اس کو مخصوص بالذم کہتے ہیں۔

نوٹ:- نعم کا فاعل اسم ظاہر ہوگا یا مضمّر ہوگا، اگر ظاہر ہوگا تو مخصوص بالمدح والذم کے ساتھ لایا جائے گا جیسے نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ یا مضمّر ہوگا تو اس کی تمیز مخصوص بالمدح والذم کے ساتھ لائی جائے گی جیسے نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ کہ اس میں رَجُلًا سے پہلے هُوَ ضمیر پوشیدہ ہے اور رَجُلًا تمیز ہے جو زید مخصوص بالمدح کے ساتھ لایا گیا ہے۔

نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ میں ترکیب کے اعتبار سے مخصوص بالمدح کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) یہ اسم مبتداء مؤخر ہو اور اس کا ماقبل خبر مقدم۔ اور ان دونوں کے درمیان رابطہ وہ عموم ہو جو الف لام میں موجود ہے اگر کوئی کہے کہ مبتداء کی خبر جب جملہ ہو تو اس میں عائد ہونا چاہیے، حالاں کہ اس جگہ ضمیر نہیں جو مبتداء کی طرف عائد ہو؟ جواب یہ ہے کہ عائد کے لیے فقط ضمیر کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ میں الف لام عہدی بھی عائد ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مخصوص مذکور مبتداء محذوف کی خبر ہو، اور نِعْمَ الرَّجُلُ علاحدہ جملہ فعلیہ ہو تو اس وقت نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ دو جملے ہوں گے، ایک فعلیہ یعنی نِعْمَ الرَّجُلُ اور دوسرا اسمیہ یعنی هُوَ زَيْدٌ، پس اس جملہ کی خبر اول یعنی هُوَ محذوف ہے۔

مخصوص بالمدح والذم کے فاعل پر تقدیم کا حکم:

مخصوص بالمدح والذم کا فاعل پر مقدم کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے، چنانچہ "نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ" کو "نِعْمَ زَيْدٌ الرَّجُلُ" کہنا جائز نہیں۔

(۲) مخصوص بالمدح والذم کا تمیز پر بھی مقدم کرنا جائز نہیں۔ اس میں کوئیوں کا اختلاف ہے، چنانچہ "نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ" کو "نِعْمَ زَيْدٌ رَجُلًا" کہنا درست نہیں۔

(۳) مخصوص بالمدح والذم کا فعل اور فاعل دونوں پر مقدم کرنا جائز ہے بالاتفاق جیسے ”رَیْتُ نِعَمَ الرَّجُلِ“

(۴) کبھی مخصوص بالمدح والذم کو قرینہ پائے جانے کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول ”إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعَمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ“ (ہم نے اس کو پایا صبر کرنے والا بہت خوب بندہ، حقیقتاً وہ ہے رجوع رہنے والا۔ پارہ ۲۳، سورہ ص آیت ۴۴) میں لفظ ”أَيُّوبُ“ محذوف ہے، جو کہ مخصوص بالمدح ہے۔

باب نائب الفاعل وبعض اسباب حذف الفاعل

بَابُ النَّائِبِ عَنِ الْفَاعِلِ: يُحْذَفُ الْفَاعِلُ فَيَنْوَبُ عَنْهُ فِي أَحْكَامِهِ كُلِّهَا مَفْعُولٌ بِهِ، فَإِنْ لَمْ يُوْجَدْ فَمَا اخْتَصَّ وَتَصَرَّفَ مِنْ ظَرْفٍ أَوْ مَجْرُورٍ أَوْ مَصْدَرٍ، وَيُضْمُّ أَوَّلُ الْفِعْلِ مُطْلَقًا، وَيُشَارِكُهُ ثَانِي نَحْوُ: ”تُعْلَمُ، وَثَالِثٌ نَحْوُ أَنْطَلِقَ، وَيُفْتَحُ مَا قَبْلَ الْآخِرِ فِي الْمُضَارِعِ- وَيُكْسَرُ فِي الْمَاضِي، وَلَكَ فِي نَحْوِ قَالَ وَبَاعَ، الْكَسْرُ مُخْلَصًا، وَمُشَمًّا، ضَمًّا، وَالضَّمُّ مُخْلَصًا۔“

ترجمہ:- نائب فاعل کا باب۔ فاعل حذف کر دیا جاتا ہے پھر اس کے تمام احکامات میں مفعول بہ کو اس کا قائم مقام کر لیا جاتا ہے، اگر وہ (یعنی مفعول بہ) نہ پایا جائے تو پھر شرط مختص اور متصرف ظرف، جار مجرور، اور مصدر میں سے کوئی نائب فاعل بنایا جائے گا، اور مطلقاً فعل کا پہلا حرف ضمہ دیا جائے گا اور فعل کا دوسرا حرف بھی ضمہ ہونے میں اس کے ساتھ شریک ہوگا۔ جیسے تَعْلَمُ اور تیسرا حرف بھی مضموم ہونے میں شریک ہوگا جیسے أَنْطَلِقَ، اور مضارع میں آخر سے ما قبل کو فتح دیا جائے گا، اور ماضی میں کسرہ دیا جائے گا، اور قَالَ، اور بَاعَ جیسی مثالوں میں تیرے لیے خالص کسرہ کا اختیار ہے، اور اِشْتَامَ ضمہ کا بھی، اور خالص ضمہ کا بھی۔

تشریح:- باب النائب عن الفاعل الخ فاضل مصنف جب فاعل کی تفصیلات کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے جو فاعل حقیقی تھا تو اب یہاں سے نائب فاعل یعنی مفعول مالم یسم فاعلہ کے احکامات بیان کرنا شروع کیا جو فاعل حکمی ہے۔

نائب فاعل کی تعریف: کبھی فعل کا فاعل مذکور نہیں ہوتا یا اس کا تذکرہ مناسب نہیں ہوتا تو فاعل کو حذف کر کے مفعول بہ کی طرف فعل کی نسبت کرتے ہیں ایسے فعل کو فعل مجہول اور اس کے مفعول

بہ کو نائب فاعل اور مفعول مالم یسم فاعلہ کہتے ہیں بالفاظ دیگر فعل کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کی جگہ رکھ دیا جائے تو ایسے مفعول کو مفعول مالم یسم فاعلہ کہتے ہیں۔

نائب فاعل کا حکم: نائب فاعل بھی فاعل کی طرح مرفوع ہوتا ہے اور تمام احکام میں فاعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یعنی جو حال فعل کا فاعل کے اعتبار سے ہوتا ہے وہی حال نائب فاعل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

فاعل کے محذوف ہونے کی چند صورتیں:

يُحَذَفُ الْفَاعِلُ فَيَنْوُبُ عَنْهُ الْخ فاعل کے محذوف ہونے کی چند صورتیں ہیں (۱) فعل کا فاعل کبھی محذوف ہوتا ہے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے جیسے "سُرِقَ الْمَتَاعُ" (چیز چوری ہو گئی) اسی طرح "رَوَى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی) ان دونوں مثالوں میں فاعل لفظ سارق اور راوی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے محذوف ہیں۔

(۲) کبھی فعل کا فاعل حذف کیا جاتا ہے غرض لفظی کی وجہ سے جیسے اہل عرب کا قول "مَنْ طَابَتْ سِرِّيْرَتُهُ حُمِدَتْ سِرِّيْرَتُهُ" (جس شخص کا درازہ خوشگوار ہو اس کے سیرت کی تعریف کی گئی) میں "حُمِدَتْ" فعل کا فاعل لفظ "النَّاسُ" پوشیدہ ہے غرض لفظی کی بناء پر کیوں کہ حَمْدُ النَّاسِ سِرِّيْرَتَهُ کہتے تو مسجع عبارت کا لحاظ نہیں ہو پاتا۔

(۳) کبھی فعل کا فاعل حذف کیا جاتا ہے غرض معنوی کی بناء پر۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ" (اے ایمان والو! جب کوئی تم کو کہے کہ کھل کر بیٹھو مجلسوں میں تو کھل جاؤ، اللہ تمہارے لیے کشادگی پیدا کر دے گا اور جب کوئی کہے کہ اٹھ کھڑے ہو تو کھڑے ہو جاؤ۔ پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ آیت ۱۱) میں محل استشہاد "إِذَا قِيلَ لَكُمْ" ہے۔ قِيلَ فعل کا فاعل محذوف ہے غرض معنوی کی بناء پر۔

غرض معنوی یہ ہے کہ جب کسی کو خاص کر کے خطاب کیا جاتا تو عمومیت ختم ہو جاتی حالاں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ شرف عمومی طور پر نازل کرنا تھا۔

شاعر کا قول: "وَإِنْ مَدَّتِ الْآيْدِي إِلَى الرَّادِ لَمْ أَكُنْ — بِأَعَجَلِهِمْ، إِذَا أَجْشَعَ الْقَوْمُ أَعْجَلَ" (ترجمہ: اگر توشہ کی طرف ہاتھ بڑھائے جائیں تو میں جلد بازوں کے ساتھ نہیں ہوں گا، کیوں کہ قوم کا سب سے بدترین وہ ہے جو سب سے زیادہ جلد باز ہو۔)

اس شعر میں محل استشہاد "مَدَّتِ الْآيْدِي" ہے کہ اس فعل کا فاعل غرض معنوی کی وجہ سے

محذوف ہے اور غرض معنوی عمومیت کو باقی رکھتا ہے، اگر کسی کا نام لے لیتے تو مخصوص ہو جاتا۔

ظرف اور مصدر کا نائب فاعل بننا؟

فَإِنْ لَمْ تَوْجَدْ فَمَا اخْتَصَّ الْخِ اگر کلام میں مفعول بہ مذکور نہ ہو تو اسم ظرف، یا مصدر نائب فاعل بن سکتا ہے تین شرطوں کے ساتھ۔

پہلی شرط:- ظرف نائب فاعل بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ مختص ہو، اگر مختص نہ ہو تو نائب فاعل نہیں بن سکتا جیسے ضَرْبَ ضَرْبٍ، صَيِّمَ رَمَنْ، اُعْتَكِفَ مَكَانٍ کہنا جائز نہیں، چوں کہ یہ مختص نہیں بلکہ مبہم ہیں اور ظرف مبہم نائب فاعل نہیں بن سکتا۔ ہاں صَيِّمَ رَمَنْ، بِسَيْرٍ فَرَسَخٍ، ضَرْبَ ضَرْبٍ شَدِيدٍ وَصَيِّمَ رَمَنْ طَوِيلٍ اور اُعْتَكِفَ مَكَانٍ حَسَنٍ کہنا درست ہے، کیوں کہ وصف کے ذریعہ اختصاص کا حصول ہو چکا ہے۔

دوسری شرط:- مصدر اور ظرف نائب فاعل بنیں گے بشرطیکہ ان کی گردان ہو سکتی ہو، اگر گردان نہ ہو تو ان کا نائب فاعل بنانا جائز نہیں جیسے سُبْحَانَ اللَّهِ میں لفظ سُبْحَانَ کی گردان نہیں آتی، لہذا یہ نائب فاعل نہیں بن سکتے۔

تیسری شرط:- کلام میں مفعول بہ موجود نہ ہو تو مصدر اور ظرف نائب فاعل بن سکتے ہیں اگر مذکور ہو تو پھر جائز نہیں جیسے ضَرْبَ الْيَوْمِ زَيْدًا کہنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ زَيْدًا مفعول بہ موجود ہے تو نائب فاعل یہی بنے گا الْيَوْمِ نہیں۔ تیسری شرط میں امام اخفش اور کوفیین حضرات اختلاف کرتے ہیں کہ کلام میں مفعول بہ موجود ہوتے ہوئے بھی ظرف یا مصدر کا نائب فاعل بننا جائز ہے، اگر جار مجرور کو نائب فاعل بنایا جائے تو اس کے لیے بھی ان شرائط ثلاثہ کا ہونا ضروری ہے، لیکن امام اخفش اور کوفیین حضرات فرماتے ہیں کہ کوئی ضرورت نہیں۔ ان حضرات نے مفعول بہ کے موجود ہوتے ہوئے جار مجرور کو نائب فاعل بنانے پر حضرت ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت "لِيُجْزَى قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ" سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے قَوْمًا مفعول بہ کی موجودگی میں "بِمَا" جار مجرور کو لِيُجْزَى فعل کا نائب فاعل قرار دیا ہے اور مفعول بہ کو منصوب رکھا ہے۔ اسی طرح شاعر نے بھی اپنے شعر میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

شاعر کا قول: وَإِنَّمَا يَرْضَى الْمُنِيبُ رَبَّهُ ————— مَا دَامَ مَعْنِيًا بِذِكْرِ قَلْبِهِ

(ترجمہ: اور حقیقت میں رجوع کرنے والا اپنے رب کو راضی کر لیتا ہے جب تک اس کے دل کو ذکر الہی سے سرشار رکھا جاتا ہے۔) اس شعر میں محل استشہاد "مَعْنِيًا بِذِكْرِ قَلْبِهِ" ہے، کیوں کہ شاعر نے قَلْبَهُ کے موجود ہوتے ہوئے بِذِكْرِ جار مجرور کو نائب فاعل بنایا ہے۔

فاضل مصنف نے امام انفش کے استدلال کا جواب دو طرح سے دیا ہے۔ اول یہ کہ امام ابو جعفر کی یہ قراءت شاذ ہے جو ناقابل استدلال ہے۔ دوم یہ کہ جار مجرور کا نائب فاعل ہونا متعین نہیں بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ نائب فاعل وہ ضمیر ہو جو فعل میں مستتر ہے اور اس غفران کی طرف عود کر رہی ہے جو باری تعالیٰ کے قول "قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا" سے مفہوم ہو رہا ہے۔ اور اصل عبارت یوں ہے "لِيُجْزِيَ الْغُفْرَانُ قَوْمًا" اور جب یہ احتمال ہے تو اب اس سے یہ قطعی طور پر فیصلہ کر لینا اور یہ کہنا کہ مفعول بہ کہ موجودگی میں جار مجرور کو نائب فاعل بنانا درست ہے۔ مناسب نہیں، ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قوما مفعول اول ہے۔ اور بذكر مفعول ثانی ہے اور یہ جائز ہے۔

اور رہا شاعر کا قول تو وہ ضرورت شعری کی وجہ سے جائز ہے۔

نائب فاعل کے فعل میں تغیرات:

وَيُضَمُّ أَوَّلُ الْفِعْلِ مُطْلَقًا الْخ کی تشریح: وہ فعل جس کے فاعل کو حذف کر کے اس کی جگہ مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی کو قائم مقام بنانا چاہیں تو اس فعل میں کچھ تغیر کرنا واجب ہے۔

(۱) اگر فعل ماضی ہو تو اس کے اول کو ضمہ اور ماقبل کو کسرہ دیا جائے گا جیسے ضَرَبَ سے ضَرَبَہ اور وجہ یہ ہے کہ اگر فعل مالم یسم فاعلہ بناتے وقت اس قسم کا تصرف نہ کریں تو فعل معروف اور مجہول میں امتیاز نہ ہوگا۔ نیز معلوم نہ ہوگا کہ مرفوع بعد فعل کے فاعل ہے یا نائب۔ رہا یہ امر کہ اس طرح کا تغیر فعل مجہول ہی میں کیوں کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجہول معروف کی فرع ہے، لہذا تغیر فرع کے مناسب ہے نہ کہ اصل کے۔ اسی بناء پر فقط مجہول ہی میں تغیر واقع ہوتی ہے۔ اور چوں کہ فعل کی اسناد مفعول کی طرف غیر معہود ہے، اس وجہ سے اس کے لیے لفظ غیر معہود ہی مناسب ہے، تاکہ معنی اور لفظ ہر دو غیر معہودیت میں مناسب ہو جاویں اور یہ حکم یعنی اول کو ضمہ دینا اور آخر سے پہلے والے حرف کو کسر، فقط اس وقت تک ہوگا جب تک کہ ماضی کے اول میں ہمزہ وصل اور تاء نہ ہو۔

(۲) وَيُشَارِكُهُ ثَانِي نَحْوُ تَعَلَّمَ الْخ اور اگر اول میں تاء ہو تو اول اور دوم حرف مضموم ہوگا اور آخر سے پہلے والا مکسور جیسے "تَعَلَّمْتُ الْمَسْأَلَةَ" سے تَعَلَّمْتُ الْمَسْأَلَةَ تاکہ باب تفعّل کے صیغہ مضارع کے ساتھ ملتبس نہ ہو۔

(۳) اور اگر ہمزہ وصل شروع میں ہے تو اول اور ثالث کو ضمہ دیں گے اور ماقبل آخر کو اس طرز کسرہ دیں گے جیسے پہلے دیا تھا۔ مثلاً اِنْطَلَقْتُ بِرَيْدٍ سے اِنْطَلَقْتُ بِرَيْدٍ بضم الہمزہ والطاء، تاکہ اس باب کے امر کے ساتھ اس کا التباس نہ ہو۔

اور باری تعالیٰ کا قول "فَمَنْ اضْطُرَّ" (پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے۔ پارہ ۲، سورہ بقرہ آیت ۱۷۳) کی جب فعل سے ابتداء کی جائے تو ہمزہ وصل شروع میں ہوگا اور قاعدہ کے مطابق بضم الہمزہ والطاء پڑھا جائے گا اور امام ابو ذؤب ہذیلی کے کلام میں بھی ابتداء بالتاء کا قاعدہ پایا گیا ہے۔

شاعر کا قول: سَبَقُوا هَوًى وَاعْتَقُوا لِهَوَاهُمْ — فَتُخَرَّمُوا، وَلِكُلِّ جَذْبٍ مَصْرَعٌ (ترجمہ: وہ لوگ میرے ارادے پر غالب آگئے اور تیزی سے اپنی خواہشات کی طرف بڑھنے لگے تو موت نے انہیں کمزور کر دیا اور ہر انسان کے لیے ایک مکان ہے جس میں وہ پچھاڑا جاتا ہے۔) اس شعر میں محل استشہاد "فَتُخَرَّمُوا" ہے جس کی ابتداء تاء زائدہ سے ہوئی ہے اسی لیے قاعدہ کے مطابق پہلا اور دوسرا حرف مضموم ہے۔

شعر کا مطلب:۔ یہ ابو ذؤب ہذیلی کا کلام ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ اس کے پاس پانچ بیٹے تھے، سوء اتفاق ایک ہی سال طاعون میں سب کی وفات ہو گئی تو انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے مرثیہ کہا جس کا ایک جزء ہے کہ میری دلی تمنا تھی کہ انہیں طول عمر اور درازی عمر و بقاء عطاء ہو لیکن میرے ارادے پر ان کی خواہشات اور وصال موت غالب آ گئی، اور وہ سب کے سب بیک وقت ہم سے جدا ہو گئے۔

(۴) وَيَفْتَحُ مَا قَبْلَ الْآخِرِ فِي الْمَضَارِعِ الْخِ اور مضارع میں مجہول کی علامت یہ ہے کہ علامت مضارع مضموم اور ما قبل آخر مفتوح ہوتا ہے، جیسے يَضْرِبُ سے يَضْرَبُ: صاحب کتاب نے يَفْتَحُ مَا قَبْلَ الْآخِرِ فِي الْمَضَارِعِ سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۵) وَلَكَ فِي نَحْوِ قَالٍ وَبَاعِ الْكُسْرِ مَخْلَصَا الْخِ اور جب فعل ماضی ثلاثی مجرد متل العین واوی ہو یا یائی جیسے قَالَ اور بَاعِ اس میں تین لغتیں جائز ہیں (۱) قِيلَ اور بِيْعَ یہ لغت فصیح ہے وہ اس طرح کہ الف سے ما قبل کو کسرہ دیا اور کسرہ کی مناسبت سے الف کو یاء سے بدل دیا۔

(۲) اس میں اشٹام ہوگا۔ اور اشٹام سے مراد یہ ہے کہ فاء کلمہ کے کسرہ کو ضمہ کی طرف اور عین کلمہ کو جو کہ یاء ہے تھوڑا سا واؤ کی طرف مائل کر کے پڑھیں گے، تاکہ اشٹام سے معلوم ہو کہ اصل فاء کلمہ میں ضمہ ہے۔ اور یہ بھی لغت فصیح ہے۔

(۳) فاء کلمہ کو ضمہ پڑھنا جیسے قَوْلَ اور بُوعَ، تو اس صورت میں الف کو واؤ سے بدلنا واجب ہوگا اور یہ قلیل الاستعمال لغت ہے۔

مذکورہ بحث سے متعلق ضروری نکات:

نکتہ ۱: جس طرح ثلاثی مجرد کی ماضی میں وجوہ ثلاثہ مذکورہ بالا جاری ہوتی ہیں، اسی طرح باب

افتعال، انفعال کی ماضی مجہول میں جب کہ وہ معتل العین ہو و جوہ ثلاثہ مذکورہ بالا جاری ہوں گے جیسے اُخْتِیْرَ اور اُنْقِیْدَ، کہ ان کو تین طریقے سے پڑھ سکتے ہیں، اس لیے کہ ان میں قید و خیر بدون کسی فرق کے قیل اور بیع کے مانند ہیں۔

نکتہ ۲: باب استفعال اور انفعال کی ماضی میں جب کہ وہ معتل العین ہو و جوہ ثلاثہ مذکورہ جاری نہ ہوں گے، اس لیے کہ باعتبار اصل کے ماقبل حرف علت کا ان میں ساکن ہے۔ پس یہ قیل اور بیع کی طرح پر نہ ہوئے۔

نکتہ ۳: اگر مضارع معتل العین ہو تو اس کا عین کلمہ بقاعدہ صرف الف سے بدل جائے گا جیسے یُقَال اور یُبَاع وغیرہ۔

بَابُ الْإِشْتَغَالِ

بَابُ الْإِشْتَغَالِ، يَجُورُ فِي نَحْوِ "زَيْدًا ضَرَبْتُهُ" أَوْ "ضَرَبْتُ أَخَاهُ" أَوْ "مَرَرْتُ بِهِ" رَفَعَ زَيْدٌ بِالْإِبْتِدَاءِ، فَالْجُمْلَةُ بَعْدَهُ خَبَرٌ، وَنَصْبُهُ بِإِضْمَارِ ضَرَبْتُ وَأَهْنُتُ وَجَاوَرْتُ وَاجِبَةُ الْحَذْفِ، فَلَا مَوْضِعَ لِلْجُمْلَةِ بَعْدَهُ۔

ترجمہ: یہ باب اشتغال کے بیان میں۔ "زَيْدًا ضَرَبْتُهُ" یا "ضَرَبْتُ أَخَاهُ" یا "مَرَرْتُ بِهِ" جیسی مثالوں میں زید کو مرفوع پڑھنا بر بنائے مبتداء جائز ہے اور اس کا مابعد جملہ خبر ہے، اور ضَرَبْتُ، أَهْنْتُ، وَجَاوَرْتُ جو واجبة الحذف ہے۔ کے پوشیدہ ماننے سے اس کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ لیکن اس وقت اس کے مابعد جملہ کے لیے کوئی مقام نہ ہوگا۔

تشریح: فاضل مصنف جب نائب فاعل کی تعریف اور اس کے احکامات کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے اشتغال کی بحث کو بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ فرمایا۔

اشتغال کا مطلب:

لَا يَجُورُ فِي نَحْوِ زَيْدًا ضَرَبْتُهُ کی تشریح: اشتغال کا ضابطہ یہ ہے کہ اسم مقدم ہو اور فعل اس سے مؤخر ہو۔ اور وہ فعل اسم کی ضمیر میں عمل کر رہا ہو اور اس فعل کی شان یہ ہو کہ اگر اس کا عمل اس معمول سے ہٹا کر اسم مقدم پر مسلط کر دیا جائے تو اسے بر بنائے مفعولیت نصب دے دے جیسے "زَيْدًا ضَرَبْتُهُ" میں زید اسم مقدم ہے اور ضَرَبْتُهُ فعل مؤخر ہے جو "ہ" ضمیر میں عمل کر رہا ہے اگر اس ضمیر کو حذف کر دیا جائے اور ضَرَبْتُ فعل کو "زیدًا" اسم پر مسلط کر دیا جائے تو اس وقت زید مفعول مقدم ہو کر منصوب ہوگا۔ اور عبارت زَيْدًا ضَرَبْتُ ہوگی۔ یہ اس اشتغال کی مثال ہے جس میں فعل اسم کی

ضمیر کے ساتھ مشغول ہے۔ اسی طرح ”زیداً مَرَرْتُ بِهِ“ بھی اسی اشتغال کی مثال ہے، کیوں کہ ضمیر گرچہ باکی وجہ سے لفظاً مجرور ہے لیکن فعل کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

اشتغال کا دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ اسم مقدم ہو اور فعل اس سے مؤخر ہو اور وہ فعل ایسے اسم کے ساتھ مشغول ہو جو خود ضمیر میں عمل کر رہا ہے جیسے ”زیداً ضَرَبْتُ أَخَاهُ“ میں زیداً اسم مقدم، ضَرَبْتُ فعل مؤخر، جو آخ اسم میں عمل کرتے ہوئے بر بنائے مفعولیت نصب دیا ہے اور وہ اسم (یعنی اخ) خود ضمیر میں عمل کرتے ہوئے اسے بر بنائے اضافت جردے رہا ہے۔

باب الاشتغال کے اسم کا اعراب:

رَفَعَ زَيْدٌ بِالْأَبْتَدَاءِ الْخ کی تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب تقدیم و تاخیر کی صورت سمجھ میں آگئی تو اب یہ بات جان لو کہ اسم مقدم کو بر بنائے مبتداء اور مابعد کے جملہ کو بر بناء خبریت مرفوع پڑھنا جائز ہے اور اسے نصب پڑھنا بھی جائز ہے ایسے فعل محذوف کی وجہ سے جس کی فعل مذکور تفسیر کر رہا ہو، اس فعل مذکور کا اس وقت جملہ میں کوئی مقام نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ وہ صرف مفسرہ کی حیثیت ہے، جیسے باب اشتغال کے پہلے ضابطہ کی پہلی مثال زیداً ضَرَبْتُہ میں زیداً اسے پہلے ضَرَبْتُ پوشیدہ ہے۔ اور اصل عبارت ”ضَرَبْتُ زیداً ضَرَبْتُہ“ ہے۔ اور دوسری مثال ”زیداً مَرَرْتُ بِهِ“ میں زیداً سے پہلے جَاوَزْتُ پوشیدہ ہے اور عبارت جَاوَزْتُ زیداً مَرَرْتُ بِهِ ہے اس مثال ثانی میں جَاوَزْتُ کی جگہ مَرَرْتُ فعل مقدر نہ ماننے کی وجہ یہ ہے کہ اسم کی طرف بذات خود پہنچنے کا مفہوم اس سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اور ضابطہ ثانیہ کی مثال ”زیداً ضَرَبْتُ أَخَاهُ“ میں زیداً سے پہلے فعل ”أَهَنْتُ“ پوشیدہ ہے اور عبارت ”أَهَنْتُ زیداً ضَرَبْتُ أَخَاهُ“ ہے اس مثال میں أَهَنْتُ کی جگہ ضَرَبْتُ مقدر نہ ماننے کی وجہ یہ ہے کہ تو نے ”اخ“ کو مارا ہے زید کو نہیں، اگر ضَرَبْتُ مقدر مانتے تو زید کو تیرا مارنا لازم آتا جو تیرے مقصد کے خلاف تھا۔ جب کہ تیرا مقصد زید کے بھائی کو مار کر زید کو رسوا کرنا تھا اور یہ أَهَنْتُ پوشیدہ ماننے کی صورت ہی میں ہو سکتا ہے۔

وَيَتَرَجَّحُ النَّصْبُ فِي نَحْوِ ”زَيْدًا اضْرِبْهُ“ لِلطَّلَبِ، وَنَحْوِ ”وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا“ مَتَّأَوَّلٌ، وَفِي نَحْوِ ”وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ“ لِلتَّنَاسُبِ، وَنَحْوِ ”أَبْشِرَا مِنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ“ وَ ”مَا زَيْدًا رَأَيْتُهُ“ لِغَلَبَةِ الْفِعْلِ۔

ترجمہ:- اور ”زیداً اضْرِبْهُ“ جیسی مثال میں جو طلب فعل کے لیے ہے نصب پڑھنا

رانج ہوگا، اور "السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" میں تاویل کی گئی ہے، اور "والانعام خلقها لكم" میں نصب پڑھنا قیام تناسب کی غرض سے رانج ہے۔ اور "أَبَشْرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ" اور "وَمَا زَيْدًا رَأَيْتُ" جیسی مثالوں میں غلبہ فعل کی وجہ سے نصب پڑھنا رانج ہے۔
فعل اشتغال پر مقدم ہونے والے اسم کی حالتیں:

وَيَتَرَجَّحُ النَّصْبُ فِي نَحْوِ "زَيْدًا إِضْرِبْهُ الْخ" فاضل مصنف یہاں سے باب اشتغال میں فعل مذکور پر مقدم ہونے والے اسم کے اعراب کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا: فعل مذکور پر مقدم ہونے والے اسم کی پانچ حالتیں ہیں (۱) اس کا نصب پڑھنا رانج ہوگا (۲) اس کا نصب پڑھنا واجب ہوگا (۳) اس کا رفع پڑھنا رانج ہوگا (۴) اس کا رفع پڑھنا واجب ہوگا (۵) کبھی دونوں صورتیں برابر ہوتی ہیں۔

اسم مقدم پر نصب کا رانج ہونا:

اسم مقدم پر نصب پڑھنا چند مسائل میں رانج ہوتا ہے جو بالترتیب مندرجہ ذیل مرقوم ہیں۔
 پہلا مسئلہ :- اگر عبارت میں فعل مذکور طلب فعل کے معنی میں ہو (طلب فعل سے مراد امر، نہی اور دعاء ہے) تو اسم مقدم کو نصب پڑھنا رانج ہوگا۔ جیسے "زَيْدًا إِضْرِبْهُ" (یہ امر کی مثال ہے) "زَيْدًا لَا تُهِنُّهُ" (یہ نہی کی مثال ہے) اور "اللَّهُمَّ عَبْدَكَ أَرْحَمُهُ" (یہ دعاء کی مثال ہے) ان تینوں مثالوں میں اسم مقدم کو نصب پڑھنا رانج ہے، اس لیے کہ اگر رفع پڑھا جائے تو "زَيْدًا" مبتداء ہو جائے گا اور بعد والا جملہ جو جملہ طلبیہ ہے وہ خبر ہوگا اور یہ خلاف قیاس ہے، کیوں کہ جملہ طلبیہ انشاء ہوتا ہے خبر نہیں، اور خبر میں صدق و کذب کا احتمال ہوتا ہے اور انشاء میں نہیں ہوتا، لہذا نصب پڑھنا رانج ہوگا۔

اعتراض و جواب:

وَنَحْوُ "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا مَتَّوَلٍ" مصنف نے یہاں سے ایک اعتراض اور اس کا جواب نقل فرمایا ہے۔ اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ ابھی آپ نے فرمایا کہ اگر عبارت میں فعل مذکور طلب فعل کے معنی میں ہو تو اسم مقدم کو نصب پڑھنا رانج ہوتا ہے، حالاں کہ آپ کا یہ دعویٰ باری تعالیٰ کے قول "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" (اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ۔ پارہ ۶، سورہ مائدہ، آیت ۳۸) سے ٹوٹ رہا ہے، کیوں کہ اس آیت کریمہ میں "فَاقْطَعُوا" فعل طلبیہ ہے۔ اس کے باوجود اسم مقدم "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ" کو مرفوع پڑھا جا رہا ہے، جب کہ قاعدہ کے مطابق منسوب پڑھنا رانج ہوتا۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول

”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا“ (ہذاکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو کوڑے۔ پارہ ۱۸، سورہ نور، آیت ۲) میں ”فَاجْلِدُوا“ فعل طلبیہ ہے اور ”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي“ اسم مقدم ہے جنہیں رفع پڑھا جا رہا ہے اور قراء سبعہ کا رفع پڑھنے پر اتفاق بھی ہے تو اب دعویٰ ٹوٹ رہا ہے۔

صاحب کتاب نے دو طرح سے جواب دیا ہے (۱) اس آیت کریمہ میں خصوصی تاویل کی گئی ہے وہ اس طرح کہ امام سیبویہ اور دوسرے نحویوں کے نزدیک یہ دو جملے ہیں ”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ“ مبتداء و معطوف علیہ ہے اور جار مجرور خبر محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے ”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ حُكْمُهُمَا فِيمَا يُتْلَى“ (چور مرد اور چور عورت کا حکم ان آیات میں موجود ہے جو تم کو سنائی جا رہی ہے) اور فاقطعوا جملہ متانفہ ہے تو اب جملہ طلبیہ کو مبتداء کا خبر بنانا لازم نہیں آتا، لہذا اعتراض بھی واقع نہیں ہوگا۔ اگر بالفرض والحال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ”فَاقطعوا“ جملہ فعلیہ ”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ“ مبتداء کی خبر ہے تو پھر جملہ فعلیہ کا عمل کرنا ایسی مبتداء میں لازم آئے گا جو کہ اس کا غیر ہے، حالاں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جملہ فعلیہ کا عمل اس مبتداء میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا جس مبتداء کی خبر اس فعل کے عداوہ دوسرے جملہ سے دی جا رہی ہے، جیسے ”زَيْدٌ فَقِيرٌ فَاعْطِهِ“ اور ”خَالِدٌ مَكْسُورٌ فَلَا تُهْنُهُ“ میں ”فَاعْطِهِ“ اور ”فَلَا تُهْنُهُ“ ایسا جملہ فعلیہ ہے جو زید فقیر اور خالد مکسور کی خبر نہیں بن رہا ہے، کیوں کہ وہ دونوں ان دونوں کا غیر ہے۔

(۲) امام مبرد فرماتے ہیں کہ ”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ“ اور ”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي“ میں الف لام موصولہ الذی کے معنی میں ہے اور فعل طلبیہ پر جو فاء لائی گئی ہے وہ سببیت پر دلالت کرتی ہے جیسے تیرا قول ”الَّذِي يَأْتِيَنِي فَلَهُ دِرْهَمٌ“ (جو میرے پاس آئے گا اس کے لیے ایک درہم ہے) میں فاء سیبہ ہے اور فاء سیبہ کا خاصہ ہے کہ اپنے مابعد کو ماقبل میں عمل کرنے نہیں دیتا۔ تو اب ”فَاقطعوا“ اور ”فَاجلدوا“ اپنے ماقبل کا خبر بھی نہیں بن سکتا، لہذا ان دونوں کا جملہ متانفہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اور باب اشتغال کا قاعدہ یہ تھا کہ فعل کو اگر اسم پر مسلط کیا جائے تو بر بناء مفعولیت نصب دے۔ اور وہ صورت ”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ“ اور ”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي“ میں پیدا ہونا محال ہے۔

علامہ تفتازانی کا قول ہے کہ ایسے مقام پر انشاء بلا تکلف مبتداء کی خبر بن جاتی ہے، کیوں کہ حقیقت میں ایسا فعل انشائی شرط کی جزاء ہوتا ہے یعنی اگر کسی نے چوری کی ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔

(تفسیر مظہری ۳/۳۰۵)

دوسرا مسئلہ :- عبارت میں اسم ایسے حرف عطف کے ساتھ مقترن ہو جو جملہ فعلیہ کے ساتھ

لایا گیا ہے تو اس اسم کو نصب پڑھنا رائج ہوگا جیسے "قام زید و عمرو اکرمۃ" اس مثال میں قام زید جملہ فعلیہ اور واو حرف عطف ہے۔ عمرو اسم منصوب اس حرف عطف سے مقترن ہے جو جملہ فعلیہ کے ساتھ لایا گیا ہے، اسی وجہ سے اس کو نصب پڑھنا رائج ہے، اگر عمرو اکورفع دیا جائے تو اس وقت ایک خرابی لازم آئے گی وہ یہ کہ عمرو اکرمۃ اسمیہ ہو جائے گا اور جملہ اسمیہ کا جملہ فعلیہ پر عطف کرنا لازم ہوگا اور یہ درست نہیں، کیوں کہ دونوں باہم مختلف ہیں۔ اور عمرو اکونصب دیا جائے تو یہ جملہ فعلیہ ہوگا اور تقدیری عبارت ہوگی "واکرمۃ عمرو اکرمۃ" پس اس وقت جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوگا۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے مناسب حال ہیں۔ اسی وجہ سے اسے نصب دینا رائج ہے۔ یہی قاعدہ باری تعالیٰ کے قول "خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ" وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا" (اس نے انسان کو ایک بوند سے پیدا فرمایا پھر جی بھی وہ جھگڑا کرنے والا بولنے والا ہو گیا اور چوپائے کو اسی نے پیدا فرمایا۔ پارہ ۱۴، سورہ نخل آیت ۴، ۵) میں پایا جاتا ہے، کیوں کہ تمام قراء نے لفظ "الْأَنْعَامَ" کو نصب پڑھا ہے اور اس پر اتفاق قائم کیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جملہ فعلیہ کے ساتھ لایا گیا ہے اور "الْأَنْعَامَ" سے پہلے لفظ "خَلَقَ" پوشیدہ ہے، تاکہ اس کا جملہ فعلیہ خَلَقَ الْإِنْسَانَ پر عطف درست ہو، ورنہ فعل مقدر نہ ماننے کی صورت میں لفظ الْأَنْعَامَ جملہ اسمیہ کا خَلَقَ الْإِنْسَانَ جملہ فعلیہ پر عطف کرنا لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں۔

تیسرا مسئلہ :- اسم مقدم سے پہلے ایسا حرف آئے جو عموماً افعال پر داخل ہوتا ہے تو اس وقت اسم کو نصب پڑھنا رائج ہوگا اور وہ حروف ہمزہ استفہام، مانافیہ، وغیرہ ہیں، جیسے تیرا قول "أَزِيدَا ضَرْبَتَهُ" (یہ ہمزہ استفہام کی مثال ہے) اور "مَا زِيدَا رَأَيْتَهُ" (یہ مانافیہ کی مثال ہے) اور باری تعالیٰ کا قول "أَبَشِّرَا مِنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ" (کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا ہم اس سے کہنے پر چلیں گے۔ پارہ ۲، سورہ قمر، آیت ۲۴) میں ہمزہ استفہام اور مانافیہ اسم پر مقدم ہیں اور یہ دونوں حروف عموماً افعال پر داخل ہوتے ہیں، لہذا اسم مقدم سے پہلے فعل کا مقدر ماننا لازم آئے گا، تاکہ ان دونوں حروف کا دخول درست ہو سکے۔

وَيَجِبُ فِي نَحْوِ "إِنْ زِيدَا لَقِيَّتَهُ فَأَكْرَمُهُ" وَ "هَلَّا زِيدَا أَكْرَمْتَهُ" لَوْجُوبِهِ، وَيَجِبُ الرَّفْعُ فِي نَحْوِ "خَرَجْتُ فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عَمْرُو" لِمُتَنَاعِهِ، وَيَسْتَوِيَانِ فِي نَحْوِ "زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ وَعَمْرُو أَكْرَمْتَهُ" لِلتَّكَافُوفِ "وَلَيْسَ مِنْهُ" وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبْرِ" وَ "أَزِيدُ ذَهَبَ بِهِ"

ترجمہ :- اور "إِنْ زِيدَا لَقِيَّتَهُ فَأَكْرَمُهُ" اور "هَلَّا زِيدَا أَكْرَمْتَهُ" جیسی مثالوں میں

اسم مقدم کو منصوب پڑھنا واجب ہوتا ہے، اس کے (یعنی وہ حرف جو خاص طور پر فعل پر داخل ہوتا ہے) واجب ہونے کی وجہ سے۔ اور "خَرَجْتُ فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عَمْرُوٌ" جیسی مثال میں رفع پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اس کے (یعنی وہ حرف جو خاص طور سے فعل پر داخل ہوتا ہے) ممنوع ہونے کی وجہ سے اور "زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ وَعَمْرُوٌ أَكْرَمْتُهُ" جیسی مثال میں دونوں (یعنی رفع و نصب) پڑھنا برابر ہوتا ہے معاملہ برابر ہونے کی وجہ سے۔ اور "وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ" اور "أَزِيدُ ذَهَبَ بِهِ" اشتغال کی بحث سے شمار کرنا جائز نہیں ہے۔

اسم مقدم کو نصب پڑھنا واجب ہے۔ دوسری قسم:

وَيَجِبُ فِي نَحْوِ "إِنْ زَيْدًا لَقِيتَهُ فَأَكْرَمْتُهُ الْخ" کی تشریح: اس عبارت میں فاضل مصنف نے اس بات کو بیان فرمایا کہ اسم مقدم کو نصب پڑھنا کب واجب ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا: اگر عبارت میں اسم مقدم سے پہلے ایسا حرف آئے جو خاص طور سے فعل کے ساتھ آتا ہے جیسے ادوات شرط اور تخصیض، تو اس اسم مقدم پر نصب پڑھنا واجب ہوگا۔ جیسے تیرا قول "إِنْ زَيْدًا رَأَيْتَهُ فَأَكْرَمْتُهُ" (یہ حرف شرط کی مثال ہے) اور "هَلَّا زَيْدًا أَكْرَمْتُهُ" (یہ حرف تخصیض کی مثال ہے) ان دونوں مثالوں میں آنے والا ان شرطیہ اور ہلّا تخصیض فعل کے ساتھ خاص ہوتا ہے، لہذا زَيْدًا سے پہلے فعل مقدر ماننا پڑے گا، تا کہ ان دونوں حروف کا فعل پر دخول ہو سکے۔

اسی طرح شاعر کا قول لَا تَجْزَعِي إِنْ مُنَفْسًا أَهْلَكْتَهُ فَإِذَا هَلَكْتَهُ فَعِنْدَ ذَلِكَ فَاجْزَعِي (ترجمہ: تو غم مت کر اگرچہ میں بیش بہا قیمتی چیز کو خرچ کر دوں۔ جب میں انتقال کر جاؤں تو اس وقت غم کرنا) اس شعر میں محل استشہاد "إِنْ مُنَفْسًا أَهْلَكْتَهُ" ہے جس میں اِنْ شرطیہ ایسا حرف ہے جو خاص طور پر فعل کے ساتھ آتا ہے، لیکن یہاں مُنَفْسًا اسم پر داخل ہے، لہذا قاعدہ کے مطابق اسم سے پہلے فعل مقدر ماننا لازم ہوگا، تا کہ حرف شرط کا دخول درست ہو سکے۔

شعر کا مطلب: یہ شعر نمر بن قلوب نامی شخص کے دل کی آواز ہے جس میں اس نے اپنی شریک حیات کو تہذیر پر افسوس نہ کرنے کے بارے میں حکم دیا کہ اے شریک زندگی بیش بہا قیمتی شے کو خرچ کرنے پر تو غم مت کرنا جب تک میں حالت حیات میں ہوں تجھے کوئی مصیبت اور آزار نہیں پہنچے گا۔ ہاں جب میرا انتقال ہو جائے اور میرے بعد مال کفایت نہ پاسکو تو پھر میری وفات پر غم کرنا۔

تیسری قسم۔ اسم مقدم کو رفع پڑھنا واجب ہے:

وَيَجِبُ الرَّفْعُ فِي نَحْوِ "خَرَجْتُ فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عَمْرُوٌ لَا مِتْنَاعِهِ الْخ" اس عبارت

میں صاحب کتاب نے اس بات کو ذکر فرمایا کہ اسم مقدم کو رفع پڑھنا کب واجب ہوتا ہے۔ تو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ عبارت میں اگر اسم مقدم سے پہلے ایسا حرف آئے جو خاص طور پر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے جیسے "إِذَا فَجَائِيَّةٌ" تو اس اسم مقدم پر رفع پڑھنا واجب ہوگا جیسے "خَرَجْتُ فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُ عَمْرُوً" میں زید اسم مقدم کو نصب پڑھنا جائز نہیں، اس لیے کہ نصب پڑھنے کی صورت میں فعل کو مقدر ماننا لازم آئے گا، لہذا زید کو رفع پڑھنا واجب ہوگا، اس لیے کہ زید جملہ اسمیہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ "إِذَا فَجَائِيَّةٌ" خاص طور پر جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوتا ہے، اگر اسم سے پہلے فعل مقدر مانا جائے تو اس صورت میں خلاف اصول "إِذَا فَجَائِيَّةٌ" کا فعل پر داخل ہونا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔

چوتھی قسم۔ اسم مقدم کو رفع و نصب دونوں درست ہیں:

وَيَسْتَوِيَانِ فِي نَحْوِ "زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ وَعَمْرُوٌ أَكْرَمْتُهُ" الْخ فاضل مصنف نے اس عبارت میں اس بات کو بیان فرمایا کہ کبھی اسم مقدم کو رفع و نصب دونوں پڑھنا جائز ہوتا ہے۔ اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اسم مقدم سے پہلے ایسا حرف عطف آئے جو اس جملہ فعلیہ کے ساتھ لایا گیا ہو جس جملہ کے ذریعہ اسم مقدم سے پہلے کی خبر دی جا رہی ہے۔ جیسے تیرا قول "زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ، وَعَمْرُوٌ أَكْرَمْتُهُ" اس مثال میں "زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ" جملہ کبریٰ ذات و جہین ہے، (جملہ کبریٰ سے مراد ایسا جملہ جس کے ضمن میں کوئی جملہ آئے۔ اور ذات و جہین سے مراد ایسا جملہ جو صدر کلام ہونے کی وجہ سے اسمیہ ہو اور صدارت کلام سے عاجز ہونے کی بناء پر فعلیہ ہو) چنانچہ مثال مذکور میں اگر صدر کلام کا لحاظ کیا جائے اور "زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ" کو جملہ اسمیہ پڑھا جائے تو لفظ "عَمْرُوٌ" کو مرفوع پڑھا جائے گا۔ اور اس وقت جملہ اسمیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر محمول کرنا درست ہوگا، تاکہ مناسبت قائم ہو جائے۔ اور اگر صدر کلام ہونے سے عاجز ہو تو اس وقت "عَمْرُوٌ" کو نصب پڑھا جائے گا۔ اور "عَمْرُوٌ" سے پہلے ایک فعل مقدر مانا جائے گا تاکہ جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر محمول کرنا درست ہو۔ دونوں تقدیر پر مراد حاصل ہو جاتی ہے، لہذا دونوں صورتیں جائز ہوں گی۔

اسم مقدم کو رفع پڑھنا رائج ہے، پانچویں قسم:

کبھی اسم مقدم کو رفع پڑھنا رائج ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب مذکورہ بالا اقسام اربعہ میں سے کوئی صورت موجود نہ ہو۔ اور نہ اس کے غیر کے لیے کوئی علت رائج ہو جیسے تیرا قول "زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ" تمام علتوں سے خالی ہے، اس لیے زید مبتداء اور ضَرَبْتُهُ فعل، فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا زید مبتداء کے لیے اور مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا اور مبتداء و خبر کا اعراب رفع

ہوتا ہے، لہذا زید کو رفع پڑھنا ہی رائج ہوگا۔

اور باری تعالیٰ کا قول "جَنَّاتٌ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا" (باغ ہیں رہنے کے داخل ہوں گے ان میں۔ پارہ ۱۳، سورہ رعد، آیت ۲۳) میں بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا، کیوں کہ تمام قراء سبعہ نے اسے مرفوع پڑھنے پر اتفاق کیا ہے۔ اور قراءت شاذہ میں نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے، لیکن وہ شذوذ کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

وقوله وليس منه "وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الرَّبْرِ الْخ" فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا قول "وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الرَّبْرِ" (اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی ہے ورقوں میں۔ پارہ ۲۷، سورہ قمر، آیت ۵۲) باب اشتغال سے متعلق نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فعل کو اسم مقدم پر مسلط کرنا درحقیقت معنی مرادی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور وہ معنی و مفہوم اس آیت کریمہ میں حاصل نہیں کہ فعل کو اسم مقدم پر مسلط کرنا درست ہو۔ درحقیقت آیت کا مفہوم "وَكُلُّ مَفْعُولٍ لَهُمْ ثَابِتٌ فِي الرَّبْرِ" ہے اور یہ مرادی کے برخلاف ہے، لہذا باب اشتغال سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا، اور جب تعلق ثابت ہوا تو اسم مقدم کا مرفوع پڑھنا متعین ہو گیا۔ اور فعل متاخر اسم کے لیے صفت ہو جائے گا۔ اسی طرح "أَزِيدُ ذَهَبَ بِهِ" باب اشتغال سے تعلق رکھنے کے باوجود اس پر نصب نہیں آئے گا، کیوں کہ یہ نصب کا تقاضہ نہیں کرتا بلکہ زید نائب فاعل ہونے کی وجہ سے رفع کا متقاضی ہے، لہذا اس مثال کو اس سے شمار کرنا درست نہیں۔

بَابُ فِي التَّنَازُعِ

بَابُ فِي التَّنَازُعِ، يَجُوزُ فِي "ضَرَبْتُ زَيْدًا" إِعْمَالُ الْأَوَّلِ، وَاخْتَارَهُ الْكُوفِيُّونَ، فَيُضْمَرُ فِي الثَّانِي كُلُّ مَا يَحْتَاجُهُ، أَوِ الثَّانِي، وَاخْتَارَهُ الْبَصَرِيُّونَ، فَيُضْمَرُ فِي الْأَوَّلِ مَرْفُوعُهُ فَقَطُّ، نَحْوُ، جَفَوْنِي وَلَمْ أَجِفِ الْآخِلَاءَ، وَلَيْسَ مِنْهُ، كَفَانِي، وَلَمْ أَطْلُبْ، قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ - لِفَسَادِ الْمَعْنَى -

ترجمہ:- تنازع فعلان کا بیان۔ "ضَرَبْتُ زَيْدًا" میں پہلے فعل کو عامل قرار دینا جائز ہے۔ اور کوفیین حضرات نے اسی کو پسند فرمایا ہے، لہذا دوسرے فعل میں اس کی چاہت کے مطابق (یعنی اگر فاعل کو چاہتا ہے تو اس میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی) ضمیر لائی جائے گی، یا دوسرے فاعل کو عامل قرار دینا جائز ہے۔ اور اس کو بصریین نے مختار قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس وقت اول

فعل اگر فاعل کو چاہتا ہو تو اس میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر لائی جائے گی فقط جیسے جَفَوْنِي وَلَمْ أَجِفِ إِلَّا خِلَاءً (انہوں نے مجھ پر ظلم کیا حالاں کہ میں نے دوستوں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی) اور امرء القیس کا شعر "كَفَانِي" وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ "فساد معنی کی وجہ سے باب تنازع سے نہیں ہے۔

تشریح:- بابٌ فی التَّنَازُعِ:- فاضل مصنف "جب اشتغال کی تفصیلات کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے تنازع فعلان کی بحث کو بیان کرنا شروع فرمایا۔ تنازع کا دوسرا نام باب الاعمال ہے۔ چند فعلوں کا کسی اسم ظاہر میں عمل کے لیے جھگڑنا، ایک فعل چاہتا ہو کہ میرا فاعل بنے دوسرا چاہتا ہو کہ میرا مفعول بنے یا پہلا چاہتا ہو کہ میرا مفعول بنے اور دوسرا چاہتا ہو کہ میرا فاعل بنے اسے تنازع فعلان کہتے ہیں۔

تنازع جس طرح دو فعلوں یعنی دو عالموں میں ہوتا ہے، اسی طرح دو سے زائد یعنی تین چار، اور پانچ اور ان سے زائد میں بھی تنازع ہوتا ہے۔ فاضل مصنف نے باب التنازع کہہ کر اسی عموم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور دیگر مصنفین کا "اذا تنازع الفعلان فی اسم ظاہر" کہنے سے اس عمومیت سے احتراز نہیں بلکہ اس کے ادنیٰ کا بیان ہے، جس سے تنازع ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے نحاۃ نے "فی اسم ظاہر" کی قید لگائی ہے اس قید سے جمیع مضمرات خارج ہو گئے جیسا کہ ظاہر ہے کہ لفظ "ظاہراً" سے نحوی اسم ظاہر کا ارادہ کرتے ہیں اور ضمیر بارز اگرچہ ظاہر ہے مگر اس کو اسم ظاہر نہیں کہتے بلکہ مضمر ظاہر کہتے ہیں، لہذا وہ اس قید سے خارج ہے۔

تنازع فعلان کی چند شکلیں: تنازع فعلان کی چند شکلیں ہیں:

شکل ۱:- کبھی دو عوالم ایک معمول میں تنازع کرتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "آتُونِي أَفْرِغْ عَلَيْهِ قَطْرًا" (میرے پاس لاؤ اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں۔ پارہ ۱۶، سورہ کہف، آیت ۹۶) اس آیت کریمہ میں "آتُونِي" فعل فاعل اور مفعول ہے۔ اور مفعول ثانی کا محتاج ہے۔ اور "أَفْرِغْ" فعل بافاعل ہے اور مفعول کا محتاج ہے، ان دونوں فعلوں کے بعد "قَطْرًا" اسم ظاہر ہے جس کا یہ دونوں عوالم طالب ہیں، پہلا عامل چاہتا ہے کہ میرا مفعول ثانی بنے اور دوسرا چاہتا ہے کہ میرا مفعول اول بنے۔

شکل ۲:- کبھی دو عوالم ایک سے زائد معمول میں تنازع کرتے ہیں جیسے "ضَرَبَ وَآكْرَمَ زَيْدٌ عَمْرَوًا" اس مثال میں ضَرَبَ اور آكْرَمَ دونوں عوالم ہیں اور ایک سے زائد معمول میں جھگڑ رہے ہیں۔

شکل ۳:- کبھی دو سے زائد عوالم ایک معمول میں جھگڑتے ہیں جیسے "كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ

وَتَرَحَّمْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ" میں تین فعل "ابراہیم" میں تنازع کر رہے ہیں ہر ایک فعل چاہتا ہے کہ میرا معمول بنے۔

شکل ۴: کبھی دو سے زائد عوامل ایک سے زائد معمول میں تنازع کرتے ہیں جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "تَسْبِّحُونَ وَتُحَمِّدُونَ وَتُكَبِّرُونَ دُبْرَ كُلِّ صَلَوةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ" (ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر پڑھو) اس مثال میں "دُبْرَ" بر بنائے ظرفیت منصوب ہے۔ اور ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مفعول مطلق کی بناء پر منصوب ہے۔ یہ دونوں معمول ہیں جن میں تینوں عوامل میں سے ہر ایک اپنا معمول بنانے کے لیے جھگڑتے ہیں۔

تنازع فعلان میں کوفیین و بصریین کے درمیان اختلاف:

يجوز في "ضَرَبَنِي وَضَرَبْتُ زَيْدًا" اعمال الاول واختارهُ الكوفيون الخ جب دو فعل ایسے اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان کے بعد واقع ہے تو ان میں سے ہر ایک فعل کو عمل دلانا جائز ہے اور اس میں کوفیین و بصریین کا اتفاق ہے۔ (یہ بات ذہن نشیں رہے کہ تنازع فعلان کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ کہ وہ دونوں فعل اسم ظاہر کے فاعل ہونے میں تنازع کریں جیسے ضَرَبَنِي وَآكْرَمَنِي زَيْدًا۔ دوسری صورت یہ کہ وہ دونوں فعل اسم ظاہر کے مفعول ہونے میں تنازع کریں جیسے ضَرَبْتُ وَآكْرَمْتُ زَيْدًا۔ تیسری صورت یہ کہ وہ دونوں فعل اسم ظاہر کے فاعل اور مفعول ہونے میں تنازع کریں۔ پہلا فعل چاہتا ہو کہ میرا فاعل بنے اور دوسرا چاہتا ہو کہ میرا مفعول بنے جیسے ضَرَبَنِي وَآكْرَمْتُ زَيْدًا، چوتھی صورت یہ کہ اول فعل اسم ظاہر کے مفعول ہونے کو چاہے اور دوسرا فعل فاعل ہونے کو جیسے "ضَرَبْتُ وَآكْرَمَنِي زَيْدًا" لیکن کس فعل کو عمل دلانا مختار ہے اس میں کوفیین اور بصریین کے مابین اختلاف ہے۔ نحاۃ کوفہ اول فعل کے عمل دلانے کو مختار اور پسندیدہ مانتے ہیں۔ پہلے فعل کو عمل دلانا ان کے نزدیک اس وجہ سے مختار ہے کہ فعل اول اسبق الطالبین اور احسن الطالبین ہے۔ یعنی کوفیین حضرات تقدیم اور استحقاق کی وجہ سے پہلے فعل کو عمل دینا پسند کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ اضمار قبل الذکر بھی لازم نہیں آتا۔ اگر دوسرے فعل کو عمل دلایا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔

وَاخْتَارَهُ الْبَصَرِيُّونَ فَيُضْمَرُ فِي الْأَوَّلِ: اور بصریین حضرات فعل ثانی کے عمل دینے کو پسند کرتے ہیں، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ فعل ثانی کو عمل دینا کیوں پسند کرتے ہیں؟ تو صاحب کتاب نے فرمایا چونکہ فعل ثانی اسم کے زیادہ قریب ہے، اقرب الی الاسم کا اعتبار کر کے فعل ثانی کو عمل دینا پسند فرمایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر فعل اول کو عمل دیا جائے تو عامل اور معمول کے درمیان فصل لازم آتا ہے جو

معمول میں غیر اصل ہے چونکہ اصل یہ ہے کہ معمول اپنے عامل سے متصل ہوتا ہے۔

عمل دلانے کی صورت میں ضمائر کا استعمال:

فاضل مصنف کو کوئین کا مذہب پسند ہے، اس لیے خاص طور پر پہلے نحاۃ کوفہ کا مسلک بیان فرمایا ہے کہ نحاۃ کوفہ کے نزدیک فعل اول کو عمل دینا اولیٰ ہے، لہذا فعل اول کو عمل دیا جائے گا اس کے بعد دیکھا جائے کہ فعل ثانی اگر فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو اسم ظاہر کے موافق فعل ثانی میں ضمیر مرفوع لائی جائے گی جیسے "قَامَ وَقَعَدَا أَخَوَاكَ" اس میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہے رتبہ نہیں اور یہ جائز ہے۔ اور اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضہ کرتا ہے تو اس مفعول کی ضمیر منصوب لائی جائے گی جیسے "قَامَ وَضَرَبْتُهُمَا أَخَوَاكَ" اس میں بھی اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہے رتبہ نہیں۔ اول مثال میں "أَخَوَاكَ" قَامَ کا فاعل ہے اور قَعَدَ فعل ثانی مفعول کا تقاضہ کرتا ہے، اس لیے اس کی ضمیر لے آئے جو ضمیر زید کی طرف راجع ہے۔ اور مرتبہ کے اعتبار سے مقدم ہے، کیوں کہ یہ فعل اول کا فاعل ہے، لہذا اس سے متصل ہوگا، اگرچہ لفظاً مؤخر ہے۔ یہی صورت دوسری مثال کی ہے۔

اگر فعل ثانی مجرور کا تقاضہ کرتا ہے تو ضمیر مجرور لائی جائے گی جیسے "قَامَ وَمَرَرْتُ بِهِمَا أَخَوَاكَ" اور اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے جیسا کہ بصرین کا مسلک ہے تو فعل اول پر نظر کرو کہ فعل اول فاعل کا تقاضہ کرتا ہے یا مفعول کا، اگر فعل اول فاعل کا مقتضی ہے، یعنی اس وقت جب کہ فعل اول اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہو تو اس میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر مرفوع لائی جائے گی جیسے "قَامَ وَقَعَدَا أَخَوَاكَ" اور اگر مفعول یا مجرور کا تقاضہ کرتا ہے تو پھر ضمیر منصوب یا مجرور حذف کر دی جائے گی، لیکن یہ حذف نسیاً منیاً نہ ہوگا، بلکہ حذف بمعنی مقدر ہے جیسے "ضَرَبْتُ وَضَرَبْنِي أَخَوَاكَ" اور "مَرَرْتُ وَمَرَبِي أَخَوَاكَ" آپ مفعول و مجرور کی صورت میں "ضَرَبْتُهُمَا" اور "مَرَرْتُ بِهِمَا" نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ جب ضمیر لائی جائے گی تو اس صورت میں لفظاً و رتبہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، جو کہ جائز نہیں۔

سوال:- حضرت الاستاذ۔ آپ کے اس دعوے پر اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح مفعول یا مجرور کی صورت میں ضمیر منصوب یا مجرور کا حذف کرنا اضمار قبل الذکر کے خوف سے لازم ہے اسی طرح مرفوع کی صورت میں بھی تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، کیوں کہ اس میں بھی اسم ظاہر بعد میں واقع ہے اور فعل اول اس سے پہلے ہے۔ اب اس میں ضمیر لائی جائے۔ اور اسم ظاہر کی طرف راجع ہو تو وہاں بھی اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، لہذا یہ بھی ناجائز ہونا چاہیے، کیوں کہ علت برابر ہے۔

جواب:- عزیزم، فعل ثانی کے عمل دینے کی صورت میں فعل اول میں ضمیر لانے میں اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، لیکن یہ عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے اور آگے جو اسم ظاہر آ رہا ہے اس سے ضمیر کی تفسیر ہو جائے گی، کیوں کہ ضمیر مرفوع میں اس کی وسعت ہے اور اضمار قبل الذکر کے عدم جواز کو معاف کر دیا گیا ہے، کیوں کہ وہ ضمیر ناقابل سقوط ہے، اس لیے اس کو گوارہ کیا گیا۔ اگر ذکر کیا جاتا تو تکرار لازم آتا ہے، حذف کرتے ہیں تو فاعل کا حذف لازم آتا ہے، برخلاف منصوب اور مجرور کے کیوں کہ اس میں اضمار قبل الذکر کی وسعت نہیں، لہذا ضمیر منصوب و مجرور حذف کر دی گئی۔

مذہب بصریین کی تائید میں شاعر کا قول:

جَفَوْنِي وَلَمْ أَجِفِ الْآخِلَاءَ (انہوں نے مجھ پر ظلم کیا اور میں نے دوستوں پر ظلم نہیں کیا)
فاضل مصنف نے بصریین کے مذہب کی تائید میں ایک شعر سے استدلال فرمایا ہے، پورا شعر اس طرح ہے
جَفَوْنِي وَلَمْ أَجِفِ الْآخِلَاءَ۔ اِنْنِي — لَغَيْرِ جَمِيلٍ مِنْ خَلِيلِي مهمل
بصریین حضرات نے اس شعر کے ذریعہ اپنے مذہب پر استدلال اس طرح فرمایا کہ ”اس شعر میں فعل ثانی“ وَلَمْ أَجِفِ“ معمول متاخر لفظ ”الْآخِلَاءَ“ میں عمل کر رہا ہے۔ لہذا فعل اول ”جَفَا“ اسم فاعل کی ضمیر مرفوع کا تقاضہ کرتا ہے، لہذا اس میں ضمیر مرفوع واو جماعت کی شکل میں لائی گئی ہے جو معمول متاخر ”الْآخِلَاءَ“ کی طرف راجع ہے، جو لفظاً بھی متاخر ہے اور رتبہ بھی، کیوں کہ مفعول کا مرتبہ مؤخر ہی ہوتا ہے۔ اور چوں کہ بصریین کے نزدیک فاعل کی ضمیر مرفوع میں اضمار قبل الذکر لفظاً و رتبہ دونوں جائز ہے، کیوں کہ اتمام کلام کی شدت احتیاج کی بناء پر اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، لہذا مذہب بصریین کے مطابق اس شعر سے استدلال کرنا جائز ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ضمیر مرفوع میں ان کے نزدیک اضمار قبل الذکر کے عدم جواز کو معاف کر دیا گیا ہے۔ خواہ لفظاً معمول متاخر ہو یا رتبہ۔

امرء القیس کا شعر باب تنازع سے نہیں:

وَلَيْسَ مِنْهُ، كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ کو فہم کا مذہب تو معلوم ہی ہے کہ وہ فعل اول کے عمل کو پسند کرتے ہیں، اس پر انہوں نے تیسری دلیل امرء القیس شاعر (جو اصح شعراء میں سے ہے) کے قول سے استدلال کیا ہے کہ امرء القیس شاعر جس کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے اس نے اپنے شعر ”وَلَوْ أَنَّمَا آسَفِي لِأَذْنِي مَعِيشَةٍ — كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ“ (ترجمہ: اگر میں تھوڑی معیشت کی کوشش کرتا تو مجھے تھوڑا مال کافی ہوتا) میں پہلے فعل کو عمل دیا ہے اور ”قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ“ کو ”کفانی“ کا فاعل قرار دیا ہے۔ ”لم اطلب“ کا مفعول نہیں بنایا۔ پس معلوم ہوا

کہ فعل اول کو عمل دینا اولیٰ ہے۔ ورنہ ایسا فصیح و بلیغ شاعر اس کو نہ اختیار کرتا۔

مصنفؒ نے نوحۃ کوفہ کی تردید اور نوحۃ بصرہ کی تائید اور طرفداری کرتے ہوئے فرمایا کہ ”کَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ“ باب تنازع سے نہیں۔ اس لیے کہ اگر اس کو باب تنازع فعلان سے کہیں اور قلیل من المال میں کفانی اور لم اطلب کا تنازع ہو تو شعر کے معنی فاسد ہو جائیں گے۔ پس کوئیوں کا اس مصرعہ سے استدلال صحیح نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شعر کے مصرعہ اول میں حرف لو ہے اور وہ شرط و جزاء پر داخل ہوتا ہے اور اس کا خاصہ ہے کہ شرط و جزاء میں سے جو مثبت ہوتا ہے اس کو منفی کے حکم میں کر دیتا ہے۔ جیسے ”لَوْ لَمْ يُسَيِّ لَمْ أَعَاقِبْ“ علیٰ ہذا القیاس شرط و جزاء پر جو معطوف ہوتا ہے اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد جان لو کہ ”أَنَّمَا أَسْعَى لِأَدْنَى مَعِيشَةٍ“ جملہ فعلیہ شرطیہ اور ”کَفَانِي“ اس کی جزاء ہے اور دونوں مثبت ہیں۔ ای لو ثَبَّتَ سَعِي لِأَدْنَى مَعِيشَةٍ کَفَانِي قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ۔ (یعنی اگر میں ادنیٰ معیشت کی کوشش کرتا تو قلیل مال مجھے تو کافی ہوتا) پس اس جگہ بقاعدہ مذکورہ دونوں فعل منفی ہو جائیں گے۔ اور یہ معنی ہوگا (میں نہ ادنیٰ معیشت کی کوشش کرتا ہوں اور نہ قلیل مجھے کافی ہے) پھر چوں کہ لم اطلب کا کفانی پر عطف ہے، لہذا یہ بھی کو کا جواب ہوگا اور تقدیری عبارت اس طرح ہوگی ”لو ثبت سعي لأدنى معيشة لم اطلب“ پس ادنیٰ معیشت کی سعی منفی اور لم اطلب مثبت ہوگا۔ اب اگر یہ کہیں کہ لم اطلب اور کفانی قلیل من المال کو اپنا معمول بنانے میں نزاع کرتے ہیں تو بقاعدہ بالا مثبت منفی اور منفی مثبت ہو کر یہ معنی ہوں گے ”کہ میں ادنیٰ معیشت کی کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھے کافی ہے“ اور طلب کرتا ہوں قلیل مال کو اور یہ صریح تناقض ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قول مذکور امرء القیس کا تنازع فعلان سے ثبوت نہیں، بلکہ لَمْ أَطْلُبْ کا مفعول محذوف ہے اور تقدیری عبارت ”وَلَمْ أَطْلُبْ الْمُلْكَ، اِي الْعِزَّ وَالْمَجْدَ“ ہے۔ اب اس شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ادنیٰ معیشت کی کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھ کو کافی ہے اور طلب کرتا ہوں میں ملک، عزت و بڑائی کو۔

یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ فساد تو اس وقت لازم آئے گا جب کہ لَمْ أَطْلُبْ کو کَفَانِي پر عطف کیا جائے لیکن لَمْ أَطْلُبْ کو جملہ متانفہ مان لیا جائے تو وہ نفی محض کے حکم میں ہو جائے گا اور کو کے تحت داخل نہیں ہوگا تو اس کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ تنازع ایک شرط کے ساتھ جائز ہے وہ یہ کہ دونوں عاملوں کے درمیان ارتباط ہو اور جب جملہ متانفہ مان لیا جائے تو اس وقت ارتباط باقی نہیں رہے گا، لہذا تنازع نہیں ہوگا۔

بَابُ: الْمَفْعُولُ — (مفعول کا بیان)**بَابُ: الْمَفْعُولُ مَنْصُوبٌ۔**

ترجمہ:- یہ باب اس بارے میں کہ مفعول منصوب ہوتا ہے۔

تشریح:- باب۔ المفعول منصوب الخ فاضل مصنف فاعل کی تمام تفصیلات کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفاعیلِ خمسہ کو بیان کرنا شروع فرمایا، چنانچہ فرمایا کہ جس طرح فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے، اسی طرح مفعول ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ اور فاعل کے مرفوع ہونے کی علت یہ ہے کہ فاعل صرف ایک ہوتا ہے اور اس پر آنے والا اعراب رفع ثقیل ہوتا ہے۔ اور مفعول ایک یا اس سے زائد ہوتا ہے اور اس پر آنے والا اعراب نصب خفیف ہوتا ہے، چنانچہ حجاز نے ثقیل کو قلیل کے لیے اور خفیف کو کثیر کے لیے بغرض قیام مساوات مقرر فرمادیا۔

سوال (۱): فاضل مصنف نے مفاعیل کو فاعل کے بعد اور اسم مجرور سے پہلے بیان فرمایا ہے اس میں کیا راز ہے؟

جواب: جس طرح فاعل ایک عامل ہوتا ہے اسی طرح مفاعیل میں بھی انفرادی طور پر ایک عامل ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عامل واحد میں دونوں شریک رہتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جو تلفظ میں مفعول ہوتا ہے وہ کبھی معنی میں فاعل بھی ہوتا ہے، اس وجہ سے مناسب یہ ہوا کہ فاعل کے بعد مفاعیل لائے جائیں۔ نیز مفاعیل بالنسبۃ اسم مجرورات کے زیادہ بھی ہیں اور کثرت بیان میں مقصود ہوتی ہے اور جو مقصود ہوتی ہے اس کو مقدم کیا جاتا ہے، اس وجہ سے اسم مجرورات پر مفاعیل کو مقدم کیا۔

سوال (۲): مذکورہ جواب پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مشہور تو یہ ہے کہ قلیل مقدم ہوتا ہے کثیر پر، جیسا کہ فاعل مقدم ہے مفاعیل پر، لہذا اسمائے مجرورات کو مفاعیل پر مقدم ہونا چاہیے۔

جواب: قلیل اگر کثیر کا جزء ہو یا قلیل کے ذکر سے کثیر کا علم ہو جاتا ہو تو اس وقت قلیل کو کثیر پر مقدم کیا جاتا ہے اور یہاں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ اسم مجرور مفاعیل کا جزو نہیں اور مجرور کے ذکر سے مفاعیل کا علم نہیں ہوتا۔

منصوب کی تعریف:

منصوب وہ اسم ہے جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو خواہ مفعول حقیقتاً ہو یا حکماً اور یہ تعین اس لیے ہے کہ منصوب کی یہ تعریف منصوب اصلی (مفاعیل خمسہ) اور ان منصوبات کو شامل ہو جائے جو مفعول کے ساتھ ملحق ہیں۔

اسم کے مفعول ہونے کی چار علامتیں ہیں۔ فتح، کسرہ، الف، یاء، جیسے رَأَيْتُ زَيْدًا، وَمُسْلِمَاتٍ وَإِيَّاكَ، وَمُسْلِمِينَ۔

باب انواع المفعولات

وَهُوَ خَمْسَةٌ۔

ترجمہ:- یہ باب مفاعیل کے اقسام کے بیان میں اور وہ صحیح مذہب کے مطابق پانچ ہیں۔

تشریح:- فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ مفاعیل پانچ ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔

(۱) مفعول بہ جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا، (۲) مفعول مطلق جیسے ضَرَبْتُ ضَرَبًا اسی کو مصدر کہا جاتا ہے (۳) مفعول فیہ اس کا دوسرا نام ظرف ہے جیسے صُمْتُ يَوْمَ الْخَمِيسِ (یہ ظرف زمان کی مثال ہے کیوں کہ ظرف کی دو قسمیں ہیں، ظرف زمان، ظرف مکان) اور جَلَسْتُ أَمَامَكَ (یہ ظرف مکان کی مثال ہے) (۴) اور مفعول لہ جیسے قُمْتُ إِجْلًا لَا لَكَ (۵) اور مفعول معہ جیسے سِرْتُ وَالنَّيْل۔

فاضل مصنف نے اپنے قول "وَهُوَ خَمْسَةٌ" کہہ کر ان چند نحو یوں کے اقوال سے احتراز کیا ہے جنہوں نے مفاعیل کی تعداد میں کمی بیشی کی ہے، مثلاً امام زجاجؒ کے نزدیک مفاعیل کل چار ہیں، انہوں نے مفعول معہ کو مفعول بہ کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے اور دونوں کے لیے مثال "سِرْتُ وَجَاوَرْتُ النَّيْل" فرض مانا ہے اور نحاۃ کوفہ کے نزدیک بھی مفاعیل چار ہیں انہوں نے مفعول لہ کو مفعول مطلق کے باب سے شمار کیا ہے جیسے قَعَدْتُ جُلُوسًا، لیکن جمہور نحاۃ جو مفعول لہ کو مستقل معمول قرار دیتے ہیں انہوں نے نحاۃ کوفہ کی مخالفت کی ہے۔ نحاۃ کوفہ اسے مستقل معمول قرار نہیں دیتے بلکہ اس کو مفعول مطلق من غیر لفظ کہتے ہیں، ان کے نزدیک قَعَدْتُ جُلُوسًا کی تاویل "قَعَدْتُ وَجَلَسْتُ جُلُوسًا" یا "قَعَدْتُ قُعُودًا جُلُوسًا" ہے اگر مصدر کی رعایت منظور ہے تو اس کے مناسب فعل نکالا جائے جیسا کہ پہلی مثال جُلُوسًا سے پہلے جَلَسْتُ فعل نکالا ہے اور اگر فعل کی رعایت منظور ہو تو پھر مصدر سے پہلے فعل کے ہم معنی مصدر نکالا جائے جیسا کہ جُلُوسًا سے پہلے قُعُود جُلُوس نکالا ہے، لیکن یہ بات دھیان میں رہے کہ اگر ایک نوع کو دوسرے نوع کی تاویل میں کیا جاسکتا ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی نوع کا سرے سے وجود ہی ختم ہو جائے اور وہ دوسری نوع میں داخل ہو کر بعینہ وہی بن جائے مثلاً حال کو مفعول فیہ کی تاویل میں کیا جاسکتا ہے جیسے جاء زيدٌ راکبًا اس کو جاء زيدٌ وقت الركوب کی تاویل میں کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اگر بقول نحاۃ کوفہ مفعول لہ کو مفعول مطلق کی تاویل میں کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مفعول لہ کا وجود ختم ہو کر اس کو مفعول مطلق میں داخل کر لیا جائے۔

اور امام سیرانی کے نزدیک مفاعیل چھ ہیں، انہوں نے مفعول منہ کا اضافہ فرمایا ہے اور دلیل باری تعالیٰ کا قول ”وَ اخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا“ (اور موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے منتخب کیے۔ پارہ ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۵۵) پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں قَوْمَهُ دراصل مِنْ قَوْمِهِ کے معنی میں ہے جو مفعول منہ کا مصداق ہے۔

اور امام جوہری نے مفاعیل کی تعداد چھ مقرر کرتے ہوئے مستثنیٰ کو ”مفعول دوم“ نام رکھا ہے، کیوں کہ اعراب میں دونوں مشترک ہیں۔

لیکن فاضل مصنف نے ”وَهُوَ خَمْسَةٌ“ کہہ کر صحیح مذہب کو بیان فرمایا وجہ اس کی یہ ہے کہ منصوبات بارہ ہیں مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ، حال، تمیز، مستثنیٰ، حروف مشبہ بالفعل کا اسم، ماو لا المشبہتان بلیس کی خبر، لائے نفی جنس کا اسم، افعال ناقصہ کی خبر، ان میں سے اول کے پانچ کو اصول منصوبات کہتے ہیں اور باقی کو ملحقات کہتے ہیں۔ ایک شاعر فارسی مفاعیل خمسہ کی تعداد میں کہتا ہے۔

لہ و مطلق، وفیہ، ومعہ، وہ

مفاعیل ہمہ پنج است بشنوی

ایک عربی شاعر بھی کہتا ہے

رعايته شكره دهرًا مديدًا

حمدت و حامدا حمد و حمید

فِيهِ

لَهُ

بِهِ

مطلق

معه

باب: المفعول به — مفعول بہ کی تعریف اور اس کے احکام کا بیان

الْمَفْعُولُ بِهِ وَهُوَ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ، كـ ”ضَرَبْتُ زَيْدًا“۔

ترجمہ: مفعول بہ۔ اور وہ ایسا اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا (میں نے زید کو مارا)

تشریح: المفعول بہ یہاں سے مصنف نے مفاعیل خمسہ کی پہلی قسم مفعول بہ کی تعریف اور اس پر ہونے والے اعتراضات و جوابات کو تحریر فرمایا ہے جو تفصیل طلب ہے۔

مفعول بہ کی تعریف:۔ وہ ایسا اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا کے اندر زید مفعول بہ ہے یہ ابن حاجب کے مذہب کے مطابق تعریف ہے۔

اشکال ۱: لیکن اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ”مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا“ اور ”لَا تَضْرِبْ زَيْدًا“ میں زید فاعل کا فعل واقع نہیں ہوا، چوں کہ وقوع فعل کی نفی کی جارہی ہے اس کے باوجود دونوں

مثالوں میں لفظ زیداً بر بنائے مفعولیت منصوب ہے ایسا کیوں؟
جواب: دراصل وقوع سے مراد تعلق ہے اور مثال مذکور میں فعل ضَرَبَ کا تعلق زید کی ذات سے ہے، اس لیے بر بنائے مفعولیت منصوب ہے۔ اب مفعول بہ کی تعریف اس طرح ہوگی۔ مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوا ہو خواہ فعل مثبت ہو جیسے ضَرَبْتُ زیداً، یا منفی ہو جیسے مَا ضَرَبْتُ زیداً، یا نہی ہو جیسے لَا تَضْرِبْ زیداً۔

اشکال ۲: اب اگر کوئی کہے کہ ”مات زید“ میں زید فاعل ہے حالاں کہ مفعول بہ کی تعریف اس پر صادق آتی ہے، اس لیے کہ موت زید پر واقع ہے۔
جواب: فاعل کے وقوع فعل سے مراد یہ ہے کہ فعل فاعل سے صادر ہو کر مفعول بہ پر واقع ہو اور یہاں ایسا نہیں، اس لیے کہ موت فاعل سے صادر ہو کر زید پر واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ زید کی روح کے پرواز کر جانے سے متحقق ہوئی۔

قوله ما وقع عليه فعل الفاعل: مفعول بہ کی تعریف ما وقع عليه فعل الفاعل سے کر کے باقی مفاعیل کو خارج کیا ہے، کیوں کہ ان مفاعیل میں سے کوئی ایسا نہیں جس پر یہ صادق آئے کہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہے، بلکہ ان میں بجائے علیہ کے مفعول فیہ میں قیہ مفعول لہ میں لہ مفعول معہ میں معہ لایا جائے گا اور جس طرح مفعول بہ کی تعریف سے مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ خارج ہوئے اسی طرح مفعول مطلق بھی خارج ہے، کیوں کہ مفعول بہ کی تعریف ما وقع عليه فعل الفاعل سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل اور ہے اور جس پر واقع ہے وہ اور ہے، ان دونوں میں اتحاد نہیں مغایرت ہے اور مفعول مطلق اپنے فعل کے معنی میں ہوتا ہے، لہذا اس میں اور اس کے فعل میں اتحاد ہوگا مغایرت نہ ہوگی۔

باب المنادی — منادی کا بیان

وَمِنْهُ الْمُنَادَى .

ترجمہ: — اور اسی (یعنی مفعول بہ) سے منادی ہے۔

تشریح: — فاضل مصنف نے فرمایا کہ مفعول بہ کی بحث سے منادی ہے، چوں کہ منادی ترکیب میں مفعول بہ ہوتا ہے، اس لیے منادی کو مفعول بہ کی بحث میں بیان فرمایا ہے۔ جیسے يَاعْبُدُ اللّٰهَ (یہ منادی مضاف کی مثال ہے) یا حرف ندا قائم مقام ادعوا فعل کے، ادعوا فعل با فاعل، عباد مضاف، لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا ادعوا فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ صورتہ اور معنی انشاء ہوا۔ اس مثال میں یا حرف ندا کی اصل

ادعوا فعل ہے جسے حذف کر دیا گیا اور یا حرف ندا کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

نوٹ:- راقم الحروف معذرت پیش کرتے ہوئے قارئین کرام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ منادی کی موجودہ بحث مبادیات کے سمجھے بغیر سمجھنا دشوار ترین مسئلہ ہے، لہذا مجبوراً مبادیات اور مقدمات کو بطور تمہید کے ذکر کر رہا ہے۔

مبادی و مقدمہ:- منہ المنادی کبھی مفعول بہ کے عامل کو جو با حذف کر دیا جاتا ہے، اس کے چار مواقع ہیں۔ ان چار مقامات کی تخصیص کثرت مباحث کی وجہ سے تحدید کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ ان چار مقامات کے علاوہ بھی کچھ مقامات ہیں جن میں مفعول بہ کے عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ (یہاں وہ مقصود نہیں)

ان چار مقامات میں سے جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے پہلی جگہ سماعی ہے، اس میں قیاس کا دخل نہیں، جن مثالوں میں اہل عرب سے حذف کرنا سنا گیا ہے وہیں حذف کیا جائے گا، دوسری جگہ نہیں۔ جیسے "إِمْرَأًا وَنَفْسًا" یعنی "أَتْرُكُ إِمْرَأًا وَنَفْسًا" (چھوڑ تو آدمی کو اس کی ذات کے ساتھ) یہاں إِمْرَأًا سے پہلے أَتْرُكُ محذوف ہے۔

دوسری جگہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے ما اضرر عامله علی شریطة التفسیر ہے یعنی ہر وہ مفعول بہ جس کے عامل کو اس شرط پر حذف کیا گیا ہو کہ اس کی تفسیر آگے آرہی ہے جیسے "زَيْدًا ضَرَبْتُهٖ" (میں نے زید کو مارا) زَيْدًا سے پہلے ضَرَبْتُ فعل محذوف ہے، جس کی تفسیر بعد والا ضَرَبْتُ کر رہا ہے۔

تیسری جگہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے تحذیر ہے۔ تحذیر وہ اسم ہے جو اتق فعل مقدر کا معمول ہو ڈرانے کی وجہ سے اس چیز سے جو اس معمول کے بعد ہو۔ جیسے إِيَّاكَ وَالْأَسَدَ (بچ تو شیر سے)۔

چوتھی جگہ جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے منادی ہے۔ اور فعل کے قائم مقام حرف ندا کو کر دیا جاتا ہے جیسے يَا زَيْدُ ادْعُوا فَعْلًا محذوف ہے، عامل کے محذوف ہونے کے اعتبار سے مفعول بہ سے تعلق رکھتا ہے، اسی لیے "وَمِنْهُ الْمُنَادِي" کہا گیا ہے۔

سوال: منادی یعنی جب کسی کو پکارا جائے تو اس وقت فعل کا حذف کرنا واجب ہے۔ کیوں؟

جواب: اس وقت فعل کا حذف کرنا واجب ہے، کیوں کہ مقصود اس وقت صرف اس کو پکارنا نہیں ہوتا، بلکہ اس کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس سے کوئی کام مقصود ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر فعل کو ذکر کریں تو مقصود میں تاخیر ہو جائے گی۔

منادی کی تعریف: ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی توجہ ایسے حرف کے ذریعہ مطلوب ہو جو اَدْعُوا فعل کے قائم مقام ہو خواہ وہ لفظ مذکور ہو یا تقدیراً۔
حروف نداء کی تعداد:- جو حروف ادعوا فعل کے قائم مقام ہیں ان کو حروف نداء کہتے ہیں ایسے حروف پانچ ہیں یاء، آيا، هَبَا، آئی، ہمزہ مفتوحہ۔
منادی ترکیب میں مفعول بہ ہوتا ہے اور اس کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں، جن کو فاضل مصنف نے قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو آئندہ آرہی ہے۔

بَابُ نَصْبِ الْمُنَادِي فِي ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ

وَأَنَّمَا يُنْصَبُ مُضَافًا، كـ "يَا عَبْدَ اللَّهِ" أَوْ شَبَّهَهُ كـ "يَا حَسَنًا وَجْهَهُ"
وَ "يَا طَالِعًا جَبَلًا" وَ "يَا رَفِيقًا بِالْعِبَادِ" أَوْ نَكْرَةً غَيْرَ مَقْصُودَةٍ
كَقَوْلِ الْأَعْمَى: يَا رَجُلًا خُذْ بِيَدِيْ

ترجمہ:- اور درحقیقت منادی نصب دیا جاتا ہے بشرطیکہ مضاف ہو جیسے "یا عبد اللہ" یا شبہ مضاف ہو جیسے "یا حَسَنًا وَجْهَهُ" اور "یا طَالِعًا جَبَلًا" اور "یا رَفِيقًا بِالْعِبَادِ" یا نکرہ غیر مقودہ ہو۔ جیسے اعمیٰ کا قول "یا رَجُلًا خُذْ بِيَدِيْ"۔

تشریح:- وَأَنَّمَا يُنْصَبُ مُضَافًا الخ منادی پر بھی تو رفع آتا ہے کبھی نصب اور کبھی جر، لیکن کتنی حالتوں میں نصب آتا ہے۔ صاحب کتاب نے انہیں حالات و مسائل کو اس عبارت میں بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں تین مسائل میں منادی لفظاً منصوب ہوتا ہے۔

(۱) منادی مضاف ہو جیسے "يَا عَبْدَ اللَّهِ، يَا رَسُولَ اللَّهِ" سابق میں اس کی ترکیب گزر چکی ہے۔ اور شاعر کا قول

أَلَا يَا عَبْدَ اللَّهِ قَلْبِي مُتَيِّمٌ ————— بِأَحْسَنَ مَنْ صَلَّى وَأَقْبَحَهُمْ بَعْلًا

(ترجمہ: سنو! اے اللہ کے بندو میرا دل اس شخص کا گرویدہ ہے جو عمدہ نماز پڑھے اور ان میں سب سے بدترین بعل نامی شخص ہے۔)

یہ اخطا تغلی نصرانی کا کلام ہے اس میں محل استشہاد "يَا عَبْدَ اللَّهِ" منادی مضاف ہے جو لفظاً منصوب ہے۔

(۲) منادی مشابہ مضاف ہو: مثلاً مضاف سے مراد وہ اسم ہے جس کا معنی بدون انضمام مابعد کے تام نہ ہو جیسا کہ مضاف اور مضاف الیہ کا حال ہے کہ مضاف بدون مضاف الیہ کے تام نہیں ہوتا ہے۔

وہ اسم جس کے انضمام سے معنی تام ہوتا ہے اس کی کئی صورتیں ہیں، یا تو وہ منادی سے اسم مرفوع ہوگا جیسے "یا محمودا فِعْلَةً"۔ "یا حَسَنًا وَجْهَةً"۔ "یا جَمِيلًا فِعْلَةً" اور "یا کَثِيرًا بَرَّةً" ان تمام مثالوں میں منادی کا مابعد منادی سے مرفوع ہے۔

("یا محمودا فِعْلَةً" کی ترکیب اس طرح کی جاسکتی ہے۔ یا حرف نداء قائم مقام اَدْعُوا فعل کے، اَدْعُوا فعل بافاعل، محمودا شبہ فعل، فِعْلَةً مضاف مضاف الیہ سے مل کر نائب فاعل، شبہ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر منادی مشابہ مضاف اس لیے کہ محمودا ایسا لفظ ہے جس کے معنی علی وجہ الکمال سمجھنا موقوف ہے مابعد اسم پر "یا حَسَنًا وَجْهَةً" "یا جَمِيلًا فِعْلَةً" "یا کَثِيرًا بَرَّةً" میں حَسَنًا، جَمِيلًا، کَثِيرًا، تینوں صیغہ صفت ہیں، اسی وجہ سے ان کے مابعد کا اسم بر بنائے فاعلیت مرفوع ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ صفت مشبہ کا فاعل اگر مرفوع ہے تو صفت مشبہ کا فاعل ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ صیغہ صفت بھی اسم فاعل جیسا عمل کرتا ہے، اس کے ساتھ تشبیہ اور جمع لائے جانے میں مشابہت کی وجہ سے لہذا بوجہ مناسبت اسم فاعل کا حکم صفت مشبہ کو بھی دیا جائے گا اور جس طرح اسم فاعل مابعدہ کو علی الفاعلیت رفع دیتا ہے یہ صفت مشبہ بھی وہی عمل کرے گا اور یہ تمام مثالیں مشابہ مضاف کی ہیں، کیوں کہ ان کا معنی علی وجہ الکمال سمجھنا موقوف ہے مابعد اسم پر۔

ترکیب اس طرح کی جاسکتی ہے۔ یا حرف نداء قائم مقام اَدْعُوا فعل کے، اَدْعُوا فعل بافاعل، حَسَنًا شبہ فعل، وَجْهَةً مضاف مضاف الیہ سے مل کر نائب فاعل، شبہ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر مشابہ منادی مضاف اس لیے حَسَنًا ایسا لفظ ہے جس کا معنی علی وجہ الکمال سمجھنا مابعد اسم پر موقوف ہے۔ (وَقَسْ عَلَىٰ هَذَا مَا بَعْدَهُ)

یا وہ اسم جس کے انضمام سے معنی تام ہوتا ہے یا تو وہ منادی سے منصوب ہوگا جیسے "یا طَالِعًا جَبَلًا" (اے پہاڑ پر چلنے والے) اس مثال میں منادی مشابہ مضاف ہے اور منادی کا مابعد جس کے انضمام کے بغیر طَالِعًا منادی کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا وہ منادی سے منصوب ہے، اور طَالِعًا مشبہ مضاف اس وجہ سے ہے کہ اس کے معنی ہیں چڑھنے والا۔ تو جب تک کوئی چیز ایسی نہ ذکر کر دی جائے جس پر چڑھا جاتا ہو اس وقت تک طَالِعًا کے معنی نہ سمجھ میں آئیں گے، اس لیے مشبہ مضاف ہو۔

اب ترکیب یوں ہوگی۔ یا حرف نداء قائم مقام اَدْعُوا فعل بافاعل، طَالِعًا شبہ فعل، جَبَلًا اس کا مفعول، شبہ فعل اپنے مفعول سے مل کر مفعول ہوا اَدْعُوا فعل کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ صورتہ اور معنی انشاء ہوا۔

یا وہ بحرور ہوگا ایسے حرف جر سے جو منادی سے متعلق ہو جیسے تیرا قول "یا رَفِیقًا بِالْعِبَادِ" میں

لفظ "عَبَّاد" ایسے حرف جر سے مجرور ہے جو جر منادی سے متعلق ہے اور وہ منادی مشابہ مضاف ہے اسی پر "یا خیرا من زید" کو قیاس کر لیجیے۔

یادہ اسم نداء سے پہلے معطوف علیہ ہو جیسے تیرا قول "یا ثلاثہ و ثلاثین" کسی آدمی کے بارے میں جس کا نام یہ رکھ دیا گیا ہو۔

(۳) منادی نکرہ غیر مقصودہ ہو۔ جسے اُمی کا قول "یا رجلاً خذ بیدي" اس میں منادی نکرہ غیر مقصودہ ہے، ترکیب اس طرح ہوگی، یا حرف ندا قائم مقام ادعوا فعل کے، رجلاً مفعول بہ ادعوا فعل بافاعل اپنے مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ صورتہ اور معنی انشاء ہوا۔

شاعر نے بھی نکرہ غیر مقصودہ ہونے کی صورت میں منادی کو منصوب پڑھا ہے جیسے شاعر کا قول

فَيَا رَاكِبًا اِمَّا عَرَضْتَ فَبَلَّغَنَّ نَدَا مَايَ مِنْ نَجْرَانَ اَنْ لَا تَلَاَقِيَا

(ترجمہ: اے سوار اگر تو حجاز پہنچے تو میرے نجرانی دوستوں کو یہ پیغام ضرور پہنچا دینا کہ ہماری کوئی ملاقات متوقع نہیں ہے) اس شعر میں محل استشہاد "یا راکباً" ہے جو منادی نکرہ غیر مقصودہ ہونے کی وجہ سے لفظاً منصوب ہے۔ (یہ عبد یغوث بن وقاص جارثی کا کلام ہے)

نکرہ غیر مقصودہ کا مطلب:

نکرہ غیر مقصودہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی غیر معین شخص کو بغیر دیکھے پکارے، کیوں کہ دیکھ کر اگر کسی کو پکارے گا تو اس وقت نکرہ معین ہو جائے گا۔ مثلاً کسی آدمی کو دیکھ کر کوئی یا رجل کہے تو یہ رجل محض نکرہ نہ رہے گا بلکہ معین ہو جائے گا، اس کو نکرہ معین کہتے ہیں اور یہ رفع پر مبنی ہوتا ہے اور غیر معین ہونے کی صورت میں یا رجل بھلا کہیں گے۔

وَالْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ يُبْنَى عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ كـ "يَا زَيْدٌ" وَ "يَا زَيْدَانِ" وَ "يَا زَيْدُونَ" وَ "يَا رَجُلٌ" لِمُعَيَّنٍ۔

ترجمہ:- اور منادی اگر مفرد معرفہ ہو تو رفع پر مبنی ہوتا ہے جیسے یا زید، یا زیدان، یا زیدون۔ یا رجل کسی معین شخص کے لیے۔

تشریح:- والمفرد المعرفة الخ منادی کا مبنی علی الرفع ہونا دو شرطوں پر موقوف ہے (۱) مفرد ہو (۲) معرفہ ہو۔ مفرد کا مطلب یہ ہے کہ منادی مضاف اور شبہ مضاف نہ ہو، اس لیے واحد، تشنیہ، جمع سب علامت رفع پر مبنی ہوں گے جیسے یا زید، یا زیدان، یا زیدون، واحد میں رفع ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے اور تشنیہ میں الف اور نون کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جمع میں واؤ نون کے ساتھ ہوتا ہے۔

معرفہ کا مطلب یہ ہے کہ منادی کی مراد متعین ہو خواہ ندا سے پہلے معرفہ ہو جیسے زید اور عمرو، یا ندا کے بعد معرفہ ہو اس پر متوجہ ہونے کی وجہ سے جیسے رجل، انسان، ان دونوں سے مراد متعین ہے، اسی کو دیگر نحاۃ نے اس طرح فرمایا کہ نکرہ پر اگر حرف ندا داخل کیا جائے تو وہ بھی رفع پر مبنی ہوگا۔ جیسے یا رجل۔ اس کو نکرہ معینہ کہتے ہیں، جب یہ دونوں امور کسی اسم میں موجود ہوں تو وہ اسم مبنی علی الرفع ہونے کا مستحق ہوگا، اگرچہ وہ معرب ہو جیسے یا زید ضمہ کے ساتھ، یا زیدان الف کے ساتھ، یا زیدون واؤ کے ساتھ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”يَا نُوحُ قَدْ جَاءَلْتَنَا“ (بولے یا نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا۔ پ ۱۲، سورہ ہود، آیت ۳۲) میں ”يَا نُوحُ“ اسم منادی ہے جو مفرد و معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الرفع ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول ”يَا جِبَالُ أَوْبِي مَعَهُ“ (اے پہاڑ خوش آوازی سے پڑھو اس کے ساتھ۔ پ ۲۲، سورہ سبا، آیت ۱۰) میں بھی ”يَا جِبَالُ“ منادی مفرد و معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الرفع ہے۔

بَابُ الْمُنَادِي الْمُضَافِ لِيَاءِ الْمُتَكَلِّمِ

وہ منادی جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس کا اعراب

فَصْلٌ: وَتَقُولُ ”يَا غُلَامُ“ بِالثَّلَاثِ، وَبِالْيَاءِ فَتَحًا وَاسْكَانًا، وَبِالْأَلِفِ

ترجمہ:- فصل۔ اور آپ ”يَا غُلَامُ“ تینوں حرکات کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں اور یاء کے فتح اور سکون کے ساتھ، اور یاء کو الف سے بدل کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

منادی مضاف ہو یاء متکلم کی طرف کا اعراب:

وہ منادی جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف جیسے ”غُلَامِي“ تو باعتبار اعراب کے اس میں چھ لغات جائز ہیں۔ راقم الحروف نے ”وہ منادی جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو“ کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لغات ستہ کا جواز صرف اس منادی میں ہے جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو ہر ایسا اسم جو یاء متکلم کی طرف مضاف اور منادی نہ ہو اس میں یہ لغات ستہ جائز نہیں۔

وہ لغات ستہ یہ ہیں (۱) يَا غُلَامِي۔ یاء ساکنہ کے اثبات کے ساتھ جیسے باری تعالیٰ کا قول ”يَا عِبَادِي لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ“ (اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر۔ پ ۲۵، سورہ زخرف، آیت ۶۸) اس آیت میں ”يَا عِبَادِي“ یاء ساکنہ کے اثبات کے ساتھ ہے۔

(۲) يَا غُلَامُ۔ یاء ساکنہ کو حذف کر کے کسرہ کے باقی رکھنے کے ساتھ تاکہ کسرہ دال ہو یاء

محذوفہ پر جیسے باری تعالیٰ کا قول "يَا عِبَادِ فَاتَّقُونِ" (اے بندو میرے مجھ سے ڈرو۔ پ، سورہ زمر، آیت ۱۶) میں "يَا عِبَادِ" محل استشہاد ہے۔

(۳) اس حرف کو ضمہ دینا جو یاء کی وجہ سے مکسور تھا (یعنی یاء ساکنہ کو حذف کرنے کے بعد اس حرف کو ضمہ دینا جو یاء کی وجہ سے مکسور تھا) لیکن یہ ضعیف لغت ہے، جیسے "يَا أُمَّ لَا تَفْعَلِي" میں "يَا أُمَّ" کا میم یا کی وجہ سے مکسور تھا، لیکن یہاں ضمہ کے ساتھ پڑھا جا رہا ہے، یہی حال باری تعالیٰ کا قول "قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ" (رسول نے کہا اے رب فیصلہ کر انصاف کا۔ پ، سورہ انبیاء، آیت ۱۱۲) میں "رَبِّ" کا ہے جو یاء حذف کے بعد ضمہ کے ساتھ پڑھا جا رہا ہے۔

(۴) يَا غُلَامِي: یاء کا فتح۔ باری تعالیٰ کا قول "يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ" (کہہ دے اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر۔ پ، سورہ زمر، آیت ۵۳) میں "يَا عِبَادِيَ" یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(۵) يَا غُلَامًا: یاء کو الف سے بدل کر پڑھنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یاء مفتوحہ سے ما قبل کے کسرہ کو فتح سے بدل دیا گیا۔ اب تعلیل ہوئی یاء متحرک ما قبل مفتوح ما قبل کے فتح کی مناسبت سے یا کو الف سے بدل دیا گیا يَا غُلَامِي سے يَا غُلَامًا ہو گیا۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "يَا حَسْرَتًا عَلَىٰ مَا فَرَطْتُ فِي جَنبٍ" (ہائے افسوس اس بات پر کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف سے۔ پ، سورہ زمر، آیت ۵۶) میں "يَا حَسْرَتًا" اصل میں "يَا حَسْرَتِي" تھا بعد تعلیل يَا حَسْرَتًا ہو گیا ہے۔ یہی حال باری تعالیٰ کا قول "يَا أَسْفَا عَلَىٰ يَوْسُفَ" (اے افسوس یوسف پر۔ پ، سورہ یوسف، آیت ۸۴) میں "يَا أَسْفَا" کا ہے جو اصل میں "يَا أَسْفِي" تھا بعد تعلیل يَا أَسْفَا ہو گیا۔

(۶) يَا غُلَامًا: الف کو حذف کر کے فتح باقی رکھنے کے ساتھ تاکہ فتح الف کے محذوف ہونے پر دلالت کرے جیسے شاعر کا قول: وَلَسْتُ بِرَاجِعٍ مَا فَاتَ مِنِّي — بِلَهْفٍ وَلَا بَلِيَّتٍ وَلَا لَهَآئِي (ترجمہ: اور مجھ سے جو چیز فوت ہو جائے میں اسے کلمہ لہف، اور لیٹ، اور لو آئی کے ذریعہ نہیں لوٹا سکتا۔) اس شعر میں محل استشہاد "بِلَهْفٍ" اور "لَيْتٌ" ہے یہ اصل میں يَا لَهْفًا تھا الف کو حذف کر دیا گیا اور فتح کو باقی رکھا، تاکہ دلالت کرے اس بات پر کہ الف یہاں سے محذوف ہے۔

لہف سے مراد وہ کلمہ ہے جس سے شے مافات پر افسوس کیا جاتا ہے یعنی فلاں پر کس قدر افسوس ہے۔

يَا غُلَامًا بِالثَّلَاثِ کی توضیح:۔ اس عبارت کے ذریعہ فاضل مصنف نے اس بات کی طرف

اشارہ فرمایا کہ يَا غُلَامًا کے میم کو ضمہ، فتح، کسرہ تینوں حرکات پڑھنا جائز ہے جیسے يَا غُلَامًا، يَا غُلَامًا، يَا غُلَامًا۔

بَابُ حُكْمِ أَبٍ، وَأُمٍّ، فِي الْمُنَادَاءِ إِذَا كَانَ مُضَافِينَ إِلَى الْيَاءِ

منادی اب اور اُم جب مضاف ہو یا متکلم کی طرف کا بیان

وَيَا أَبَتِ، وَيَا أُمَّتِ، وَيَا بَنَ أُمٍّ، وَيَا بَنَ عَمٍّ بِفَتْحٍ وَكَسْرٍ وَالْحَاقُّ
الْأَلِفِ أَوِ الْيَاءِ لِلْأَوَّلَيْنِ قَبِيحٌ. وَلِلْآخَرَيْنِ ضَعِيفٌ.

ترجمہ: - اور یا اَبَتِ اور یا اُمَّتِ اور یا بَنَ اُمٍّ اور یا بَنَ عَمٍّ کو فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اور پہلے دونوں کے لیے الف یا کے الحاق کے ساتھ پڑھنا قبیح ہے اور اخیر کے دونوں کے لیے ضعیف ہے۔

جب منادی اب اور اُم یا متکلم کی طرف مضاف ہو:

يَا أَبَتِ وَيَا أُمَّتِ الخ جب منادی لفظ "أَب" یا "أُم" ہو اور یا متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں دس لغتیں جائز ہیں۔ چھ تو وہی جو اوپر مذکور ہیں۔ اور چار لغتیں یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

(۱) یا کو تاء مکسورہ سے بدل کر پڑھنا جیسے "يَا أَبَتِ" ابن عامر کے علاوہ تمام قراء سبعہ نے اسی طرح پڑھا ہے تاء پر کسرہ پڑھنے کی صورت میں یا کی مناسبت کا لحاظ کیا گیا ہے، کیوں کہ یا کسرہ کا تقاضہ کرتی ہے، اس لیے تاء پر کسرہ دیا گیا، تاکہ عوض اور معوض میں مناسبت رہے۔

(۲) یا کو تاء مفتوحہ سے بدل کر پڑھنا جیسے "يَا أَبَتِ" یہ ابن عامر کی قراءت ہے۔ تاء پر فتح پڑھنے کی صورت میں یا کے حرکت کی رعایت ہے یا پر فتح تھا، لہذا اس کے عوض میں جو تاء ہے، اس پر بھی فتح پڑھا جائے گا تاکہ عوض اور معوض دونوں کی حرکت سے مطابقت رہے۔

(۳) یا کو تاء اور الف سے بدل کر پڑھنا جیسے "يَا أَبَتَا، يَا أُمَّتَا، اس میں یا کے دونوں عوض کا اجتماع ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ قراءت شاذہ ہے۔

(۴) منادی کو تاء اور یا کے ساتھ پڑھنا جیسے "يَا أَبَتِي، يَا أُمَّتِي۔

آخر کی یہ دونوں لغتیں قبیح ہیں اور نمبر ۲۲ سے کہیں زیادہ قبیح ہے اور مناسب تو یہ ہے کہ یہ جائز ہی نہیں ہو، کیوں کہ تاء اور الف، یا تاء اور یا کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس صورت میں عوض اور معوض دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ فقط ضرورت شعری کی بناء پر جواز کا حکم دے دیا گیا ہے۔

منادی کا ایسے اسم کی طرف مضاف ہونا جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو:

يَابْنَ أُمِّ، يَابْنَ عَمِّ کی تشریح: فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ جب منادی مضاف ہو ایسے اسم کی طرف جو خود یاء متکلم کی طرف مضاف ہے تو اس اسم میں یاء مفتوحہ یا یاء ساکنہ کا باقی رکھنا جائز ہے جیسے يَاغُلَامَ غُلَامِي البتہ منادی لفظ "اِبْنُ أُمِّ يَا اِبْنَ عَمِّ" ہو تو ان میں چار لغتیں جائز ہیں۔

(۱) میم کے فتح کیساتھ پڑھنا۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول قَالَ اِبْنُ اُمِّ اِنْ الْقَوْمَ اسْتَضَعَفُونِي (وہ بولا کہ اے میری ماں کے بیٹے لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا۔ پ ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۵۰) اور باری تعالیٰ کا قول قَالَ يَابْنَ اُمِّ لَا تَاْخُذْ بِلِحِيَّتِي (فرمایا اے میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی نہ پکڑ۔ پ ۱۶، سورہ طہ، آیت ۹۴) ان دونوں مثالوں میں میم کو فتح کے ساتھ قراء سبعہ نے پڑھا ہے۔

(۲) میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا۔ مذکورہ بالا آیات میں قراء سبعہ نے میم کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے جس طرح وہ میم کے فتح کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

اشکال:- يَابْنَ اُمِّ اور يَابْنَ عَمِّ میں بغرض تخفیف الف کو حذف کر کے میم کے فتح پر اکتفاء کیا گیا ہے، یہ صورت باب "يَاغُلَامِي" میں شاذ ہے، یہاں کیوں جائز ہے؟

جواب:- يَابْنَ عَمِّ اور يَابْنَ اُمِّ کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں يَاغُلَامِي کے اعتبار سے الفاظ زیادہ ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ میم مشدد ہے جس سے ثقل میں اور اضافہ ہو گیا یہ وجہ ہیں جن کی وجہ سے اس میں مزید تخفیف کی گنجائش نکالی گئی۔

(۳) یاء کو باقی رکھنے کے ساتھ پڑھنا۔ جیسے ابو زبید طائی حرمہ بن منذر کا وہ شعر جو اس نے اپنے بھائی کی مرثیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

يَابْنَ أُمِّي وَيَا شَقِيقَ نَفْسِي أَنْتَ خَلَفْتَنِي لِذَهْرِ شَدِيدٍ

(ترجمہ: اے میری ماں کے بیٹے، اور اے میرے جگر کے ٹکڑے تو نے مجھے ایک سخت زمانہ کے لیے جانشین مقرر فرمایا) اس شعر میں محل استشہاد "يَابْنَ أُمِّي" ہے۔ شاعر نے یاء کو باقی رکھتے ہوئے استعمال کیا ہے۔

(۴) یاء کو الف سے بدل کر پڑھنا جیسے ابو نجم فضل بن قدامہ عجمی کا شعر

يَا ابْنَةَ عَمَّا لَا تَلْوِي وَاهْجَعِي (ترجمہ: اے میرے چچا کی بیٹی مجھے لعنت و ملامت مت

کر اور مجھ سے ناراض مت ہو) اس شعر میں محل استشہاد "يَا ابْنَةَ عَمَّا" ہے، جس میں یاء کو الف سے بدل کر پڑھا گیا ہے۔ لیکن اخیر کے دونوں یعنی عَمَّا سے قلیل الاستعمال لغت ہیں۔

بَابُ أَحْكَامِ تَابِعِ الْمُنَادَى

فَصْلٌ: وَيَجْرِي مَا أُفْرِدَ، أَوْ أُضِيفَ مَقْرُونًا بِأَلٍ، مِنْ نَعْتِ الْمُبْنِيِّ وَتَاكِيدِهِ وَبَيَانِهِ وَنَسَقِهِ الْمَقْرُونِ بِأَلٍ، عَلَى لَفْظِهِ أَوْ مَحَلِّهِ، وَمَا أُضِيفَ مُجَرَّدًا عَلَى مَحَلِّهِ، وَنَعْتُ أَيٍّ عَلَى لَفْظِهِ، وَالْبَدَلُ الْمُجَرَّدُ، (وَالنَّسَقُ الْمُجَرَّدُ) كَالْمُنَادَى الْمُسْتَقِلِّ مُطْلَقًا۔

ترجمہ:- (جو منادی مبنی علی الرفع ہوتا ہے اس کے توابع کا حکم یہ ہے کہ) وہ توابع مفرد ہو یا مضاف معرف باللام ہو (اور ترکیب میں) وہ مبنی کی نعت یا تاکید یا بیان یا صیغہ صفت ہو جو الف لام کے ساتھ لایا گیا ہے تو وہ منادی کے لفظ پر یا محل پر جاری ہوگا۔ اور وہ توابع منادی جو مضاف ہو اور الف لام سے خالی ہو تو وہ منادی کے محل پر قیاس کیا جائے گا۔ اور لفظ ”آئی“ کی نعت منادی کے لفظ پر جاری ہوگی۔ اور وہ بدل اور صیغہ صفت جو الف لام سے خالی ہے وہ مطلقاً منادی مستقل کی طرح ہوتا ہے۔

منادی مبنی کے توابع کے احکام:

وَيَجْرِي مَا أُفْرِدَ الْخ مصنف منادی کے حالات سے فارغ ہو کر اس کے توابع کے احکام کو بیان کر رہے ہیں۔ پہلے منادی مبنی کے توابع کے احکام کو بیان کریں گے بعد میں معرب کے توابع کے احکامات بیان کریں گے۔

صورت مسئلہ:- منادی جب مبنی علی الرفع ہو اور اس کا تابع نعت ہو، یا تاکید ہو، یا بیان ہو، یا صیغہ صفت ہو جو معرف باللام ہو بشرطیکہ یہ سب کے سب مفرد ہوں تو اس وقت تابع منادی کو منادی کے لفظ پر قیاس کرتے ہوئے رفع پڑھنا جائز ہوگا اور محل مفعولیت پر قیاس کر کے نصب پڑھنا جائز ہوگا۔

نعت کی مثال:- جیسے ”يَا زَيْدُ الظَّرِيفُ“ (اے زید امین) اس مثال میں لفظ ”الظَّرِيفُ“ منادی کا تابع ہے اور نعت ہے اس کو منادی کے لفظ پر قیاس کر کے رفع کے ساتھ ”الظَّرِيفُ“ پڑھنا بھی جائز ہے اور محل مفعولیت پر قیاس کر کے نصب کے ساتھ ”الظَّرِيفُ“ پڑھنا بھی جائز ہے۔

تاکید کی مثال:- جیسے ”يَا تَمِيمُ أَجْمَعُونَ“ (اے تمام کے تمام) اس مثال میں لفظ ”اجمعون“ منادی کا تابع ہے اور تاکید ہے، لہذا لفظ پر قیاس کر کے رفع کے ساتھ اجمعون اور محل مفعولیت پر قیاس کرتے ہوئے اجمعین پڑھنا جائز ہے۔

بیان کی مثال:- جیسے ”يَا سَعِيدُ كُرَّرَ“ اس مثال میں ”كُرَّرَ“ منادی کا تابع ہے اور بیان

ہے، لہذا رفع کے ساتھ "کُرُز" اور نصب کے ساتھ "کُرُزَا" دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔
 صیغہ نسق کی مثال: - جیسے "يَا زَيْدُ وَالضَّحَاكُ" اس مثال میں وَالضَّحَاكُ صیغہ صفت ہے جو الف لام کے ساتھ ہے اور منادی کے تابع ہے لہذا منادی کے لفظ پر قیاس کر کے رفع کے ساتھ اور محل پر قیاس کر کے نصب کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ رُوَبہ بن عجاج نامی شاعر نے بھی اسی طرح اپنے کلام میں استعمال فرمایا ہے جس میں حکم بن عبد الملک بن بشر بن مردان بن حکم کی مدح سرائی فرمائی ہے: جیسے "يَا حَكْمُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ" (اے خلیفہ عبد الملک کی طرف سے وارث حکم) اس شعر میں محل استشہاد "الوارث" ہے جو کہ صیغہ نعت معرف باللام ہے اور منادی بنی کا تابع ہے۔ شاعر نے اسے بر بناء محل مفعولیت نصب پڑھا ہے اور اس کو رفع کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے۔

اسی طرح جریر بن عطیہ نامی شاعر نے اپنے کلام جس میں اس نے امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز بن مروان کی مدح سرائی کی ہے۔ صیغہ نعت کو دونوں طرح پڑھا ہے۔ شاعر کا قول

فَمَا كَعْبُ ابْنِ مَمَّةَ وَابْنُ أَرْوَى بَأَجُودَ مِنْكَ يَا عَمْرُ الْجَوَادَا

(ترجمہ: کعب ابن مامہ اور ابن اروی تم سے زیادہ سخی نہیں اے عمر جواد)

اس شعر میں محل استشہاد "الْجَوَادَا" ہے جو کہ صیغہ نعت ہے اور منادی بنی کا تابع ہے۔ شاعر نے بر بناء محل منصوب پڑھا ہے، اسے مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔

(اس شعر میں کعب بن مامہ سے ایک فیاض شخص مراد ہے جس کی فیاضی اور سخاوت اور اپنی ذات پر ترجیح دینا ضرب المثل تھی۔ اور ابن اروی سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مراد ہیں جن کی سخاوت اور جاں نثاری کا کیا کہنا۔ اور بعض لوگوں نے قبیلہ اوس کا ابن سعدی اوس بن حارثہ طائی شخص کو مراد لیا ہے جن کی سخاوت بھی ضرب المثل تھی۔ الْجَوَادَا میں الف اشباع ہے، اس سے مراد وہ الف ہے جو آخر لفظ میں اصلاح لفظ یا وزن شعری کی وجہ سے لایا جاتا ہے یا محض مد صوت کے لیے۔)

اسی طرح ایک شاعر کا کلام:

أَلَا يَا زَيْدُ وَالضَّحَاكُ سَيِّرَا فَقَدْ جَاوَزْتُمَا خَمَرَ الطَّرِيقِ

(سنو! اے زید اور ضحاک تم دونوں برابر چلتے رہو تحقیق کہ تم دونوں نے خطر راہوں کو تجاوز کر چکے ہو۔)

اس شعر میں محل استشہاد "يَا زَيْدُ وَالضَّحَاكُ" ہے لفظ زید منادی مفرد بنی علی الضم ہے اور محلاً منصوب ہے اور وَالضَّحَاكُ ایسا اسم ہے جو الف لام سے مقترن ہے غیر مضاف ہے اور منادی بنی پر واو عطف کے ذریعہ معطوف ہے جو منادی پر لفظاً قیاس کرتے ہوئے مرفوع پڑھا جاتا ہے اور محلاً منصوب۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان "يَا جِبَالُ اقْرَبِي مَعَهُ وَالطَّيْرُ" (اے پہاڑو! خوش آوازی سے پڑھو اس

کے ساتھ اور اڑتے جانوروں کو۔ پ ۲۲، سورہ سہا، آیت ۱۰) میں لفظ ”وَ الطَّيْرُ“ محل استشہاد ہے جو منادی مبنی کا تابع ہے بر بنائے محل منصوب ہے لیکن قراءت شاذہ میں رفع کے ساتھ وَ الطَّيْرُ بھی پڑھا گیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام اشعار، آیات قرآنیہ و کلمات عربیہ منادی مفرد کی مثالیں تھیں جو پوری شرح و سطر کے ساتھ آپ کے سامنے آچکی ہیں۔

منادی کے توابع جو مضاف ہوں؟

أَوْ أَضِيفَ مَقْرُونًا بِأَلِ الْخِ اِگر منادی کے توابع مضاف ہوں اور اس میں الف لام مقترن ہو تو اس صورت میں بھی منادی کے لفظ پر قیاس کر کے توابع کو رفع دیا جائے گا اور محل پر قیاس کرتے ہوئے نصب دیا جائے گا۔ جیسے ”يَا زَيْدُ الْحَسَنُ الْوَجْهَ“ وَالْحَسَنُ الْوَجْهَ“ (اے خوبصورت چہرے والے زید) میں ”الْحَسَنُ“ مضاف معرف باللام ہے، لہذا مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق رفع اور نصب دونوں پڑھنا جائز ہے۔

اسی طرح ابن کوزان السدوسی کا کلام ”يَا صَاحِبِ يَا ذَا الضَّامِرِ الْعَنَسِ“ (اے شور و شغف کرنے والے، اے مضبوط اونٹنی کو کثرت اسفار کی وجہ سے ناتواں کر نیوالے) میں ”الضَّامِرُ“ مضاف معرف باللام ہے، لہذا مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق رفع اور نصب دونوں پڑھنا جائز قرار دیا گیا ہے۔

منادی کے توابع مضاف مجرد عن اللام کے احکام:

وَمَا أَضِيفَ مُجَرَّدًا عَلَى مَحَلِّهِ الْخِ اِگر منادی کا تابع نعت، تاکید، بیان، یا عطف بحرف ہو اور وہ مضاف ہو، لیکن اس میں الف لام نہ ہو تو بر بنائے محل نصب پڑھنا متعین ہوگا۔ جیسے ”يَا زَيْدُ صَاحِبَ عَمْرٍو“ اور ”يَا زَيْدُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ“ ”يَا تَمِيمُ كُلُّكُمْ“ ”يَا كُلُّهُمْ“ اور ”يَا زَيْدُ وَأَبَا عَبْدِ اللَّهِ“ اول کی مثال ہے اس میں صَاحِبَ، يَزِيدُ کے لیے نعت ہے اور مضاف ہے اور الف لام سے خالی بھی ہے، اس وجہ سے بر بنائے محل مفعولیت نصب پڑھنا متعین ہے۔

دوم عطف بیان کی مثال ہے۔ جس میں ”أَبَا“ مجرد عن الالف واللام ہے اور منادی کے لیے بیان ہے۔ سوم تاکید کی مثال ہے جس میں لفظ ”كُلُّكُمْ“ مضاف ہے، مجرد عن الالف واللام ہے اور منادی کے لیے تاکید ہے۔ چہارم عطف بحرف کی مثال ہے جس میں ”وَأَبَا“ مضاف ہے مجرد عن الالف واللام ہے اور منادی کے لیے عطف بحرف ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول ”قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ (آپ کہہ دیجیے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے۔ پارہ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۴۶) میں لفظ ”فَاطِرَ“ منادی کا تابع ہے مجرد عن الالف واللام ہے مضاف ہے اور عطف بیان کی مثال ہے۔

منادی کا تابع ایّ و آیّہ کی نعت ہو:

وَنَعْتُ أَيَّ عَلَى لَفْظِهِ الْخ منادی کا تابع ایّ و آیّہ کے لیے اگر نعت ہو تو اس وقت منادی کے لفظ پر قیاس کرتے ہوئے رفع پڑھنا متعین ہوگا جیسے باری تعالیٰ کا قول "يَا أَيُّهَا النَّاسُ" (اے لوگو) باری تعالیٰ کا دوسرا فرمان "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ" (اے نبی) "يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" (اے نفس مطمئنہ) طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! مذکورہ قاعدہ و مثال پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ مثال مذکور "يَا أَيُّهَا النَّاسُ" اور "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ" میں یاء حرف ندا آئیہا پر داخل ہے، لہذا منادی آئیہا ہوا جو مفرد معرفہ ہے اور الناس اس کی صفت ہوئی اور یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ منادی مفرد معرفہ مبنی ہوتا ہے۔ اور اس کی صفت پر رفع اور نصب دونوں جائز ہے، اس لیے الناس اور النَّبِيُّ پر بھی رفع اور نصب جائز ہونا چاہیے، حالانکہ اس پر صرف رفع متعین ہے نصب جائز نہیں۔

جی ہاں! قاعدہ سے تو دونوں اعراب آنا چاہیے لیکن الناس، النَّبِيُّ مقصود بالنداء ہے، اس لیے اس کے ساتھ صفت جیسا معاملہ نہیں کیا گیا، اور حقیقتاً منادی بھی نہیں، اس لیے حقیقی منادی جیسا بھی معاملہ نہیں کیا گیا، اگر منادی جیسا معاملہ ہوتا تو چوں کہ یہ مفرد معرفہ ہے، لہذا علامت رفع پر مبنی ہوتا اور الناس اور النَّبِيُّ کو ضمہ پر مبنی نہیں کیا گیا، لیکن مقصود بالنداء ہے، اس کی بھی رعایت ضروری ہے، اس لیے ایسا کیا گیا کہ الناس کو رفع دیا گیا، کیوں کہ منادی مفرد معرفہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے اور رفع ضمہ کے مطابق ہے، اس طرح سے الناس حقیقتاً منادی بھی نہ ہوا اور رفع کی وجہ سے اس کے مقصود بالنداء ہونے پر دلالت بھی ہوگئی۔

منادی کا تابع بدل یا معطوف غیر معرف باللام کا حکم:

والبديل المجرد، والنسق المجرد الخ کی وضاحت: مصنف نے منادی مبنی کے توابع خمسہ میں سے تاکید، صفت، عطف بیان، معطوف معرف باللام کا حکم اب تک بیان کیا ہے۔ اس کے بعد بدل اور معطوف غیر معرف باللام کا حکم بیان کرتے ہیں۔ اگر تابع بدل ہے، یا معطوف غیر معرف باللام ہے تو ان دونوں کا حکم ایسا ہے جیسے منادی مستقل کا ہوتا ہے، کیوں کہ مبدل منہ اور بدل میں مقصود بدل ہوتا ہے تو منادی جو مبدل منہ ہے وہ مقصود نہ ہوا بلکہ تابع جو بدل ہے وہ مقصود ہوا تو درحقیقت مقصود بالنداء بدل ہوا، اس لیے اس کو منادی قرار دیا جائے گا، تو جو حکم منادی کا ہونا چاہیے وہ حکم بدل کا ہوگا۔

اسی طرح جب معطوف معرف باللام نہیں ہے تو اس پر حرف نداء داخل ہو سکتا ہے اور وہ منادی

مستقل بن سکتا ہے۔ جب منادی بن سکتا ہے تو اس کے ساتھ منادی جیسا معاملہ کیا جائے گا۔
مصنف بدل اور معطوف غیر معرف باللام کے حکم میں مطلقاً کا لفظ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ان دونوں کا حکم ہر حال میں مستقل منادی کا ہوگا، خواہ مفرد ہوں یا مضاف ہوں، یا مشابہ مضاف ہوں، جیسے بدل کی مثال یَا سَعِيدُ کُرُّ اس مثال میں، کُرُّ بغیر تنوین کے بدل ہے اور مفرد ہے، اس لیے مرفوع ہے جیسے یَا کُرُّ کہنے کی صورت میں مرفوع ہوتا ہے۔

”یَا سَعِيدُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ“ میں أَبَا عَبْدِ اللَّهِ بدل ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، جیسا کہ یَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ کہنے کی صورت میں منصوب ہوتا ہے۔ ”یَا زَيْدُ طَالِعًا جَبَلًا“ اس میں بدل مشابہ مضاف ہے، اس لیے منصوب ہے جیسے کہ یَا طَالِعًا جَبَلًا کہنے کی صورت میں منصوب ہوتا ہے۔

معطوف کی مثال: یَا زَيْدُ وَعَمْرُو اس میں معطوف مفرد ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، جس طرح یَا عَمْرُو مفرد ہونے کی صورت میں مفرد ہوتا ہے، ”یَا زَيْدُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ“ میں معطوف مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یَا زَيْدُ وَطَالِعًا جَبَلًا میں معطوف مشابہ مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

بَابُ حُكْمِ الْمَنَادِي الْمَفْرَدِ إِذَا تَكَرَّرَ

منادی مفرد کے مکرر ہونے کا بیان

وَلَاكَ فِي نَحْوِ ”يَا زَيْدُ زَيْدَ الْيَعْمَلَاتِ“ فَتَحُهُمَا أَوْ ضَمُّ الْأَوَّلِ .

ترجمہ:- اور ”یَا زَيْدُ زَيْدَ الْيَعْمَلَاتِ“ جیسی ترکیب میں تیرے لیے ان دونوں کا فتح پڑھنا پہلے منادی کو ضمہ پڑھنا جائز ہے۔

منادی مفرد مکرر کا بیان:

وَلَاكَ فِي نَحْوِ ”يَا زَيْدُ زَيْدَ الْيَعْمَلَاتِ“ کی تشریح: یَا زَيْدُ زَيْدَ الْيَعْمَلَاتِ سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جس میں منادی صورت کے اعتبار سے مفرد معرف ہو اور مکرر بھی ہو اور ثانی کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو تو اول منادی میں دو صورتیں جائز ہوں گی۔

پہلی صورت تو یہ کہ اول کو ضمہ دیا جائے گا، کیوں کہ وہ منادی مفرد معرف ہے اور منادی مفرد معرف علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے۔ اور دوسرا منادی اس وقت حرف نداء سے خالی ہوگا، یا وہ عطف بیان ہوگا، یا

وہ اَعْنٰی کی تقدیر کے ساتھ مفعول واقع ہوگا۔ دوسری صورت اینکہ اول کو فتح دیا جائے گا بر محل مفعولیت واقع ہونے کی وجہ سے، کیوں کہ یہی اس کی اصل ہے۔ جیسے یَا زَيْدُ الْيَعْمَلَاتِ زَيْدُ الْيَعْمَلَاتِ اور ثانی میں صرف نصب جائز ہے اور وہ اس لیے کہ وہ الْيَعْمَلَاتِ مذکورہ کی طرف مضاف ہے یا زَيْدُ زَيْدُ الْيَعْمَلَاتِ جیسی ترکیب میں امام سیبویہ اور امام مبرد کے درمیان شدید اختلاف ہے، امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ دوسرے زید سے لفظ الْيَعْمَلَاتِ حذف ہے، کیوں کہ اس پر پہلے الْيَعْمَلَاتِ کی دلالت ہو رہی ہے اور اصل عبارت یَا زَيْدُ الْيَعْمَلَاتِ زَيْدُ ہے، گویا کہ دوسرے زید کو مضاف و مضاف الیہ کے درمیان داخل کر دیا گیا۔

امام مبرد کا کہنا ہے کہ لفظ الْيَعْمَلَاتِ کو پہلے زید سے حذف کیا گیا۔ ہے اور مذکورہ یَعْمَلَاتِ کا تعلق دوسرے زید سے ہے جو پہلے زید پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قول ضعیف طریق سے تخریج ہیں، اس لیے کہ امام سیبویہ کے مذہب کے مطابق مضاف مضاف الیہ کے درمیان فصل لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں، کیوں کہ مضاف و مضاف الیہ کلمہ واحدہ کے حکم میں ہوتا ہے اور امام مبرد کا مذہب تو اس میں الْيَعْمَلَاتِ کو پہلے زید سے حذف کرنا اور دوسرے الْيَعْمَلَاتِ کا اس پر دلالت کرنا ایسا بہت کم ہوتا ہے اور قلیل شاذ کے قبیل سے ہے جو ناقابل استدلال ہے۔

بَابُ التَّرْخِيمِ: مَعْنَاهُ: شَرْوْطُهُ

ترخیم منادی کی تعریف اور اس کی شرائط کا بیان

فَصْلٌ: وَيَجُوزُ تَرْخِيمُ الْمُنَادِي الْمَعْرِفَةِ وَهُوَ: حَذْفُ آخِرِهِ تَخْفِيفًا، فَذَوِ التَّاءِ مُطْلَقًا، كَيَا طَلَحَ، وَيَا ثَبَّ، وَغَيْرُهُ بِشَرْطِ ضَمِّهِ وَعَلَمِيَّتِهِ، وَمَجَاوَزَتِهِ ثَلَاثَةَ أَحْرَفٍ كَيَا جَعْفُ ضَمًّا. وَفَتْحًا.

ترجمہ: - یہ فصل ہے۔ اور منادی معرفہ میں ترخیم جائز ہے، اور وہ اس (منادی معرفہ) کے آخر کو بغرض تخفیف حذف کرنا ہے۔ تاء والے منادی میں مطلقاً جائز ہے جیسے یا طَلَحَ، اور يَا ثَبَّ، اور اس کے علاوہ میں منادی کے مبنی علی الضم ہونے اور علمیت، اور تین حروف سے متجاوز ہونے کی شرائط کے ساتھ جائز ہے جیسے يَا جَعْفُ، ضمہ اور فتح کے ساتھ۔

تشریح: - ويجوز ترخيم المنادي المعرفة الخ اس سے پہلے منادی کا بیان تھا، ترخیم چوں کہ منادی کا خاصہ ہے اور ترخیم منادی میں بشر اور نظم دونوں میں جائز ہے، غیر منادی میں نظم میں

تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، نثر میں نہیں۔ اور کسی شی کا جب خاصہ بیان کر دیا جائے تو اس میں اس کی زیادہ توضیح ہو جاتی ہے، اس لیے مصنف منادی کے بعد اس کی ترخیم بیان کر رہے ہیں۔

ترخیم منادی کی تعریف:

وَهُوَ حَذْفُ آخِرِهِ الْخ هُوَ ضمیر ترخیم کی طرف راجع ہے اور آخرہ کی ضمیر منادی کی طرف راجع ہے۔ منادی کا آخری حرف کبھی بغرض تخفیف حذف کر دیا جاتا ہے، اس کو ترخیم کہتے ہیں اور ایسے منادی کو مرخم کہتے ہیں۔ جیسے یَا مَنْصُورُ سے یَا مَنْصُ۔

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ منادی کے احکام میں سے ترخیم ایک قدیم لغت ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن وثابؓ اور اعمشؓ باری تعالیٰ کے قول "نَادُوا يَا مَالِكُ" کی "نَادُوا يَا مَال" بالکسر ترخیم کے ساتھ لغت من ینتظر کے مطابق اور حضرت ابوالسوار سری غنوی "یَا مَال" بالضم ترخیم کے ساتھ لغت من لا ینتظر کے مطابق قراءت کرتے ہیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل جہنم سے ترخیم کا انکار کرتے ہوئے فرمایا "مَا أَشْغَلَ أَهْلَ النَّارِ عَنِ التَّرْخِيمِ" (اہل جہنم کو ان کی حالت کیا ہی زیادہ ترخیم سے روکنے والی ہے۔) امام ابن جہیؒ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ کے مذکورہ قول میں ما تعجب کے لیے اور اس میں الصّد بمعنی روکنا ہے۔ یعنی اہل جہنم تو ایسی شدید ہولنا کی اور عظیم ہیبت ناک اور خطرناک عذاب میں مبتلا ہوں گے پھر ترخیم کی طرف التفات کیسے کر سکتے ہیں، ایسے مقام پر تو منہ سے آواز تک نہیں نکل سکتی، جب کہ کلام میں ترخیم بقصد تصرف و تفنن کیا جاتا ہے جو اہل جہنم کے بس کی بات نہیں۔

امام ابن جہیؒ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس مقام میں ترخیم کے لیے ایک راز اور بھید ہے وہ یہ کہ عذاب کی شدت اور سختی کی وجہ اہل جہنم کے قویٰ ضعیف اور ان کے نفس مضحل و کمزور ہو گئے ہوں گے، شدت ضعف کی وجہ سے زبان سے پوری بات ادا کرنے پر قادر بھی نہیں ہو سکتے، لہذا یہی تو اختصار کا مقام ہے، کیوں کہ تکلم سے عاجز اور کلام کے اتمام سے در ماندہ ہے۔

(روح المعانی ص ۱۵۸، جلد ۱۲، کشاف ص ۴۲۶، جلد ۳)

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ اہل جہنم کا ترخیم کرنا کلام کے اتمام سے قاصر ہونے کی بناء پر ہے، بغرض تصرف و تفنن نہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھا۔

شرائط ترخیم منادی:

فَذَوَالْتَاءَ مَطْلَقًا كَيَا طَلَحَ الْخ کی تشریح:- یہاں سے مصنف ترخیم منادی کی شکلیں مع

شرائط کے بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ منادی اسم معرفہ ہو۔ اگر اسم معرفہ ہوگا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو منادی کا آخر حرف تاء ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر تاء ہوگا تو اس میں علمیت اور تین حروف سے زائد ہونے کی شرط نہیں لگائی جائے گی جیسے ثَبَّةٌ سے يَثَابُ (بمعنی بکری کاریوڑ) عَائِشَةُ سے يَاعَائِشُ۔ ان میں ترخیم کے بعد تاء حذف ہوگئی ہے اور اگر اسم کا آخر تاء کے ساتھ ختم نہ ہو تو اس میں ترخیم کے لیے تین شرائط کا بیک وقت پایا جانا لازم ہوگا۔

پہلی شرط:- وہ بنی علی الضم ہو۔ دوسری شرط:- وہ علم ہو۔ تیسری شرط:- وہ تین حرف سے متجاوز ہو۔ جیسے حَارِثٌ سے يَاحَارُ، جَعْفَرٌ سے يَاجَعْفُ۔

یہ بات دھیان میں رہے کہ ترخیم کے لیے منادی کا علم ہونا لازم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کثرت سے منادی واقع ہوتا ہے اور کثرت تقاضا کرتی ہے تخفیف کا اور ترخیم سے یہ مقصود حاصل ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب آخر سے حرف کو حذف کر دیں گے تو تخفیف حاصل ہو جائے گی۔ نیز چون کہ وہ علم ہے اور علم مشہور ہوتا ہے، لہذا ترخیم کی وجہ سے جو کچھ حذف ہوا ہے کلمہ کے باقی حروف اس پر دلالت کریں گے۔

اسی طرح ترخیم کے لیے منادی میں تین سے زائد حرف کا ہونا شرط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ ترخیم کی وجہ سے جب آخر کا حرف حذف کیا جائے تو معرب کا تین حرف سے کم ہونا لازم نہ آئے، کیوں کہ معرب میں تین حرف سے کم نہ ہونا چاہیے، ہاں اگر کوئی ایسا سبب پایا جائے جن سے حذف واجب ہے، اس کی وجہ سے تین حرف سے کم ہو جائیں تو یہ البتہ جائز ہے جیسے يَذُ اور دَم کہ ان میں نحوی قاعدے کی وجہ سے آخر سے واؤ کا حذف کرنا واجب ہے تو ان میں چون کہ علت موجبہ کی وجہ سے حذف ہوا ہے، اس لیے اگر تین حرف سے کم ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

اور "عَبْدُ اللَّهِ" اور "شَابَ قَرْنَاهَا" جیسی مثالوں میں ترخیم کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ دونوں مضموم نہیں ہیں جب کہ ترخیم منادی کے لیے مضموم ہونا شرط ہے، بلکہ دونوں منادی مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ اسی طرح "انسان" میں جس کے ذریعہ مقصود متعین ہوتا ہے ترخیم کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ وہ علم نہیں، جب کہ علم ہونا ترخیم کے لیے شرط ہے۔ اسی طرح زید، عمر، حکم جیسی مثالوں میں ترخیم جائز نہیں، کیوں کہ یہ تینوں مثالیں تین حرفی ہیں، جب کہ ترخیم کے لیے تین حرف سے متجاوز ہونا شرط ہے۔

لفظ "حَكَمَ" میں ترخیم کا حکم:

لفظ "حَكَمَ" میں ترخیم جائز ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں امام فراء اور جمہور نحاة کے درمیان

اختلاف ہے، جمہور نحاة کا مذہب یہ ہے کہ اس میں ترخیم جائز نہیں، کیوں کہ شرائط مفقود ہیں، امام فراء کا مذہب یہ ہے کہ ”حکم“ اور ”حسن“ جیسی مثالوں میں جو کہ ثلاثی متحرک الاوسط ہو ترخیم جائز ہے اور انہوں نے قیاس کیا لفظ ”سَقَر“ متحرک الاوسط ثلاثی پر جو کہ غیر منصرف ہونے میں ”زَيْنَب“ کے قائم مقام ہے اور زَيْنَب میں ترخیم جائز ہے، جب اصل میں ترخیم جائز ہوئی تو فرع میں بھی جائز ہوگی، لہذا اسی فرع پر قیاس کرتے ہوئے حکم اور حسن میں ترخیم کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح قیاس کیا انہوں نے لفظ ”جَمَزَى“ متحرک الاوسط پر جو کہ بوقت منسوب الف کے حذف ہونے میں حُبَارَى کے قائم مقام ہے اور حُبَارَى میں ترخیم جائز ہے، لہذا اس کی فرع جَمَزَى میں بھی ترخیم جائز ہوگی۔ اور جب جَمَزَى متحرک الاوسط میں ترخیم جائز ہوئی تو حکم اور حسن متحرک الاوسط میں بھی ترخیم جائز ہوگی۔

ترخیم کے بعد منادی کے آخر کی کیفیت:

كَيَا جَعْفُ ضَمًّا وَفَتْحًا کی تشریح:- یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ترخیم کے بعد منادی کے آخر میں جو حرکت ہے وہی باقی رکھی جائے گی یا اس میں کوئی تصرف ہوگا۔ فرماتے ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترخیم کے بعد حرف محذوف سے قطع نظر کرتے ہوئے بقیہ حروف پر مشتمل منادی کو مستقل اسم کا درجہ دے دیا جاتا ہے یعنی اگر وہ مبنی ہو سکتا ہے اور بناء کی شرط پائی جاتی ہے تو اس کو مبنی کر دیا جائے گا۔ اور اگر تعلیل کی ضرورت ہوگی تو تعلیل کی جائے گی۔ اس استعمال کی بناء پر یا جَعْفُ میں ترخیم کے بعد يَا جَعْفُ ضمہ پر مبنی کر کے پڑھیں گے، کیوں کہ یہ مفرد معرفہ ہے اور منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے، اس کو لَعْتُ مَنْ لَا يَنْتَظِرُ کہتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترخیم کے بعد حرف محذوف سے قطع نظر نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو مقدار مانتے ہوئے بقیہ حروف پر مشتمل منادی مرخم کو اسم کا درجہ دیا جاتا ہے اور آخر سے ماقبل والے حرف پر جو حرکت ترخیم سے پہلے تھی وہی حرکت باقی رکھی جاتی ہے، اگر فتح تھا تو فتح، کسرہ تھا تو کسرہ، سکون تھا تو سکون، جیسے يَا جَعْفُ میں ترخیم سے پہلے فاء پر فتح تھا تو ترخیم کے بعد یعنی راء کے حذف کے بعد بھی فاء پر فتح ہی رہے گا اس کو لَعْتُ مَنْ يَنْتَظِرُ کہتے ہیں۔

لَعْتُ مَنْ يَنْتَظِرُ کا ضابطہ یہ ہے کہ قبل الترخیم حرف آخر سے پہلے والے حرف کو جو اعراب تھا بعد الترخیم بھی اسی اعراب کے ساتھ پڑھا جائے جیسے يَا جَعْفُ سے يَا جَعْفُ فاء کے فتح باقی رکھنے کے ساتھ اور يَامَنْصُورُ میں يَامَنْصُورُ صاد کے ضمہ باقی رکھنے کے ساتھ، اور يَامَالِكُ میں يَامَالِكُ لام کے کسرہ باقی رکھنے کے ساتھ اور يَاهِرَقْلُ میں يَاهِرَقْلُ قاف کو سکون باقی رکھنے کے ساتھ یہ ابن مسعود کی قرأت ہے۔

لَعْتُ مَنْ لَا يَنْتَظِرُ کا ضابطہ یہ ہے قبل الترخیم حرف آخر سے ماقبل والے حرف کو جو اعراب ہے بعد الترخیم اس اعراب کو ضمہ سے بدل کر پڑھنا۔ يَاجَعْفَرُ سے يَاجَعْفُ، يَإِمَالِكُ سے يَامَالُ، يَاهِرَقْلُ سے يَاهِرَقْ۔ آخری حرف کو ضمہ کے اعراب سے اعزاز بخشتے ہوئے۔ یہ ابوسری غفوی کی قرأت ہے۔ اور يَإِمْنُورُ سے يَإِمْنُصُ قبل الترخیم جو ضمہ تھا اس کے علاوہ ضمہ لانے کے ساتھ حرف صاد کو مضموم پڑھا گیا ہے۔

بَابُ: الْمَحْذُوفِ لِلتَّرْخِيمِ إِمَّا حَرْفٍ وَإِمَّا حَرْفَانِ

یہ باب ترخیم کے لیے محذوف کی مقدار ایک حرف یا دو حرف کے بیان میں

وَيُحَذَفُ مِنْ نَحْوِ: "سَلْمَانَ، وَمَنْصُورٍ، وَمِسْكَيْنٍ" حَرْفَانِ، وَمِنْ نَحْوِ "مَعْدِيكَرَبَ" الْكَلِمَةُ الثَّانِيَّةُ۔

ترجمہ:- سلمان، منصور اور مسکین جیسی مثالوں سے دو حرف حذف کیے جائیں گے اور معدی کرب جیسی مثال سے دوسرا کلمہ حذف کیا جائے گا۔

تشریح:- شرائط ترخیم بیان کرنے کے بعد اب حذف کی مقدار بیان کر رہے ہیں جو ترخیم سے حاصل ہوتی ہے۔

منادی مرخم سے محذوف کی مقدار:

وَيُحَذَفُ مِنْ نَحْوِ "سَلْمَانَ" الْخ بغرض ترخیم منادی کے آخر سے جو حرف حذف کیا جاتا ہے وہ تین قسم پر ہے۔ پہلی قسم: منادی کے آخر سے فقط ایک حرف حذف کیا جائے گا اور یہی کثیر الاستعمال ہے جیسے يَاجَعْفَرُ سے يَاجَعْفُ، يَإِحَارِثُ سے يَإِحَارِ، يَاهِرَقْلُ سے يَاهِرَقْ۔

دوسری قسم: منادی کے آخر سے دو حرف حذف کیے جائیں گے لیکن جس منادی کے آخر سے دو حرف حذف کیے جائیں گے اس میں مندرجہ ذیل مذکور شرائط اربعہ کا بیک وقت پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) حرف آخر سے ماقبل والا حرف حرف زائد ہو۔ (۲) حرف آخر سے ماقبل والا حرف حرف علت ہو۔ (۳) حرف آخر سے ماقبل الا حرف حرف ساکن ہو۔ (۴) ترخیم کے بعد تین حروف یا اس سے زائد باقی رہیں۔ اگر یہ شرائط پائی جائیں تو منادی کے آخر سے دو حرف محذوف ہوں گے اور اگر ان میں سے ایک شرط بھی معدوم ہوئی تو منادی کے آخر سے دو حرف محذوف نہیں ہوں گے۔ جیسے سَلْمَانُ، مَنْصُورُ، مِسْكَيْنُ، یہ سب علم ہیں، آپ انہیں يَاسَلِّمُ، يَإِمْنُصُ، يَإِمْسُكُ کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ ان تمام مثالوں میں مذکورہ بالا شرائط اربعہ موجود ہیں۔

یَا سَلَمُ تو اس وجہ سے کہنا درست ہے کہ اس کے آخر میں الف و نون زائد تان ہیں اور ان کی زیادتی ایک ہی ساتھ ہوئی ہے، اسی لیے ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کر دیا جائے گا۔ جب آنے میں دونوں ساتھ ہیں تو جانے میں بھی دونوں ساتھ ہوں گے۔ اور یَا مَنْصُ، یَا مَشْكُ کہنا اس لیے درست ہے کہ ان کے آخر میں حرف صحیح ہے اور اس کے ماقبل مدہ ہے یعنی حرف علت ساکن ہے اور اس کے ماقبل کی حرکت اس کے موافق ہے، لہذا ترخیم کے وقت آخر کے دونوں حرفوں کو حذف کریں گے، اگر دونوں کو نہ حذف کریں صرف آخر کے حرف صحیح کو حذف کریں تو اس پر یہ مثل صادق آئے گی، صِلَتْ عَلَی الْاَسَدِ وَبُلَّتْ عَلَی النَّقْدِ (شیر پر تونے حملہ کیا اور بکری سے ڈر کر پیشاب کر دیا) مطلب یہ ہے کہ حرف صحیح کو جو قوی ہے اس کو حذف کر دیا اور مدہ جو صحیح کے مقابلے میں کمزور ہے اس کو باقی رکھا اس کے حذف کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

شاعر کا قول: یَا مَرُوْ! اِنَّ مَطِيَّتِيْ مَحْبُوسَةً تَرْجُوا الْحَبَاءَ وَرَبُّهَا لَمْ يَبْأَسْ۔
(ترجمہ: اے مروان! میری سہیلی قید کر لی گئی ہے، تو عطیے کی امید رکھتا ہے، حالاں کہ اس کا آقا ناامید نہیں ہوا ہے۔) اس شعر میں محل استشہاد "یَا مَرُوْ" ہے، جس میں دو حرف زائد ہیں، اس لیے ترخیم کے وقت یہ دونوں حرف شرط کے پائے جانے کی وجہ سے حذف کیے گئے ہیں، کیوں کہ یہ اصل میں مَرَوَانُ تھا۔ (یہ فرزدق نامی شاعر کا کلام ہے)

دوسرے شاعر کا قول: قَفِيْ فَاَنْظُرِيْ يَا اَسْمُ هَلْ تَعْرِفِيْنِيْ
(ترجمہ: اے اسماء ٹھہر پھر دیکھ کیا تو اسے پہچانتی ہے) اس شعر میں محل استشہاد "یَا اَسْمُ" ہے جو اصل میں یَا اَسْمَاءُ تھا، الف اور ہمزہ زائد ہونے کی وجہ سے بوقت ترخیم دونوں کو حذف کر کے یَا اَسْمُ پڑھا گیا ہے۔ (یہ عمر بن ابی ربیعہ مخزومی کا کلام ہے)

لفظ "مختار" میں ترخیم کا حکم:

"مُخْتَار" جیسی مثال میں ترخیم منادی کے لیے حرف آخر کے حذف کرنے پر اکتفاء کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ یہ علم ہو۔ لفظ "مختار" یہ معتل اصلی ہے، اس کی اصل یا تو مُخْتَيِّرٌ ہے یا مُخْتَيِّرٌ ہے، لہذا یا متحرک ماقبل مفتوح ماقبل کے فتح کی مناسبت سے یاء کو الف سے بدل دیا ہے۔

امام اخفشؒ نے اس الف کو حذف کرنا جائز قرار دیا ہے، حرف زائد کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے جیسا کہ علمائے نحو نے مراعی کے الف کو نسبت میں حُبَارِی کے الف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے حذف کر دیا ہے۔

اسی طرح لفظ "ذَلَامِصْ" کے لفظ آخر کو حذف کرنا واجب ہے، بشرطیکہ علم ہو لفظ ذَلَامِصْ کا میم اگرچہ حرف زائد ہے اہل عرب کے قول دِرْعٌ ذَلَامِصٌّ اور دِرْعٌ ذَلَامِصٌّ کی روشنی میں، لیکن حرف صحیح ہے معتل نہیں، لہذا صرف ایک حرف محذوف ہوگا۔

سَعِيدٌ، عِمَادٌ، ثَمُودٌ جیسی مثالوں میں بھی صرف ایک حرف حذف ہوگا، اگرچہ تینوں معتل ہیں، لیکن تین حرف سے متجاوز نہ ہونے کی وجہ سے دو حرف محذوف نہیں ہوں گے، لیکن امام فراء نے اس کی اجازت دی ہے۔ (یہاں یہ بات دھیان میں رہے کہ تین حرف سے متجاوز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ترخیم کے بعد تین یا تین سے متجاوز نہ رہے) مصنفؒ نے اپنے مذہب پر امام سیبویہ کے شعر سے استدلال کیا ہے۔ "تَنَكَّرْتُ مِنَّا بَعْدَ مَعْرِفَةِ لَمِيٍّ" (اے لمیس جان پہچان کے بعد بھی تو نے ہم سے اجنبیت کا اظہار کیا) اس شعر میں محل استشہاد "لَمِيٍّ" ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اصل میں یا لَمِيسٌ تھا سین حذف کر دیا گیا اور نحو یوں نے حرف آخر کے حذف کرنے پر اتفاق کیا ہے اور امام سیبویہ نے اسی طرح پڑھا ہے، اگرچہ حرف آخر سے پہلے والا حرف معتل ہے، لیکن تین حرف سے متجاوز نہ ہونے کی وجہ سے دو حرف حذف نہیں کیے جائیں گے۔ یہ اوس بن حجر کا کلام ہے، جس میں اپنی زوجہ لمیس سے بے رُخی کرنے پر بڑھا پے کی حالت میں کہہ رہا ہے کہ زمانہ شباب تو ہمارے اور تمہارے درمیان خوشگوار رہا اور عمر درازی کے بعد اجنبیت کا اظہار کرتی ہو۔ یہ مناسب بات نہیں۔

هَبْيَخٌ، قَنَوْرٌ جیسی مثالوں میں بھی دو حرف حذف کرنا جائز نہیں، بلکہ ایک حرف کے حذف کرنے پر اکتفاء کرنا واجب ہے، اس لیے کہ ان دونوں مثالوں میں شرائط اربعہ میں سے تیسری شرط یعنی حرف آخر سے ماقبل والا حرف حرف ساکن ہو مقصود ہے اور حرف علت متحرک ہے۔

تیسری قسم:- اگر منادی مرکب ہو تو ترخیم کے وقت آخر جزء کو حذف کر دیا جائے، کیوں کہ یہ آخری حرف کے قائم مقام ہے، لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ مرکب سے مراد ترکیب مزج ہے جیسے مَعْدِي كَرِبٌ، حَضَرَ مَوْتُ میں آپ کے لیے یا مَعْدِي، یا حَضَرَ کہنا جائز ہے۔

ترکیب مزج سے مراد دو الگ الگ لفظ کو اس طرح متصل اور مرکب کر دینا کہ ایک نام ہو کر مشہور

ہو جائے۔

بَابُ الْمُسْتَفْعَاتِ بِهِ: معناه — منادی کی مستغاث بہ کا بیان

فَصْلٌ: وَيَقُولُ الْمُسْتَفْعِيَّتُ "يَا لِّلّٰهِ الْمُسْلِمِيْنَ" بِفَتْحِ لَامِ الْمُسْتَفْعَاتِ بِهِ
إِلَّا فِي لَامِ الْمَعْطُوفِ الَّذِي لَمْ يَتَكَرَّرْ مَعَهُ يَا، نَحْوُ "يَا زَيْدًا لِعَمْرُو"

ترجمہ:- یہ فصل ہے۔ اور مستغیث مستغاث کے لام کے فتح کے ساتھ۔ "يَا لِّلّٰهِ الْمُسْلِمِيْنَ" کہے گا، مگر اس معطوف کے لام میں فتح درست نہیں، جس کے ساتھ یاء مکرر نہیں آئی ہے جیسے يَا زَيْدًا الْعَمْرُو۔

تشریح:- منادی مستغاث کی بحث سمجھنے سے پہلے چند تمہیدی باتیں ذہن نشیں فرمالیجے تاکہ مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے، استغاثہ کے معنی فریاد چاہنے کے ہیں۔ جس سے فریاد چاہی جائے اس کو مستغاث کہتے ہیں اور یہی منادی بھی ہوتا ہے، جس کے لیے مدد چاہی جائے اس کو مستغاث لہ کہتے ہیں فریاد چاہنے والے کو مستغیث کہتے ہیں۔ اور وہ لام جو بوقت استغاثہ مستغاث پر داخل ہوتا ہے اسے لام استغاثہ کہتے ہیں اور یہ لام ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔

منادی مستغاث کی وضاحت:

منادی کے اقسام میں سے مستغاث بہ بھی ہے، اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کو شدت سے خلاصی دلانے کے لیے یا دفع مشقت پر مدد کرنے کے لیے پکارا جاتا ہے۔

منادی مستغاث کے لیے حرف نداء میں سے خاص طور پر یاء آتی ہے اور اس کا استعمال اکثر لام مفتوحہ کے ذریعہ مجرور ہونے کی حالت میں ہوتا ہے، چنانچہ منادی پر لام استغاثہ اگر داخل ہو تو اس وقت منادی مجرور ہوگا۔ جیسے يَا زَيْدٌ، يَا لِّلّٰهِ الْمُسْلِمِيْنَ اس مثال میں اَللّٰهُ مستغاث ہے اور مُسْلِمِيْنَ مستغاث لہ ہے، منادی مستغاث پر جو لام داخل ہوتا ہے اس پر زبر ہوتا ہے اور منادی مستغاث مجرور ہوتا ہے اور مستغاث لہ پر جو لام آتا ہے اس کے نیچے زیر آتا ہے اور مستغاث لہ بھی مجرور ہوتا ہے جیسا کہ يَا لِّلّٰهِ الْمُسْلِمِيْنَ سے واضح ہے، نیز مستغاث لہ منادی مستغاث کے بعد آتا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! اس مثال میں اللہ منادی ہے لام استغاثہ کی وجہ سے مجرور ہے اس پر اعتراض ہے کہ لام استغاثہ تو لام جارہ ہے اور لام جارہ جب اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے تو اس لام پر کسرہ آتا ہے اور منادی بھی اسم ظاہر ہے تو پھر اس لام پر فتح کیوں پڑھا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مستغاث کو حذف کر کے مستغاث لہ کو اس کی جگہ پر قائم کر دیتے ہیں اور مستغاث لہ پر جو لام داخل ہوتا ہے اس پر کسرہ ہوتا ہے، تو اگر مستغاث کے لام کو بھی کسرہ دیتے تو مستغاث کے حذف کی صورت میں یہ نہ پتہ چلتا کہ یہ مستغاث ہے یا مستغاث لہ ہے، لہذا التباس سے بچنے کے لیے یہ کیا گیا کہ مستغاث بہ کے لام کو فتح دیا اور مستغاث لہ کے لام کو کسرہ کہ

کسی صورت میں التباس لازم نہ آئے خواہ مستغاث محذوف ہو یا مذکور۔ نیز اسے بھی دھیان سے سنو کہ لام استغاثہ مستغاث پر اس لیے داخل ہوتا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس مقصد کے لیے مستغاث کو خاص کیا گیا ہے۔ اسی سے مقصد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے سے یہ توقع نہیں ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! التباس ہی سے بچنا ہے تو اس کا برعکس کر دیا جاتا کہ مستغاث کے لام کو کسرہ دیا جاتا اور مستغاث لہ کے لام کو فتح دیا جاتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ منادی مستغاث کاف ضمیر کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف ضمیر پر جب لام داخل ہوتا ہے تو اس لام پر فتح ہوتا ہے، اس لیے منادی مستغاث کے لام پر بھی فتح دیا گیا اور مستغاث لہ کاف ضمیر کی جگہ نہیں واقع ہوتا، اس لیے اس کے لام کو اپنی اصل پر رکھا گیا اور کسرہ دیا گیا۔

يَا لِلّٰهِ الْمُسْلِمِينَ میں لام استغاثہ کا متعلق کیا ہے:

وَيَقُولُ الْمُسْتَغِيثُ يَا لِلّٰهِ الْمُسْلِمِينَ الخ کی توضیح: مستغیث، منادی مستغاث ہے، مستغاث لہ اور لام استغاثہ کے بیان سے فراغت کے بعد یہ بیان کیا جا رہا کہ ”يَا لِلّٰهِ الْمُسْلِمِينَ“ میں منادی مستغاث لفظ ”اللّٰه“ ہے اور اس پر داخل شدہ لام مفتوحہ لام استغاثہ ہے، لیکن یہ لام استغاثہ کس سے متعلق ہے تو اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔ امام ابن جی فرماتے ہیں کہ یہ لام یاء حرف ندا کے ساتھ متعلق ہے جو کہ اَدْعُوا فَعْل کے معنی میں ہے۔ ابن الصائغ، ابن عصفور اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ فعل محذوف کیساتھ متعلق ہے اور وہ اَدْعُوا ہے، ابن خروف کا کہنا ہے کہ یہ زائدہ ہے کسی سے متعلق نہیں۔ مستغاث معطوف کا حکم:

إِلَّا فِي لَامِ الْمَعْطُوفِ الَّذِي لَمْ يَتَكَرَّرْ مَعَهُ يَاءُ الْخ یہاں سے اس بات کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جب منادی مستغاث پر کوئی دوسرا مستغاث معطوف ہو تو اس مستغاث ثانی کے استعمال کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت: مستغاث ثانی کے ساتھ یاء حرف ندا لایا جائے گا تو ایسی صورت میں مستغاث ثانی کا لام مفتوح ہوگا۔ اور مستغاث ثانی مجرور۔ جیسے ”يَا لَزَيْدٍ وَيَا لَعَمْرٍو“ کہا جائے گا، کیوں کہ حرف ندا کے اعادہ کی وجہ سے یہ بھی احتمال ہے کہ يَا لَزَيْدٍ پر اس کا عطف نہ ہو اس سے علاحدہ ہو اور اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ لعمر و مستغاث نہ ہو بلکہ مستغاث لہ ہو اور اصل عبارت اس طرح ہو يَالْقَوْمِ لَعَمْرٍو (اے قوم عمرو کی فریادری کرو) تو اگر ایسا ہو اور لَعَمْرٍو کے لام کو کسرہ دیا جائے تو پھر

مستغاث کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ اور پتہ نہ چلے گا کہ لَعْمَرُو مستغاث ہے یا مستغاث لہ ہے، اس التباس سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ لَعْمَرُو کے لام کو فتح دیا جائے، تاکہ اس کا مستغاث بہ ہونا متعین ہو جائے اور مستغاث لہ ہونے کا شبہ باقی نہ رہے۔

شاعر کا قول يَا لَقَوْمِي وَيَا لَامُثَالِ قَوْمِي لِأَنَّا عَتَوْهُمْ فِي إِزْدِيَادِ

(ترجمہ:- اے میری قوم۔ اور (ہر آواز پر لبیک کہنے میں) میری قوم کی مشابہت رکھنے والے۔ لوگوں کو سرکشی میں بڑھے چلے جانے سے روکو کہ ان کی سرکشی برابر بڑھتی جا رہی ہے) اس شعر میں محل استشہاد ”وَيَا لَامُثَالِ قَوْمِي“ ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ شاعر نے ”يَا لَامُثَالِ قَوْمِي“ مستغاث ثانی کو یاء حرف ندا کے ساتھ استعمال فرمایا ہے اور یہ مستغاث اول ”يَا لَقَوْمِي“ پر معطوف ہے اور جس طرح مستغاث اول کا لام مفتوح ہے، اسی طرح مستغاث ثانی کا لام بھی مفتوح ہے۔

دوسری صورت: مستغاث ثانی کے ساتھ یاء حرف ندا نہیں لایا جائے گا تو ایسی صورت میں مستغاث ثانی کے لام کو کسرہ پڑھنا جائز ہوگا جیسے ”يَا لَزَيْدٍ وَلِعَمْرٍو“ لَعْمَرُو کے لام کو کسرہ پڑھ سکتے ہیں اس واسطے اس کا عطف لَزَيْدٍ پر ہے اور یہ مستغاث ہے تو ظاہر ہے کہ مستغاث پر جس کا عطف ہوگا وہ بھی مستغاث ہوگا، مستغاث لہ ہونے کا احتمال نہیں، اس لیے لَعْمَرُو کے لام کو کسرہ دینے میں التباس کا کوئی اندیشہ نہیں۔

شاعر کا قول يَبْكِيكَ نَاءٍ بَعِيدُ الدَّارِ مُغْتَرِبٌ يَا لَلْكُهُولِ وَلِلشَّبَّانِ لِلْعَجَبِ

(رونے والا تجھ پر اشک بہائے کہ گھر سے زیادہ دوری حقوق شہریت سے محروم کرنے والی ہوتی ہے، اے بوڑھوں اور جوانوں تم اس حالت زار پر تعجب کرو۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ شاعر نے حالت سفر میں اپنے ایک اجنبی ملاقاتی سے کہا کہ میں تجھ پر آنسو بہا رہا ہوں، حالاں کہ میں تمہارا متعلق نہیں آنسو بہانے کا فقط مقصد یہ ہے کہ میرا گھر تمہارے گھر سے دور ہے، گویا میں اپنے اہل سے زیادہ بعد کی بناء پر رورہا ہوں، اس لیے کہ تجھ سے دوری کی بناء پر حقوق شہریت سے محروم ہو چکا ہوں۔ پھر اس نے بوڑھوں اور جوانوں کو آواز دے کر کہا کہ وہ اس حالت زار سے تعجب کریں۔)

اس شعر میں محل استشہاد ”وَلِلشَّبَّانِ“ اور استدلال اس طرح ہے کہ یہ مستغاث ثانی بغیر یاء کے استعمال ہوا ہے، اس لیے لام مفتوح نہیں ہے بلکہ مکسور ہے، اور اسے لام مکسورہ کی وجہ سے جبر آیا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! گذشتہ سبق میں آپ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا تھا کہ منادی مفرد معارفہ علامت

رفع پر مبنی ہوتا ہے، لیکن لام استغاثہ کے داخل ہونے کے بعد آپ نے اپنی رائے بدل دی اور اس پر جر کا حکم لگا دیا، حالاں کہ اس صورت میں بھی وہ مفرد معرفہ ہی ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ منادی مفرد معرفہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ کاف اسمی کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی مشتبہ ہے کاف حرفی کے تو بواسطہ کاف اسمی کے منادی مشتبہ ہو گیا کاف حرف کے اور حرف مبنی الاصل ہے تو جو حرف کے مشابہ ہو گا وہ مبنی ہو جائے گا۔ تو منادی مفرد معرفہ کا مبنی ہونا حرف کی مشابہت کی بناء پر تھا اور لام استغاثہ لام جار ہے جو اسم کا خاصہ ہے، اس لیے اس لام کے دخول کی وجہ سے حرف کے ساتھ مشابہت بہت ضعیف ہو گئی، اس لیے اسم کا جو اصل حال ہے یعنی مُعَرَّب ہونا اس پر اس کو قائم کر کے معرب کیا گیا اور لام کی وجہ سے جر دیا گیا۔

کاف اسمی اور کاف حرفی میں فرق یہ ہے کہ کاف اسمی مِثْلُ کے معنی میں ہوتا ہے اور اپنے مدخول کی طرف مضاف ہوتا ہے اور اس کی علامت اس پر حرف جار کا داخل ہونا ہے جیسے يَضْحَكُنَّ عَنْ كَالْبَرْدِ الْمَنْهَمِّ (وہ محبوبہ پگھلے ہوئے اولوں جیسے دانتوں سے ہنستی ہیں) اور کاف حرفی مختلف معانی کے لیے آتا ہے۔ (۱) برائے تشبیہ، جیسے زَيْدٌ كَالْأَسَدِ (۲) زائدہ، جیسے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (۳) برائے تعلیل جیسے وَانْكُرُوهُ كَمَا هَذَاكُمْ (تم اللہ کو یاد کرو کیوں کہ اس نے تم کو ہدایت دی) (۴) بمعنی لَعَلَّ جیسے لَا تَشْتِمُ النَّاسَ كَمَا لَا تَشْتِمُ (لوگوں کو گالیاں مت بک، امید ہے کہ تجھ کو بھی گالیاں نہیں دی جائے گی) (۵) دو فعلوں میں قرب پیدا کرنے کے لیے جیسے آتِيكَ كَمَا طَلَعَ الشَّمْسُ (میں تیرے پاس آؤں گا جیسے ہی سورج نکلے)

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! منادی جس طرح لام استغاثہ کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے۔ اسی طرح لام تعجب اور لام تہدید کی وجہ سے بھی مجرور ہوتا ہے تو پھر مصنف نے ان دونوں کو کیوں نہیں بیان کیا۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ وہ دونوں لام بھی لام استغاثہ ہی میں داخل ہیں۔ اس سے علاحدہ نہیں۔ ان دونوں حالتوں میں تو جیہ یہ ہوگی کہ مُهَيِّدٌ (اسم فاعل) مُهَيِّدٌ (اسم مفعول) سے فریاد چاہتا ہے، تاکہ وہ حاضر ہو جائے۔ اور اس سے انتقام لے کر اپنے دل کو ٹھنڈا کرے، اسی طرح لام تعجب کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مُتَعَجِّبٌ (اسم فاعل) مُتَعَجِّبٌ مِنْهُ (مفعول بہ) یہ فریاد کر رہا ہے کہ وہ اس کے سامنے آجائے تاکہ وہ اپنے تعجب کو ظاہر کر کے اس سے چھٹکارا پائے۔

مستغاث بہ کے استعمال کی صورتیں: مستغاث بہ کے استعمال کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت:- منادی مستغاث کے آخر میں الف استغاثہ لاحق ہو تو منادی فتح پر مبنی ہوگا، اس لیے کہ الف کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے، فتح کے علاوہ کوئی دوسری حرکت نہیں آسکتی، اور جب الف استغاثہ آئے تو لام استغاثہ داخل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ الف کا تقاضہ ہوگا کہ اس کا ماقبل مفتوح ہو اور لام استغاثہ کا تقاضہ ہوگا کہ وہ مجرور ہو اور ان دونوں میں منافات ہے، لہذا وہ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

شاعر کے قول سے استدلال یَا یَزِيدَا لِأَمِلَ نَيْلَ عِزٍّ وَغِنَى بَعْدَ فَاقَّةٍ وَهَوَانٍ (ترجمہ: اے یزید! فقر وفاقہ اور تنگدستی و رسوائی جھیلنے کے بعد عزت و مال داری پانے کی امید کرنے والے کی مدد کرو۔) اس شعر میں محل استشہاد ”یَا یَزِيدَا“ ہے، جس میں شاعر نے آخر میں الف استغاثہ لاحق کیا اور شروع میں لام استغاثہ کے الحاق سے اجتناب کیا ہے، لہذا اس وقت مستغاث بہ پر فتح آئے گا جیسے یَا یَزِيدَا۔

دوسری صورت: مستغاث کے شروع میں نہ تو لام استغاثہ داخل ہو اور نہ اس کے آخر میں الف استغاثہ لاحق ہو اس وقت مستغاث بہ منادی کے حکم میں ہوگا یعنی جس طرح منادی جب مفرد معرفہ ہو تو وہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی طرح مستغاث بہ بھی مفرد معرفہ ہونے کی صورت میں علامت رفع پر مبنی ہوگا جیسے ”یَا یَزِيدُ لِعَمْرٍ“ میں زید علامت رفع پر مبنی ہے۔ اور جس طرح منادی مضاف ہو تو فتح پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح مستغاث بھی اضافت کی صورت میں علامت نصب پر مبنی ہوگا۔ جیسے یَا عَبْدَ اللّٰهِ لِرَزِيدٍ میں عبد اللہ نصب کے ساتھ مذکور ہے۔ شاعر نے بھی اسی طرح استعمال فرمایا ہے۔

أَلَا يَأْقُومُ لِلْعَجَبِ الْعَجِيبِ وَلِلْغَفَلَاتِ تَعْرِضُ لِلْأَرِيبِ

(ترجمہ: سنو اے میری قوم کے لوگو! انجام معاملات میں عقل و خرد رکھنے والے پر انجام سے لاپرواہی پیدا ہونے کی وجہ سے جس پر توجہ کیا جائے اس سے بھی سخت تعجب ہے۔ اس کلام کے قائل کے بارے میں بسیار تلاش کے باوجود ناچیز مطلع نہ ہو سکا۔) اس شعر میں محل استشہاد ”یَا قَوْمُ“ ہے جو مستغاث مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے علامت رفع پر مبنی ہے، کیوں کہ نہ تو اس کے شروع میں لام استغاثہ ہے اور نہ آخر میں الف استغاثہ۔ اور یہ صورت قلیل الاستعمال ہے۔

باب النَّدْبِیَّة — ندبہ کا بیان

وَالنَّادِبُ: وَالزَّيْدَاءُ، وَالْأَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَرَأْسَاءُ، وَلَكَ الْحَاقُّ الْهَاءُ وَقَفًا۔

ترجمہ:- اور نادب و ازیداء، و الامیر المومنینا، و راسا کہے۔ اور تیرے لیے حالت وقف میں ہاء کا الحاق درست ہے۔

تشریح:- مندوب کو منادی کے ساتھ چوں کہ کئی چیزوں میں مناسبت ہے مثلاً حرف ندا کے داخل ہونے میں نیز معرب اور مبنی ہونے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو منادی کے ساتھ ہوتا ہے جن صورتوں میں منادی مبنی ہوتا ہے، انہیں صورتوں میں مندوب بھی مبنی ہوتا ہے اور جو صورتیں منادی معرب ہونے کی ہیں وہی صورتیں مندوب کے معرب ہونے کی ہیں۔ اس لیے منادی کے بعد مندوب کو ذکر کیا۔

ناب و مندوب کی تعریف:

ناب اس ذات کو کہتے ہیں جو کسی کا درد مند ہو۔ مصنف نے مندوب کی لغوی تعریف نہیں بیان کی، اس لیے نا چیز اس کی تعریف کر رہا ہے۔ مندوب لغت میں اس میت کو کہتے ہیں جس پر کوئی شخص روئے اور اس کے محاسن بیان کرے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مرنے والا معمولی شخص نہیں تھا، بلکہ بڑے محاسن کا حامل تھا۔ اس کا سانحہ معمولی سانحہ نہیں اور اسی کے غم میں وہ بھی شریک ہو جائیں۔

اصطلاح میں مندوب ایسے اسم کو کہتے ہیں جس پر یاء یا واؤ کے ذریعہ گریہ وزاری کی جائے۔ یا جس کی وجہ سے غم کا اظہار کیا جائے۔ اول کا تعلق عدم سے ہے جس کو صاحب کتاب نے متوجع علیہ سے موسوم فرمایا۔ اور متوجع علیہ عدم وہ چیز ہے کہ اس کے عدم پر درد مندی، گریہ وزاری کی جائے جیسا کہ مردہ کہ اس پر نوحہ کرنے والے گریہ کریں۔ اس کی مثال جیسا کہ جریر بن عطیہ نامی شاعر نے عمر بن عبدالعزیز کے انتقال پر مال پر درد مندی کا اظہار کرتے ہوئے مرثیہ کہا ہے۔

حُمِلْتُ أَمْرًا عَظِيمًا، فَاضْطَبَّرْتُ لَهُ وَقُمْتُ فِيهِ بِأَمْرِ اللَّهِ يَا عُمَرَا

(ترجمہ: ہائے عمر! تجھے ایک زبردست حکومت کا مالک بنایا گیا اور تو نے اس مضبوطی سے تھامے رکھا اور بحکم خداوندی شرائع و احکام اس میں قائم کرنے میں قائم و دائم رہے۔)

اس شعر میں محل استشہاد "يَا عُمَرَا" ہے جس کے انتقال پر یاء کے ساتھ درد مند ہوا گیا ہے۔ اور ثانی کا تعلق وجود سے ہے جس کو صاحب کتاب نے متوجع منہ سے تعبیر فرمائی ہے اور متوجع منہ وجود وہ چیز ہے کہ اس کے وجود پر اظہار درد مندی کی جائے، اس لیے کہ ایک چیز معدوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس چیز کا وجود ہوا ہے جیسے "وَأَمُصِيبَتَاهُ" "وَأَحْسَرَتَاهُ" "وَأَوِيلَاهُ" کہ نوحہ کرنے والے اپنے عزیز کی وفات کے وقت کہتے ہیں جیسا کہ ابوالطیب احمد بن حسین المعروف بامتمی متوفی ۳۵۴ھ جو دولت عباسیہ کے شعراء میں سے ایک فصیح و بلیغ شاعر ہے، انہوں نے ایک مرثیہ میں کہا۔

وَأَحَرَّ قَلْبَاهُ مِمَّنْ قَلْبُهُ شَبِيمٌ وَمَنْ بِجِسْمِي وَحَالِي عِنْدَهُ سَقِيمٌ

(ترجمہ: ہائے میرے دل کی گرمی جس کا تعلق اس شخص سے ہے جس کا دل ٹھنڈا ہے اور جس کے پاس میں علیل الجسم اور سقیم الحال کی وجہ سے ضعیف ہوں۔ یعنی ہائے میرے دل کی گرمی جو دل اس شخص پر شدید فریفتہ ہے جس کا دل ٹھنڈا ہے، اس شدت پیش اور سخت حرارت کو محسوس نہیں کر سکتا ہے جس کی تکلیف میرا دل محسوس کر رہا ہے اور اس پر فریفتہ ہونے کی وجہ سے میں علیل الجسم اور مجھ میں اس کے اعتقاد محبت فاسد ہونے کی وجہ سے سقیم الحال ہوں۔)

اس شعر میں محل استبشاد "وَآخِرَ قَلْبَاهُ" ہے جو وَآخِرَ قَلْبِی کے معنی میں مراد لیا گیا ہے اور اس کے آخر میں الف ندبہ الحاق کر دیا گیا ہے، چوں کہ نادب کے لیے وَآخِرَ قَلْبَاهُ کہنا ہی زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ ندبہ میں درازی صوت مطلوب ہے۔ اور اس کے وجود پر نوحہ کرنے والے نے گریہ وزاری کی ہے۔

مندوب پر حرف نداء کا دخول:

حروف نداء میں سے مندوب کے لیے کن حروف کا استعمال جائز ہے؟ تو صاحب کتاب نے فرمایا صرف دو حرف کا استعمال جائز ہے، واؤ اور یاء، کلمہ واؤ کا تو یہ حال ہے کہ مندوب کو کلمہ واؤ کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔ یعنی واؤ صرف مندوب میں آتا ہے، منادی میں نہیں آتا، تاکہ منادی اور مندوب کے درمیان امتیاز پیدا ہو جائے برخلاف یاء کے کہ وہ منادی اور مندوب دونوں میں آتا ہے۔ تمام حروف نداء میں یہ زیادہ مشہور ہے، لہذا مناسب یہ ہے کہ اس کو وسعت دی جائے کہ غیر منادی میں بھی اس کا استعمال کیا جائے، لیکن یہ استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قرینہ فارق بین النداء والندبہ پایا جائے، تاکہ منادی محض کے ساتھ التباس لازم نہ آئے اور اگر فارق نہ ہو تو پھر اس طرح کا استعمال نہیں ہوتا ہے، البتہ یاء کے علاوہ باقی حروف نداء وہ صرف منادی میں آتے ہیں، مندوب میں نہیں آتے۔

اعراب و بناء کے اعتبار سے مندوب کا حکم:

مندوب کا حکم اعراب و بناء میں مثل منادی کے ہے، یعنی جس طرح منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح مندوب مفرد معرفہ بھی علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے جیسے "وَازِيدُ" ضمہ کے ساتھ ہے اور جس طرح منادی اضافت کے وقت علامت نصب پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح مندوب بھی اضافت کے وقت علامت نصب پر مبنی ہوتا ہے جیسے "وَاعْبُدَ اللّٰهَ" نصب کے ساتھ ہے۔

مندوب کے آخر میں الف کا زیادہ کرنا:

وَازِيدُ، وَالْمِيرُ الْمُؤْمِنِينَا الْخِ ندبہ میں چوں کہ درازی صوت مطلوب ہے، اس لیے

مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنا جائز ہے مثلاً "وَارِيدًا" وَاَعْمَرًا، وَاَرَأَسًا وَالْمِيرِ الْمُومِنِينَ کہیں گے۔ اور وقف کی حالت میں ہاء بھی لانا جائز ہے جیسے "وَارِيدًا" وَاَعْمَرًا۔ لیکن یہ ہاء وصل کی صورت میں محذوف ہو جائے گی، کہیں کہیں ضرورت شعری کی بناء پر وصل کی صورت میں بھی ہاء کا باقی رکھنا جائز ہوتا ہے، جیسا کہ مثنوی شاعر نے "وَاحَرَّ قَلْبَاهُ مِمَّنْ" میں باقی رکھا ہے، لہذا اس وقت اس پر ضمہ آئے گا ہاء ضمیر کیساتھ مشابہت کی وجہ سے، اور التقاء ساکنین کی اصل پر قیاس کرتے ہوئے اس کا کسرہ پڑھنا بھی درست ہے، کیوں کہ وَاحَرَّ قَلْبَاهُ میں بوقت وقف اجتماع ساکنین لازم آتا ہے اور حرف ساکن کو کسرہ کا ہی اعراب دیا جاتا ہے، السَّاكِنُ إِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ کے قاعدہ کے پیش نظر۔

باب المفعول المطلق: معنی

یہ باب مفعول مطلق کی تعریف اور اس کے احکام کے بیان میں

وَالْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ، وَهُوَ: الْمَصْدَرُ الْفَضْلَةُ الْمُسَلَّطُ عَلَيْهِ عَامِلٌ مِنْ لَفْظِهِ كـ "ضَرَبْتُ ضَرْبًا" أَوْ مِنْ مَعْنَاهُ كـ "قَعَدْتُ جُلُوسًا" وَقَدْ عَدَّ غَيْرُهُ كـ "ضَرَبْتُهُ سَوْطًا" "فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً" "فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ" "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ" وَلَيْسَ مِنْهُ "وَكُلًّا مِنْهَا رَغَدًا"۔

ترجمہ:- اور مفعول مطلق۔ اس سے مراد وہ زائد مصدر ہے جس سے پہلے اسی کے لفظ سے ایک عامل لایا گیا ہو جیسے "ضَرَبْتُ ضَرْبًا" (مارا میں نے مارٹا) یا اس کے معنی کے موافق ہو جیسے "قَعَدْتُ جُلُوسًا" (بیٹھا میں بیٹھنا) اور کبھی کبھی اس کا غیر اس کا قائم مقام ہوتا ہے جیسے ضَرَبْتُهُ سَوْطًا (مارا میں نے اس کو کوڑا مارنا) "فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً" (تو انہیں اسی کوڑے مارو) "فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ" (ایک ہی کی طرف پوری طرح مائل مت ہو) "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ" (اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا) اور "وَكُلًّا مِنْهَا رَغَدًا" (اور تم دونوں اس سے بفرغت کھاؤ) اس باب سے نہیں ہے۔

تشریح:- جب فاضل مصنف "مفعول بہ اور اس کے متعلقات منادوی کے احکام کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفاعیل خمسہ میں سے دوسری قسم مفعول مطلق کو بیان کرنے میں منہمک ہوئے، چنانچہ فرمایا، مفاعیل خمسہ میں سے دوسری قسم مفعول مطلق ہے، مفعول مطلق کو بقیہ مفاعیل پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس مفہوم پر بلا قید زائد دلالت کرتا ہے برخلاف باقی مفعولوں کے

کہ کسی میں فیہ، یامعہ، یالہ کی قید ہے اور چوں کہ قاعدہ ہے کہ مطلق مقید پر مقدم ہوتا ہے، لہذا ذکر میں بھی اس کو مقدم کیا گیا ہے، تاکہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے، لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفعول بہ جو یہ کی قید کے ساتھ مقید ہے اسے تو مفعول مطلق پر مقدم کیا گیا ہے تو پھر آپ کا دعوا محفوظ نہیں رہا۔

شارح کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ مفاعیل خمسہ میں مفعول بہ کی بحث بہت ہی مطوّل اور مسائل کثیرہ پر مشتمل تھی، اس کی طوالت اور کثرت کا لحاظ کرتے ہوئے مجبوراً مقدم کیا گیا ہے۔ اگر کوئی یہاں اشکال کرے کہ مفعول مطلق مطلق نہیں ہے، بلکہ یہ قید اطلاق مقید ہے جو کہ بشرط لاشی کا درجہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کو مفعول مطلق کہتے ہیں صرف مفعول بدون ذکر مطلق کے نہیں کہتے۔ جواب یہ ہے کہ ذکر لفظ مفعول مطلق کا یہاں تقیید کے لیے نہیں بلکہ بیان مفہوم کے لیے ہے اور وجہ یہ ہے کہ قید ہمیشہ مقید سے خارج ہوتی ہے اور یہ اطلاق مفعول مطلق میں داخل ہے، اس سے خارج نہیں کہ قید ہو۔

مفعول مطلق کی تعریف:

والمفعول المطلق وهو المصدر الفضلة الخ فاضل مصنف یہاں سے مفعول مطلق کی تعریف مع امثلہ تحریر فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا مفعول مطلق وہ ایسا مصدر ہے جو زائد ہو اور اس سے پہلے اسی کے لفظ کے مطابق ایک عامل ہو یا اس کے معنی کے موافق عامل ہو۔

اول کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول ”وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا“ (اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔ پ، سورہ نساء، آیت ۱۶۴) کہ اس آیت میں ”تَكْلِيمًا“ مفعول مطلق ہے جس کے لفظ کے مطابق اس سے پہلے ”كَلَّمَ“ عامل آیا ہے۔

دوم کی مثال جیسے ”قَعَدْتُ جُلُوسًا“ (بیٹھا میں بیٹھنا) ”تَلَّيْتُ حَلْفَةً“ (میں نے قسم کھائی قسم کھانا) ان دونوں مثالوں میں ”جُلُوسًا“ اور ”حَلْفَةً“ مفعول مطلق ہے اور عامل سے لفظوں میں باعتبار لفظ کے مغائر ہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ اسی طرح شاعر کا قول

تَلَّيْتُ ابْنَ أَوْسٍ حَلْفَةً لَيَرُدَّنِي إِلَى نِسْوَةٍ كَأَنَّهُنَّ مَفَائِدُ

(ترجمہ: ابن اوس نے ایک مرتبہ قسم کھائی کہ وہ مجھے خشک مزاج، سیاہ رو عورتوں کی طرف ضرور لوٹا دے گا) شعر کا مطلب: یہ زید الفوارس حصین بن ضرار ضعی کا کلام ہے جس کو ابو تمام حبیب بن اوس طائی نے اپنے دیوان حماسہ میں تحریر فرمایا ہے۔ اس شعر میں ایک لفظ ”مَفَائِدُ“ ہے جو مَفَاد کی جمع ہے بمعنی وہ لکڑی جس کے ذریعہ تنور میں آگ کو حرکت دی جاتی ہے، پھر اس کی سیاہی اور خشک مزاج سیاہ رو عورت

کو تشبیہ دی گئی ہے۔

اس شعر میں کُل استشہاد لفظ "خَافَةَ" ہے جو مفعول مطلق ہے اور اپنے فعل "تَالَى" سے باعتبار لفظ کے مغائر ہے، لیکن دونوں معنی میں موافق ہیں۔ ماتن نے اپنے قول "أَوْ مِنْ مَعْنَاهُ" سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

طالب علمانہ سوال اور اس کا جواب:

مصنف نے مفعول مطلق کی تعریف کرتے ہوئے لفظ "الفضلة" کی قید کیوں لگائی ہے؟
جواب: مفعول مطلق کی تعریف میں اس لفظ کی قید لگا کر تیرے قول "كَلَامُكَ كَلَامٌ حَسَنٌ" اور اہل عرب کا قول "جَدُّ جَدَّةٌ" سے احتراز کیا ہے اور وجہ احتراز یہ ہے کہ پہلی مثال میں لفظ "كَلَامٌ" اور دوسری مثال میں "جَدَّةٌ" مصدر ہیں اور ان دونوں سے پہلے انہیں کے الفاظ سے عامل لائے گئے ہیں، لیکن پہلی مثال میں عامل فعل کی شکل میں نہیں بلکہ مبتداء ہے جو خبر میں عمل کر رہا ہے اور اس کی ترکیب یوں ہے كَلَامُكَ مضاف ومضاف الیہ سے مل کر مبتداء، اور كَلَامٌ حَسَنٌ موصوف صفت سے مل کر خبر، اور مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور دوسری مثال میں جَدُّ فعل ہے (فعل سے مراد معنی مصدری حدی ہے خواہ فعل اصطلاحی کے ضمن میں ہو یا اسماء مشتقہ کے) اور مصدر باعتبار لفظ کے فعل کے مطابق بھی ہے، لیکن مصدر باعتبار معنی کے اپنے فعل کے مغائر ہے اور یہ دونوں صورتیں مفعول مطلق کے باب سے نہیں ہیں، اس لیے الفضلہ کی قید لگا کر ان دونوں مثالوں کو خارج کیا ہے۔ جَدُّ بلند مرتبہ ہونا قرآن پاک میں ہے "وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا" بانصیب ہونا، قسمت والا ہونا۔ اور جَدُّ کے معنی رُوئے زمین، نہر کا کنارہ، محنت، کوشش، سنجیدگی، واقعیت۔

غیر مصدر کو بر بنائے مفعول مطلق نصب دینا:

وقد ينوب عنه غيره کبھی کبھی لفظ کُل اور بعض کو مفعول مطلق بنا کر نصب دیا جاتا ہے، حالاں کہ یہ دونوں مصدر نہیں ہوتے، لیکن مصدر کی طرف اضافت کر کے مصدر کے قائم مقام کر لیا جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ" (ایک ہی طرف پوری طرح مائل مت ہو۔ پ ۵، سورہ نساء آیت ۱۲۹) اور "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ" (اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا۔ پ ۲۹، سورہ الحاقہ، آیت ۴۴) ان دونوں آیتوں میں سے اول میں لفظ "كُلُّ" "الْمِيلِ" مصدر کی طرف اور دوسری میں لفظ "بَعْضُ" "الْأَقَاوِيلِ" مصدر کی طرف مضاف ہیں اور بر بنائے مفعولیت نصب دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر عدد مضاف ہو مصدر کی طرف تو اسے بھی بر بنائے مفعولیت نصب دیا جاتا ہے جیسے

باری تعالیٰ کا قول "فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً" (تو انہیں اسی کوڑے مارو۔ پ ۱۸، سورۃ نور آیت ۴) میں ثَمَانِينَ عدد ہے اور جَلْدَةً مصدر تمیز کی طرف مضاف ہے، لہذا بناء بر مفعولیت نصب دیا گیا ہے، اسی طرح اسمائے آلات بھی نصب دیئے جاتے ہیں جیسے "ضَرْبَتُهُ سَوْطًا" میں "سَوْطًا" کو نصب دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ میں رکھ دیتے ہیں جیسے ضَرْبَتُهُ سَوْطًا اصل میں ضَرْبَتُهُ ضَرْبَ سَوْطٍ ہے اسی طرح ضَرْبَتُهُ عَصًا، اور ضَرْبَتُهُ مِقْرَعَةً کی اصل ضَرْبَتُهُ ضَرْبَ عَصَا اور ضَرْبَتُهُ مِقْرَاعَةً کا حال ہے۔

وَكَلَّا مِنْهَا رَغَدًا کا اعراب:

وَلَيْسَ مِنْهُ وَكَلَّا مِنْهَا رَغَدًا الخ باری تعالیٰ کا قول "وَكَلَّا مِنْهَا رَغَدًا" (اور تم دونوں اس سے بافراغت کھاؤ۔ پ ۱، سورۃ بقرہ، آیت ۳۵) میں رَغَدًا کو کس وجہ سے نصب آیا ہے تو اس بارے میں علماء نحو کا اختلاف ہے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے، اس وجہ سے مصدر کا قائم مقام بنا کر نصب دیا گیا ہو ایسا نہیں، کیوں کہ مصدر محذوف کی صفت مصدر کا قائم مقام نہیں بن سکتی۔ اہل عرب کا مذہب یہ ہے کہ "رَغَدًا" کو بر بنائے مفعولیت نصب آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل "وَكَلَّا مِنْهَا أَكَلًا رَغَدًا" ہے، أَكَلًا موصوف اور رَغَدًا صفت ہے، مصدر موصوف کے محذوف ہونے کی صورت میں صفت کو موصوف کے قائم مقام کر کے نصب دیا گیا ہے۔ اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ اس مصدر سے حال واقع ہو کر منصوب ہے جو فعل سے مفہوم ہوتا ہے، لہذا تقدیری عبارت فَكُلَّا حَالَةً كَوْنِ الْأَكْلِ رَغَدًا ہوگی۔ اور اس پر استدلال کیا ہے۔ اہل عرب کے قول "سَيُزِيلُ عَلَيْهِ طَوِيلًا" سے کہ اہل عرب نے اس مقولہ میں چار مجرور کو فاعل کے قائم مقام قرار دیا اور طَوِيلًا کو حال ہونے کی بناء پر منصوب پڑھانہ کہ مصدر ہونے کی بناء پر اسی طرح اس میں بھی ہوا ہے، لیکن فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ جار مجرور کو فاعل کا قائم مقام قرار دینا متزلزل ہے، اس لیے کہ مصدر بالاتفاق فاعل کا قائم مقام ہوتا ہے۔

باب ہذا سے متعلق چند قواعد

مفعول مطلق کی قسمیں:

اس باب سے متعلق چند مفید قواعد و نکات تحریر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، تاکہ باب تشنہ نہ رہے اور طلبہ عزیز کو سیر حاصل بحث تک رسائی ہو جائے۔

مفعول مطلق کی تین قسمیں ہیں: (۱) کبھی تاکید کے لیے ہوتا ہے جب کہ اس کے معنی سے کوئی زیادتی فعل کے معنی پر نہ سمجھی جائے جیسے جلسۃ جلوسا یہ تثنیہ و جمع استعمال نہ ہوگا برخلاف بعد کی قسموں کے۔ اس لیے کہ وہ ماہیت فعل پر دلالت کرتا ہے اور ماہیت میں تعدد نہیں۔ (۲) کبھی نوع کے لیے ہوتا ہے جب کہ وہ فعل کی کسی نوع و ہیت پر دلالت کرے جیسے جلسۃ جلسۃ (میں ایک خاص قسم کی نشست سے بیٹھا) (۳) کبھی عدد کو بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے عدد مفہوم ہو یا کسی اور لفظ سے جیسے جلسۃ جلسۃ (فتح الجیم) (میں ایک مرتبہ بیٹھا) میں عدد لفظ مصدر سے مفہوم ہو رہا ہے اور ضَرَبْتُ ضَرْبًا کَثِيرًا کہ اس میں صفت کثیرا سے عدد مفہوم ہو رہا ہے۔

مفعول مطلق کے عامل کا حذف:

کبھی مفعول مطلق کے عامل یعنی فعل کو قرینہ کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے جیسے کوئی سفر سے آئے اور تم اس سے کہو "خَيْرَ مَقْدَمٍ" (خوش آمدید) اس کی اصل "قَدِمْتُ قُدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ" ہے۔ قَدِمْتُ فعل کو قرینہ حالیہ یعنی آثار سفر کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ پھر قُدُومًا کو حذف کر کے خَيْرَ مَقْدَمٍ کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے۔ ترکیب اس طرح ہوگی قَدِمْتُ فعل با فاعل، قُدُومًا موصوف، خَيْرَ مضاف، مَقْدَمٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر قُدُومًا کی صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر قَدِمْتُ کا مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نکتہ ۱: مفعول مطلق اگر تاکید کے لیے ہو تو اس وقت اس کے فعل کو حذف کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ مفعول مطلق عامل کی تقویت کے لیے آتا ہے اور حذف اس کے منافی ہے۔

نکتہ ۲: مفعول مطلق تو مصدر ہوتا ہے، حالاں کہ اَهْلَكَ اللَّهُ وَيَحَةَ کے اندر مفعول مطلق ہے، حالاں کہ مصدر نہیں۔

جواب: مصدر ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً لہذا وَيَحَةَ اگرچہ مصدر نہیں۔ اسم عین ہے مگر یہ کلام چوں کہ بدوعاء پر مشتمل ہے، اس لیے وَيَحَةَ کے مجازی معنی (اہلاکاً) مراد ہیں۔ نیز مفعول مطلق کے لیے معنی حدیثی ہونا کافی ہے اس سے فعل کا نکلنا شرط نہیں، برخلاف مصدر کے کہ اس سے فعل بھی نکلتے ہیں۔

نکتہ ۳: مفعول مطلق اور عامل کے الفاظ اور باب ایک جیسے ہونے ضروری نہیں، بلکہ اتحاد معنی ضروری ہے جیسے اَنْبَتَكُمْ نَبَاتًا۔ دونوں کے لیے باب جدا جدا ہیں، مگر معنی ایک ہی ہیں اور نُقِرَ بِكُمْ عِنْدَنَا رُلْفٰی، نُقِرَ ب اور رُلْفٰی کے معنی ایک ہیں یعنی قریب کرنا، نزدیکی۔

باب المفعول لہ — مفعول لہ کا بیان

وَالْمَفْعُولُ لَهُ، وَهُوَ الْمَصْدَرُ الْمُعْلَلُ لِحَدَثٍ شَارَكَهُ وَقْتًا وَفَاعِلًا،
نَحْوُ "قُمْتُ إِجْلَالًا لَكَ" فَإِنْ فَقَدَ الْمُعْلَلُ شَرْطًا بِحَرْفِ التَّعْلِيلِ،
نَحْوُ (خَلَقَ لَكُمْ) — و — وَإِنِّي لَتَعْرِوْنِي لِذِكْرَاكِ هِزَّةً —
وَفَجِئْتُ وَقَدْ نَضْتُ لِنَوْمٍ ثِيَابَهَا۔

ترجمہ: — اور مفعول لہ۔ اور وہ ایسا مصدر ہے جو علت بیان کرنے والا ہوتا ہے ایسے فعل کے لیے جو فعل اس کے ساتھ وقت اور فاعل میں مشترک ہو جیسے قُمْتُ إِجْلَالًا لَكَ (میں تیری تعظیم کے لیے کھڑا ہوں) پس اگر معلل ہونا جو شرط ہے مفقود ہو جائے تو حرف تعلیل کی وجہ سے جردیا جائے گا جیسے خَلَقَ لَكُمْ (تمہارے لیے پیدا فرمایا) اور وَإِنِّي لَتَعْرِوْنِي الخ (اور میرا حال تو یہ ہے کہ تیرے ذکر سے مجھ میں حرکت پیدا ہوتی ہے) اور فَجِئْتُ وَقَدْ نَضْتُ الخ (میں آیا اس حال میں کہ وہ اپنے کپڑے سونے کے لیے اتار چکی تھی)۔

تشریح: — جب مصنف "مفعول مطلق" کے تفصیلی بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفعول لہ کو بیان کرنا شروع کیا۔ مفعول لہ مفاعیل خمسہ میں سے تیسری قسم ہے، اسے مفعول لا جملہ بھی کہا جاتا ہے اور من اجلہ بھی کہا جاتا ہے۔

مفعول لہ کی تعریف:

مفعول لہ وہ اسم ہے جس کے حصول یا اس کے پیش آنے کی وجہ سے فعل مذکور واقع ہوا ہو جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا تَأْدِيبًا (میں نے زید کو ادب دینے کے لیے مارا) یہ حصول کی مثال ہے کہ ادب پہلے سے نہیں تھا تو فعل ضرب حصول ادب کے لیے واقع ہوا ہے، یہی مفعول لا جملہ کہلاتا ہے۔ اور قَعْدْتُ عَنْ الْحَرْبِ جَبْنًا (میں لڑائی سے باز رہا بزدلی کے عارض و پیش آنے کی وجہ سے) یہ مثال عارض اور پہلے سے ہونے کی ہے کہ بزدلی پہلے سے موجود تھی اس لیے لڑائی سے باز رہا۔ یہ مفعول من اجلہ کہلاتا ہے۔

مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرطیں:

وَالْمَفْعُولُ لَهُ وَهُوَ الْمَصْدَرُ الْمُعْلَلُ الخ یہاں سے مصنف "مفعول لہ" کے منصوب ہونے کی شرائط بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا، مفعول لہ مصدر ہو علت ظاہر کرنے والا ہو ایسے فعل کے لیے جو فعل اس کے ساتھ وقت اور اسم فاعل میں مشترک ہو مگر ہے تو بتقدیر لام منصوب ہوگا جیسے قُمْتُ

اجلا لا لك“ (میں تیری تعظیم کے لیے کھڑا ہوا) اس مثال میں اکرام واجلال کی وجہ سے فعل قیام واقع ہوا ہے اور ان دونوں کا زمانہ بھی اور فاعل بھی ایک ہے۔ لہذا اجلا لا کو مفعول لہ کہیں گے۔ (اور ترکیب اس طرح ہوگی۔ قام فعل، ت ضمیر فاعل، اجلا لا مصدر موصوف، لك جار مجرور سے مل کر ثابثا کے متعلق ہو کر صفت، اجلا لا موصوف اپنی صفت سے مل کر مفعول لہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول لہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور باری تعالیٰ کا قول ”يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ“ (موت سے ڈر کر کڑا کے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ پ، سورہ بقرہ، آیت ۱۹) اس آیت کریمہ میں لفظ ”حَذَرَ“ مصدر منصوب ہے جو کانوں میں انگلیاں داخل کرنے کے لیے علت مذکور ہے اور اس کا اور فعل کا زمانہ ایک ہے اور دونوں کا فاعل بھی ”الْكَافِرُونَ“ ایک ہے۔

مفعول لہ کا لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہونا کب؟

مفعول لہ لام کی تقدیر کے ساتھ منصوب ہوتا ہے، لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں۔ اگر ان شرائط ثلاثہ میں سے ایک بھی شرط مفقود ہوئی تو لام تعلیل کی وجہ سے جردینا واجب ہوگا۔

پہلی شرط:- مصدر معلل ہونا۔ اگر یہ شرط مفقود ہو جائے تو اس وقت لام تعلیل کی وجہ سے مفعول لہ کو جر آئے گا جیسے باری تعالیٰ کا قول ”هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا“ (وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ پ، سورہ بقرہ، آیت ۲۹) میں مصدر معلل مفقود ہے، اس لیے خَلَقَ لَكُمْ میں ضمیر کم لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہے اور پیدا کرنے میں علت مخاطبین ہیں۔ اسی طرح امرء القیس کا شعر۔

وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْغَى لِأَذْنِي مَعِيشَةً كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيلٌ مِنَ الْمَالِ۔

(اگر میں تھوڑی معیشت کی کوشش کرتا تو مجھے تھوڑا مال کافی ہوتا۔ اور میں نے سلطنت و حکومت طلب نہیں کی۔) میں ”أَذْنِي“ فعل التفضیل ہے۔ مصدر معلل نہیں ہے، چنانچہ لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہے۔

دوسری شرط: فعل معلل بہ اور مصدر دونوں کا زمانہ ایک ہو، اگر یہ شرط مفقود ہو جائے یعنی زمانہ مختلف ہو جائے تو پھر مفعول لہ لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہو جائے گا جیسے امرء القیس ابن حجر الکندی نامی شاعر کا کلام فَجِئْتُ وَقَدْ نَضْتُ لِنَوْمٍ ثِيَابَهَا لَدَى السِّتْرِ، إِلَّا لِبَسَةَ الْمُتَفَضِّلِ (میں آیا اس حال میں کہ وہ اپنے کپڑے سونے کے لیے اتار چکی تھی، مگر مہربانی کرنے والے کا

لباس موجود تھا۔) میں محل استشہاد "لِنَوْمٍ" ہے جو گرچہ خلعت ثوب کے لیے علت ہے اور خلعت ثوب اور نوم دونوں کا فاعل بھی ایک ہی ہے، لیکن دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے، اس لیے نہ خلعت ثوب کا زمانہ قبل النوم ہے، اس وجہ سے مفعول لہ (لِنَوْمٍ) کو لام تعلیل کے ذریعہ جردیا گیا ہے۔

تیسری شرط: فعل مُعَلَّل بہ اور مصدر کا فاعل ایک ہو۔ اگر یہ شرط مفقود ہو (یعنی فاعل مختلف ہو) تو مفعول لہ کو لام تعلیل کی وجہ سے وجوباً جردیا جائے گا۔ جیسے ابو صحر ہندی نامی شاعر کا قول

وَإِنِّي لَتَتَعَرُونِي لِذِكْرَاكَ هِرَّةٌ كَمَا انْتَقَضَ الْعُصْفُورُ بِلَلَّةِ الْقَطْرِ

(اور میرا حال تو یہ ہے کہ تیرے ذکر سے مجھ میں ایسی حرکت پیدا ہوتی ہے جس طرح پرندہ اپنے جسم کو حرکت دیتا ہے، جب بارش اس کو تر کر دیتی ہے۔ یعنی جس طرح چڑیا بارش کے پانی سے تر ہونے کی بناء پر اپنے جسم کو حرکت دیتی ہے، اور ایک نئی روح اور تازگی محسوس کرتی ہے ایسے ہی اے میری محبوبہ تمہارے ذکر خیر سے مجھ میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے، پھر مجھے ایک نئی مسرت حاصل ہوتی ہے۔) میں محل استشہاد "لِذِكْرَاكَ" مفعول لہ ہے جو لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہے اور حرکت پیدا ہونے کے لیے علت ہے اور ان دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے، لیکن "تَعَرُونِي" فعل کا فاعل هِرَّةٌ ہے اور "ذِكْرِي" کا فاعل متکلم ہے، اس لیے کہ ذِكْرِي، لِذِكْرِي ایاك کے معنی میں ہے۔ اب جب فاعل مختلف ہو گئے تو مفعول لہ لام تعلیل کی وجہ سے وجوباً جردیا گیا ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً" (تاکہ تم ان کی سواری لو، اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔ پیا، سورہ نحل آیت ۸) میں "لِتَرْكَبُوهَا" اصل میں "لِأَنَّ تَرْكَبُوهَا" ہے، جو گھوڑے، خچر اور گدھوں کے پیدا کرنے کے لیے علت ہے، لیکن فاعل مختلف ہونے کی وجہ سے لام تعلیل کے ساتھ آیا ہے، اس لیے کہ خَلَقَ کا فاعل اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے، اور ركب کا فاعل بنو آدم ہے، لیکن زینۃ بتقدیر لام منصوب پڑھا گیا ہے، کیوں کہ خلق اور تربین دونوں کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

نوٹ:- مفعول لہ پر شرائط مفقود ہونے کی صورت میں جردینے کے لیے لام ہی کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ حروف جر میں سے ہر ایسے حرف کے ذریعہ جردینا جائز ہے جو تعلیل پر دلالت کرے اور وہ لام، من، فی، باء ہیں۔ (سبیل الہدی ص ۲۲۷)

باب المفعول فیہ _____ مفعول فیہ کا بیان

وَالْمَفْعُولُ فِيهِ، وَهُوَ مَا سُلِّطَ عَلَيْهِ عَامِلٌ عَلَى مَعْنَى "فِي" مِنْ إِسْمٍ زَمَانٍ كـ "صُمْتُ يَوْمَ الْخَمِيسِ، أَوْ حِينًا، أَوْ أُسْبُوعًا" أَوْ إِسْمٍ مَكَانٍ

مُبْهَمٌ، وَهُوَ الْجِهَاتُ السِّتُّ، كَالْأَمَامِ، وَالْفَوْقِ، وَالْيَمِينِ، وَعَكْسِهِنَّ،
وَنَحْوُ وَهْنٍ كَعِنْدَ، وَلَدَى، وَالْمَقَادِيرُ كَالْفَرَسِخِ، وَمَا صِيغَ مِنْ
مَصْدَرٍ عَامِلِهِ، كـ "قَعْدَتْ مَقْعَدَ زَيْدٍ"۔

ترجمہ:- اور مفعول فیہ، تو وہ ایسا اسم ہے جس سے پہلے عامل لایا گیا ہو بتقدیر "فی" اسم زمان میں سے ہو، جیسے "صُمْتُ يَوْمَ الْخَمِيسِ" یا "حِينًا" یا "أُسْبُوعًا" یا بتقدیر "فی" اسم مکان مبہم میں سے ہو اور وہ جہات ستہ ہیں جیسے اَمَام (سامنے) فَوْق (اوپر) يَمِين (دایاں) اور ان کے برعکس (یعنی خلف بمعنی پیچھے، تحت بمعنی نیچے، شمال بمعنی بائیں) اور جو بھی اس کے مثل ہیں۔ جیسے عِنْد (پاس) لَدَى (نزدیک) اور مقادیر جیسے فرسخ، اور وہ اسماء جو مصدر کے عامل سے لائے گئے ہوں جیسے قَعْدَتْ مَقْعَدَ زَيْدٍ (میں زید کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھا)

تشریح:- جب مصنف "مفعول" کے تفصیلی بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفاعیل خمسہ میں سے چوتھی قسم مفعول فیہ کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا: مفاعیل خمسہ میں سے چوتھی قسم مفعول فیہ ہے اور اسے اسم ظرف بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ ظرف کے معنی برتن کے ہیں۔ اور مفعول فیہ فعل کے واسطے مثل ظرف کے ہوتا ہے، اس وجہ سے اسے ظرف بھی کہا جاتا ہے۔

مفعول فیہ کی تعریف مع فوائد قیود:

والمفعول فيه وهو ما سيطر عليه عامل الخ یہاں سے فاضل مصنف "مفعول فیہ کی تعریف مع فوائد قیود کے بیان فرما رہے ہیں چنانچہ فرمایا: مفعول فیہ ہر ایسے اسم زمان یا مکان کو کہتے ہیں جس سے پہلے عامل لایا گیا ہو معنی فی کی تقدیر کے ساتھ جیسے "صُمْتُ يَوْمَ الْخَمِيسِ" (یہ اسم زمان کی مثال ہے جس میں یوم الخمیس مفعول فیہ ہے اور بتقدیر فی منصوب ہے۔ اور ترکیب اس طرح ہے۔ صَامَ فَعْل، ت ضمیر مرفوع متصل فاعل، يَوْمَ الْخَمِيسِ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔) اور جَلَسْتُ أَمَامَكَ (یہ اسم مکان کی مثال ہے جس میں أَمَامَ مفعول فیہ ہے اور بتقدیر فی منصوب ہے) کیوں کہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی اسم زمان یا مکان مبہم ہو اور اس سے پہلے اس کا عامل لایا گیا ہو تو وہ اسم زمان یا مکان مبہم بتقدیر معنی فی منصوب ہوتا ہے۔ اسی کی طرف "علی معنی فی" سے اشارہ ہے۔ نیز مصنف نے "علی معنی فی" کی قید لگا کر اس ضابطہ سے احتراز کیا ہے کہ اگر کوئی اسم زمان یا مکان ہو اور اس سے پہلے عامل بھی لایا گیا ہو، لیکن اس میں معنی فی کا لحاظ نہ ہو تو وہ اسم زمان یا مکان مفعول فیہ نہیں ہو سکتا بلکہ مفعول بہ ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "إِنَّا نَخَافُ مِنْ

رَبَّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا“ (بے شک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو ادا سی اور سختی والا ہوگا۔ پ ۲۹، سورۃ دھر، آیت ۱۰) میں ”یَوْمًا“ منصوب ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے، مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ گرچہ یَوْمًا ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اس کا باطل بھی مذکور ہے، لیکن اس میں معنی فی مقدر نہیں، جب کہ مفعولیت فیہ کی صحت کے لیے تقدیر معنی فی کی شرط ہے، معلوم ہوا کہ درحقیقت یہاں نفس یوم سے ڈرنا مراد ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول ”اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ“ (اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔ پ ۸، سورۃ النعام، آیت ۱۲۲) میں لفظ ”حَيْثُ“ ظرف مکان ہے، لیکن مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ مفعول بہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ”حَيْثُ“ کا عامل فعل مقدر ہے جس پر أَعْلَمُ دلالت ہے اور اس کی اصل عبارت اس طرح ہے ”يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ“ اب ترکیب میں حَيْثُ مفعول بہ واقع ہے، کیوں کہ اس میں معنی فی مقدر نہیں، حالاں کہ مفعولیت فیہ کی صحت کے لیے تقدیر معنی فی کی شرط ہے۔

مصنفؒ نے ”من اسم زمان“ کی قید لگا کر اس ضابطہ سے احتراز فرمایا ہے کہ اگر کوئی اسم ایسا ہو جس سے پہلے عامل لایا گیا ہو اور معنی فی مقدر بھی ہو، لیکن وہ زمان یا مکان نہ ہو تو وہ بھی مفعول فیہ نہیں ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ”وَتَرَعَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ“ (اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو۔ پ ۵، سورۃ نساء، آیت ۱۲۷) میں ”أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ“ سے پہلے فی کا معنی مقدر ہے، لیکن یہ خود نہ تو ظرف زمان ہے اور نہ مکان۔ لہذا یہ مفعول فیہ نہیں ہو سکتا جب کہ کسی اسم کے مفعول فیہ ہونے کے لیے زمان یا مکان ہونا شرط ہے۔

اسم ظرف کی قسمیں مع احکام کے:

مِنْ اِسْمِ زَمَانٍ كَصُمْتُ يَوْمَ الْخَمِيسِ الخ یہاں سے مصنفؒ اسم ظرف کے احکام کو بیان فرما رہے ہیں، لیکن بطور مقدمہ اسماء ظروف کے اقسام ذہن نشیں کر لینا از حد ضروری ہے، تاکہ مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

اولاً اسم ظرف کی دو قسمیں ہیں زمان اور مکان۔ پھر ان دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ ظرف زمان مبہم، ظرف زمان محدود، ظرف مکان مبہم، ظرف مکان محدود۔

ظرف زمان مبہم ایسے ظرف کو کہتے ہیں جس میں وقت کی کوئی حد متعین نہ ہو جیسے دَہْرٌ، حین، متن میں لفظ ”حِينَ“ سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ظرف زمان محدود ایسے ظرف کو کہتے ہیں جس میں وقت کی کوئی حد متعین ہو جیسے یوم، لیل،

شہر، ستہ متن میں لفظ "اسبوعاً" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ظرف مکان مبہم ایسے ظرف کو کہتے ہیں کہ اس میں جگہ کی حد متعین نہ ہو جیسے جہات ستہ، امام، فوق، یمین، اور ان کے برعکس خلف، تحت، شمال۔ ماتن نے متن میں "او اسم مکان مبہم وهو الجهات الست" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ظرف مکان محدود ایسے ظرف کو کہتے ہیں کہ اس میں جگہ کی حد متعین ہو جیسے دار، حجرہ وغیرہ۔

فائدہ:- جمیع اسماء زمان خواہ زمان مبہم ہو یا محدود یا مختص منہایا ظرف مکان مبہم ہو۔ (مختص منہا سے مراد وہ ظرف ہے جو "متی" کے جواب میں واقع ہو جیسے یوم الخمیس، محدود سے مراد وہ ظرف ہے جو "کم" کے جواب میں واقع ہو جیسے اسبوع، شہر، حول، اور مبہم سے مراد وہ ہے جو ان دونوں میں سے کسی کے جواب میں واقع نہ ہو جیسے حین، وقت) یہ تمام اسماء ظروف بتقدیرنی بر بنائے ظرفیت منصوب ہوتے ہیں، اس لیے کہ مبہم مفہوم فعل کا جزء ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب جزء فعل کو علاحدہ علاحدہ مستقل طور پر ذکر کرتے ہیں تو بلا واسطہ حرف جر کے منصوب ہوتا ہے جیسے مفعول مطلق، لہذا ظرف زمان بھی تقدیرنی کو قبول کرے گا۔ اور زمان محدود کو زمان مبہم پر محمول کرتے ہیں، اس لیے کہ دونوں ذات یعنی زمانیت میں شریک ہیں۔ اور ظرف مکان مبہم تو اس لیے منصوب ہوتا ہے کہ وہ وصف ابہام میں ظرف زمان مبہم کے شریک ہیں جیسے جَلَسْتُ خَلْفَكَ اس میں خَلْفَ ظرف مکان مبہم ہے، چوں کہ مقابل پشت جس کے واسطے کوئی حد نہیں اس کے لیے یہ موضوع ہے۔

فائدہ:- ظرف مکان محدود تقدیرنی کے ساتھ منصوب نہیں ہوتا بلکہ فی کا ذکر اس میں ضروری ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا اشتراک زمانہ مبہم کیساتھ بالکل نہیں، نہ ذات میں، نہ صفت میں، جیسے جَلَسْتُ فی المسجد، اس صورت میں مفعول فیہ مجرور ہوتا ہے ورنہ تو حرف جارہ کا بولنا بلا وجہ لازم آئے گا۔ خلاصہ کلام یہ نکلا کہ مفعول فیہ دو قسم پر ہے ایک وہ جس میں فی مقدر ہوتا ہے اس صورت میں مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے، دوسری قسم وہ ہے جس میں فی ملفوظ ہوتا ہے، اس صورت میں مفعول فیہ مجرور ہوتا ہے ورنہ تو حرف جارہ کا بولنا بلا وجہ لازم آئے گا۔

ظرف مکان مبہم کی قسمیں:

او اسم مکان مبہم وهو الجهات الست الخ یہاں سے مصنف "ظرف مکان مبہم کے اقسام کی وضاحت فرما رہے ہیں۔ ظرف مکان مبہم کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: اسماء جہات ستہ۔ اور وہ فوق، تحت، اعلیٰ، اسفل، یمین، شمال، ذات

الیمین، ذات الشمال، وراء، امام، ہیں اور جو بھی اس کے ہم معنی ہو، وہ بھی مکان مبہم میں داخل ہیں۔ یہ سارے جوانب ایسے ہیں کہ جن کی حد متعین نہیں ہیں۔ مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ" (ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔ پ ۱۳، یوسف، آیت ۷۶) "قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ تَحْتِكَ سَرِيًّا" (تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ پ ۱۶، مریم آیت ۲۲) "وَالرَّكْبُ اسْفَلَ مِنْكُمْ" (اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔ پ ۱۰، انفعال، آیت ۴۲) "وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ، وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ" (آپ دیکھیں گے کہ آفتاب بوقت طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک جاتا ہے اور بوقت غروب ان کے بائیں جانب کتر جاتا ہے۔ پ ۱۵، سورہ کہف، آیت ۱۷) "وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ" (اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا۔ پ ۱۶، کہف، آیت ۷۹) مذکورہ بالا آیات میں علی الترتیب فوق، تحت، اسفل، ذات الیمین، ذات الشمال، وراء، اسماء جہات ستہ ہیں جو ظرف مکان مبہم کہلاتے ہیں اور یہ سب بتقدیر معنی فی مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ مصنف نے اپنے قول "عَكْسِيهِنَّ" سے وراء، تحت، اور شمال کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور نحو وَهْنٌ سے اگرچہ جہات ستہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے لیکن ان کے الفاظ بہت ہیں جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔

كَعِنْدَ وَلَدَى کی تشریح:- مصنف نے ظرف مکان مبہم کا حکم بیان کیا تھا کہ اس پر نصب آتا ہے اس کے بعد مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صرف جہات ستہ پر نصب آئے گا، حالاں کہ بعض ظروف مکان ایسے ہیں کہ جن پر نصب آتا ہے اور وہ جہات ستہ میں داخل نہیں، اس کا جواب مصنف نے "وَنَحْوُهُنَّ كَعِنْدَ وَلَدَى" سے خود دے دیا ہے کہ اس قسم کے ظروف کو مکان مبہم کے ساتھ لاحق کیا جائے گا اور ان پر نصب پڑھا جائے گا۔ اس قسم کے ظروف کی مثال عند ولدی سے بیان فرمایا ہے، مکان مبہم کے ساتھ لاحق کرنے کی علت "أَشْبَهَا فِي شِدَّةِ الْإِبْهَامِ وَالْإِحْتِيَاجِ إِلَى مَا بَيْنَ مَعْنَاهَا" سے بیان کیا ہے یعنی عند اور لدی مکان مبہم کے ساتھ شدت ابہام اور احتیاج کے معنی میں شریک ہے، اس وجہ سے ان دونوں پر نصب آیا ہے۔

دوسری قسم: والمقادیر كالفرسخ یہاں سے ظرف مکان مبہم کی دوسری قسم کا بیان ہے، مکان مبہم کی دوسری قسم اسماء مقادیر مساحات ہیں۔ یعنی وہ اسماء جن سے پیمائش کی مقدار معلوم ہوتی ہے جیسے فرسخ، میل، برید، (فرسخ ایک قدیم پیمانہ مسافت مساوی تین میل انگریزی، میل لمبائی ناپنے کا ایک پیمانہ جو قدیم زمانہ میں چار ہزار ذراع کے بقدر ہوتا تھا۔ مرید راستہ کی دو منزلوں کا درمیان فاصلہ)

تیسری قسم: وَمَا صِغَ مِنْ مَّصْدَرٍ عَامِلٍ یہاں سے مکان مبہم کی تیسری قسم کا بیان ہے۔

مکان مبہم کی تیسری قسم وہ اسم ظرف ہے جو اپنے عامل کے مصدر سے لایا گیا ہے جیسے جَلَسْتُ مَجْلِسَ زَيْدٍ میں لفظ مَجْلِسَ اپنے عامل جَلَسْتُ کے مصدر جُلوس سے مشتق ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "وَأَنَا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ" (ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ۲۹، سورہ جن، آیت ۹) میں مَقَاعِدَ ظرف ہے جو اپنے عامل نَقْعُدُ کے مصدر الْقُعُود سے مشتق ہے۔ اگر آپ ذَهَبْتُ مَجْلِسَ زَيْدٍ، یا جَلَسْتُ مَذْهَبَ عَمْرٍو کہنا چاہیں تو یہ درست نہیں، کیوں کہ اسم مکان مبہم کا مصدر اس کے عامل کے مصدر کے برخلاف ہو رہا ہے اور یہ جائز نہیں۔

بَابُ الْمَفْعُولِ مَعَهُ _____ مفعول معہ کا بیان

وَالْمَفْعُولُ مَعَهُ، وَهُوَ إِسْمٌ فَضْلَةٌ بَعْدَ وَاوٍ أُرِيدَ بِهَا التَّنْصِیْصُ عَلَى الْمَعِيَّةِ مَسْبُوقَةٌ بِفِعْلٍ أَوْ مَا فِيهِ حُرُوفُهُ وَمَعْنَاهُ، كَ "سِرْتُ وَالنَّيْلَ" وَ "أَنَا سَائِرُ وَالنَّيْلَ"۔

ترجمہ:- اور مفعول معہ۔ وہ اسم زائد ہے جو اس واؤ کے بعد ہو جس سے تنصیص علی المعیۃ (یعنی مصاحبت و معیت کے معنی) کا ارادہ کیا گیا ہو۔ اور وہ (واؤ) فعل کے ساتھ، یا ایسے لفظ کے ساتھ جس میں فعل کے حروف اور معنی ہو لایا گیا ہو جیسے "سِرْتُ وَالنَّيْلَ" (میں نیل کے ساتھ چلا) اور "أَنَا سَائِرُ وَالنَّيْلَ"۔

تشریح:- جب فاضل مصنف "مفعول معہ" کی تفصیلات کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفاعیل خمسہ کی پانچویں اور آخری قسم "مفعول معہ" کو بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ فرمایا مفاعیل خمسہ کی آخری قسم "مفعول معہ" ہے۔

مفعول معہ کی تعریف:

مفعول معہ ایسے اسم زائد کو کہتے ہیں جو اس واؤ بمعنی مع کے بعد مذکور ہو جو فعل کے ساتھ یا ایسے لفظ کے ساتھ جس میں فعل کے حروف اور اس کے معنی موجود ہو، لایا گیا ہو جیسے "سِرْتُ وَالنَّيْلَ" یہ اس واؤ بمعنی مع کی مثال ہے جو فعل کے ساتھ لایا گیا ہے اور فعل لفظوں میں موجود ہے اور "أَنَا سَائِرُ وَالنَّيْلَ" اس واؤ بمعنی مع کی مثال ہے جو باعتبار لفظ کے فعل تو نہیں، لیکن فعل کے حروف موجود ہیں اور فعل کا معنی بھی پایا جا رہا ہے۔

نیز یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اسم زائد کا اس واؤ بمعنی مع کے بعد مذکور ہونا جو فعل کے ساتھ یا معنی فعل کے ساتھ لایا گیا ہے کا مقصد یہ ہے کہ فعل کے معمول کی مصاحبت اس اسم کے ساتھ ہو جائے،

اگر فعل کا معمول فاعل ہے تو صدور فعل میں مصاحبت ہوگی جس طرح فاعل سے صدور ہوتا ہے۔ مفعول معہ بھی فاعل کے ساتھ اس میں شریک ہوگا اس سے بھی فعل کا صدور ہوگا جیسے "استوی الماء والخشبۃ" اس میں الخشبۃ اور الماء فاعل کے ساتھ استوی میں شریک ہیں، اور اگر فعل کا معمول مفعول ہے تو وقوع فعل میں مصاحبت ہوگی جس طرح مفعول پر فعل واقع ہوتا ہے مفعول معہ بھی اس کے ساتھ وقوع فعل میں شریک ہوگا۔ جیسے "کفاک وزیدا درہم"۔

مفعول معہ کی تعریف چند قیود کے ساتھ:

وہو اسم فضلة بعد واؤ الخ فاضل مصنف نے مفعول معہ کی تعریف میں کچھ فصل لا کر چند چیزوں سے احتراز کیا ہے۔

پہلی فصل "الاسم" ہے اس کے ذکر سے وہ فعل منصوب خارج ہو گیا جو واؤ کے بعد آتا ہے جیسے "لَا تَأْكُلِ السَّمَكُ وَتَشْرَبِ اللَّبَنَ" (مچھلی کے کھانے اور دودھ کے پینے کو جمع نہ کرو) اس میں گرچہ واؤ مصاحبت کے معنی میں ہے، لیکن فعل منصوب مفعول معہ نہیں ہے، کیوں کہ فعل منصوب سے پہلے "أَنْ" پوشیدہ ہے اور "أَنْ" پوشیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے واؤ کے بعد جو نفی محض کے ساتھ لایا گیا ہو تو "أَنْ" پوشیدہ ہوتا ہے۔ لہذا فعل کو "أَنْ" پوشیدہ کی وجہ سے نصب آرہا ہے مفعول معہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اسی طرح اسم کے ذکر کرنے سے جملہ حالیہ خارج ہو گیا جیسے "جَاءَ زَيْدٌ وَالشَّمْسُ طَالِعَةً" (زید آیا اس حال میں کہ سورج طلوع ہو رہا تھا، یعنی زید سورج طلوع ہونے کے ساتھ آیا) اس مثال میں واؤ مع کے معنی میں ہے اور یہ جملہ جاء زید مع طلوع الشمس کے مفہوم پر محمول بھی ہے، مگر یہ اسم نہیں بلکہ جملہ حالیہ ہے، لہذا اس پر حال ہونے کی وجہ سے نصب آیا ہے مفعول معہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔

دوسری فصل "الفضلة" ہے۔ اس کے ذکر کرنے سے وہ اسم خارج ہو گیا جو واؤ کے بعد ہے اور فعل اس کے ساتھ متعلق ہے جیسے "اشترک زید و عمرو" اس مثال میں فعل اشتَرَک، زید و عمرو دونوں کے لیے شامل ہے، کیوں کہ اشتراک کا تعلق دو آدمیوں کے درمیان ہوتا ہے اور یہ فعل اس سے مستغنی نہیں۔ اسی وجہ سے اشتَرَک زید کہنا جائز نہیں، لہذا واؤ کے بعد آنے والا اسم زائد نہیں رہا، جب کہ الفضلہ سے مراد وہ اسم ہوتا ہے جس کے بغیر بھی کلام تام ہو جائے۔

تیسری فصل بعد "واؤ" ہے۔ بعد "واؤ" کی قید سے وہ اسم خارج ہو گیا جو واؤ کے علاوہ کسی اور حرف مثلاً "مع" کے بعد ہو جیسے جاء نسی زید مع عمرو کہا جائے تو اس کو مفعول معہ نہ کہا جائے گا، کیوں کہ مع کے بعد آنے والا اسم مجرور ہوتا ہے۔ اور واؤ مصاحبت کے بعد آنے والا اسم بز بنائے مفعول معہ منصوب ہوتا ہے۔ اسی طرح باء کے بعد آنے والا اسم بھی خارج ہو گیا، کیوں کہ باء گرچہ

مصاحبت کے لیے آتا ہے، لیکن اپنے مابعد اسم کو مجرور کر دیتا ہے نصب نہیں دیتا۔ اس کے برخلاف واو مصاحبت اپنے اسم کو بر بنائے مفعول معہ نصب دیتا ہے۔

چوتھی فصل "ارادة التنصيص على المعیتی" ہے۔ اس کے ذکر کرنے سے وہ اسم خارج ہو گیا جس سے پہلے واو فقط عطف کے طور پر آتا ہے جیسے جاء زيد وعمرؤ میں واو محض عطف کے لیے ہے۔

مصنف کا قول "مَسْبُوقُهُ بِفَعْلٍ" کی تشریح: یہ عبارت مفعول معہ کی شرط کے لیے بیان ہے اور وہ اس طرح کہ واو مصاحبت کا فعل کے ساتھ لانا ضروری ہے یا ایسے لفظ کے ساتھ جس میں فعل کے حروف اور معنی موجود ہوں۔ اول کی مثال جیسے "سِرْتُ وَالنَّيْلَ" اس میں سِرْتُ حقیقتاً فعل ہے اور عامل ہے اور اس کے ساتھ واو مصاحبت لائی گئی ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَأَجْمِعُوا آمُرَكُمُ وَشُرَكَاءَ كُمْ" (تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کر لو۔ پ ۱۱، سورہ یونس، آیت ۱۷) میں بھی "أَجْمِعُوا" باعتبار لفظ کے حقیقتاً فعل ہے اور اس کے ساتھ واو مصاحبت لایا گیا ہے۔ لہذا اس کے بعد آنے والا اسم بناء بر مفعول معہ منصوب ہوگا۔ ثانی کی مثال جیسے "أَنَا سَائِرٌ وَالنَّيْلَ" یعنی "أَنَا أَسِيرُ وَالنَّيْلَ" (یعنی میں نیل کے ساتھ ساتھ چلا) میں لفظ سَائِرٌ لفظاً فعل تو نہیں لیکن فعل کا معنی مفہوم ہوتا ہے اور اس کے حروف پائے جارہے ہیں۔ اس کو فعل معنوی کہا جاتا ہے۔ اور وہ یہاں عامل ہے۔

کُلُّ رَجُلٍ وَضِيعَتُهُ کا اعراب اہل عرب کا قول "کُلُّ رَجُلٍ وَضِيعَتُهُ" کے بارے میں صاحب کتاب نے فرمایا کہ نصب پڑھنا جائز نہیں، اگر کوئی اشکال کرے کہ "وَضِيعَتُهُ" واو بمعنی مع کے بعد واقع ہے، لہذا اسے مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھنا چاہیے؟ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو اسم واو بمعنی مع کے بعد واقع ہو وہ مفعول معہ ہو جیسے مثال مذکور میں واو بمعنی مع کے بعد واقع ہے اور مفعول معہ نہیں، اس لیے کہ مفعول معہ ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ معمول فعل کے ساتھ زمان واحد میں مصاحب ہو (یعنی مفعول معہ اور اس کے مصاحب کا زمانہ ایک ہو) جیسے سِرْتُ وَزَيْدًا (اس میں زید مفعول معہ کا زمانہ اور سِرْتُ کے فاعل متکلم کی سیر کا زمانہ ایک ہے) یا مکان واحد میں مصاحب ہو (یعنی مفعول معہ اور فعل کے معمول کی جگہ ایک ہو) جیسے "لَوُ تَرَكْتُ النَّاقَةَ وَفَصِيلَتَهَا لِرَضْعَتِهَا" (اگر اونٹنی کو اس کے بچے کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا تو وہ اپنے بچے کو دودھ پلا دیتی یعنی اونٹنی اور اس کے بچے کو ایک جگہ چھوڑ دیا جاتا، اگر دونوں کی جگہ ایک نہ ہو تو دودھ کیسے پلاتی۔)

(ایضاح الطالب ص ۷۳)

اسی طرح هذا لك وَاَبَاكَ کو نصب کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں، اس لیے کہ اسم اشارہ ہے، اگرچہ اس میں أَشِيرُ فعل کا معنی پایا جا رہا ہے، لیکن فعل کے حروف موجود نہیں۔

باب الاسم الواقع بعد الواو

واو کے بعد آنے والے اسم کے احوال

وَقَدْ يَجِبُ النَّصْبُ كَقَوْلِكَ "لَاتَنَّهُ عَنِ الْقَبِيحِ وَاتِيَانَهُ" وَمِنْهُ "قُمْتُ وَزَيْدًا" وَ "مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا" عَلَى الْأَصَحِّ فِيهِمَا، وَيَتَرَجَّحُ فِي نَحْوِ قَوْلِكَ "كُنْ أَنْتَ وَزَيْدًا كَالْآخِ" وَيَضَعُفُ فِي نَحْوِ "قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرُو"۔

ترجمہ:- اور کبھی نصب واجب ہوتا ہے جیسے تیرا قول "لَاتَنَّهُ عَنِ الْقَبِيحِ وَاتِيَانَهُ" (فعل قبیح کو انجام دینے کے ساتھ قبیح سے نہ روکو) اور صحیح مذہب کے مطابق "قُمْتُ وَزَيْدًا" اور "مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا" اسی (یعنی نصب پڑھنا واجب ہے) سے ہے۔ اور تیرے قول "كُنْ أَنْتَ وَزَيْدًا كَالْآخِ" جیسی مثال میں نصب پڑھنا رائج ہوتا ہے۔ اور "قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرُو" جیسی مثال میں نصب پڑھنا ضعیف ہے۔

واو معیت کے بعد آنے والے اسم کے حالات:

واو معیت جو فعل لفظی یا فعل معنوی کے ساتھ لایا گیا ہو اس واو کے بعد آنے والے اسم کی تین حالتیں ہیں۔

پہلی حالت:- وقد يجب النصب الخ واو معیت کے بعد آنے والے اسم پر بر بناء مفعول مع نصب آنا واجب ہے اور یہ صورت اس وقت پائی جائے گی جب کہ واو معیت کے مابعد کا اس کے ماقبل پر عطف جائز نہ ہو، بلکہ ممتنع ہو کسی مانع معنوی کی وجہ سے یا مانع صناعی کی وجہ سے، اس لیے کہ یہاں سوائے نصب کے اور کوئی صورت نہیں ہے۔

مانع معنوی کی مثال جیسے "لَاتَنَّهُ عَنِ الْقَبِيحِ وَاتِيَانَهُ" (فعل قبیح کو انجام دینے کے ساتھ اس سے مت روک) میں عطف ممتنع ہے مانع معنوی کی وجہ سے۔ اور وجہ امتناع عطف یہ ہے کہ اگر عطف کیا جائے تو لَاتَنَّهُ عَنِ الْقَبِيحِ وَعَنْ اِتِيَانِهِ عبارت ہوگی اور واو مصاحبت کا معنی باطل ہو جائے گا، لہذا عطف کرنا درست نہیں۔ اور جب عطف کرنا درست نہیں تو بر بناء مفعولیت مع نصب متعین ہو گیا۔ واو معیت کے معنی کو بطلان سے بچانے کے لیے عطف کو ناجائز قرار دینا ہی مانع معنوی ہے، کیوں کہ معنی کا لحاظ کیا گیا ہے۔

مانع صناعی کی مثال جیسے "قُمْتُ وَزَيْدًا" اور "مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا" ہے دونوں مثالوں میں "زَيْدًا" ہر مفعول مع ہونے کی وجہ سے نصب آیا ہے، کیوں کہ دونوں میں عطف کرنا جائز نہیں بلکہ ممتنع

ہے۔ پہلی مثال میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر منفصل نہ آنے کی وجہ سے عطف ممتنع ہے، لہذا سوچائے نصب کے اور کوئی صورت نہیں پس نصب واجب ہوگا، ہاں اس میں واؤ کے مابعد کا ماقبل پر عطف کرنا اس وقت جائز ہوگا کہ اس میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر مرفوع انا کے ساتھ لائی جائے جیسے قُمْتُ اَنَا وَزَيْدًا۔ اس میں زَيْدًا کا عطف قُمْتُ کی ضمیر متصل پر ہو سکتا ہے، کیوں کہ اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ یہاں مذکور ہے۔

اور ضمیر متصل کی تاکید جب ضمیر منفصل کے ساتھ لائی جاتی ہے تو عطف کرنا جائز ہوتا ہے اور چوں کہ ضمیر متصل فاعل ہے، اس لیے زید پر بھی بر بناء فاعلیت رفع آئے گا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ" (پھر تو تم اور تمہارے باپ دادا سبھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے۔ پ ۱، سورہ انبیاء، آیت ۵) میں وَاَبَاؤُكُمْ کا عطف كُنْتُمْ کی ضمیر متصل پر ہو سکتا ہے، کیوں کہ اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ یہاں ہے۔

دوسری مثال مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا میں واؤ کے مابعد کا ماقبل پر عطف جائز نہیں بلکہ ممتنع ہے اور وجہ امتناع عطف یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور پر عطف کریں تو ضمیر مجرور پر بدون اعادہ جار کے عطف لازم آئے گا اور وہ جائز نہیں ہے ہاں اگر ضمیر مجرور پر عطف کریں اور اعادہ حرف جار کے ساتھ ضمیر مجرور پر عطف ہو جائے تو پھر یہ جائز ہوگا۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ" (اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو۔ پ ۱۸، سورہ مومن، آیت ۲۲) میں واؤ کے مابعد الْفُلْكِ کا واؤ کے ماقبل ضمیر مجرور عَلَیْهَا پر عطف کیا گیا اور ضمیر مجرور پر عطف حرف جار کے اعادہ کے بعد ہوا ہے اس لیے عطف کرنا جائز ہے، لیکن مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا میں ایسا نہیں۔

علی الاصح کی قید کی وضاحت:

مصنف نے علی الاصح فیہما کی قید لگا کر ان حضرات کے مذہب سے احتراز کیا ہے جنہوں نے ان دونوں مسائل میں عطف کے لیے کسی چیز کی بھی شرط نہیں لگائی ہے، بلکہ یوں کہا کہ "جِئْتُ وَزَيْدًا" جیسی مثال میں واؤ کے مابعد کا ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنا اس کی تاکید ضمیر منفصل انا لائے بغیر درست ہے اور مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا میں واؤ کے مابعد کا ضمیر مجرور پر اعادہ حرف جار کے بغیر عطف جائز ہے۔

دوسری حالت: ویترجع فی نحو قولك کن انت وزیدا کا لآخ: واؤ کے مابعد کا عطف اس کے ماقبل پر جائز ہو تو اس وقت بمقابلہ عطف کے مفعول معہ پڑھنا زیادہ رائج ہوگا اور بناء

بر مفعولیت کے منصوب ہوگا۔ جیسے تیرا قول "کُنْ اَنْتَ وَ زَيْدًا" میں واؤ کے مابعد کا ماقبل پر عطف ہو سکتا ہے، اس لیے کہ اس میں ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل اَنْتَ کے ساتھ کی گئی ہے پس عطف جائز ہوگا اور بناء بر عطف کے زید مرفوع پڑھا جائے گا، لیکن مفعول معہ پڑھنا زیادہ رائج ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آپ "زَيْدًا" کو "کُنْ" کی ضمیر پر عطف کریں تو زید مامور ہو جائے گا، حالاں کہ آپ نے اسے حکم دینے کا ارادہ نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے مخاطب اَنْتَ کو حکم دیا ہے کہ تو زید کے ساتھ بھائی کی طرح ہو جا۔ شاعر نے بھی عطف کے جائز ہونے کے باوجود مفعول معہ پڑھنے کو رائج قرار دیا ہے

فَكُونُوا اَنْتُمْ وَ بَنِي اَبِيكُمْ مَكَانَ الْكُلَيْتَيْنِ مِنَ الطَّحَالِ

(ترجمہ: تم لوگ اپنے باپ کی اولاد کے ساتھ دو گردے اور ایک تلی کے مانند ہو جاؤ۔ یعنی اس طرح ہو جاؤ گویا دو گردے اور ایک تلی ہو) اس شعر میں محل استشہاد "وَبَنِي" ہے جو مامور نہیں ہے اور اس کا ماقبل پر عطف بھی نہیں کیا گیا ہے، اس لیے بر بناء مفعول معہ منصوب ہے اور شاعر کا مقصد بھی یہی ہے، لیکن اس شعر میں واؤ کے مابعد کا ماقبل پر عطف ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر منفصل اَنْتُمْ کے ساتھ کی گئی ہے اور بناء بر عطف کے "وَبَنُوا" مرفوع بھی پڑھا جائیگا، لیکن اس وقت شاعر کے مقصد کے خلاف ہوگا، کیوں کہ شاعر کے نزدیک مخاطب مامور ہے وَبَنِي اَبِيكُمْ مامور نہیں۔ تیسری حالت: وَيَضَعُ فِي نَحْوِ قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرُو مفعول معہ کے مقابلہ میں عطف رائج ہوگا بشرطیکہ عطف کی صورت میں لفظ و معنی میں کوئی ضعف نہ ہو۔ یعنی لفظ و معنی میں بغیر کسی ضعف کے عطف کرنا ممکن ہو جیسے "قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرُو" اس میں عطف ہی اصل ہے اور اس کو ضعیف قرار دینے والا کوئی قرینہ نہیں، لہذا یہ رائج ہوگا۔

باب ہذا سے متعلق دو مسئلے

- (۱) اگر فعل معنوی ہے جو لفظ سے مستنبط ہوتا ہے اور عطف جائز ہو تو صرف عطف متعین ہوگا، یعنی معطوف علیہ کا جو اعراب ہوگا وہ واؤ کے بعد والے اسم کا بھی ہوگا۔ جیسے مَدَّ لَزِيدٌ وَعَمْرُو، اس میں فعل معنوی ہے اور عمرو کا عطف زید پر صحیح ہے، اس لیے عطف کیا جائے گا اور زید کی طرح عمرو بھی مجرور ہوگا۔
- (۲) مفعول معہ کا عامل فعل یا معنی فعل ہے البتہ واؤ بمعنی مع واسطہ ہے اور واؤ کو اس واسطے اختیار کیا گیا کہ اس کی اصل عطف ہے اور عطف میں جمعیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اور جمعیت اور معیہ میں مناسبت ظاہر ہے، جمعیت میں واؤ کا ماقبل اور مابعد ایک حکم میں جمع ہوتے ہیں۔ معیہ میں بھی یہ بات ہوتی ہے۔ (تمت بحث المفاعیل الخمسہ بحمد اللہ تعالیٰ)

باب الحال — حال کا بیان

بَابُ الْحَالِ، وَهُوَ: وَصْفٌ، فَضْلَةٌ، يَقَعُ فِي جَوَابِ كَيْفٍ، كـ "ضَرَبْتُ اللُّصَّ مَكْتُوفًا".

ترجمہ: - حال کا بیان، اور یہ وہ وصف زائد ہے جو کیف کے جواب میں واقع ہوتا ہے، جیسے "ضَرَبْتُ اللُّصَّ مَكْتُوفًا" (میں نے چور کو بندھے ہوئے کی حالت میں مارا)

تشریح: - فاضل مصنف علیہ الرحمۃ جب مفاعیل خمسہ کی تفصیلات سے فارغ ہوئے تو اب بقیہ منصوبات پر گفتگو کرنے کا ارادہ فرمایا، ان بقیہ منصوبات میں سے ایک حال ہے جس کی تفصیلات یہاں پیش فرما رہے ہیں، متن کی عبارت کی وضاحت سے پہلے حال کی لغوی و اصطلاحی تعریف کا سمجھنا از حد ضروری ہے، تاکہ متن کے مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

حال کی تعریف:

حال کے لغوی معنی تغیر و تبدل کے ہیں، حال اصطلاحی میں بھی تبدیلی احکام کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے، اس طرح دونوں معنوں میں مناسبت پائی جاتی ہے۔

اصطلاح نحو میں حال وہ اسم نکرہ ہے جو بوقت صدور فعل فاعل کی یا بوقت وقوع فعل مفعول بہ کی یا دونوں کی حالت بیان کرے، فاعل کی مثال جیسے "جاء زيدٌ راكبًا" (آیا زید سوار ہونے کی حالت میں) مفعول بہ کی مثال جیسے "ضَرَبْتُ اللُّصَّ مَكْتُوفًا" (مارا میں نے زید کو بندھا ہوا ہونے کی حالت میں) دونوں کی مثال جیسے "لَقِيتُ عمروًا راكبين" (ملاقات کی میں نے عمرو سے اس حال میں کہ دونوں سوار تھے) اس مثال میں "راکبین" نے فاعل اور مفعول بہ دونوں کی حالت بیان کی ہے، لہذا اس کو حال کہیں گے، جن فاعل یا مفعول کی حالت کو بیان کیا جائے اسے ذوالحال کہتے ہیں جیسے "جاء زيدٌ راكبًا" میں "زيدٌ" اور "لَقِيتُ عمروًا راكبين" کی ترکیب اس طرح ہوگی لَقِيَ فَعْلٌ، ت ضمیر ذوالحال اول، عمروًا ذوالحال ثانی، راکبین دونوں سے حال، دونوں ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل اور مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

حال کے لیے چند شرائط:

حال نام ہے ایسے اسم کا جس میں تین شرطیں موجود ہوں (۱) وہ وصف ہو (۲) وہ زائد ہو (۳) کیف کے جواب میں واقع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے تیرا قول "ضَرَبْتُ اللُّصَّ مَكْتُوفًا"

(مارا میں نے زید کو بندھا ہونے کی حالت میں) اس مثال میں مکتوفاً حال ہے جو صیغہ صفت ہے، اسم زائد ہے، اور کیف کے جواب میں واقع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فاضل علامہ علیہ الرحمۃ نے متن کی عبارت ”وہو وصف، فضلة، يقع فی جواب کیف“ کے ذریعہ ان ہی شرائط کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اشکال ۱: یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ ابھی آپ نے دعویٰ کیا کہ حال ایسا اسم ہے جو صیغہ صفت ہو، حالاں کہ باری تعالیٰ کا قول ”فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ“ (پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو۔ پارہ ۵، سورہ نساء، آیت ۷۱) میں ثُبَاتٍ حال ہے، لیکن وصف نہیں ہے تو اب اس آیت کریمہ سے آپ کا دعویٰ ٹوٹ گیا؟

جواب: چوں کہ اس آیت میں ”ثُبَاتٍ“ مُتَفَرِّقِينَ کے معنی میں ہے جو تقدیراً وصف ہوتا ہے، لہذا ثُبَاتٍ میں معنی وصف پائے جانے کی وجہ سے اسے حال پڑھا جاتا ہے۔

اشکال ۲: آپ نے حال کے لیے ”الفصلۃ“ (یعنی اگر اس اسم کو کلام سے ہٹا دیا جائے تو معنی میں کوئی بگاڑ پیدا نہ ہو) کی قید لگائی ہے، حالاں کہ باری تعالیٰ کا قول ”وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا“ (اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، پ ۱۵، سورہ اسراء، آیت ۳۷) میں مَرَحًا حال واقع ہے، لیکن الفصلۃ نہیں ہے، کیوں کہ اسے ہٹا دیا جائے تو آیت کے معنی میں فساد لازم آئے گا، چنانچہ حال کے لیے الفصلۃ (اسم زائد) کی قید لگانا باطل ہے اور اس سے آپ کا دعویٰ ٹوٹ رہا ہے؟

جواب: حال کی تعریف میں جو الفصلۃ کی قید لگائی ہے اس سے ایسا اسم زائد مراد ہے جو جملہ تامہ کے بعد واقع ہو جس کے ساقط کر دینے سے معنی میں بگاڑ پیدا نہ ہو، اگر یہاں ساقط کر دیا جائے تو آیت کا معنی فاسد ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ مَرَحًا جملہ تامہ کے بعد نہیں اور ایسا بھی نہیں جیسا کہ آپ نے سمجھا گویا کہ آپ کا اعتراض حال مؤکدہ کے اعتبار سے ہے اور ہمارا بیان حال مبینہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح کی کیفیت عدی بن رعاء نامی شاعر کے کلام میں پیدا ہوئی ہے۔ شعر:

لَيْسَ مَنْ مَاتَ فَاسْتَرَّاحَ بِمَيِّتٍ إِنَّمَا الْمَيِّتُ مَيِّتٌ الْأَحْيَاءُ
إِنَّمَا الْمَيِّتُ مَنْ يَعْيشُ كَيْبًا كَأَسِفًا بِالْهَ قَلِيلُ الرَّجَاءِ

(ترجمہ: مردہ وہ نہیں جو مر کر آرام حاصل کرے، درحقیقت موت تو ان زندوں کی موت ہے، جو غمگینی، افسردگی، متغیر الحال اور کم امید کی حالت میں زندگی گزار رہے ہوں۔)

اس شعر میں محل استشہاد ”كَئِبًا كَأَسِفًا“ ہے، چوں کہ یہ احوال ایسے ہیں جن سے کلام کا بے نیاز

ہونا درست نہیں۔ اس لیے کہ اگر انہیں ساقط کر دیا جائے تو کلام "إِنَّمَا الْمَيِّتُ مَنْ يَعْيشُ" ہو جائے گا اور معنی میں تناقض لازم آئے گا، کیوں کہ شئی کو اس کے اضداد پر محمول کرنا ہوگا، لیکن ان احوال کے ذکر کرنے کے بعد تناقض کی صورت پیدا نہ ہوگی، اور معنی میں کوئی فساد بھی لازم نہ آئے گا۔

(شعر مذکور میں کلمہ مَيِّت تین مرتبہ اور ایک مرتبہ کلمہ مَيِّت منقول ہوا ہے، مَيِّت بسکون الیاء سے مراد وہ مردہ انسان ہے جس سے حیات پرواز کر چکی ہو۔ اور مَيِّت بتشدید الیاء سے مراد نیم مردہ ہے جس میں حیات تو باقی ہو لیکن حس و حواس اور عقل و شعور مفقود ہو گئے ہوں۔ کَتِيب بمعنی حزن، مغموم شخص، کاسف بمعنی متغیر الحال آدمی۔)

وَشَرُّهَا التَّنْكِيرُ

ترجمہ:- اور اس (یعنی حال) کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔

حال کی شرط:

حال کی شرط یہ ہے کہ نکرہ ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اسم کے اندر نکرہ اصل ہے، کیوں کہ وہ عوارض سے خالی ہوتا ہے، لیکن نکرہ میں کچھ عوارض لاحق کر کے معرفہ بنایا جاتا ہے جیسے رجل نکرہ ہے اس میں جب الف ولام لایا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے اور حال کا مقصد یہ ہے کہ معنی حدی جس پر فعل دلالت کرتا ہے اور وہ ذوالحال کی طرف منسوب ہے وہ مقید ہو جائے اور مقصد نکرہ سے پورا ہو جاتا ہے تو معرفہ کی کیا ضرورت۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ذوالحال مقید ہوتا ہے اور حال اس کے لیے قید ہے، قید ظاہر ہے کہ قید کا مرتبہ مقید سے کم ہے، لیکن ذوالحال کبھی نکرہ بھی ہو جاتا ہے، تو اگر حال معرفہ ہو تو ذوالحال کے نکرہ ہونے کی صورت میں قید کی فوقیت اور برتری مقید پر ہو جائے گی۔ (بحوالہ تسہیل السامی شرح اردو شرح جامی ص ۳۳۴)

اگر کسی جگہ حال معرفہ ہو جیسے اہل عرب کا قول "أَدْخُلُوا الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ" میں فَالْاَوَّلَ حال ہے جو کہ معرفہ ہے لیکن اسے نکرہ کی تاویل میں کر کے اَوَّلَ پڑھا جاتا ہے، اسی طرح "أَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ" میں الْعِرَاكَ حال ہے جو کہ معرفہ ہے، لیکن بتاویل نکرہ مُعْتَرِكَةً کے معنی میں پڑھا جاتا ہے۔

وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ کی تحقیق و تاویل: یہ عبارت شاعر اسلام حضرت لبید کے شعر کا ایک ٹکڑا

ہے جس میں انہوں نے اپنے چشم دید واقعہ کا منظر بیان کیا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت لبید ایک مقام پر تھے، وہاں یہ دیکھا کہ ایک حمار وحشی نے اپنی مادیوں کو (مؤنٹ نیل گایوں کو) پانی پینے کے لیے یکدم سے چھوڑ دیا، ان کو علاحدہ علاحدہ نہیں بھیجا بلکہ پورے غول کی غول کو چھوڑ دیا اور خود نگرانی کے لیے کھڑا ہو گیا تاکہ کوئی شکاری ان پر حملہ نہ کر دے۔ اسی پر حضرت لبید نے یہ شعر کہا، پورا شعر اس طرح ہے۔

وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاقَ وَلَمْ يَرُدَّهَا وَلَمْ يَشْفَقْ عَلَى نَغْصِ الدِّخَالِ
(ترجمہ: حمار وحشی نے اپنے مادیوں کو ایک ساتھ چھوڑ دیا اور ان کو ازدحام یعنی جمع ہو جانے سے نہیں روکا اور نہ اس کا اندیشہ کیا کہ وہ ایک ساتھ سب کے سب جا کر پانی پینے سے ہو سکتا ہے کہ سیراب نہ ہوں۔)

نغص کے معنی ہیں سیراب نہ ہونا۔ اور دخال کی صورت یہ ہے ایک اونٹ کو پانی پلا کر پھر اس کے بندھنے کی جگہ بھیج دیا جائے، اس کے بعد دو پیاسے اونٹوں کے درمیان لے جا کر پھر پانی پلایا جائے، تاکہ پہلی مرتبہ اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو ان اونٹوں کو پانی پیتے ہوئے دیکھ کر پی لے اور سیراب ہو جائے اسی طرح ہر اونٹ کے ساتھ یہ صورت کی جائے اس شعر میں "الْعِرَاقَ" حال ہے جو معرفہ ہے، لیکن اسے نکرہ کی تاویل میں کر لیا گیا ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "لَيَخْرُجَنَّ الْأَعْرُ مِنْهَا الْأَذَلُّ" (عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔ پ ۲۸، سورہ منافقون، آیت ۸) اس آیت کریمہ میں "الْأَذَلُّ" حال ہے جو کہ معرفہ ہے، لیکن نکرہ کی تاویل میں کر کے "متذللاً" کے معنی میں پڑھا جاتا ہے۔

اور اہل عرب کا قول "اجْتَهَدُ وَحَدَّكَ" (تو تنہا کوشش کرنا) اس مثال میں "وَحَدَّكَ" ضمیر خطاب کی طرف مضاف ہونے کی وجہ معرفہ ہے، حالاں کہ ترکیب میں حال واقع ہے، اس لیے اس کو منفردا کے معنی میں کر لیا گیا جو کہ نکرہ ہے۔ پس یہ صورت تو معرفہ ہیں، لیکن حقیقتاً نکرہ ہیں، جس طرح "حَسَنُ الْوَجْهِ" معرفہ کی صورت میں ہے، لیکن درحقیقت نکرہ ہے معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ اضافت لفظی ہے جس سے مضاف میں تخفیف حاصل ہوتی ہے، اس سے مضاف معرفہ نہیں ہوتا، اسی طرح العراق میں الف ولام عہد ذہنی ہے اور وحدك میں اضافت ذہنی ہے اور یہ سب نکرہ کے حکم میں ہیں۔

وشرط صاحبها التعريف

یہ باب ذوالحال کے شرائط کے بیان میں

وَشَرَطُ صَاحِبِهَا: التَّعْرِيفُ، أَوِ التَّخْصِیْصُ، أَوِ التَّعْمِیْمُ، أَوِ التَّأْخِیْرُ
نَحْوُ (خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ) (فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سِوَاءٍ لِلْسَّائِلِينَ)
(وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ) لِمَيَّةٍ مُّوْحِشًا طَلَّلَ.

ترجمہ:- اور ذوالحال کی شرط، تعریف، یا تخصیص، یا تعمیم، یا تاخیر، جیسے خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ

يَخْرُجُونَ (ان کی آنکھیں مارے ذلت کے جھکی ہوئی ہوں گی۔ اور قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے۔ پ ۲۷، سورۃ قمر، آیت ۷) فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءٍ لِّلسَّائِلِينَ (چار دن میں ہوا جو شمار میں پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔ پارہ ۲۴، سورہ حم سجدہ، آیت ۱۰) وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ (اور جتنی بستیاں منکرین کی ہم نے عذاب سے غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے پیغمبر آئے۔ پارہ ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت ۲۰۸) لَمِيَّةٌ مُّوْحِشًا طَلَّلٌ (ترجمہ آئندہ تشریح میں)۔

تشریح: - فاضل مصنف علیہ الرحمۃ نے اس عبارت میں ذوالحال کی شرائط کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ذوالحال کے لیے چار شرائط میں سے کسی ایک بھی شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔ پہلی شرط معرفہ ہونا اس لیے کہ وہ حقیقت میں محکوم علیہ ہے اور اصل محکوم علیہ میں تعریف ہے، لہذا وہ معرفہ ہوگا جیسے باری تعالیٰ کا قول "خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ" میں خُشَعًا، يَخْرُجُونَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور ضمیر اعراف المعارف ہوتا ہے، لہذا ذوالحال کا معرفہ ہونا پایا گیا۔

دوسری شرط تخصیص ہونا جیسے باری تعالیٰ کا قول "فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءٍ لِّلسَّائِلِينَ" میں سَوَاءٍ، أَرْبَعَةٍ سے حال ہے اگرچہ أَرْبَعَةٍ نکرہ ہے، لیکن آیام کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے خاص کر لیا گیا ہے۔

تیسری شرط عام ہونا جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ" میں لَهَا مُنْذِرُونَ۔ قَرْيَةٍ سے حال واقع ہے اور یہ قریۃ سیاق نشی میں واقع ہونے کی وجہ سے نکرہ عامہ ہے۔ چوتھی شرط ذوالحال کا حال سے مؤخر ہونا، جیسے شاعر کا قول -

لَمِيَّةٌ مُّوْحِشًا طَلَّلٌ
يَلُوحُ كَأَنَّهُ حَلَلٌ

(ترجمہ: میتہ کے ویران کھنڈرات ایسے نظر آتے ہیں گویا وہ چمڑا منڈھے نیام ہیں) یہ کثیر بن عبد الرحمن کا کلام ہے جس میں محل استشہاد "طَلَّلٌ" ہے جو ذوالحال ہے اور مُوْحِشًا حال ہے اور ذوالحال حال سے مؤخر ہے۔ (مُوحِشًا بمعنی ویران، طَلَّلٌ بمعنی کھنڈرات جمعہ اطلال، خَلَلٌ وحدہ خلہ بمعنی چمڑہ، منڈھا ہوا نیام)

ضمیمات باب ہذا

اقسام حال: حال کی اولاد دو قسمیں ہیں، محققہ اور مقدّرہ۔

محققہ - وہ ہے کہ فعل کے صدور و وقوع کا زمانہ اور حال کا زمانہ ایک ہو جیسے جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا۔

مقدّرہ - وہ ہے کہ فعل کے صدور و وقوع کا زمانہ ایک نہ ہو جیسے فَاذْخُلُوهَا خَالِدِينَ کہ بوقت

دخول خلود ناممکن ہے۔ پھر حال محققہ کی سات قسمیں ہیں (۱) حال منقلہ اور وہ حال ہے جو اپنے ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے جیسے جاء نی زید راکباً (۲) حال مؤکدہ وہ حال ہے جو اکثر اوقات میں اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا ہے جیسے زید ابوک عطوفاً۔ مہربانی اکثر اوقات میں باپ سے جدا نہیں ہوتی (۳) حال دائمہ وہ حال ہے جو اپنے ذوالحال سے کبھی جدا نہیں ہوتا جیسے "کفی باللہ شہیداً" (۴) حال متداخلہ وہ حال ہے جس سے دوسرا حال واقع ہو جائے جیسے جاء نی ارشد راکباً ضاحکاً۔ ضاحکاً راکباً کی ضمیر سے حال ہے (۵) حال مترادفہ وہ حال ہے کہ ایک ہی ذوالحال سے کئی حال واقع ہو جائیں جیسے جاء نی زید راکباً ضاحکاً (۶) حال مطلوبہ وہ حال ہے کہ جس کے ذوالحال کی طلب مقصود ہو جیسے یا زید ضاحکاً (۷) حال معنویہ وہ حال ہے جس کا ذوالحال معنوی ہو جیسے هذا زید قائماً۔ (مشکل ترکیبوں کا حل ص ۲۸۰)

عوامل حال: حال کے تین عوامل ہو سکتے ہیں (۱) فعل جیسے جاء زید راکباً (۲) شبہ فعل یعنی جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو جیسے اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، مثلاً زید ذاہب راکباً (۳) معنی فعل جس میں فعل کے معنی پائے جاتے ہوں جیسے هذا زید قائماً هذا اُسیر کے معنی میں ہے، معنی فعل سے مراد اشارہ، ندا، تمنی، ترجی، تشبیہ ہیں۔

حذف عامل: اور کبھی بوقت قرینہ عامل کو حذف کرنا بھی جائز ہے، قرینہ حالیہ ہو جیسے سفر میں جانے والے سے کہیں رَاشِدًا مَهْدِيًا (سر صیغہ امر محذوف ہے) یا قرینہ مقالہ ہو جیسے "أَيْحَسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ لَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ بَلَىٰ قَادِرِينَ" یعنی نَجْمَعَهَا۔

باب التَّمْيِيزُ — تمیز کا بیان

باب: وَالتَّمْيِيزُ وَهُوَ إِسْمٌ، فَضْلَةٌ، نَكْرَةٌ، جَامِدٌ، مُفَسِّرٌ لِمَا أَنْبَهُمْ مِنَ الذَّوَاتِ۔

ترجمہ: — یہ باب ہے۔ اور تمیز وہ اسم ہے جو زائد ہو، نکرہ ہو، جامد ہو اور ذوات سے ابہام کو دور کرنے والا ہو۔

تشریح: — فاضل مصنف جب حال کی تفصیلات کو بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے منصوبات میں سے تمیز کو بیان کرنے کا ارادہ فرمایا۔

تمیز کی تعریف: تمیز وہ اسم نکرہ ہے جو اسم کے ابہام یا نسبت کے اجمال کو دور کرے، جس اسم سے ابہام کو دور کیا جائے ترکیب میں اس کو تمیز کہتے ہیں، لہذا عندی رطل زیتا کی ترکیب ہوگی۔

عندی مضاف مضاف الیہ سے مل کر ثابت کے متعلق ہو کر خبر مقدم، رطل ممیز، زیتا تمیز سے مل کر مبتداء مؤخر، مبتداء مؤخر خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تمیز کی شرطیں: تمیز کے لیے پانچ شرطیں ہیں (۱) اسم ہو (۲) زائد ہو (۳) نکرہ ہو (۴) جامد ہو (۵) ذوات سے ابہام کو دور کرنے والی ہو۔ تمیز ابتدائی تین شرطوں میں تو حال کے موافق ہوتی ہے اور اخیر کی دو شرطوں میں مخالف ہوتی ہے، اس لیے کہ حال مشتق ہوتا ہے اور ہیئت کو بیان کرنے والا ہوتا ہے۔ اور تمیز جامد ہوتی ہے اور ذوات سے ابہام کو دور کرنے والی ہوتی ہے۔

بَابُ احْکَامِ التَّمْيِيزِ

یہ باب تمیز کے احکام کے بیان میں

وَ أَكْثَرَ وَقُوعِهِ بَعْدَ الْمَقَادِيرِ، كـ "جَرِيبٌ نَخْلًا" وَصَاعٌ تَمْرًا وَ
"مَنْوِينَ عَسَلًا" وَالْعَدَدِ، نَحْوُ "أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا" وَ "تِسْعٌ وَتِسْعُونَ
نَعْجَةً" وَمِنْهُ تَسْيِيرُ "كَمْ" الِاسْتِفْهَامِيَّةِ، نَحْوُ "كَمْ عَبْدًا مَلَكَتْ" فَأَمَّا
تَمْيِيزُ الْخَبَرِيَّةِ فَمَجْرُورٌ مُفْرَدٌ كَتَمْيِيزِ الْمِائَةِ وَمَا فَوْقَهَا، أَوْ مَجْمُوعٌ
كَتَمْيِيزِ الْعَشْرَةِ وَمَا دُونَهَا، وَلَكَ فِي تَمْيِيزِ الِاسْتِفْهَامِيَّةِ الْمَجْرُورَةِ
بِالْحَرْفِ جَرٌّ وَنَصْبٌ۔

ترجمہ:- اور تمیز کا وقوع اکثر مقادیر کے بعد ہوتا ہے، جیسے "عندی جریب نخلًا" اور "عندی صاع تمرًا" اور "منوان عسلًا" اور عدد کے بعد ہوتا ہے جیسے "أحد عشر كوكبًا" اور "تسع وتسعون نعجة" اور اسی سے کم استفہامیہ کی تمیز ہے جیسے "كم عبدا ملكت" بہر حال کم خبریہ کی تمیز تو مفرد مجرور ہوگی مائة اور اس سے اوپر کی عدد الف وغیرہ کی تمیز کی طرح، یا جمع مجرور ہوگی عَشْرَةِ اور اس سے نیچے کی عدد کی تمیز کی طرح، اور کم استفہامیہ مجرور کی تمیز میں حرف جر کی وجہ سے جر اور نصب پڑھنا جائز ہوگا۔

تشریح:- وَ أَكْثَرَ وَقُوعِهِ بَعْدَ الْمَقَادِيرِ کی تشریح: فاضل مصنف نے اس عبارت کے ذریعہ ان ائمہ نحو کے اقوال سے احتراز کیا ہے جن لوگوں نے تمیز کو مقادیر کے بعد واقع ہونے کے ساتھ خاص کیا ہے اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہونے کو جائز قرار نہیں دیتے۔ مآتن نے اس سے اس بات کو بیان فرمایا کہ اسم مفرد کی تمیز کا مقادیر کے بعد واقع ہونا خاص نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ کے بعد بھی واقع ہوتی ہے، لیکن مقادیر کے بعد کثرت کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔

تمیز کی قسمیں: تمیز کی دو قسمیں ہیں (۱) مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے، یعنی اس کا تمیز مفرد مقدار ہوتا ہے نہ کہ جملہ (۲) نسبت سے اجمال کو دور کرے۔

مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرنے والی تمیز کے وقوع کے لیے چار مقامات ہیں۔

مقام اول: مقادیر کے بعد تمیز واقع ہوگی (مقادیر مقدار کی جمع ہے بمعنی وہ آلہ جس سے اندازہ کیا جائے مراد اندازہ اور اٹکل سے جانچنا) مقادیر سے مراد تین چیزیں ہیں (۱) مساحات بمعنی زمین وغیرہ کی پیمائش جیسے عندی جزیب نخل (میرے پاس ایک جریب کھجور ہے) جریب ایک آلہ پیمائش ہے جس سے زمین کی پیمائش کی جاتی ہے اس میں جریب کے اندر ابہام تھا، یہ نہ معلوم تھا کہ ایک جریب کیا چیز ہے نخل نے اس ابہام کو دور کر دیا جو مقدار جریب کے بعد واقع ہے۔ ماتن نے اپنے قول "كَجَرِيْبٍ نَخْلًا" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ⑩ گیل جیسے "عندی صاع تمرًا" (میرے پاس ایک صاع چھو ہارا ہے) یہ اس تمیز کی مقدار ہے جو مقدار گیل کے بعد واقع ہے۔ اور گیل سے ابہام کو دور کر رہا ہے۔ ماتن نے اپنے قول "صاع تمرًا" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

⑪ وزن جیسے "عندی منوان عسلًا" (میرے پاس دو من شہد ہے) اس میں عسلًا تمیز ہے جو مقدار وزن یعنی منوان کے بعد مذکور ہے اور اس سے ابہام کو دور کر رہا ہے، متن کی عبارت سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

مقام دوم: عدد کے بعد تمیز واقع ہوگی جیسے "عندی احد عشر درہمًا" (میرے پاس گیارہ درہم ہے) اور باری تعالیٰ کا قول "إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا" (میں نے گیارہ ستارے کو دیکھا ہے۔ پ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۴) یہ دونوں اس تمیز کی مثال ہیں جو عدد کے بعد واقع ہے پہلی مثال میں درہم اور دوسری میں کوكبًا عدد سے ابہام کو دور کر رہا ہے، کیوں کہ أَحَدَ عَشَرَ مقدار عدد اسم مبہم ہے کہ اس کا مصداق معلوم نہیں کہ میرے پاس کون سی چیز گیارہ ہیں درہم یا دینار یا ان کے علاوہ، پس جب درہم اور کوكب بشکل تنوین منصوبی کہا تو تمام محتملات سے امتیاز ہو گیا۔ ماتن نے "والعدد نحو احد عشر كوكبًا" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

نوٹ:- یہ بات ذہن نشین رہے کہ اعداد کی تمیز کے بارے میں نحو یوں نے چند قواعد مرتب فرمائے ہیں ————— قاعدہ ۱: تین سے لے کر دس تک کے اعداد کی تمیز جمع مجرور آتی ہے جیسے ثلاث نسوة اور عَشْرَةُ رَجَالٍ ————— قاعدہ ۲: گیارہ سے لے کر ننانوے تک کی تمیز مفرد منصوب ہوتی ہے جیسے أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا، اس میں کوكبًا تمیز ہے جو مفرد منصوب ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً (سنیے! یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس

نناوے دُنیاں ہیں۔ پارہ ۲۳، سورہ ص آیت ۲۳) میں نَعَجَة تمیز ہے جو مفرد منصوب ہے اور حدیث شریف میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ ارشاد رسولؐ ہے "إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا" (بیشک اللہ کے ننانوے نام ہیں) میں اسْمًا تمیز بے جو مفرد منصوب ہے۔

نوٹ:- ماتن کا متن میں مقادیر پر عدد کے عطف کرنے سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ عدد مقادیر میں سے نہیں ہے اور یہی اکثر محققین کا قول ہے، کیوں کہ مقادیر سے مقدرات و مصداق مراد نہیں ہیں، بلکہ اس کی مقدار مراد ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مصداق مراد ہوتی تو اس کی طرف مقدار کی اضافت کرنا درست نہ ہوتی، حالاں کہ مقدار کی اضافت مقدرات کی طرف صحیح ہے جیسے "عِنْدِي مَقْدَارٌ رَطْلٍ زَيْتًا" (میرے پاس ایک رطل کی مقدار زیت ہے) لیکن عدد میں ایسا نہیں، لہذا آپ عِنْدِي مَقْدَارٌ عَشْرِينَ رَجُلًا نہیں کہہ سکتے۔ (کہ میرے پاس بیس آدمی کی مقدار موجود ہے)

ہاں! اگر کہیں یہ عبارت مرقومہ نظر آئے تو دوسرے معنی پر محمول ہوگی، جیسا کہ صاحب سبیل الہدی نے فرمایا کہ "عِنْدِي مَقْدَارٌ عَشْرِينَ رَجُلًا" کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک یا ایک سے زائد آدمی جو تیرے پاس ہے بیس آدمی کے برابر ہے یعنی جو شخص تیرے پاس ہے قدر و منزلت اور مقام و مرتبہ میں بیس آدمی کے برابر ہے اور یہ معنی مجازی ہے اور اس مطلب کی طرف ابن درید کے قول سے بھی اشارہ ہوتا ہے۔

وَالنَّاسُ أَلْفٌ مِنْهُمْ كَوَاحِدٍ وَوَاحِدٌ كَأَلْفٍ إِنْ أَمَرْتُ عَنِي

کم کی بحث: وَمِنْهُ تَمْيِيزُ "كَمْ" الْإِسْتِفْهَامِيَةِ الْخِ فاضل مصنف نے اس عبارت میں کم استفہامیہ اور کم خبریہ کی تمیز کے احکام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عدد کی تمیز کی طرح ہی کم استفہامیہ کی تمیز ہوتی ہے، لیکن بطور تمہید کے چند باتیں ذہن نشیں فرمائیں تاکہ احکام کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

عدد کی دو قسمیں ہیں (۱) عدد صریح (۲) عدد کنایہ، عدد صریح سے مراد وہ لفظ ہے جو کسی شئی کی تعداد پر صراحت دلالت کرے جیسے "أَنِي رَأَيْتُ أَحَدًا عَشَرَ كَوَاحِدًا" میں أَحَدًا عَشَرَ گیارہ کی تعداد پر صراحت دلالت کرتا ہے، عدد کنایہ سے مراد وہ اسم ہے جو عدد مبہم پر دلالت کرے، جیسے کم، کیوں کہ عربی زبان میں جنس و مقدار کی عدد مجہول سے کنایہ کے واسطے آتا ہے۔

کم کی دو قسمیں ہیں استفہامیہ، خبریہ، کم استفہامیہ وہ ہے جو کسی چیز کی مقدار اور تعداد معلوم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور کم خبریہ وہ ہے جو کسی چیز کی کثرت اور تفاخر کو بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ ان دونوں کی تمیز کا حکم علاحدہ علاحدہ ہے، مثلاً كَمْ استفہامیہ کی تمیز منصوب اور مفرد ہوتی ہے جس طرح أَحَدًا عَشَرَ سے لے کر تِسْعَةً وَتِسْعِينَ تک کی تمیز مفرد منصوب ہوتی ہے مثلاً كَمْ عَبْدًا

ملکت اور کم دارا بنیت میں عبدا اور دارا دونوں تمیز ہیں جو منصوب اور مفرد ہیں۔ کم خبریہ کی تمیز ہمیشہ مجرور ہوتی ہے، لیکن کبھی جمع کی حالت میں یعنی جمع مجرور کی شکل میں تمیز آتی ہے جیسا کہ تین سے لے کر دس تک کے اعداد کی تمیز آتی ہے مثلاً "کَمُ عَبِيدٍ مَلَکَتْ" میں عَبِيدِ تمیز ہے جو جمع مجرور ہے جیسا کہ عَشْرَةَ عَبِيدٍ مَلَکَتْ اور ثَلَاثَةَ عَبِيدٍ مَلَکَتْ کہنا درست ہے، اور کبھی مفرد مجرور آتی ہے جیسا کہ مِائَةً اور الف کی تمیز مفرد مجرور آتی ہے مثلاً "کَمُ عَبِيدٍ مَلَکَتْ" (میں بہت سارے غلاموں کا مالک ہو گیا) اسی طرح مِائَةً عَبِيدٍ مَلَکَتْ اور الف عَبِيدٍ مَلَکَتْ کہنا درست ہے (لیکن دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہی ہوتا ہے یعنی مفرد اور جمع دونوں صورتوں میں عدد کی کثرت کو بیان کیا جاتا ہے) متن کی عبارت فَأَمَّا تَمِيزُ الْخَبْرِيَةِ فَمَجْرُورٌ مَفْرُودٌ سے اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! صاحب کتاب کی یہ تقریر کہ کم استفہامیہ کی تمیز منصوب اور مفرد ہوتی ہے اور کم خبریہ کی تمیز کبھی مجرور مفرد ہوتی ہے اور کبھی مجرور مجموع ہوتی ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟
جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ کم اعداد میں سے ہے اور اعداد کے لیے تین مرتبے ہیں قلیل، کثیر اور وسط۔ پس مناسب یہ ہے کہ کم کی تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی تمیز کی طرح پر ہو پھر چوں کہ کم استفہامیہ، کم خبریہ سے اولیٰ درجہ استفہام کے بعد ہے، لہذا النسب یہ ہے کہ کم استفہامیہ میں عدد وسط کا لحاظ رکھیں، اس لیے کہ خیر الامور اوسطها یعنی اس کی تمیز کو منصوب مفرد کریں جیسا کہ عدد وسط کی تمیز کو منصوب مفرد کرتے ہیں، اس کے بعد کم خبریہ باقی رہا اور عدد کے دو مرتبہ باقی ہیں پس ان دونوں مرتبوں کی تمیز کا لحاظ کم خبریہ کی تمیز میں ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ کم خبریہ کی تمیز کو کبھی مجرور مفرد کرتے ہیں اور کبھی مجرور جمع، تاکہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ کی تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی تمیز کو شامل ہو جائے۔

وَلَاکَ فِی تَمِيزِ الْاِسْتَفْهَامِيَةِ الْمَجْرُورَةِ بِالْحَرْفِ جَرٍّ وَنَصْبٍ کِی تَشْرِیْحُ: مُصَنَّفٌ فرماتے ہیں کہ کم استفہامیہ کی تمیز مفرد اور مجرور لانا بھی درست ہے بشرطیکہ کم استفہامیہ پر حرف جر داخل ہو جیسے "بِکَمٍ دِرْهَمٍ اِشْتَرِیْتُ؟" بقول جمہور نحاة اس مثال میں دِرْهَمٍ مِنْ مَقْدَرٍ کی وجہ سے مجرور ہے اضافت کی وجہ سے نہیں، لیکن امام زجاجی کا کہنا ہے کہ اضافت کی وجہ سے مجرور ہے۔

کم کی تمیز سے متعلق چند نکات

نکتہ ۱: کبھی دونوں کی تمیز کے شروع میں مِنْ بیانیہ آتا ہے، اس صورت میں ان دونوں

کی تمیز مجرور ہوگی اور اس وقت قرینہ سے معلوم ہوگا کہ کم استفہامیہ ہے یا کم خبریہ جیسے "کم من رجل لقیئت" (کتنے آدمیوں سے تو نے ملاقات کی) یہاں کم استفہامیہ ہے جس کی تمیز پر من داخل ہے۔ اور "کم من قریة اهلکناھا" (بہت سی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا) یہاں کم خبریہ کی تمیز پر من داخل ہے، لیکن جب کم اور اس کی تمیز کے درمیان فعل متعدی کا فصل ہو تو اس وقت تمیز پر من داخل کرنا واجب ہے جیسے "وکم اهلکنا من قریة" تاکہ اس کی تمیز اس فعل متعدی کے مفعول سے ملتبس نہ ہو جائے۔

نکتہ ۲: کم استفہامیہ کی تمیز منصوب ہوتی ہے، حالاں کہ بکم درہم اشتریت؟ کے اندر تمیز مجرور ہے؟ ایسا کیوں؟ جی ہاں! کم استفہامیہ کی تمیز کا مجرور ہونا کم ہے اور یہ امام سیبویہ کے نزدیک ہے، لیکن صاحب قطر الندی اور خلیل نحوی کہتے ہیں کہ اس سے قبل من مقدر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کم پر باء جارہ داخل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، اور امام زجاج کا فرمان ہے کہ اضافت کی وجہ سے مجرور ہے۔

نکتہ ۳: کم استفہامیہ کی تمیز مفرد ہوتی ہے حالاں کہ "کم لك غلمانا" کے اندر تمیز غلمانا جمع ہے؟

جواب: تمیز کے جمع لانے کا جواز عند الکوفیین ہے اور جواب دراصل یہ ہے کہ غلمانا حال ہے بمعنی مملوکیں اور تمیز محذوف ہے یعنی کم نفساً حصل لك مملوکیں۔

نکتہ ۴: کم خبریہ کی تمیز مجرور ہوتی ہے، حالاں کہ کم فی الدار رجلاً کے اندر تمیز منصوب ہے؟

جواب: کم خبریہ اور تمیز کے درمیان فصل ہو تو نصب ہی بہتر ہے کم استفہامیہ پر حمل کرتے ہوئے جیسے مثال مذکور میں ہے۔

نکتہ ۵: کم استفہامیہ اور خبریہ ہمیشہ شروع کلام میں واقع ہوتے ہیں اور ترکیب میں عامل کے اعتبار سے ان پر رفع، نصب، جر آتا ہے، لیکن تینوں حالتوں میں ان پر اعراب محلی ہوگا، لفظوں میں کوئی حرکت نہیں آئے گی۔

مقام سوم: مقدار مفرد سے ابہام کو دور کرنے والی تمیز کے مقام وقوع میں سے تیسرا مقام یہ ہے کہ وہ ایسے اسم کے بعد واقع ہوتی ہے جو مماثلت پر دلالت کرے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا" (گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں۔ پارہ ۱۶، سورہ کہف، آیت ۱۰۹) اور اہل عرب کا قول "إِنَّ لَنَا امثالها إِبِلًا" بے شک ہمارے لیے اسی کے مثل اونٹ (ہیں) میں مَدَدًا اور إِبِلًا مماثلت پر دلالت کرنے والے اسم کے بعد واقع ہے اور اس سے ابہام کو

دور کرتی ہے اور مفرد منصوب ہے۔

مقام چہارم: اسم مفرد سے ابہام کو دور کرنے والی تمیز کے مقام وقوع میں سے چوتھا مقام یہ ہے کہ وہ ایسے اسم کے بعد واقع ہوتی ہے جو مغائرت کے معنی پر دلالت کرے، جیسے اِنَّ لَنَا غَيْرَهَا اِبِلًا میں اِبِلًا مغائرت پر دلالت کرنے والے اسم کے بعد واقع ہے اور مفرد منصوب ہے۔

وَيَكُونُ التَّمْيِيزُ مُفَسِّرٌ لِلنَّسْبَةِ، مُحَوَّلًا، كـ "اَشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا" وَ
"فَجَرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا" وَ "أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا" أَوْ غَيْرَ مُحَوَّلٍ، نَحْوُ
"إِمْتَلَأْ الْإِنَاءُ مَاءً"۔

ترجمہ:- وہ تمیز جو نسبت کے لیے ابہام کو دور کرنے والی ہوتی ہے وہ محول ہوگی جیسے اَشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا، اور فَجَرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا، اور أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا، یا غیر محول ہوگی جیسے اِمْتَلَأْ الْإِنَاءُ مَاءً۔

تشریح:- وَيَكُونُ التَّمْيِيزُ مُفَسِّرٌ لِلنَّسْبَةِ مُحَوَّلًا الخ دوسری قسم: اس عبارت میں فاضل مصنف نے تمیز کی دوسری قسم نسبت سے ابہام کو دور کرنے والی ہو، کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا، جو تمیز نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) محول (۲) غیر محول۔

محول کی تین صورتیں ہیں (۱) محول عن الفاعل (۲) محول عن المفعول (۳) محول عن مضاف غیر ہا۔ محول عن الفاعل سے مراد وہ تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہو یعنی تمیز ترکیب میں فاعل تھی تو وہاں سے منتقل کر کے تمیز بنادی گئی ہو۔ جیسے "وَ اَشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا" (اور سر بڑھا پے کی وجہ سے سفید ہو چکا۔ پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۴) اس کی اصل اَشْتَعَلَ شَيْبُ الرَّأْسِ ہے، فعل کی اسناد مضاف سے محول کر کے مضاف الیہ کی طرف کردی گئی اور مضاف الیہ کو فاعل بنادیا گیا اور شیب مضاف کو تمیز کر دیا گیا۔

محول عن المفعول سے مراد وہ تمیز ہے جو مفعول سے منقول ہو یعنی اصل میں مفعول ہو بعد میں اس کو تمیز بنایا گیا ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَفَجَرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا" (اور ہم نے زمین سے چشموں کو جاری کر دیا۔ پارہ ۲۷، سورہ قمر، آیت ۱۲) اس کی اصل "فَجَرْنَا اَعْيُونَ الارض" ہے فعل کی اسناد مضاف سے محول کر کے مضاف الیہ کی طرف کردی گئی جو کہ مفعول ہے اور مضاف کو تمیز بنالیا گیا ہے۔ محول عن مضاف غیر ہما سے مراد وہ تمیز ہے جو فاعل اور مفعول کے علاوہ مضاف سے محول ہو اور

یہ وہ اسم ہے جو اس فعل التفضیل کے بعد واقع ہو جس کی خبر دی گئی ہے، اس اسم سے جو تمیز کا مغائر ہے جیسے "زیدٌ أَكْثَرُ مِنْكَ عِلْمًا" اصل میں علمٌ زیدٌ أَكْثَرُ ہے اور باری تعالیٰ کا قول "أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا" (میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتنے کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط ہوں۔ پارہ ۱۵، سورہ کہف، آیت ۳۴) اس کی اصل مالی وانا اکثرٌ مِنْكَ وَنَفَرِي أَنَا أَعَزُّ مِنْكَ ہے، اس میں مالی نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ مبتداء ہے بعد میں مالی کے مضاف کو حذف کر کے تمیز بنایا گیا اور "ی" ضمیر متکلم کو ضمیر منفصل اَنَا سے بدلا گیا ہے، اس تمیز کا حکم یہ ہے کہ اگر فعل التفضیل کے بعد متصل واقع ہو تو اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھنا واجب ہوگا۔ جیسے مالٌ زیدٌ أَكْثَرُ مال اس میں اضافت کی وجہ سے جر پڑھا گیا ہے اور اگر فعل التفضیل مضاف ہو تمیز کے علاوہ کی طرف تو نصب پڑھنا واجب ہوگا جیسے "زیدٌ أَكْثَرُ النَّاسِ مَالًا"۔

أَوْ غَيْرُ مَحْوٍ نَحْوِ امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً کی تشریح: وہ تمیز جو نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے اس کی دوسری قسم غیر محوّل ہے۔ غیر محوّل سے مراد وہ تمیز ہے جو کسی سے منقول نہ ہو بلکہ اصلاً ترکیب میں تمیز واقع ہو اور نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہو اور وہ نسبت جملہ میں پائی جاتی ہو جیسے "امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً" (برتن بھرا ہوا ہے پانی کے اعتبار سے) اس میں إِنْاءٌ میں ابہام تھا کہ نہیں معلوم تھا کہ إِنْاءٌ کس چیز سے بھرا ہوا ہے ماء نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ إِنْاءٌ بمعنی برتن پانی سے بھرا ہوا ہے۔

یا مثلبہ جملہ سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، مصدر ہے۔ ہر ایک کی مثال ترتیب وار بیان کی جا رہی ہے، غور سے پڑھیے۔

اسم فاعل کی مثال جیسے الْحَوْضُ مَمْتَلَى مَاءً اس میں ممتلئٌ میں ضمیر جو حوض کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حوض کس چیز سے بھرا ہوا ہے ماء نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ حوض پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اسم مفعول کی مثال جیسے الْأَرْضُ مَفْجَرَةٌ عَيْوُنًا (زمین جاری ہے چشموں کے اعتبار سے) اس میں مَفْجَرَةٌ میں ضمیر ہے جو ارض کی طرف راجع ہے، اس میں ابہام ہے یہ نہیں معلوم کہ زمین میں کیا چیز جاری ہے عیوناً سے وہ ابہام دور ہو گیا کہ زمین میں چشمے جاری ہیں۔ صفت مشبہ کی مثال: جیسے زیدٌ حَسَنٌ وَجْهًا اس میں حَسَنٌ میں ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے، یہ نہیں معلوم ہوتا کہ زید کی کیا چیز اچھی ہے وَجْهًا سے ابہام دور ہو گیا کہ زید کا چہرہ اچھا ہے۔

اسم تفضیل کی مثال: جیسے زیدٌ أَفْضَلُ أَبَا اس میں أَفْضَلُ میں ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے، یہ نہیں معلوم کہ زید کس اعتبار سے أَفْضَلُ ہے اَبَا نے وہ ابہام دور کر دیا کہ زید کا

باپ افضل ہے۔

مصدر کی مثال: جیسے اعجبنی طیبہ ابا اس میں طیب کی اضافت ہاء ضمیر کی طرف ہو رہی ہے اس میں ابہام ہے، یہ نہیں معلوم کہ وہ کس اعتبار سے اچھا ہے، ابا نے ابہام کو دور کر دیا ہے کہ باپ کے اعتبار سے اچھا ہے یہ سب مشابہ جملہ کہلاتے ہیں، اسی طرح جس میں بھی فعل کے معنی پا جائیں وہ مشابہ جملہ ہوگا۔ (بحوالہ التسهيل السامی فی حل شرح الجامی ص ۳۶۷/ج ۱)

وَقَدْ يُؤْكَدَانِ، نَحْوُ "وَلَا تَعْتَوَا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ" وَقَوْلِهِ "مِنْ خَيْرِ
أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينًا" وَمِنْهُ "بُئْسَ الْفَحْلُ فَحْلُهُمْ فَحَلًا" خِلَافًا لِسَيِّبَوِيهِ.

ترجمہ: - اور کبھی کبھی یہ دونوں (یعنی حال اور تمیز) تاکید کے طور پر لائے جاتے ہیں جیسے "وَلَا تَعْتَوَا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ" (اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو) اور اس کا قول "مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينًا" (روئے زمین کے تمام مذاہب میں سب سے بہتر مذہب ہے) اور اسی تاکید سے "بُئْسَ الْفَحْلُ فَحْلُهُمْ فَحَلًا" ہے، برخلاف امام سیبویہ کے۔
حال اور تمیز کا تاکید کی شکل میں آنا:

وَقَدْ يُؤْكَدَانِ الْخ کی تشریح: کبھی کبھی حال اور تمیز دونوں کے دونوں تاکید کے طور پر لائے جاتے ہیں فاعل اور مفعول کی ہیئت بیان کرنے اور ذات سے ابہام کو دور کرنے کے لیے نہیں۔ حال کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تَعْتَوَا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ" (اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔ پ ۱۲، سورۃ ہود آیت ۸۵) میں مُفْسِدِينَ حال ہے جو تاکید کے واسطے لایا گیا ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "ثُمَّ وَلَيُنْتُمْ مُدَبِّرِينَ" (پھر تم پیٹھ پھیر کر مر گئے۔ پ ۱۰، سورۃ توبہ، آیت ۲۵) میں مُدَبِّرِينَ حال ہے جو تاکید کے طور پر لایا گیا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا" (اور جس دن کے میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا۔ پ ۱۶، سورۃ مریم، آیت ۳۳) میں حَيًّا تاکید کے طور پر لایا گیا ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا" (حضرت سلیمان مسکرا کر ہنس دیئے، پ ۱۹، سورۃ نمل، آیت ۱۹) میں ضَاحِكًا بطور تاکید کے مستعمل ہے۔ اسی طرح شاعر نے اپنے کلام میں حال کو بطور تاکید کے استعمال فرمایا ہے

وَتُخْصِيءُ فِي وَجْهِ الظَّلَامِ مُنِيرَةً كَجَمَانَةِ الْبَحْرِىِّ سُلَّ نِظَامُهَا
(اور وہ گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں اس طرح روشن و تابناک معلوم ہوتی ہے جیسے دریائی موتی اپنی

لڑی میں پڑ دی گئی ہو۔) اس شعر میں لفظ ”مُنِيرَةً“ حال ہے جو بطور تاکید کے لایا گیا ہے۔ یہ لبید بن ربیعہ عامری کا کلام ہے جس میں انھوں نے وحشی گائے کی تعریف کی ہے۔

مذکورہ بالا تمام مثالوں میں حال تاکید کے لیے استعمال کیا گیا ہے جنہیں کلام میں نہ لاتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا۔

اس تمیز کی مثال جو تاکید کے لیے لائی جاتی ہے باری تعالیٰ کا قول ”إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا“ (یقیناً شمار مہینوں کا جو کہ کتاب الہی میں اللہ کے نزدیک معتبر ہے بارہ مہینے قمری ہیں۔ پارہ ۱۰، سورۃ توبہ، آیت ۳۵) اسی طرح باری تعالیٰ کا قول ”وَوَاعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً“ (اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب کو اُن کا تتمہ بنایا سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہو گیا۔ پ ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۴۲) پہلی آیت میں محل استشہاد کھنڈ اور دوسری آیت میں اربعین لیلۃ تمیز ہے جو تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ شاعر نے بھی اپنے کلام میں تمیز کو بطور تاکید کے استعمال فرمایا ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے والد محترم ابوطالب عبدالمطلب نے حضور اکرم کے دین حق کی مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّ دِينَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَيْرِ آدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينًا

(ترجمہ: اور بخوبی مجھے معلوم ہے کہ محمدؐ کا دین روئے زمین پر تمام ادیان و مذاہب سے بہتر دین ہے۔)

اس شعر میں محل استشہاد ”دیناً“ ہے جو تمیز ہے اور بطور تاکید کے استعمال کیا گیا ہے۔

اسی طرح جریر بن عطیہ نے اس شعر میں جس میں انھوں نے اخطل تغلمی نصرانی کی جو بان کی ہے تمیز کے بطور تاکید کے استعمال فرمایا ہے۔

وَالْتَّغْلِبِيُّونَ بِئْسَ الْفَحْلُ فَحْلُهُمْ فَحَلًا، وَأُمُّهُمْ زَلَاءُ مِنْطِيقُ

(ترجمہ: اور قبیلہ تغلب کے لوگ تو ان کے آباء و اجداد بُرے ہیں اور ان کی مائیں ہلکی سرین والی اور پٹکے والی ہیں۔) اس شعر میں محل استشہاد ”فَحَلًا“ ہے جو تمیز ہے اور بطور تاکید کے مستعمل ہے۔

نوٹ:- کیا افعال مدح و ذم میں تمیز کو بطور تاکید کے لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں

صاحب کتاب اور امام سیبویہ کے درمیان اختلاف ہے، امام سیبویہ فرماتے ہیں افعال مدح و ذم میں تمیز

کو تاکید کے طور پر لانا جائز نہیں، لہذا نعم الرجل رجلاً زیداً کہنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح بِئْسَ

الْفَحْلُ فَحْلُهُمْ فَحَلًا میں فَحَلًا کو تمیز مانتے ہوئے تاکید کے طور پر لانا بھی درست نہیں، بلکہ یہ تو

حال ہے جو تاکید کے واسطے لایا گیا ہے۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جس طرح حال بطور تاکید کے استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح تمیز بھی تاکید کے طور پر مستعمل ہوتی ہے اور اس کے جواز پر بے شمار دلائل و شواہد موجود ہیں، لہذا یہ تاویل کرنا کہ شعر میں فَحَلّا تمیز نہیں، بلکہ حال ہے، چنداں ضرورت نہیں۔ بلکہ نِعَم اور بِنَس کے باب میں تمیز کا دخول حال کے دخول کے بالمقابل زیادہ ہی ہوتا ہے۔

ضمیمات باب ہذا

نکتہ ۱: اسم تام تمیز کے منصوب ہونے کا تقاضہ کیوں کرتا ہے؟

جواب: جب اسم تنوین، نون، اضافت کے ساتھ تام ہو جائے گا تو وہ فعل کے مشابہ ہو جائے گا، کیوں کہ فعل اپنے فاعل سے مل کر تام ہو جاتا ہے اور فاعل کے بعد جو اسم آتا ہے وہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے، اسی طرح اسم ان اشیاء کے ذریعہ تام ہو جائے گا اور یہ اشیاء آخر میں آنے کی وجہ سے بمنزلہ فاعل ہوں گی، اب اسم تام کے بعد جو تمیز آئے گی وہ بمنزلہ مفعول ہوگی تو جس طرح مفعول پر نصب آتا ہے تمیز پر بھی نصب آئے گا۔ (التسہیل السامی محل شرح الجامی ص ۳۶۱)

نکتہ ۲: اسم کے تام ہونے کی شکلیں کیا ہیں؟

جواب: اسم کے آخر میں نون تشبیہ ہو جیسے عندی قفیزان بُرّا (۲) اسم کے آخر میں نون جمع ہو جیسے هل ننبکم بالاخسرین اعمالا، یا مشابہ نون جمع ہو جیسے عندی عشرون درهما (۳) اسم کے آخر میں تنوین ہو جیسے عندی رطل زیتا، (۴) اسم مرکب اضافی ہو جیسے علی التمرۃ مثلها زبدا۔ (مشکل ترکیبوں کا آسان حل)

نکتہ ۳: تمیز لانے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: اگر تمیز جنس ہو تو اس کو مفرد لایا جائے گا خواہ اسم تام تشبیہ ہو یا جمع ہو، لیکن یہ طریقہ غیر عدد کی تمیز کا ہے، عدد کی تمیز کا بیان اپنے موقع پر آئے گا۔ جنس سے مراد جنس منطقی نہیں بلکہ اس سے مراد وہ ہے جس کے اجزاء کل کے مشابہ ہوں کل پر جس اسم کا اطلاق ہوتا ہے اس کے ہر ہر جزء پر بھی اس اسم کا اطلاق ہو اور اگر تمیز جنس نہ ہو تو اس کو اسم تام کے مطابق تشبیہ اور جمع لایا جائے گا۔

نکتہ ۴: تمیز کی تقدیم عامل پر کب جائز ہے؟

جواب: تمیز کا عامل اگر اسم تام ہو تو تمیز اپنے عامل پر مقدم نہ ہوگی، کیوں کہ اسم تام اسم جامد ہوگا اور جامد اگرچہ فعل کے مشابہ ہے لیکن وہ مشابہت کمزور ہے، اس لیے جامد عامل ضعیف ہوگا وہ معمول مقدم پر عمل نہ کر سکے گا۔

بَابُ الْمُسْتَشْنَى بِإِلَّا وَاحْوَالِهِ

مستثنیٰ بعد الا کے احوال کا بیان

وَالْمُسْتَشْنَى بِإِلَّا مِنْ كَلَامٍ تَامٍ مُوجِبٍ، نَحْوُ "فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ"، فَإِنْ فَقَدَ الْإِجَابُ تَرَجَّحَ الْبَدَلُ فِي الْمُتَّصِلِ، نَحْوُ "مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ"، وَالنَّصَبُ فِي الْمُنْقَطِعِ عِنْدَ بَنَى تَمِيمٍ، وَجِبَ عِنْدَ الْحِجَازِيِّينَ نَحْوُ "مَالَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا أَتْبَاعَ الظَّنِّ" مَالٌ يَتَقَدَّمُ فِيهِمَا فَالنَّصَبُ نَحْوُ قَوْلِهِ وَمَالِي إِلَّا آلَ أَحْمَدَ شَيْعَةً — وَمَالِي إِلَّا مَذْهَبَ الْحَقِّ مَذْهَبٌ. أَوْ فَقَدَ التَّمَامُ فَعَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ، نَحْوُ "وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ" وَيُسَمَّى مُفَرَّغًا.

ترجمہ:- اور کلام تام موجب سے الا کے ذریعہ استثناء کیا گیا ہو جیسے "فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ" اگر موجب ہونا فوت ہو جائے تو مستثنیٰ متصل میں بدل رائج ہوگا جیسے مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ بنو تميم کے نزدیک مستثنیٰ منقطع میں نصب پڑھنا رائج ہے اوائل حجاز کے نزدیک واجب ہے جیسے مَالَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا أَتْبَاعَ الظَّنِّ، جب تک کہ ان دونوں کے درمیان تقدیم و تاخیر کا معاملہ نہ ہو، اگر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ پر مقدم کر دیا گیا ہو تو نصب پڑھنا واجب ہوگا، جیسے اس کا قول "وَمَالِي إِلَّا آلَ أَحْمَدَ الْخ" یا کلام تام ہونا مفقود ہو جائے تو عوائل کے اعتبار سے اعراب دیا جائے گا جیسے "وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ" اور نام رکھا جاتا ہے مستثنیٰ مفرغ۔

تشریح:- جب مصنف "حال او تمیز کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب منصوبات کی ایک اور قسم مستثنیٰ کو بیان کرنا شروع کیا، لیکن یاد رہے کہ مصنف موصوف نے مستثنیٰ کے بعض مسائل ہی کو بیان فرمایا ہے، لہذا ان مسائل کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید کے چند بنیادی باتوں کا الگ سے ذہن نشین کر لینا از حد ضروری ہے۔

مستثنیٰ کی تعریف:

مستثنیٰ ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کو حروف استثناء کے ذریعہ ماقبل کے حکم سے خارج کیا جائے، جیسے جاءني القوم الا زيدا جس اسم کو خارج کیا جاتا ہے اس کو مستثنیٰ کہتے ہیں۔ اور جس اسم کے حکم سے خارج کیا جاتا ہے اس کو مستثنیٰ منہ کہتے ہیں جیسے مذکورہ مثال میں قوم مستثنیٰ منہ ہے اور زید مستثنیٰ ہے۔

مستثنیٰ کی قسمیں:

مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں (۱) مستثنیٰ متصل (۲) مستثنیٰ منفصل جس کو منقطع بھی کہتے ہیں۔
 مستثنیٰ متصل وہ ہے جو الّا یا اس کے اخوات کے ذریعہ شی متعذر سے نکالا گیا ہو خواہ وہ شی متعذر
 یعنی مستثنیٰ منہ مذکور ہو یا مقدر، مستثنیٰ منہ ملفوظ کی مثال جیسے جاء نی القوم الّا زیداً، اور مستثنیٰ منہ مقدر
 کی مثال جیسے ما جاء نی الّا زیداً، یا یوں کہیے کہ جو مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو۔
 مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ جو الّا و اخوات الّا کے بعد مذکور ہو اور متعذر شی سے نہ نکالا گیا ہو، یا یوں
 کہیے کہ جو مستثنیٰ کی جنس سے نہ ہو جیسے جاء نی القوم الّا حمزاً، ظاہر ہے کہ ہمارے جنس قوم سے نہیں ہے۔
 حروف استثناء کی تعداد:

فاضل مصنف کے نزدیک حروف استثناء دس ہیں: الّا، غیر، سیوی، لیس، لایکون،
 ما خلا، ما عدا، خلا، عدا، حاشا۔

جس کلام میں استثناء ہو اس کی بھی دو قسمیں ہیں: موجب اور غیر موجب۔
 موجب وہ کلام ہے جس میں نفی، نہی، استفہام نہ ہو جیسے جاء نی القوم الّا زیداً۔
 غیر موجب وہ کلام ہے جس میں نفی، نہی استفہام ہو جیسے ما جاء نی الّا زید۔
 مستثنیٰ منہ اگر مذکور نہ ہو تو اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں اور اسی کو کلام غیر تام بھی کہا جاتا ہے جیسے
 ما جاء نی الّا زید اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس کو غیر مفرغ اور کلام تام کہتے ہیں جیسے جاء نی
 القوم الّا زیداً۔ اس کی ترکیب اس طرح ہوگی۔ جاء فعل، نون وقایہ، یاء ضمیر متکلم مفعول بہ،
 القوم مستثنیٰ منہ، الّا حرف استثناء، زید مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر جاء کا فاعل، فعل اپنے
 فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ مستثنیٰ منقطع کی مثالوں کی ترکیب بھی اسی طرح کیجیے، اب
 کتاب کے زیر بحث مسائل کو غور سے ملاحظہ فرمائیے۔
 مستثنیٰ کے احکام اعراب کے اعتبار سے:

والمستثنیٰ بالّا من کلام تام موجب الخ اس عبارت میں فاضل مصنف نے اس بات
 کو بیان فرمایا کہ اعراب کے اعتبار سے مستثنیٰ کی چند صورتیں ہیں اور وہ بالترتیب مندرج ہیں۔
 پہلی صورت: جب کلام تام موجب سے حرف الّا کے ذریعہ استثناء کیا جائے تو شرائط ثلاثہ
 (کلام تام، موجب اور حرف الّا) کی موجودگی میں مستثنیٰ کو منصوب پڑھنا واجب ہوگا۔ خواہ مستثنیٰ متصل
 ہو جیسے قام القوم الّا زیداً اور باری تعالیٰ کا قول "فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ" (سوسب نے اس

سے بے تحاشا پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے آدمیوں نے ان میں سے۔ پ، سورہ بقرہ، آیت ۲۴۹) ان دونوں مثالوں میں مستثنیٰ متصل ہے اور دونوں پر نصب آیا ہے، یا مستثنیٰ منقطع ہو جیسے قام القوم الا حماراً اور باری تعالیٰ کا قول "فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اِجْمَعُونَ، اِلَّا ابْلِيسَ۔" (سوسارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ پارہ ۱۴، سورہ حجر، آیت ۳۱) ان دونوں مثالوں میں مستثنیٰ منقطع ہے جو الا کے ساتھ ہے اور کلام تام موجب سے لایا گیا ہے، اسی لیے مستثنیٰ کو منصوب پڑھنا واجب ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ابلیس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا، بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے، ابلیس معیت کو نہ سمجھ سکا اور نہ اس نے اس امر کا لحاظ کیا کہ حکیم کا حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا، لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس ملائکہ کی جنس سے ہے یا کسی دوسری جنس سے تو اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ابلیس ملائکہ کی جنس سے ہے اور انھوں نے دو طرح سے استدلال کیا ہے۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ احادیث نبویہ اس کے من جنس الملائکہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آیات قرآنی میں سے بہت سی آیتوں میں ابلیس کو ملائکہ سے استثناء کیا گیا ہے اور استثناء میں اصل استثناء متصل ہے بایں طور کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور چونکہ ابلیس ملائکہ کی اس صنف کا ایک فرد تھا جس کو جن کہا جاتا ہے، لہذا آیت کریمہ اِلَّا ابْلِيسَ میں ابلیس مستثنیٰ متصل ہوگا۔ دوسری جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ابلیس جنس ملائکہ سے نہیں تھا، بلکہ جنات میں سے تھا، انھوں نے استدلال کیا باری تعالیٰ کے قول "اِلَّا ابْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ" (سورہ کہف آیت ۵) سے، لہذا یہ مستثنیٰ منقطع ہوگا، متصل نہیں ہوگا، مستثنیٰ متصل میں مابعد الا کا ماقبل الا میں داخل ہونا ضروری ہے۔

دوسری صورت: فَإِنْ فَقَدْ الْإِيجَابُ تَرَجَّحَ الْبَدَلُ فِي الْمَتَّصِلِ: فاضل مصنف اس عبارت سے مستثنیٰ کی دوسری صورت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کلام کا حاصل یہ ہے کہ کلام تام غیر موجب سے حرف الا کے ذریعہ استثناء کیا جائے تو مستثنیٰ کو کون اعراب دیا جائے یہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو مستثنیٰ متصل ہوگا یا منقطع، اگر مستثنیٰ متصل ہے تو پھر اس میں دو صورتیں جائز ہیں (۱) مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کا تابع قرار دیا جائے گا بالفاظ دیگر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے بدل بعض یا بدل کل قرار دیا جائے گا اور جو اعراب مستثنیٰ منہ کا ہے وہی مستثنیٰ پر آئے گا جیسے ماجاء نی احدًا لا زید (یہ حالت رفعی کی مثال ہے) مَا ضَرَبْتُ اَحَدًا اِلَّا زَيْدًا (یہ حالت نصبی کی مثال ہے) مَا مَرَرْتُ بِاَحَدٍ اِلَّا زَيْدٍ (یہ حالت جری کی مثال ہے) (۲) یا اصل باب پر قیاس کرتے ہوئے بطور استثناء کے مستثنیٰ کو نصب پڑھا جائے گا جیسے ماجاء نی احدًا لا زیدًا میں زیدًا مستثنیٰ بعد الا کلام تام غیر موجب میں واقع ہے، اس لیے

اسے نصب پڑھا گیا ہے۔

نوٹ: یہ بات ذہن نشیں رہے کہ مستثنیٰ کو بطور استثناء منصوب پڑھنا عمدہ قاعدہ ہے، لیکن موجودہ صورت میں مستثنیٰ منہ کو تابع قرار دینا استثناء کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بہتر ہے۔

کلام غیر موجب کی مثال: یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ غیر موجب وہ کلام کہلاتا ہے جس میں نفی، نہی، استفہام ہو اب یہاں علی الترتیب مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

نفی کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ" (تو بجز معدودے چند لوگوں کے اسم حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا۔ سورہ نساء، پ ۵، آیت ۶۶) اس آیت میں قلیل مستثنیٰ متصل ہے، ابن عامر کے علاوہ تمام قراء سبعہ نے مَا فَعَلُوهُ کے واؤ سے بدل مان کر مستثنیٰ کو مرفوع پڑھا ہے اور ابن عامر نے تنہا اسے بطور استثناء کے منصوب پڑھا ہے۔ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ۔

نہی کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرًا تَك" (اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے ہاں مگر آپ کی بیوی۔ پ ۱۲، ہود آیت ۸۱) اس آیت میں اِمْرًا مستثنیٰ متصل ہے جس کو ابو عمرو اور ابن کثیر نے اَحَدٌ مستثنیٰ منہ سے بدل قرار دے کر حالت رفع میں پڑھا ہے، کیوں کہ مستثنیٰ منہ حالت رفع میں ہے اور بدل اور مبدل منہ دونوں کا ایک ہی اعراب آتا ہے، لیکن اکثر قراء نے بطور استثناء کے یہاں مستثنیٰ کو منصوب پڑھا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

(۱) جب قاعدہ کے لحاظ سے مرفوع پڑھنا رائج ہے اور منصوب پڑھنا مرجوح تو یہاں مستثنیٰ متصل کو رفع کے بجائے نصب کیوں پڑھا گیا اور اکثر قراء نے اسی کو اختیار فرمایا کیوں؟

جواب: چوں کہ قراءت کا مرجع و مرکزیت روایت ہے رائے نہیں، اور روایت میں تسلسل کے ساتھ نصب کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے، اسی لیے نصب پڑھا گیا ہے۔

استفہام کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَمَنْ يَقْنَطْ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ" (بھلا اپنے رب کی رحمت سے کوئی ناامید ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے۔ پ ۱۲، سورہ حجر، آیت ۵۶) اس میں الضَّالُّونَ مستثنیٰ متصل ہے۔ تمام قراء نے اسے يَقْنَطْ کی ضمیر سے بدل مان کر مرفوع پڑھا ہے اور يَقْنَطْ ضمیر حالت رفع میں ہے، لہذا بدل اور مبدل منہ دونوں کا اعراب ایک ہوا، اگر الضَّالِّينَ بطور استثناء کے نصب کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے، لیکن پہلی صورت اولیٰ اور رائج ہے، کیوں کہ قراءت متواترہ ہے۔

والنَّصَبُ فِي الْمَنْقَطِعِ عِنْدَ بَنِي تَمِيمِ الْخِ مَصْنَفٌ نَے اس عبارت میں مستثنیٰ منقطع کے حکم کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا۔ یا مستثنیٰ منقطع ہوگا یعنی مستثنیٰ بعدِ اِلَّا کے کلام تام غیر موجب میں واقع ہو اور وہ مستثنیٰ منقطع ہو تو اس مستثنیٰ کو کون سا اعراب دیا جائے، اس سلسلے میں اہل حجاز اور بنو تمیم کے درمیان اختلاف ہے۔

اہل حجاز نصب پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں جیسے مَا فِيهَا أَحَدٌ إِلَّا حِمَارًا میں حِمَارًا کو نصب کے ساتھ پڑھا جائے گا اور قرآن مقدس بھی اہل حجاز کی نعت کے مطابق نازل ہوا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "مَالَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتَّبَاعَ الظَّنِّ" مستثنیٰ منقطع ہے جو نصب کے ساتھ ہے۔ اور قبیلہ بنو تمیم والے نصب پڑھنا اور مستثنیٰ منہ سے بدل قرار دینا دونوں جائز مانتے ہیں اور إِلَّا اتَّبَاعَ الظَّنِّ کو عِلْمٍ سے بدل قرار دے کر رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۲) طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ بنو تمیم کا یہ کہنا کہ ابدال کی صورت میں رفع پڑھنا جائز ہے اور انہوں نے مستثنیٰ منہ عِلْمٍ سے بدل قرار دے کر مستثنیٰ کو مرفوع پڑھا ہے! یہ درست نہیں! اس لیے کہ عِلْمٍ حالت جرئی میں ہے مَن کی وجہ سے، لِهَذَا اتَّبَاعَ الظَّنِّ کو مجرور کا بدل قرار دینے کی صورت میں مجرور ہونا چاہیے نہ کہ مرفوع؟ — دراصل قبیلہ بنو تمیم نے عِلْمٍ سے بدل قرار دیا ہے موضع رفع کا اعتبار کر کے کیوں کہ باعتبار لفظ کے علم سے بدل قرار دے کر کسرہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں، اس لیے کہ علم کے لیے حرف جر مَن زائدہ ہے اور اتَّبَاعَ الظَّنِّ معرفہ موجبہ ہے اور مَن زائدہ صرف نکرہ منفیہ یا نکرہ استفہامیہ میں ہی عمل کرتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِنْ تَفَافُوتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ" (تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل تو نہیں نظر آتا ہے۔ پ ۲۹، سورہ ملک، آیت ۳) میں "مِنْ تَفَافُوتٍ" مبدل منہ اور فُطُور بدل ہے اور یہاں مَن زائدہ دونوں جگہوں میں نکرہ منفیہ میں عمل کر رہا ہے، اس لیے فساد معنی کے خوف سے لفظ کا اعتبار نہیں بلکہ موضع علم کا اعتبار کر کے مستثنیٰ کو مرفوع پڑھنا جائز ہوگا۔

تیسری صورت: مَا لَمْ يَتَقَدَّمْ فِيهِمَا فَالنَّصْبُ الْخِ کی تشریح: مصنف یہاں سے مستثنیٰ کی تیسری صورت کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا مستثنیٰ بعدِ اِلَّا کے کلام تام غیر موجب میں واقع ہو اور ان دونوں میں تقدیم و تاخیر نہ ہو یعنی مستثنیٰ مقدم ہو تو مستثنیٰ کو مطلقاً منصوب پڑھنا واجب ہوگا، خواہ مستثنیٰ متصل ہو یا منقطع۔

مستثنیٰ متصل کی مثال جیسے "ما قام إلا زيدا القوم" مستثنیٰ منقطع کی مثال جیسے "ما فيها إلا حمرا احد" اسی طرح کیت نامی شاعر نے اپنے کلام میں مستثنیٰ متصل کے مقدم ہونے کی صورت میں منصوب پڑھا ہے جیسے وَمَالِي إِلَّا آلَ أَحْمَدَ شَيْعَةً وَمَالِي إِلَّا مَذْهَبَ الْحَقِّ مَذْهَبٌ (ترجمہ: اور میرے لیے آل احمد کے علاوہ کوئی جماعت لائق اقتداء نہیں اور بجز مذہب حق کے کوئی مذہب لائق اتباع نہیں۔) اس شعر میں محل استشہاد "آل احمد" اور "مذہب الحق" ہے، کیوں کہ یہ دونوں مستثنیٰ ہیں جو کہ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہیں۔

(۳) طالب علما نہ اشکال اور اس کا جواب:

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کا تابع قرار دینا کیوں جائز نہیں؟
جواب: دراصل تابع کا متبوع پر مقدم کرنا لازم آتا ہے، حالاں کہ تابع کا متبوع پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔
مستثنیٰ مفرغ اور غیر مفرغ کا بیان:

أَوْ فَقَدْ التَّمَامُ فَعَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ کی تشریح: فاضل مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت کو حل کرنے سے پہلے بطور تمہید کے یہ سمجھئے کہ مستثنیٰ منہ کے مذکور ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے استثناء کی دو قسمیں ہیں (۱) مفرغ (۲) غیر مفرغ۔

استثناء سے پہلے مستثنیٰ منہ اگر مذکور نہ ہو تو اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں اور اسی کو غیر تام بھی کہتے ہیں جیسے ماجاءني إلا زيد۔ اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس کو غیر مفرغ کہتے ہیں اور اسی کو کلام تام بھی کہا جاتا ہے جیسے جاءني القوم إلا زيدا۔

زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ اگر مستثنیٰ بعد الا کلام غیر موجب میں واقع ہو اور اس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ کا اعراب عامل کے تقاضہ کے مطابق ہوگا۔ جیسے "ما جاءني إلا زيد" مستثنیٰ پر رفع ہے، کیوں کہ اس کا عامل جاء فعل مرفوع ہونے کا تقاضہ کرتا ہے جیسا کہ بغیر الا کے ماقام زيد کہنے کی صورت میں زيد مرفوع ہوتا ہے۔ "مَا رَأَيْتُ إِلَّا زِيْدًا" اس میں مستثنیٰ پر نصب ہے، کیوں کہ اس کا عامل رَأَيْتُ مفعول ہونے کا تقاضہ کرتا ہے، جیسا کہ ما رَأَيْتُ زيدا کہنے کی صورت میں زيدا بربناء مفعول منصوب ہے، "ما مررت إلا بزید" اس میں باجاء کی وجہ سے مستثنیٰ پر جر آیا ہے جیسا کہ ما مررت بزید کہنے کی صورت میں با کی وجہ سے زید مجرور آیا ہے۔ ان تمام شکلوں میں اسم عامل محذوف سے استثناء ہوگا اور ماقام الا زيد کی تقدیری عبارت "ما قام احد إلا زيد" ہوگی اور اسی پر بقیہ کو قیاس کر لیجیے۔
اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس کا حکم ماقبل میں گذر چکا۔

(۴) طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

مذکورہ بالا صورت میں اعراب علی حسب العوائل کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہوگا تو فعل اپنے مفعول یعنی مستثنیٰ منہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر عامل باقی رہے گا۔ پس جس وقت وہ اپنے سامنے کسی چیز کو دیکھے گا اس میں عمل کرے گا، مگر الا کہ اس میں عمل نہ کرے گا، اس لیے کہ وہ حرف ہے پس لامحالہ مابعد الا میں عمل کرے گا۔ اور اس کا اعراب بحسب العوائل ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بَابُ الْمُسْتَثْنَىٰ بِغَيْرِ وَسْوٰی

إِلَّا کے علاوہ حروف استثناء کے عمل کا بیان

وَيُسْتَثْنَىٰ بِغَيْرِ وَسْوٰی خَافِضَيْنِ مُعَرَّبَيْنِ بِأَعْرَابِ الْأَسْمِ الَّذِي بَعْدَ "إِلَّا" وَبَخَلًا، وَعَدَا، وَحَاشَا، نَوَاصِبَ أَوْ خَوَافِضَ، وَبِمَا خَلَا، وَبِمَا عَدَا، وَلَيْسَ، وَلَا يَكُونُ، نَوَاصِبَ۔

ترجمہ:- غیر اور سوسوی جارہ کے ذریعہ استثناء کیا جاتا ہے، اس وقت ان دونوں (یعنی غیر اور سوسوی) کو وہی اعراب دیا جائے گا جو الا کے بعد آنے والے اسم کا اعراب ہوتا ہے، اور خلاء، عدا، اور حاشا کے ذریعہ بھی استثناء کیا جاتا ہے اور یہ سب نصب اور جردوں طرح کا اعراب دیتے ہیں۔ اور ماخلًا، ماعدا، لیس اور لایکون کے ذریعہ بھی استثناء کیا جاتا ہے اور یہ سب نصب دینے والے ہیں۔

إِلَّا کے علاوہ حروف استثناء کا عمل:

وَيُسْتَثْنَىٰ بِغَيْرِ وَسْوٰی خَافِضَيْنِ الخ اس عبارت میں فاضل مصنف یہ بیان فرما رہے ہیں کہ الا کے علاوہ حروف کے ذریعہ استثناء کیا جاتا ہے اپنے مابعد اسم کو کون سا اعراب دے گا۔ تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ الا کے علاوہ جن حروف کے ذریعہ استثناء کیا جاتا ہے، اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم: بعض حروف تو ایسے ہیں جو دائماً مستثنیٰ کو جردیتے ہیں اور وہ غیر اور سوسوی ہے جیسے قام القوم غیر زید اور قام القوم سوسوی زید ان دونوں مثالوں میں زید مستثنیٰ ہے جو غیر اور سوسوی کی وجہ سے مجرور ہے، کیوں کہ یہ دونوں حروف جارہ ہیں۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

مُعَرَّبَيْنِ بِأَعْرَابِ الْأَسْمِ الَّذِي بَعْدَ "إِلَّا" یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے،

طالب علمانہ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ لفظ غیر کے بعد مستثنیٰ پر جرتا ہے، لیکن خود لفظ غیر کا اعراب کیا آئیگا؟ تو اس میں تفصیل ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ لفظ غیر کلام موجب میں واقع ہو اور اس کا مضاف الیہ جو اصل میں مستثنیٰ ہے وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو جیسے قام القوم غیر زید تو اس وقت اِلَّا کے بعد آنے والے اسم (یعنی مستثنیٰ) جس اعراب کا مستحق ہوتا ہے (یعنی نصب) وہی اعراب غیر پر آئے گا، جیسے قام القوم غیر زید، غیر کے نصب کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو قام القوم اِلَّا زیداً نصب کے ساتھ اور اگر لفظ غیر کلام غیر موجب میں واقع ہو اور اس کا مضاف الیہ جو اصل میں مستثنیٰ ہے، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو تو اس وقت اِلَّا کے بعد آنے والے اسم (مستثنیٰ) پر جس طرح رفع اور نصب آتا ہے اسی طرح غیر پر رفع اور نصب آئے گا۔ جیسے ما قام القوم غیر زید، رفع اور نصب کے ساتھ پڑھنا اسی طرح درست ہے جس طرح ما قام القوم اِلَّا زیداً وَ اِلَّا زیدٌ درست ہے۔

اور اگر لفظ غیر کلام غیر موجب میں واقع ہو اور اس کا مضاف الیہ جو اصل میں مستثنیٰ ہے وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو جیسے ما قام القوم غیر حمار تو اہل حجاز کے نزدیک غیر کو نصب کے ساتھ پڑھنا واجب ہوگا اور بنو تمیم کے نزدیک رفع اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھنا درست ہوگا۔

اور لفظ سیوی کے بارے میں صاحب کتاب نے فرمایا اسی مذکورہ بالا اصول پر اس کو قیاس کر لیجیے، لیکن اس پر اعراب لفظاً ظاہر نہ ہوگا، بلکہ حکماً آئے گا۔ لیکن امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ لفظ سیوی کو ظرفیت کی بناء پر ہمیشہ منصوب پڑھنا واجب ہوگا۔

فائدہ ۱: کلام غیر موجب میں لفظ غیر مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو اس وقت غیر پر جو با نصب آئے گا جیسے ما جاء غیر زید ن القوم۔

فائدہ ۲: لفظ غیر کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو عامل کے تقاضے کے مطابق غیر پر اعراب آئے گا۔ جیسے ما جاء نى غیر زید، مَا رَیْتُ غیر زید، مَا مَرَرْتُ بِغیر زید۔ مذکورہ بالا تمام تقاریر کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ غیر پر وہی اعراب ہوتا ہے جو مستثنیٰ بالآ کا ہوتا ہے۔

فائدہ ۳: لفظ غیر کی اصل وضع تو یہ ہے کہ صفت کے لیے ہو جیسے ”رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ“ غَیْرِ مرکب اضافی ہو کر وَادٍ کی صفت ہے، مگر کبھی کبھی استثناء کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں ہے۔ اسی طرح لفظ اِلَّا اصل میں استثناء کے لیے وضع کیا گیا ہے، لیکن کبھی کبھی غیر کے معنی میں صفت کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے ”لَوْ کَانَ فِیْهِمَا آلَہَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا“ کے اندر اِلَّا بمعنی غیر برائے صفت ہے۔

دوسری قسم: بِخَلَا، وَغَدَا، وَحَاشَا، نَوَاصِبَ اَوْ خَوَافِصَ: حروف استثناء میں سے بعض

حروف وہ ہیں جو کبھی جردیتے ہیں اور کبھی نصب اور وہ تین ہیں، خلا، عدا اور حاشاء اس کی تفصیل یہ ہے کہ چوں کہ یہ حروف کبھی جرد ہوتے ہیں اور کبھی افعال ماضیہ کی شکل میں مستعمل ہوتے ہیں، اگر آپ انہیں حروف جرتسلیم کر لیں تو ان کے بعد آنے والے اسماء مستثنیٰ مجرور ہوں گے اور اگر آپ انہیں افعال ماضیہ فرض کریں تو مستثنیٰ بر بناء مفعولیت منصوب ہوں گے اور فاعل کی ضمیر ان میں پوشیدہ ہوگی۔

تیسری قسم: وبما خلا، وبما عدا، ولیس، ولا یكون، نواصب: بعض حروف تو وہ ہیں جو مستثنیٰ کو فقط نصب دیتے ہیں اور وہ چار ہیں۔ لیس، لایکون، ما خلا، اور ما عدا۔ آپ کہیں گے "قاموا لیس زیذا، لایکون زیذا، اور ما عدا زیذا۔ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے "مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلُوا، لَيْسَ السِّنُّ وَالظُّفْرُ" (جس شخص نے خون بہایا اور اس پر اللہ کا نام لیا ہو تو کھاؤ، لیس سن و الظفر) اس حدیث میں محل استشہاد "لیس السِّنُّ وَالظُّفْرُ" ہے جس میں لیس حرف استثناء ہے اس کے بعد دونوں اسم مستثنیٰ ہیں جو لیس کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے حالت نصی میں ہیں، کیوں کہ لیس کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے۔

لبید بن ربیعہ عامری نے بھی اپنے کلام میں اس قاعدہ کا لحاظ کیا ہے ۔

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ - مَا خَلَا اللَّهَ - بَاطِلٌ وَكُلُّ نَعِيمٍ - لَامَحَالَةٍ - زَائِلٌ

(ترجمہ: آگاہ رہو! ہر چیز جو اللہ کے ذکر سے خالی ہو بے کار ہے اور ہر نعمت یقیناً ختم ہونے والی ہے) اس شعر میں محل استشہاد "ما خلا اللہ" چوں کہ ما خلا حرف استثناء ہے اور اللہ پر بر بناء استثناء نصب آیا ہے۔

نوٹ:- لیس اور لایکون کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، کیوں کہ مستثنیٰ اس وقت خبر ہوتا ہے اور ان دونوں کا اسم اس میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ ما خلا اور ما عدا کے بعد والا اسم منصوب ہوتا ہے مفعولیت کی بناء پر۔ اور دونوں میں فاعل پوشیدہ ہوگا۔

باب حروف الجر وانواعها

حروف جر کی تعریف اور اس کے اقسام کا بیان

بَابُ، يُخَفَضُ الْإِسْمُ إِمَّا بِحَرْفٍ مُشْتَرَكٍ، وَهُوَ مِنْ، وَالْيَ، وَعَنْ، وَعَلَى، وَفِي، وَاللَّامُ، وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ وَغَيْرِهِ، أَوْ مُخْتَصٌّ بِالظَّاهِرِ، وَهُوَ رَبُّ، وَمَذُ، وَمُنْذُ، وَالْكَافُ، وَحَتَّى، وَوَاوُ الْقَسَمِ، وَتَاوُهُ۔

ترجمہ:- یہ باب ہے۔ اسم کو جردیا جاتا ہے یا تو حرف مشترک کی وجہ سے اور وہ مِنْ،

الی، عن، علی، فی، لام اور باقسیہ ہیں۔ اور اش کے علاوہ دیگر معانی کے لیے آتا ہے، یا حرف مختص بالظاہر کی وجہ سے جردیا جاتا ہے اوزوہ رُبّ، مُذّ، مُنذّ، کاف، حتّٰی اور واؤ قسم اور تاء قسم ہیں۔

تشریح:- بات: جب مصنف علیہ الرحمۃ مرفوعات اور منصوبات کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مجرورات کو بیان کرنا شروع کیا۔ لیکن متن کی عبارت کی وضاحت سے پہلے چند بنیادی باتوں کا ذہن نشین کر لینا پیش آئندہ مسائل کے سمجھنے کے لیے از حد ضروری ہے۔

اسم مجرور کی تعریف:

اس سے مراد وہ اسماء ہیں جو حروف جارہ یا اضافت کی وجہ سے جردیئے جاتے ہیں۔ مجرور بالحرف کی مثال جیسے بَزید، اور مجرور بالا اضافت کی مثال جیسے غلام زید، اسم مجرور کی تعریف سے خود بخود دو قسمیں معلوم ہو گئیں (۱) مجرور بالحرف (۲) مجرور بالا اضافت۔ ان دونوں میں سب سے پہلے مجرور بالحرف کا بیان لایا گیا ہے، چوں کہ یہ اصل ہے اور مجرور بالا اضافت فرع ہے اور قاعدہ ہے کہ اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے، لہذا مجرور بالحرف، مجرور بالا اضافت پر مقدم ہوگا۔

حروف جارہ کی تعداد اور اسباب اسقاط:

بقول صاحب کتاب حروف جارہ بیس ہیں۔ ان میں سے سات خَلَا، عَدَا، حَاشَا، لَعَلَّ، حَتّٰی، کئی اور لَوْلَا ساقط کر دیئے گئے ہیں، اور وجوہ اسقاط یہ ہے کہ چوں کہ خَلَا، عَدَا، اور حَاشَا کا بیان استثناء کی بحث میں آ گیا ہے۔ اس لیے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور باقی چار یعنی لَعَلَّ، حَتّٰی، کئی اور لَوْلَا شاذ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ ان چاروں کے شاذ ہونے کا سبب علاحدہ علاحدہ ہے۔ لَعَلَّ صرف امام عقیل کے نزدیک اپنے مابعد اسم کو جردیتا ہے اور کسی کے نزدیک نہیں۔ اسی وجہ سے قبیلہ عقیل کے شاعر نے اپنے شعر میں لَعَلَّ کو ظاہر کیا ہے۔

لَعَلَّ اللّٰهُ فَضَّلَكُمْ عَلَيْنَا بِشَيْءٍ اَنْ اَمَّكُمْ شَرِيْمٌ

(شاید کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ہم پر فضیلت کسی شئی حقیر کی وجہ سے دی ہے وہ یہ کہ تمہاری ماں مفہما ہے۔) اس شعر میں شاعر نے اپنے فریق مخالف کی مذمت کرتے ہوئے مدح و ذم دونوں طرح کے الفاظ کا استعمال فرمایا ہے اور لَعَلَّ کو حرف جارہ شمار کر کے اللہ کو مجرور قرار دیا ہے۔

مَتّٰی۔ یہ صرف امام ہذیلی کے نزدیک اپنے مابعد کو جردیتا ہے اور کسی کے نزدیک نہیں۔ اسی وجہ سے قبیلہ ہذیل کے شاعر ابو ذؤب ہذیلی نے بادل کی تعریف کرتے ہوئے شعر کہا ہے جس میں مَتّٰی نے اپنے مابعد کو جردیا ہے جیسے

شَرِبْنَ بِمَاءِ الْبَحْرِ ثُمَّ تَرَفَعَتْ مَتَى لَجَجَ خَضِرٌ لَهْنٌ نَثِيْجُ
(بادلوں نے سمندر سے پانی پیا پھر پانی کا سبز ڈھیر لے کر بلند ہونے لگے تو ان کے لیے بلند آواز تھی۔)
اس شعر میں محل استشہاد ”مَتَى لَجَجَ“ ہے۔ (لَجَجَ جمع لَجَّة بمعنی معظم الماء۔ نَثِيْجُ وهو الصوت العالی المرتف) شعر کا مطلب کچھ اس طرح نقل کیا جاتا ہے کہ شاعر نے ام عمرو نامی عورت کو آواز دے کر کہا دیکھو یہ واقعہ عجیبہ دیکھو! کہ بادلوں نے سمندروں سے پانی پیا اور پانی کا ایک سبز کثیر ڈھیر لے کر جانے لگے جس کی وجہ سے اس میں سخت اور بلند آواز ہے۔

کئی۔ صرف ما استفہامیہ کو جردیتا ہے اور یہ بھی قبیلہ ہذیل کے گمان کے مطابق ہے جو کسی چیز کی علت کے بارے میں اس کے ذریعہ سوال کرنا چاہے تو کَیْمَہ بمعنی لِمَہ استعمال کرتے ہیں اور یہ شاذ ہے۔
لَوْلَا: یہ بھی قبیلہ ہذیل کے مطابق صرف ضمیر کو جردیتا ہے جیسے لَوْلَا ی، اس میں لَوْلَا نے متکلم کی ضمیر کو جردیا ہے اور لَوْلَا ک میں مخاطب کی ضمیر کو اور لَوْلَا ہ میں غائب کی ضمیر کو جردیا ہے اور یہ عمل نادر ہے، ایک شاعر نے اپنے شعر میں لَوْلَا کے عمل کا ضمیر پر اظہار فرمایا ہے جیسے عمر بن ربیعہ مخزومی قریشی کا شعر

أَوَمْتُ بِعَيْنِهَا مِنَ الْهُودَجِ لَوْلَاكَ فِي ذَالْعَامِ لَمْ أَحْجُجْ
(اس نوخیز دوشیزہ نے ہودج کے داخلی حصے سے میری طرف چشم محبت سے اشارہ کیا کہ اگر تو اس سال نہ ہوتا تو میں حج نہ کر پاتی۔ یعنی اس نوخیز دوشیزہ نے اپنی سہیلیوں سے بچتے ہوئے چشم محبت سے میری طرف اشارہ کیا اور بذریعہ اشارہ مجھ سے بتلایا کہ میرا قصد سفر کرنا حج کے لیے نہیں بلکہ شوق لقاء کے لیے ہے، لہذا تو یہاں نہ ہوتا تو میں یہاں تک نہ پہنچتی۔) اس شعر میں محل استشہاد لَوْلَا ک ہے جس نے مخاطب کی ضمیر کو جردیا ہے۔ امام مبرد نے ضمیر کے ساتھ لَوْلَا کے استعمال کا انکار کیا ہے، لیکن مذکورہ بالا شعر اور اسی طرح کے استعمالات امام سیبویہ کے لیے حجت ہے، چوں کہ ان کے نزدیک یہ طریقہ صحیح ہے مثلاً عمرو بن العاص نے معاویہ بن ابی سفیان کو مخاطب کرتے ہوئے ایک شعر کہا۔

أَتَطْمِعُ فِينَا مَنْ أَرَاقَ دِمَاءَنَا وَلَوْلَاكَ لَمْ يَغْرِضْ لِأَحْسَابِنَا حَسَنُ
اس شعر میں ”لَوْلَا ک“ استعمال کیا ہے۔ اسی طرح یزید بن حکم بن ابی عاص ثقفی نے اپنے چچا زاد بھائی کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

وَكَمْ مَوَاطِنٍ لَوْلَا يَ طَحَّتْ كَمَا هَوَىٰ — بِأَجْرَامِهِ مِنْ قُنَّةِ النَّيْقِ مُنْهَوَىٰ
اس شعر میں لَوْلَا ی ہے لیکن اکثر اہل عرب نے ضمیر منفصل کے ساتھ لَوْلَا اَنَا، لَوْلَا أَنْتَ، لَوْلَا هُوَ، استعمال فرمایا ہے اور قرآن کریم میں بھی لَوْلَا کا استعمال ضمیر منفصل کے ساتھ ہوا ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنْ مُؤْمِنِينَ" (اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔ پارہ ۲۲، سورہ سبا آیت ۳۱)

حروف کی تعداد کے اعتبار سے حروف جاڑہ کی صورتیں:

حروف کی تعداد کے اعتبار سے حروف جاڑہ کی چار صورتیں ہیں۔ ۱۔ بعض وہ ہیں جو وضع کے اعتبار سے ایک حرفی ہیں اور وہ پانچ ہیں با (ب) لام (ل) کاف (ک) واو (و) تا (ت)۔ ۲۔ بعض دو حرفی ہیں اور وہ چار ہیں، مَن، عَن، فِی اور مُنْ۔ ۳۔ بعض حروف سے حرفی ہیں اور وہ تین ہیں اِلِی، عَلِی اور مُنْ۔ بعض چار حرفی ہیں اور وہ صرف چھٹی ہے۔

باعتبار عمل کے حروف جاڑہ کی قسمیں:

يخفف الاسم اما بحرف مشترك الخ فاضل مصنف نے اس عبارت میں باعتبار عمل کے حروف جاڑہ کی قسمیں پیش کی ہیں، عمل کرنے کے اعتبار سے حروف جاڑہ کی دو قسمیں ہیں (۱) حرف مشترک۔ اس سے مراد وہ حروف جاڑہ ہیں جو اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں کو جردیتے ہیں اور وہ مَن، اِلِی، عَن، عَلِی، فِی، لام اور باء ہیں جو قسم اور غیر قسم دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

(۲) مختص بالظاہر:- اس سے مراد وہ حروف ہیں جو فقط اسم ظاہر کو جردیتے ہیں اسم ضمیر کو نہیں اور وہ سات حروف ہیں، رَب، مُنْ، مُنْذ کاف، حَتّٰی، واو قسمیہ اور تاء قسمیہ۔

حروف مختص بالظاہر کی قسمیں:

وہ حروف جو مختص بالظاہر ہیں ان کی چند قسمیں ہیں (۱) بعض تو وہ ہیں جو اسم ظاہر بالزمان کو جردیتے ہیں اور وہ مُنْ اور مُنْذ ہیں جیسے مَا رَاَيْتُهُ مُنْذُ يَوْمَيْنِ، مَا رَاَيْتُهُ مُنْذُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (۲) بعض وہ ہیں جو صرف اسم ظاہر نکرہ کو جردیتے ہیں اور وہ رَب ہے جیسے رَبِّ رَجُلٍ صَالِحٍ۔ (۳) بعض حروف وہ ہیں جو معنی جلالت و عظمت پر دلالت کرنے والے لفظ کو جردیتے ہیں اور وہ تاء ہے جو کبھی تو اس لفظ رَب کو جردیتا ہے جو کعبہ کی طرف مضاف ہو، اور کبھی لفظ رَحْمَن کو جردیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَتَاللّٰهِ لَا كَيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ (اور خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا۔ پ ۷۱، انبیاء آیت ۵۷) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تَاللّٰهِ لَقَدْ اَثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا (وہ کہنے لگے بخدا کچھ شک نہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی۔ پ ۱۳، یوسف آیت ۹۱) اور اہل عرب کا قول "تَرَبَّ الكعبة لَا فَعْلَنَ كَذَا" رب کعبہ کی قسم میں ایسا ضرور بالضرور کروں گا، لیکن یہ قلیل الاستعمال ہے، اور اہل عرب "تَالرَّحْمَن لَا فَعْلَنَ كَذَا" بھی کہتے ہیں اور یہ پہلے کے بالمقابل اقل الاستعمال ہے۔

بَابُ الْمَجْرُورِ بِالْإِضَافَةِ — مجرور بالا ضافت کا بیان

أَوْ بِإِضَافَةِ اسْمٍ عَلَى مَعْنَى اللَّامِ كـ "غَلَامٌ زَيْدٌ" أَوْ مِنْ كـ "خَاتَمٌ حَدِيدٌ" أَوْ فِي كـ "مَكْرُ اللَّيْلِ" وَتُسَمَّى مَعْنَوِيَّةً، لِأَنَّهَا لِلتَّعْرِيفِ أَوْ التَّخْصِصِ، أَوْ بِإِضَافَةِ الْوَصْفِ إِلَى مَعْمُولِهِ كـ "بَالِغُ الْكُعْبَةِ" وَ "مَعْمُورُ الدَّارِ" وَ "حَسَنُ الْوَجْهِ" وَ تُسَمَّى لَفْظِيَّةً، لِأَنَّهَا لِمَجْرَدِ التَّخْفِيفِ.

ترجمہ:- یا اسم کو جر آئے گا بتقدیر لام اسم کی اضافت کی وجہ سے، جیسے غلام زید، یا بتقدیر مِنْ جیسے خاتمِ حديد، یا بتقدیر فی جیسے مکرُ اللیل، اور نام رکھا جاتا ہے ایسی اضافت کا اضافت معنویہ، کیوں کہ یہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، (یا اسم جردیا جاتا ہے) وصف کی اس کے معمول کی طرف اضافت کی وجہ سے جیسے بالغُ الکعبۃ، اور معمورُ الدار اور حسنُ الوجہ۔ اور نام رکھا جاتا ہے اضافت لفظیہ، کیوں کہ یہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔

تشریح:- جب مصنف مجرور بالحرف کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مجرور بالا ضافت کو بیان کرنا شروع کیا، لیکن اس بحث کو سمجھنے سے پہلے چند اصطلاحات کا ذہن نشین کر لینا از حد ضروری ہے، تاکہ مذکور الصدر مسائل کا سمجھنا آسان اور سہل ہو جائے۔

مضاف سے مراد وہ اسم ہے جو دوسرے کی طرف منسوب کیا گیا ہو، مضاف الیہ سے مراد وہ اسم ہے جس کی طرف دوسرے اسم کی نسبت کی گئی ہو جیسے کتابُ محمدٍ میں کتاب مضاف ہے، کیوں کہ اس کو محمد کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور محمد مضاف الیہ ہے، کیوں کہ اس کی طرف کتاب کی نسبت کی گئی ہے، ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ مضاف پر الف لام، اور تنوین نہیں آتے، اس سے نون تنوین جمع بھی گر جاتا ہے اور مضاف اسم نکرہ اور مضاف الیہ معرفہ و نکرہ دونوں ہوتا ہے اور علامت اضافت کا، کے، کی، را، رے، رکی، تا، نے، نی ہیں۔ مضاف الیہ مجرور اور مضاف کا اعراب عامل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

مجرور بالا ضافت کی قسمیں:

مجرور بالا ضافت کی دو قسمیں ہیں (۱) اضافت معنوی، (۲) اضافت لفظی۔ اضافت معنوی سے مراد وہ اضافت ہے جس میں مضاف صیغۂ صفت ہو اور مضاف الیہ اس کا معمول نہ ہو (صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ ہے، اور معمول سے مراد فاعل، یا مفعول ہے اور یہ معمول اضافت سے پہلے تھے اضافت کے بعد معمول نہ کہلائیں گے، مجازاً ما کان کے اعتبار سے ان کو معمول کہہ دیا۔

اضافت معنوی کی صورتیں:

مذکورہ تعریف سے اضافت معنوی کی تین صورتیں نکلتی ہیں۔ (۱) دونوں امور منقشی ہوں۔ یعنی مضاف صیغہ صفت نہ ہو اور مضاف الیہ اس کا معمول نہ ہو جیسے غلام زید، اس میں دونوں منقشی ہیں نہ مضاف صفت ہے اور نہ مضاف الیہ معمول ہے۔

(۲) مضاف صیغہ صفت ہو لیکن مضاف الیہ اس صفت کا معمول نہ ہو جیسے کاتب القاضی (قاضی کا کاتب) وَكَاسِبٌ عِيَالِهِ (اس کے اہل و عیال کا کاسب) ان دونوں مثالوں میں مضاف تو صفت کا صیغہ ہے، کاتب اور کاسب دونوں اسم فاعل ہیں اور مضاف الیہ قاضی اور عیالہ (مضاف مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ) ہیں۔ یہ دونوں ان دونوں کا معمول نہیں، کیوں کہ معمول سے مراد فاعل یا مفعول ہے اور یہ دونوں فاعل یا مفعول نہیں ہیں۔ (۳) مضاف الیہ مضاف کے لیے معمول ہو، لیکن مضاف صیغہ صفت نہ ہو جیسے ضَرْبُ اللَّصِّ، اس میں ضَرْبُ مضاف صیغہ صفت نہیں ہے، لیکن اللَّصِّ مضاف الیہ مضاف کے لیے معمول ہے، کیوں کہ معمول سے مراد فاعل یا مفعول ہے اور اللَّصِّ مفعول ہے۔ خلاصہ کلام یہ نکلا کہ یہ تینوں شکلیں اضافت معنویہ کہلاتی ہیں۔

اضافت معنویہ کی قسمیں:

او بِإِضَافَةِ اسْمٍ عَلَى مَعْنَى اللّام: یہاں سے فاضل مصنف اضافت معنوی کی قسمیں بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا اضافت معنوی کی بحکم استقراء تین قسمیں ہیں یعنی ان کا انحصار ان تین قسموں میں استقرائی ہے وہ تین قسمیں یہ ہیں (۱) اضافت بمعنی فی (۲) اضافت بمعنی مِنْ (۳) اضافت بمعنی لام۔

(۱) اضافت بمعنی فی اس جگہ ہوتی ہے جس جگہ مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو خواہ وہ ظرف زمان ہو یا ظرف مکان جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ" (بلکہ تمہاری رات کی تدبیروں نے، یعنی تدبیر جورات میں ہوتی ہے۔ پ ۲۲، سہا، آیت ۳۳) اس میں اللَّيْلِ مَكْرُ کا ظرف ہے اور اضافت بمعنی فی ہے ای بل مکر فی اللیل (لیکن اضافت بمعنی فی استعمال میں کم ہے)۔

(۲) اضافت بمعنی مِنْ جب کہ مضاف الیہ مضاف کے لیے کل ہو (یعنی جنس ہو) یعنی اپنے مضاف اور غیر مضاف دونوں پر صادق ہو، جیسے خاتمِ حدید، اس میں حدید مضاف الیہ اور خاتم مضاف ہے اور حدید خاتم اور غیر خاتم دونوں پر صادق ہے یعنی لوہے سے انگوٹھی بھی بنائی جاتی ہے اور اس کے علاوہ اور دوسرے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، لہذا خاتم کی حدید کی طرف اضافت بمعنی

من ای خاتم من حديد، یہی حال باب ساج (ساکھو کا دروازہ) کا ہوگا، لہذا خاتم حديد پر قیاس کر لیجیے، کیوں کہ حديد کے ذریعہ خاتم کی اور ساج کے ذریعہ باب کی خبر دینا درست ہے برخلاف ید زید کے، اس لیے کہ ید کے ذریعہ زید کے بارے میں خبر دینا درست نہیں ہے، اور ید کا اطلاق زید پر جائز نہیں ہے۔

(۳) اضافت بمعنی لام۔ اس صورت میں ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہو اور نہ مضاف کے لیے ظرف ہو جنس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ اپنے مضاف پر بھی صادق ہو اور اس کے علاوہ پر بھی صادق ہو۔ اضافت بمعنی لام میں مضاف الیہ ایسا نہ ہونا چاہیے اور نہ مضاف کے لیے ظرف ہونا چاہیے، جیسے غلام زید، اس میں زید مضاف الیہ ہے اور یہ غلام کے لیے جنس نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ غلام اور غیر غلام دونوں پر صادق آئے، بلکہ زید تو مثال مذکور میں آتا ہے، غلام کیسے ہو سکتا ہے، اسی طرح زید غلام کے لیے ظرف بھی نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے یہی حال ید زید کا ہے کہ اصل عبارت غلام لَزید اور ید لَزید ہے۔

اضافت معنویہ کی وجہ تسمیہ:

وَتَسْمَى معنویۃ لانہا للتعریف او التخصیص الخ: اس عبارت میں فاضل مصنف نے اضافت معنویہ کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی ہے، اضافت معنویہ کو اضافت معنویہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے چوں کہ یہ اضافت ایک امر معنوی کا فائدہ دیتی ہے اور وہ امر معنوی تعریف ہے یا تخصیص (یعنی اضافت معنوی مضاف کے لیے تعریف کا فائدہ دیتی ہے یا تخصیص کا) اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہوگا۔ جیسے غلام زید، لیکن یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہو سکتا ہے کہ مضاف الیہ اگر معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہو جائے گا، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ دراصل اضافت معنوی میں ہیئت ترکیبیہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کرتی ہے اس کی وضع ہی اس لیے ہوتی ہے، لہذا مضاف الیہ کی معلومیت اور اس کی تعریف مضاف کی طرف سرایت کرے گی، کیوں کہ ان کے درمیان لفظوں میں بہت قوی اتصال ہے بسا اوقات تو مضاف الیہ کو مضاف میں منضم کر دیتے ہیں اور مضاف الیہ کے عوض مضاف میں تنوین داخل کر کے مضاف الیہ کو ختم کر دیتے ہیں، جس طرح مضاف اور مضاف الیہ میں لفظوں میں اتصال ہے اسی طرح ہیئت ترکیبیہ کی وجہ سے معنی کے اعتبار سے بھی اتصال قوی حاصل ہو جائے گا۔ اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف میں تخصیص پیدا ہو جائے گی یعنی خالص نکرہ نہ رہے گا جیسے غلام امراة (عورت کا غلام) اس میں غلام کی اضافت جب تک امراة کی طرف نہیں کی گئی تھی اس

وقت تک غلام میں تعلیم تھی، مرد اور عورت دونوں کے غلام ہونے کا احتمال تھا۔ اور جب امراۃ کی طرف اضافت کردی گئی تو اس سے مرد کا غلام خارج ہو گیا، کیوں کہ تخصیص کے معنی ہیں تقلیل الشراء، اور ظاہر ہے کہ غلام کی اضافت امراۃ کی طرف کرنے سے غلام رجل خارج ہو جائے گا جس سے قلت حاصل ہو جائے گی۔

اضافت معنوی کی شرط:

اضافت معنوی کی شرط یہ ہے کہ مضاف کو تعریف سے خالی کریں، اس لیے جب مضاف معرفہ ہو تو دو صورتیں ہیں مضاف الیہ معرفہ یا نکرہ ہوگا۔ بر تقدیر اول تحصیل حاصل، اور بر تقدیر ثانی طلب ادنیٰ کے باوجود حصول اعلیٰ کی لازم آتی ہے اور وہ مذموم ہے۔

نوٹ:- اضافت معنوی بعض جگہوں میں تعریف و تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی ہے، بلکہ نکرہ ہی کے حکم میں رہتی ہے، مثلاً مضاف غیر، مثل، شبہ وغیرہ ہو یا مضاف نکرہ کی جگہ واقع ہو مثلاً حال، تمیز، لاء نفی جنس کے اسم کی جگہ واقع ہو تو اب یہ اضافت نکرہ ہی کے حکم میں رہے گی۔

اضافت کی دوسری قسم اضافت لفظیہ:

او باضافة الوصف الی معمولۃ الخ اس سے پہلے فاضل مصنف نے اضافت معنوی کو بیان فرمایا، کیوں کہ وہ اصل ہے اب اضافت لفظی کو بیان فرما رہے ہیں اضافت لفظی سے مراد وہ اضافت ہے جس میں مضاف صفت کا صیغہ ہو اور مضاف الیہ اس صفت کا معمول ہو، اگر مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو تو وہ اضافت لفظی نہ ہوگی جیسے غلام زید، اسی طرح اگر صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو تو وہ بھی اضافت لفظی نہ ہوگی جیسے کریم البلد و مصارع مصر اس میں کریم اور مصارع صفت کا صیغہ تو ہیں، لیکن بلد اور مصر ان کا معمولی نہیں، کیوں کہ معمول سے مراد فاعل یا مفعول بہ ہے اور بلد اور مصر نہ فاعل ہیں نہ مفعول بہ بلکہ ظرف ہیں۔

اضافت لفظیہ کی صورتیں:

مذکورہ تعریف سے اضافت لفظی کی چند شکلیں نکلتی ہیں (۱) اسم فاعل کی اضافت ہو مضاف الیہ کی طرف جیسے ضارب زید الآن او غذا، اس میں اضافت لفظیہ ہے، اس لیے کہ ضارب صیغہ اسم فاعل سے جو اپنے معمول یعنی مفعول بہ زید کی طرف مضاف ہے۔

(۲) اسم مفعول کی اضافت ہو مضاف الیہ کی طرف جیسے هذا معمور الدار الآن او غذا اس میں بھی اضافت لفظیہ ہے اس لیے کہ معمور صیغہ اسم مفعول ہے جو اپنے معمول یعنی مفعول بہ دار کی

طرف مضاف ہے۔

(۳) صفت مشبہ اسم فاعل کے ساتھ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے ہذا رجل حسن الوجه اس میں صفت مشبہ اپنے فاعل یعنی الوجه کی طرف مضاف ہے۔

كَبَالِغِ الْكُعْبَةِ یہ اس اضافت لفظیہ کی مثال ہے جس میں کَبَالِغِ اسم فاعل ہے جو اپنے معمول یعنی مفعول بہ الكعبۃ کی طرف مضاف ہے۔

معمور الدار یہ اس اضافت لفظیہ کی مثال ہے جس میں معمور اسم مفعول ہے جو اپنے معمول مفعول بہ الدار کی طرف مضاف ہے۔

حَسَنُ الْوَجْهِ یہ اس اضافت لفظیہ کی مثال ہے جس میں صفت مشبہ اپنے فاعل الوجه کی طرف مضاف ہے۔

اضافت لفظیہ کی وجہ تسمیہ:

وَتَسْمَى لَفْظِيَّةً لَانْهَا الْمَجْرَدُ التَّخْفِيفُ: یہاں سے مصنف اضافت لفظیہ کی وجہ تسمیہ بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا، چوں کہ یہ اضافت لفظی لفظ میں ایک امر کا فائدہ دیتی ہے اور وہ صرف تخفیف ہے، تعریف اور تخصیص اس سے حاصل نہیں ہوتی۔ اضافت لفظی میں تخفیف فی اللفظ کس طرح ہوتی ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) تخفیف مضاف کے لفظ میں ہو، پھر اگر مضاف مفرد ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، اس کی تنوین جو حقیقتاً ہو اس کو حذف کیا جائے جیسے ضَارِبُ زَيْدٍ، یہ اصل میں ضَارِبٌ زَيْدًا تھا، مضاف سے تنوین کو حذف کر دیا گیا، یا مضاف میں جو حکماً تنوین پائی جاتی ہے، اس کو حذف کر دیا جائے جیسے حَوَاجُ بَيْتِ اللَّهِ، اس میں حَوَاجُ مضاف ہے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اضافت سے پہلے ہی تنوین ساقط ہو گئی تھی، لیکن حکماً موجود ہے اور بوجہ اضافت اس کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ اور اگر مضاف مفرد نہیں، بلکہ تنبیہ یا جمع ہے، تو پھر اضافت کے وقت نون تنبیہ اور نون جمع کو ساقط کر دیا جائے گا جیسے ضَارِبًا زَيْدًا، ضَارِبُونَ زَيْدًا۔

(۲) یا تخفیف مضاف الیہ کے لفظ میں ہوگی، اس کی صورت یہ ہوگی کہ مضاف الیہ میں جو ضمیر پائی جاتی ہے اس کو حذف کر کے صفت کے صیغہ میں پوشیدہ کر دیا جائے جیسے القائم الغلام، یہ اصل میں القائم غلامہ، تھا، ہاء ضمیر کو غلامہ سے حذف کر کے القائم میں اس کو پوشیدہ کر دیا گیا، پھر القائم کو غلام کی طرف مضاف کر دیا گیا، الْقَائِمُ الْغُلَامُ ہو گیا۔

(۳) یا تخفیف مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں ہو جیسے حَسَنُ الْوَجْهِ، یہ اصل میں حَسَنُ، وَجْهُ تھا، پس اضافت سے حَسَنُ کی تنوین اور وجْہ کی ضمیر محذوف ہو گئی اور ضمیر کے عوض میں لام تعریف لے آئے پس مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہو گئی۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ اضافت لفظی صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تعریف و تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی تو اب اس پر متفرع کیا جا رہا ہے کہ ”هَذَا بِالِغِ الْكَعْبَةِ“ کی ترکیب درست ہوگی، اور وہ اس وجہ سے درست ہوگی کہ اس میں بِالِغِ هَذَا کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان مطابقت ضروری ہے، موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہو اور بِالِغِ الْكَعْبَةِ میں اضافت لفظی کی وجہ سے صرف تخفیف ہے یہ معرّفہ نہیں بلکہ بِالِغِ جس طرح اضافت سے پہلے نکرہ تھا اب بھی نکرہ ہے، اس لیے هَذَا کا نکرہ صفت واقع ہونا صحیح ہے، هَذَا بِالِغِ الْكَعْبَةِ (بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے، پ ۷، مادہ آیت ۹۵) اسی طرح ”ثَانِي عَطْفِهِ“ (تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں، پ ۷، ج ۱، آیت ۹) میں ثَانِي حال کو عَطْفِهِ معرّفہ کی طرف اضافت کرنے کے ساتھ لانا درست ہے، کیوں کہ ثانی تنوین کو ساقط کر کے تخفیف کیا گیا ہے۔

بَابُ الْإِضَافَةِ لِتَجَامِعِ التَّنْوِينِ وَلَا التَّنُونِ

یہ باب ایسی اضافت کے بیان میں جو تنوین اور نون کو جمع نہیں کرتی

وَلَا تَجَامِعُ الْإِضَافَةُ تَنْوِينًا وَلَا نُونًا تَالِيَةً لِلْأَعْرَابِ مُطْلَقًا، وَلَا
”أَلٌ“ إِلَّا فِي نَحْوِ ”الضَّارِبَا زَيْدٌ“ وَ ”الضَّارِبُوا زَيْدٌ“ وَ ”الضَّارِبُ
الرَّجُلُ“ وَ ”الضَّارِبُ رَأْسُ الْجَانِي“ وَ ”الرَّجُلُ الضَّارِبُ غُلَامِهِ“۔

ترجمہ:- اضافت تنوین اور اعراب کے لیے آنے والے نون کو مطلقاً جمع نہیں کرتی، اور الف لام کو بھی جمع نہیں کرتی، مگر الضارباً زید، الضاربوا زید، الضاربُ الرجل، الضاربُ رأس الجانی، اور الرجلُ الضاربُ غلامہ۔

اضافت کے وقت تنوین اور نون کا حکم:

وَلَا تَجَامِعُ الْإِضَافَةُ تَنْوِينًا وَلَا نُونًا الخ فاضل مصنف نے اس عبارت میں اضافت کے وقت تنوین اور نون کے سقوط کا حکم بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اضافت تنوین اور اعراب کے لیے آنے والے نون اور الف لام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، یعنی مضاف پر نہ تو تنوین آ سکتی ہے اور نہ نون

تثنیہ و جمع، اسی طرح الف لام کا دخول بھی ناجائز ہے، جیسے جاء نی غلام یا ہذا میں لفظ غلام اضافت سے پہلے تنوین کے ساتھ ہے، لیکن جب اس کی اضافت کردی جائے کسی اسم کی طرف تو تنوین ساقط ہو جائے گی اور جاء نی غلام زید پڑھا جائے گا بغیر تنوین کے، کیوں کہ مضاف پر تنوین نہیں آتی۔

(۱) طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ بوقت اضافت مضاف سے تنوین کیوں حذف کردی جاتی ہے؟

جواب: چونکہ تنوین کمال اسم پر دلالت کرتی ہے اور اضافت نقصان اسم پر، جس وقت ایک اسم کی اضافت دوسرے اسم کی طرف کی جاتی ہے تو مضاف مضاف الیہ سے اکتساب فیض کرتا ہے اور اکتساب فیض کے لیے مملکت کا مملکت سے ادنیٰ ہونا ضروری ہے، اس لیے مضاف سے تنوین حذف کر کے نقصان اسم کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے، اگر تنوین حذف نہ کیا جائے تو دو خرابی لازم آئے گی، ایک تو ایک ہی شے کا بیک وقت کامل اور ناقص دونوں ہونا لازم آئے گا، دوسری مضاف کمال اسم پر دلالت کرنے کی وجہ سے مضاف الیہ سے اکتساب فیض نہیں کر سکتا۔

اضافت کی صورت میں مضاف سے تنوین ہی کی طرح نون تثنیہ اور نون جمع بھی ساقط ہو جاتی ہیں جیسے جاء نی مُسْلِمَانِ، وَمُسْلِمُونَ کی جب اضافت کی جائے تو عبارت جاء نی مُسْلِمَاكَ، مُسْلِمُوكَ ہوگی، اور باری تعالیٰ کا قول "وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ" (اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں۔ پ ۱۷، ج ۳۵) میں بھی اضافت کی وجہ سے نون جمع ساقط ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲):

مضاف تو الف لام سے خالی ہوتا ہے، اس کے باوجود المقيمي الصلوة میں مضاف پر الف لام داخل ہے ایسا کیوں؟ چونکہ المقيمي الصلوة اضافت لفظیہ کی مثال ہے اور اضافت لفظیہ سے تعریف کا فائدہ اس وقت ہوگا جبکہ مضاف معرف باللام ہو۔ لہذا تعریف کا فائدہ دینے کے لیے مضاف پر الف لام داخل کیا ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول "إِنَّكُمْ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ" (تم سب کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا، پ ۲۳، الصفات، آیت ۳۸) سے نون جمع ساقط ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ" (ہم اونٹنی کو نکالنے والے ہیں۔ پ ۲۷، قمر، آیت ۲۷) میں اضافت کی وجہ سے نون محذوف ہے ورنہ اصل میں المقيمين، لذائقون اور مرسلون تھا۔

ولا نونا تالیة للاعراب کی تشریح: تَالِيَةً للاعراب کے نون سے مراد نون جمع اور نون تشنیہ ہے، اس قید سے مفرد اور جمع تکسیر کے نون سے احتراز کیا ہے، اسی طرح حِیْن اور شَیَاطِیْن کے نون سے احتراز کیا ہے، اس لیے کہ یہ نون اعراب کے ساتھ مستقل پڑھے جاتے ہیں اعراب کے لیے لائے نہیں جاتے۔ برخلاف نون تشنیہ اور نون جمع کے کہ یہ دونوں اعراب کے لیے لائے جاتے ہیں، لہذا هذا حِیْن یا فَتٰی اور هُوَ لاءِ شَیَاطِیْن یا فَتٰی میں نون ہمیشہ باقی رہے گا اور ان دونوں کا اعراب ضمہ کے ساتھ آئے گا، چنانچہ جب آپ اضافت کر کے پڑھنا چاہیں اور "آتیک حِیْن طُلُوعِ الشَّمْسِ" اور "هولاءِ سیاطین الانس" کہیں تو اضافت کے بعد بھی نون باقی رہے گا، اس لیے کہ اعراب کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اظہار اعراب کے لیے لایا نہیں گیا ہے۔

وَلَا "آل" کی توضیح: بوقت اضافت مضاف سے الف لام بھی ساقط ہو جاتا ہے، چنانچہ جاء الغلام کی جب اضافت کی جائے تو جاء غلام زید پڑھا جائے گا، اس لیے کہ الف لام تعریف کے لیے ہے اور اضافت بھی تعریف کے لیے ہوتی ہے۔ اگر الف لام باقی رکھتے ہوئے اضافت کی جائے اور الغلام زید پڑھا جائے تو اس وقت ایک اسم پر دو تعریفوں کا جمع ہونا لازم آئے گا اور یہ تحصیل حاصل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

نکتہ:- مضاف پر تنوین نہیں آتی حالاں کہ "وَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ" کے اندر بَعْضٍ مضاف ہے، کیوں کہ اس کی اصل بَعْضِهِمْ اور اس پر تنوین داخل ہے۔ جواب: دراصل بَعْضٍ پر تنوین تنوین عوض ہے یعنی مضاف الیہ کے عوض میں ہے، اگر تنوین نہ آتی تو پھر اس کو مضاف کہنا ہی کیوں کر درست ہوتا، اس لیے کہ اس میں مضاف کہنے کی کوئی علامت موجود نہیں۔

مضاف پر الف لام کے دخول کا جواز:

إِلَّا فِي نَحْوِ "الضَّارِبَا زَيْدٍ، وَالضَّارِبُو زَيْدٍ الْخ" کی تشریح: مذکور الصدر احکامات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مضاف پر الف لام کا دخول جائز نہیں، لیکن صاحب کتاب اس عبارت میں مضاف پر الف لام کے دخول کے جواز کی صورتوں کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں، مضاف پر الف لام کا داخل ہونا جائز ہے بشرطیکہ مضاف صیغہ صفت ہو اور مضاف الیہ اس صفت کا معمول ہو اور مندرجہ ذیل امور خمسہ میں سے کوئی امر موجود ہو۔

(۱) مضاف تشنیہ کا صیغہ ہو جیسے الضَّارِبَا زَيْدٍ، اسی طرح عنترہ بن شداد العبسی نامی شاعر سے بھی مضاف معرف بالام استعمال فرمایا ہے۔ جیسے

وَلَقَدْ خَشِيتُ بَانَ أُمُوتَ وَلَمْ تَدُرْ لِلْحَرْبِ دَائِرَةً عَلَى ابْنِي ضَمُضَمِ
 الشَّاتَمِي عَرْضِي وَلَمْ أَشْتَمُهُمَا وَالنَّاذِرَيْنِ إِذَا لَمْ الْقَهْمَا ذَمِي
 ان دونوں اشعار میں الشَّاتَمِي عَرْضِي مضاف ہے جو تشنیہ کا صیغہ ہے اور معرف باللام ہے۔
 (۲) مضاف جمع مذکر سالم ہو جیسے "الضَّارِبُ زَيْدٌ" اسی طرح ایک شاعر نے جمع مذکر سالم کو
 مضاف ہونے کی صورت میں معرف باللام استعمال فرمایا ہے۔

الْحَافِظُو عَوْرَةَ الْعَشِيرَةِ لَا يَأْتِيهِمْ مِنْ وَرَائِهِمْ نَطَقٌ
 چوں کہ اضافت لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اس وجہ سے الضَّارِبُ زَيْدٌ اور الضَّارِبُو
 زَيْدٌ جائز ہے، اس لیے کہ اول مثال میں نون تشنیہ اور ثانی میں نون جمع کے ساقط ہو جانے سے تخفیف
 حاصل ہو گئی ہے، اور الضَّارِبُ زَيْدٌ کہنا ناجائز ہے، کیوں کہ اس میں اضافت کی وجہ سے تخفیف نہیں
 ہوتی۔ الضَّارِبُ میں تنوین تو الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اس میں اضافت کو کوئی دخل نہیں۔

(۳) مضاف الیہ الف لام کے ساتھ ہو جیسے الضَّارِبُ الرَّجُلُ، قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ
 الضَّارِبُ الرَّجُلُ ناجائز ہوتا، کیوں کہ اضافت کی وجہ سے اس میں تخفیف نہیں ہوتی بلکہ الف ولام کی
 وجہ سے تنوین حذف ہوئی ہے۔ اور جب اضافت لفظی میں تخفیف نہ حاصل ہو تو ایسی اضافت ناجائز
 ہوتی ہے، اس لیے الضَّارِبُ الرَّجُلُ بھی ناجائز ہونا چاہیے، لیکن یہ محمول ہے اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ کی
 مختار وجہ پر اس لیے اس کو جائز قرار دیا ہے، اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ میں تین صورتیں ہیں ان میں مختار صورت
 یہ ہے کہ اَلْحَسَنُ مضاف ہو اور الوجہ مضاف الیہ مجرور ہو اور چوں کہ الضَّارِبُ الرَّجُلُ اور اَلْحَسَنُ
 الْوَجْهِ کے اندر اشتراک ہے، اس لیے یہ بھی جائز ہے اور ان میں اشتراک مضاف اور مضاف الیہ
 دونوں میں ہے۔ مضاف میں شرکت اس طرح ہے کہ الضَّارِبُ اور اَلْحَسَنُ دونوں صفت کے صیغے
 ہیں اور معرف باللام ہیں۔ اور مضاف الیہ میں شرکت اس طرح ہے کہ الرَّجُلُ اور اَلْوَجْهِ دونوں اسم
 جنس ہیں اور معرف باللام ہیں۔ اور الضَّارِبُ زَيْدٌ میں یہ بات نہیں ہے، کیوں کہ اس میں مضاف
 الیہ زید ہے اور وہ نہ اسم جنس ہے اور نہ معرف باللام، اس لیے الضَّارِبُ زَيْدٌ کو اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ پر
 قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور جب اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا تو الضَّارِبُ الرَّجُلُ پر بھی قیاس کرنا صحیح
 نہیں، کیوں کہ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان اشتراک ہونا چاہیے اور الضَّارِبُ زَيْدٌ اور الضَّارِبُ
 الرَّجُلُ کے درمیان اشتراک نہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

(۴) مضاف الیہ مضاف ہوا لیے اسم کی طرف جس میں الف لام ہو جیسے الضَّارِبُ رَأْسِ
 الْجَانِي، اور الضَّارِبُ رَأْسِ الرَّجُلِ۔

(۵) مضاف الیہ مضاف ہوا یہ ضمیر کی طرف جو عود کر رہی ہو، اس اسم پر جس میں الف لام ہو جیسے مَرَرْتُ بِالرَّجُلِ الضَّارِبِ غَلَامِهِ۔

ضمیمات باب ہذا

موصوف صفت میں جانبین سے اضافت کا امتناع:

اضافت صفت کی موصوف کی طرف یا اضافت موصوف کی صفت کی طرف، یہ دونوں قسم کی اضافت ناجائز ہے، جیسے زیدٌ عالمٌ میں زید موصوف ہے اور عالمٌ صفت ہے، تو اگر زید کی اضافت عالم کی طرف کریں اور زیدٌ عالم کہیں تو ناجائز ہے۔ اور ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صفت حقیقت میں عین موصوف ہے اور مضاف الیہ مضاف کے مغائر ہوتا ہے۔ پس اگر موصوف کو اس کی صفت کی طرف مضاف کریں تو عینیت میں غیریت لازم آئے گی اور لازم باطل پس ملزوم بھی باطل ہے، یا یہ کہا جائے کہ موصوف دو حال سے خالی نہیں صفت سے اخصل ہوگا یا مساوی اگر اخصل ہو تو اشکال اعلیٰ کا ادنیٰ سے لازم آئے گا اور وہ ناجائز ہے، اور اگر مساوی ہو تو اضافت سے کچھ فائدہ حاصل نہیں، تحصیل حاصل ہے۔ اسی طرح اپنے موصوف کی طرف مضاف ہو تو اس وقت غیریت بجائے عینیت کے لازم آئے گی نیز فوقیت تابع کی متبوع پر لازم آئے گی۔ اور وہ ناجائز ہے۔ (ایضاح المطالب ص ۹۶)

سوال: حضرت الاستاذ! آپ کا یہ کہنا کہ موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف نہیں ہوتا ہم یہ نہیں مانتے، اس لیے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ کلام عرب میں بکثرت موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی ہے جیسا کہ مَسْجِدُ الْجَامِعِ اور صَلَوةُ الْاُولٰی۔ پس یہ قاعدہ کلیہ باطل ہو گیا۔

جواب: دراصل یہ مسئلہ مذکور متاویل ہیں۔ چنانچہ مسجد الجامع اصل میں مسجد الوقت الجامع تھا، پس جامع اس میں وقت کی صفت ہے نہ کہ مسجد کی، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انسانوں کا جمع کرنے والا نماز کا وقت ہے مسجد نہیں ورنہ تمام اوقات میں انسان مسجد میں مجتمع ہوتے اور یہ باطل ہے۔ (ایضاح ص ۹۷)

دو مماثل اسموں میں اضافت کا امتناع اور اس کا سبب:

جب ایک اسم دوسرے اسم کے ساتھ عموم و خصوص میں مماثل اور مشابہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں ہو سکتی، خواہ وہ دونوں اسم عیاں میں سے ہوں جیسے لیث اور اسد، یا معانی اور احداث میں سے ہوں جیسے مَنَعَ وَحَبَسَ، اور یہ اضافت اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بغیر اضافت کے جو معنی ہوتے ہیں اضافت کے بعد بھی وہی معنی رہتے ہیں، تو پھر اضافت سے کیا فائدہ، مثلاً کسی نے رَأَيْتُ لَيْثَ اَسَدٍ اضافت کے ساتھ کہا تو اس کے معنی وہی ہیں

جو رَأَيْتُ لَيْثًا کے ہیں۔

نکتہ:- مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے، حالاں کہ مَرَرْتُ بِزَيْدٍ کے اندر مَرَرْتُ فعل ہے اور مضاف ہے؟ جواب: مضاف اس وقت اسم ہوتا ہے جب کہ مضاف الیہ سے قبل حرف جر ظاہر نہ ہو، جیسے غلام زید اور اگر حرف جر ظاہر ہو مقرر نہ ہو تو اس وقت مضاف فعل ہوگا، مگر فعل کو مضاف کہنا متروک ہے، اسی لیے فعل و فاعل کی ترکیب کرتے ہیں۔ (شرح جامی)

نکتہ:- کبھی کبھی ایک ہی ترکیب میں متعدد مضاف و مضاف الیہ ہوتے ہیں جیسے ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ۔
نکتہ:- عَلَمٌ ذاتی کی اضافت نہیں ہوتی، لیکن عَلِمَ صفاتی کی اضافت ہو جاتی ہے جیسے سُبْحَانَهُ۔ بعض اقوال کے مطابق سُبْحَانَ اللَّهِ کا صفاتی نام ہے اور اضافت ہو رہی ہے۔

نکتہ:- اضافت معنوی کے اندر مضاف پر الف لام داخل نہیں ہوتا، مگر شاذ و نادر جیسے ایک قرأت کے مطابق اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي، الذِّكْرُ مضاف معرف باللام ہے، مگر یہ شاذ ہے اور الثَّلَاثَةُ الْاَثْوَابِ۔ الخمسة الدراهم مضاف معرف باللام ہے اور ضعف میں اور اس طرح کی ترکیب کلام فصحاء میں متروک ہے۔ البتہ ضرورت شعری کی وجہ سے مضاف پر الف لام داخل ہو جاتا ہے۔ (شرح جامی)

بَابُ يَعْمَلُ عَمَلٍ فِعْلِهِ سَبْعَةَ أَشْيَاءَ

یہ باب اسماء عاملہ کے بیان میں ہے اور وہ سات ہیں

بَابُ، يَعْمَلُ عَمَلٍ فِعْلِهِ سَبْعَةَ، اِسْمُ الْفِعْلِ، كَهَيْهَاتَ، وَصَهُ، وَوَيَّ
بِمَعْنَى بَعْدَ، وَاسْكُتْ، وَاعْجَبْ، وَلَا يُحْذَفُ، وَلَا يَتَأَخَّرُ عَنْ مَعْمُولِهِ،
وَ"كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ مُتَاوَلٌ"، وَلَا يُبَرِّزُ ضَمِيرَهُ، وَيُجْزَمُ الْمُضَارِعُ فِي
جَوَابِ الطَّلَبِ مِنْهُ، نَحْوُ "مَكَانِكَ تَحْمَدِي أَوْ تَسْتَرِيحِي" وَلَا يُنْصَبُ۔

ترجمہ:- یہ باب ہے، وہ اسم جو عمل کرتا ہے اپنے فعل کا عامل (وہ) ساری ہیں۔ (ان

میں سے ایک) اسم فاعل ہے جیسے هَيْهَاتَ، صَهُ، اور وَيَّ، اُسْكُتْ، اور اَعْجَبْ کے متنی میں ہیں، اور وہ نہ تو حذف کیا جاتا ہے اور نہ اپنے معمول سے مؤخر ہوتا ہے، اور "كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ مُتَاوَلٌ" متاویل شدہ ہے، اور اس کی ضمیر ظاہر نہیں کی جاتی ہے، اور فعل مضارع کو جواب طلب میں واقع ہونے کی بناء پر جزم دیا جائے گا جیسے مَكَانِكَ تَحْمَدِي أَوْ تَسْتَرِيحِي، اور اسے نصب نہیں دیا جائے گا۔

اسماء عاملہ کی قسمیں:

بَابُ: يَعْمَلُ عَمَلٍ فِعْلِهِ سَبْعَةَ: فاضل مصنف جب اسماء مجرورات کو بیان کرنے سے

فارغ ہوئے تو اب یہاں سے اسمائے عاملہ (یعنی ان اسماء کو بیان کرنا شروع کیا جو اپنے افعال کے عمل کرنے کی طرح عمل کرتے ہیں) کو بیان کرنا شروع کیا، اسماء عاملہ سات ہیں۔

اسم فعل، مصدر، اسم فاعل، امثله مبالغہ، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل۔

صاحب کتاب یہاں سے مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق اسماء عاملہ کی وضاحت فرما رہے ہیں۔

اسم فعل کی تعریف اور قسمیں:

اسم فعل، فعل نہیں ہوتا بلکہ بظاہر اسم ہوتا ہے، مگر معنی میں فعل کے ہوتا ہے، خواہ فعل ماضی کے معنی میں ہو جیسے هَيَّهَاتَ بَعْدَ کے معنی میں، یا فعل امر کے معنی میں ہو جیسے هَيَّهَاتَ بَعْدَ بمعنی اُسْكُتْ، یا فعل مضارع کے معنی میں ہو جیسے وَيَ اَعْجَبُ، نیز اسم فعل علامت فعل کو قبول نہیں کرتا ہے۔

كَهَيَّهَاتَ، وَصَهْ وَوَيَّ الْخ فاضل مصنف نے اس عبارت میں اسم فعل کے اقسام کو بیان فرمایا ہے، اسم فعل کی تین قسمیں ہیں (۱) فعل ماضی کے معنی میں ہوگا جیسے هَيَّهَاتَ بَعْدَ کے معنی میں۔ یہ اپنے بعد آنے والے اسم کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع دیتا ہے جیسے هَيَّهَاتَ زَيْدٌ (دور ہوا زید) ترکیب اس طرح ہوگی، هَيَّهَاتَ اسم فعل بمعنی بَعْدَ فعل ماضی، زَيْدٌ فاعل، فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جریر بن عطیہ نے بھی اپنے کلام میں هَيَّهَاتَ اسم فعل کو بَعْدَ فعل ماضی کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

فَهَيَّهَاتَ هَيَّهَاتَ الْعَقِيْقُ وَمَنْ بِهِ وَهَيَّهَاتَ خَلٌّ بِالْعَقِيْقِ نَوَاصِلُهُ

(ترجمہ:- مقام عقیق اور اس کے باشندے ہم سے دور ہو گئے۔ اور مقام عقیق میں رہنے والے وہ دوست و احباب بھی ہم سے دور ہو گئے جن کے ساتھ ہم صلہ رحمی کا معاملہ کیا کرتے تھے۔) اس شعر میں محل استشہاد هَيَّهَاتَ الْعَقِيْقُ، اور هَيَّهَاتَ خَلٌّ ہے جو اسم فعل ہے اور بَعْدَ فعل ماضی کے معنی میں مستعمل ہے اور اپنے معمول العقیق اور خَلٌّ کو فاعلیت کی بناء پر رفع دے رہا ہے جیسا کہ بذات خود بَعْدَ اپنے مابعد اسم کو فاعلیت کی بناء پر رفع دیتا ہے۔

(۲) فعل امر کے معنی میں ہو جیسے هَيَّهَاتَ بَعْدَ، اُسْكُتْ کے معنی میں، یہ اپنے بعد آنے والے اسم کو مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب دیتے ہیں جیسے رُوَيْدَ زَيْدًا (چھوڑ زید کو) ترکیب اس طرح ہوگی، رُوَيْدَ اسم فعل بمعنی اَمْهَلْ امر حاضر ضمیر اَنْتَ فاعل، زَيْدًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ حدیث شریف میں بھی هَيَّهَاتَ بَعْدَ (خاموش رہ) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے حضور نے فرمایا اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ هَيَّهَاتَ فَقَدْ لَفَوْتَ

(جب تو نے اپنے ساتھی کو صہ کہا درانحالیکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو کام کیا) اس حدیث میں صہ کو اُسکُتُ فعل امر کے معنی میں استعمال کیا گیا۔

(۳) فعل مضارع کے معنی میں ہو جیسے وَیْ بِمَعْنَى اَعْجَبُ (میں تعجب کرتا ہوں) اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "وَيَكَاَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ" (بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔ پ ۲۰، قصص آیت ۸۲) یعنی کافروں کے کامیاب نہ ہونے پر میں تعجب کرتا ہوں۔

بعض لوگوں نے فرمایا کہ "وِی" کی اصل "وَا" بمعنی اَعْجَبُ ہے، جیسا کہ قبیلہ بنو تمیم کا ایک مجہول النسب شخص جو راجز کے نام سے جانا جاتا ہے اس نے اپنے کلام میں لفظ وَیْ کو وَا اَعْجَبُ کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

وَا، بِأَبَى أَنْتِ وَفُوكِ الْأَشْنَبُ كَأَنَّمَا ذُرٌّ عَلَيْهِ الزُّرْنَبُ

(واہ! خوب ہے، میرا باپ تجھ پر قربان ہو تو اور تیرا منہ شیریں لعاب اور چمک دار دانتوں والا ہے گویا کہ اس پر خوشبودار پاکیزہ جنگلی پودے بسا دیئے گئے ہوں۔) اس شعر میں محل استشہاد "وَا" ہے جو وَیْ بمعنی اَعْجَبُ ہے اور کبھی وَیْ وَاہَا بولا جاتا ہے جیسے شاعر کا قول

وَاہَا لِسَلْمَى ثُمَّ وَاہَا وَاہَا يَالَيْتَ عَيْنَاهَا لَنَا وَفَاہَا

(کیا ہی خوب ہے سلمیٰ، پھر کیا ہی خوب ہے، کاش کہ اس کی آنکھیں اور اس کا منہ ہمیں میسر ہوتے) اس شعر میں محل استشہاد "وَاہَا" ہے، تینوں جگہوں میں یہ اسم فعل بمعنی اَعْجَبُ ہے (اس شعر کے قائل کے بارے میں اختلاف ہے، ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ رؤبہ بن العجاج کا کلام ہے۔ دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ابو نجم فضل بن قدامہ عجل کا شعر ہے، اور ابوزید انصاری نے اپنے نوادرات میں اکثر اشعار ابوغول طہوی سے نقل فرمایا ہے جس میں یہ شعر بھی مذکور ہے۔

اسم فعل کے احکام:

ولا يحذف ولا يتأخر عن معموله الخ اس عبارت میں فاضل علام نے اسم فعل کے چند احکام کو بیان فرمایا ہے جو بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا حکم:- اسم فعل اپنے معمول سے کبھی مؤخر نہ ہوگا۔ (اگر کہیں مؤخر ہے تو تاویل شدہ ہے) چنانچہ "عَلَيْكَ زَيْدًا" الزَّمُ زَيْدًا کے معنی میں ہے اسے زَيْدًا عَلَيْكَ کہنا درست نہیں، کیوں کہ عَلَيْكَ اسم فعل ہے، جس کا معمول زَيْدًا ہے اب زَيْدًا عَلَيْكَ کہنے کی صورت میں اسم فعل کا اپنے معمول سے مؤخر ہونا لازم آرہا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

لیکن امام کسائی نے جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے اسم فعل کا معمول سے مؤخر ہونے کو جائز قرار دیا ہے اور اس پر باری تعالیٰ کے قول "كِتَابَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ" (اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے۔ پ ۵، نساء آیت ۲۴) سے استدلال کیا ہے، کیوں کہ علیکم کتاب اللہ کے معنی میں ہے یعنی یہ الزمؤہ کے معنی میں ہے، اور بصریین کے نزدیک کتاب اللہ عامل محذوف کا مصدر ہے اور علیکم جار مجرور سے مل کر عامل محذوف سے متعلق ہے اور تقدیری عبارت کَتَبَ اللّٰهُ ذَالِكَ كِتَابًا عَلَيْكُمْ ہے۔ اور عامل کے مقدر ہونے پر باری تعالیٰ کا قول حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ تحریم کتابت کو مستلزم ہے اور اس کی تقدیری عبارت حَرَّمَ اللّٰهُ حَرَامًا عَلَيْكُمْ ای تَحْرِيمًا علیکم ہے۔

دوسرا حکم: وَيُجْزَمُ المضارعُ في جواب الطلبی منه اسم فعل جب طلب کے معنی پر دلالت کرے تو اس کے جواب میں آنے والا فعل مضارع کا مجزوم ہونا جائز ہے جیسے "نَزَّالٍ نَحْدُثُكَ" (اتر وہم تجھ سے بات کریں گے) جزم کے ساتھ ہے جو کہ انْزَلَ نَحْدُثُكَ کے معنی میں ہے، اس عبارت میں نَزَّالٍ اسم فعل ہے جو طلب کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور نَحْدُثُكَ فعل مضارع جواب میں واقع ہے، اس لیے اس کا مجزوم ہونا جائز ہے۔

اسی طرح عمرو بن مناة (جو عمرو بن النابہ کے نام سے مشہور ہے) کا کلام بھی مذکورہ حکم پر دلالت کرتا ہے جیسے

وَقَوْلِي كُلَّمَا جَشَّاتُ وَجَاشْتُ مَكَانَكَ تَحْمَدِيْ أَوْ نَسْتَرِيْجِيْ

(ترجمہ:- جب جب تو گھبرائی اور غمزہ ہوئی تو میرا قول یہی رہا کہ تو ثابت قدم رہ کہ تو تعریف کی جائے گی یا تو آرام پائے گی) اس شعر میں محل استشہاد شعر کا دوسرا مصرعہ ہے جس میں مَكَانَكَ اصل میں ظرف مکان ہے، لیکن ظرف کے معنی سے نقل کر کے اسم فعل بنایا گیا ہے اب یہ اثبتی کے معنی میں ہے جو طلب پر دلالت کرتا ہے اور تَحْمَدِيْ جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور علامت جزم نون کا حذف ہونا ہے۔

تیسرا حکم:- وَلَا يُنْصَبُ جب اسم فعل طلب کے معنی پر دلالت کرے اور اس کے جواب میں فعل مضارع فاء کے بعد آئے تو اسے نصب نہیں دیا جائے گا، چنانچہ آپ مَكَانَكَ فَتَحْمَدِيْ، اور صَہ فَنَحْدُثُكَ نہیں کہہ سکتے، برخلاف امام کسائی کے کہ ان کے نزدیک نصب کے ساتھ پڑھنا درست ہے۔

الثانی: المَصْدَرُ — دوسری قسم مصدر کا بیان

وَالْمَصْدَرُ كَضَرْبٍ وَإِكْرَامٍ، إِنْ حَلَّ مَحَلَّهُ فِعْلٌ مَعَ أَنْ، أَوْ مَعَ مَا، وَلَمْ يَكُنْ مُصَغَّرًا، وَلَا مُضْمَرًا، وَلَا مَحْذُودًا، وَلَا مَنَعُوتًا قَبْلَ الْعَمَلِ، وَلَا مَحْذُوفًا، وَلَا مَفْصُولًا مِنَ الْمَعْمُولِ، وَلَا مُؤَخَّرًا عَنْهُ، وَأَعْمَالُهُ مُضَافًا أَكْثَرُ، نَحْوُ: "وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ" وَقَوْلُ الشَّاعِرِ "آلَا إِنَّ ظُلْمَ نَفْسِهِ الْمَرْءُ بَيِّنٌ" وَمَنْوَنًا أَقْيَسُ، نَحْوُ "أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا" وَبِالْ شَاذٍ، نَحْوُ: وَكَيْفَ التَّوَقَّى ظَهَرَ مَا أَنْتَ رَاكِبُهُ.

ترجمہ:- اور مصدر اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے جیسے ضَرْبًا، اور اِكْرَامًا، بشرطیکہ فعل کا اِنْ یا مَا کے ساتھ مصدر کی جگہ آنا درست ہو، اور مصدر مصغر نہ ہو، نہ مضمر ہو، نہ محدود ہو، عمل سے پہلے منعوت نہ ہو نہ محذوف ہو، نہ معمول سے فصل کیا گیا ہو، اور معمول سے مؤخر بھی نہ ہو۔ اور اس کا عمل کرنا اکثر مضاف ہونے کی حالت میں ظاہر ہوگا جیسے "وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ" اور شاعر کا قول "آلَا إِنَّ ظُلْمَ نَفْسِهِ الْمَرْءُ بَيِّنٌ" اور مصدر کا مَنْوَن ہونے کی حالت میں عمل کرنا زیادہ قرینہ قیاس ہے جیسے "أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا" اور مصدر کا معرف باللام ہونے کی صورت میں عمل کرنا شاذ ہے جیسے وَكَيْفَ التَّوَقَّى ظَهَرَ مَا أَنْتَ رَاكِبُهُ۔

تشریح:- اپنے فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عالمہ کی دوسری قسم "مصدر" ہے، لیکن فعل کی طرح عمل کرنے کی شرائط تحریر کرنے سے قبل بطور تمہید کے چند بنیادی باتوں کا جان لینا از حد ضروری ہے، تاکہ مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

مصدر کی تعریف اور اس کا عمل:

والمصدر كَضَرْبٍ وَإِكْرَامٍ الخ اس عبارت سے فاضل مصنف نے مصدر کی تعریف کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ مصدر ایسے اسم کو کہتے ہیں جو معنی حدی (قائم بالغیر) پر دلالت کرے۔ اور فعل پر جاری ہو۔ یعنی اس سے افعال وغیرہ نکلتے ہوں جیسے ضَرْبًا (مارنا) یہ ثلاثی مجرد کی مثال ہے اور اِكْرَامًا (عزت کرنا) یہ رباعی کی مثال ہے۔ (یعنی حدی سے مراد وہ معنی ہے جو بالذات قائم نہ ہو بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہو جو اس پر غیر سے صادر ہو جیسے ضَرْبٌ اور اِكْرَامٌ کہ ضَرْبٌ اور اِكْرَامٌ ایک معنی ہے جو بالذات قائم نہیں، بلکہ زید و عمر وغیرہ کے ساتھ قائم ہے جس سے یہ صادر ہوتے ہیں۔ یا

غیر سے صادر نہیں جیسے موت اور جسامت کہ یہ ایک معنی ہیں جو زید وغیرہ کے ساتھ قائم ہیں، لیکن ان سے صادر نہیں ہوتے ہیں۔

مصدر اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، پس اگر مصدر لازم ہو تو فاعل کو رفع دے گا، لیکن مصدر اکثر فاعل کی طرف مضاف ہوتا ہے، اس لیے اس کا فاعل لفظوں میں مجرور ہوگا، جیسے اعجبنی قیام زید۔ اس میں قیام مصدر ہے اور زید اس کا فاعل، زید مضاف الیہ ہے اس لیے زید پر لفظاً جر ہے۔

اگر مصدر متعدی ہے تو فعل متعدی جیسا عمل کرے گا، یعنی فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دے گا خواہ مصدر ماضی کے معنی میں ہو یا حال کے معنی میں یا استقبال کے معنی میں (یہ فعل لازم اور متعدی دونوں کے لیے عام ہے۔)

یہاں بھی فاعل مصدر کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا، البتہ مفعول پر نصب آئے گا، جیسے اَعْجَبَنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرَوًا، اس میں ضَرْبُ مصدر مضاف ہے اور زید اس کا فاعل مضاف الیہ ہے، اس لیے مجرور ہے اور عَمْرَوًا مفعول بہ ہے اس لیے منصوب ہے۔ کبھی مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو جاتا ہے، اس وقت مفعول لفظوں میں مجرور ہوگا اور محلاً منصوب ہوگا، جیسے عَجِبْتُ مِنْ ضَرْبِ اللَّصِّ الْجَلَّادِ (میں نے تعجب کیا جلاد کے چور کو مارنے سے) اس میں ضَرْبُ مصدر مضاف ہے اور جلاد ضَرْبُ مصدر کا فاعل ہے، اس لیے اس کو رفع ہے اور مصدر کی اضافت مفعول اللَّصِّ کی طرف ہونے کی وجہ سے لفظاً مجرور ہے۔

مصدر کے عمل کرنے کی شرطیں:

اِنْ حَلَّ مَحَلَّهُ فَعُلْ مَعَ اَنْ اَوْ مَعَ مَا: فاضل مصنف نے اس عبارت میں مصدر کے فعل کی طرح عمل کرنے کی شرطیں تحریر فرمائی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں مصدر اپنے فعل کی طرح عمل کرے گا، بشرطیکہ اس میں شرائط ثمانیہ میں سے کوئی ایک شرط پائی جائے۔

پہلی شرط: فعل کا اَنْ کے ساتھ یا مآ کے ساتھ مصدر کی جگہ آنا درست ہو۔ اَنْ کی مثال جیسے "اَعْجَبَنِي ضَرْبُكَ زَيْدًا" (تعجب میں ڈالتا ہے مجھ کو زید کے تیرے مارنے سے) کو یُعْجِبُنِي اَنْ تَضْرِبَ عَمْرَوًا پڑھنا درست ہے، کیوں کہ دونوں مثالوں میں خواہ ماضی ہو یا مضارع فعل کا اَنْ کے ساتھ مصدر کی جگہ آنا درست ہے، لہذا ان دونوں مثالوں میں مصدر نے فعل جیسا عمل کرتے ہوئے زید اور عَمْرَوًا کو بر بنائے مفعولیت نصب دیا ہے۔ (ترکیب اس طرح ہوگی۔ اَعْجَبَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر متکلم مفعول بہ، ضَرْبُ مصدر مضاف، کاف ضمیر خطاب فاعل مضاف الیہ، زید مفعول بہ،

مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور مفعول سے مل کر فاعل ہوا اعجب فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

لیکن "يُعْجِبُنِي ضَرْبُكَ زَيْدًا الْآنَ" میں اَنْ ضَرَبْتَ مصدر کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اَنْ ضَرَبْتَ ماضی کے لیے ہے اور اَنْ تَضْرِبَ بھی کہنا درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ مستقبل کے لیے ہے، ہاں ما کے ساتھ فعل کو استعمال کر کے مَاتَضَرِبُ کہنا درست ہے، اس لیے کہ اس فعل میں حال کا معنی ہے اور يُعْجِبُنِي ضَرْبُكَ زَيْدًا الْآنَ بھی حال کے معنی میں دلالت کرتا ہے، لہذا یہ درست ہوا۔

ما مصدریہ کو فعل پر داخل کر کے معنی مصدری مراد لینا درست ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی آیت سے استدلال ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "بِمَا رَحَّبْتَ" باوجود اپنی فراخی کے۔ پ ۱۱، سورہ توبہ، آیت ۱۱۸ اور باری تعالیٰ کا قول "وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ" (تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں۔ پ ۴، آل عمران آیت ۱۱۸) بِرَحْبِهَا، وَعَنِتُّكُمْ مصدر کے معنی میں ہیں۔

ضَرْبًا زَيْدًا کی تشریح:- اہل عرب کا قول "ضَرْبًا زَيْدًا" میں زید کو ضَرْبًا کا معمول بنانا جائز نہیں۔ برخلاف نحو یوں کی ایک جماعت کے، اس لیے کہ مصدر یہاں اس حالت میں ہے کہ فعل بغیر اَنْ اور مَا کے اس کا قائم مقام ہو رہا ہے مثلاً اَضْرِبْ زَيْدًا کہا جاتا ہے، تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ زید منصوب کیونکر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زید اور اصل اس فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جو مصدر کے لیے ناصب ہے۔

اسی طرح اہل عرب کا قول "مَرَرْتُ بِزَيْدٍ فَإِذَا لَهُ صَوْتُ صَوْتِ حِمَارٍ" (میں زید کے ساتھ گزرا اس حال میں کہ اس کی آواز گدھے جیسی آواز تھی) میں دوسرے لفظ صوت کو پہلے لفظ صوت کی وجہ سے نصب دینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ پہلا لفظ صوت ایسا مصدر ہے کہ فعل نہ تو حروف مصدر کے ساتھ مثلاً فَإِذَا لَهُ اَنْ صَوْتُ یا اَنْ يَصُوْتُ یا مَا يَصُوْتُ اس کا قائم مقام ہو سکتا ہے اور نہ اس کے بغیر، جب کہ مصدر کو اپنے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ فعل کا اَنْ یا مَا کے ساتھ اس کی جگہ آنا درست ہو اور مصدر معنی حدیث پر بھی دلالت کر رہا ہو اور یہ صورت یہاں موجود نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عبارت کا معنی و مفہوم مصدر کو اسم الصوت ہونے کی بناء پر بتاویل فعل مراد لینے سے انکار کر رہا ہے، کیوں کہ عبارت مذکورہ سے مراد یہاں اِنَّكَ مَرَرْتَ بِهِ وَهُوَ فِي حَالَةٍ تَصْوِيتِهِ ہے (میں گزرا اس کے ساتھ اس حال میں کہ وہ گدھے کی آواز کی حالت میں تھا) یہ معنی و مفہوم نہیں کہ اس نے گزرنے کے وقت آواز پیدا کی، لہذا شرط کے مفقود ہونے کی جگہ مصدر کے لیے اپنے فعل جیسا عمل کرنا جائز نہیں۔

دوسری شرط ولم یکن مُصَفَّرًا: - مصنف یہاں سے دوسری شرط بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ مصدر مصغر نہ ہو، کیوں کہ تصغیر شئی کی تحقیر پر دل ہوتی ہے، اس کے وجود کے بعد اور فعل حقارت کو قبول نہیں کرتا ہے، اگر مصغر ہوگا تو وہ فعل جیسا عمل نہیں کرے گا جیسے اَعْجَبَنِي ضَرْبُكَ زَيْدًا کہنا درست نہیں، کیوں کہ ضَرْبُ اگرچہ مصدر ہے، لیکن مصغر ہونے کی وجہ سے فعل جیسا عمل نہیں کر سکتا، اس لیے کہ یہ شرط کے خلاف ہے، اس بارے میں کسی بھی نحوی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بعض نحویوں نے جمع مصدر کو مصغر پر قیاس کرتے ہوئے فعل جیسا عمل کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، کیوں کہ مصغر اور جمع مصدر میں سے ہر ایک فعل کا مبالغہ ہوتا ہے اور وجہ مبالغہ یہ ہے کہ یہ دونوں اسم کی علامات میں سے ہیں، لیکن اکثر نحویوں نے جمع مصدر کو فعل جیسا عمل کرنے کی اجازت دی ہے اور ان لوگوں نے زہیر بن ابوسلمیٰ مزنی کے کلام سے استدلال کیا ہے۔

وَعَدْتُ وَكَانَ الْخُلْفُ مِنْكَ سَجِيَّةً مَوَاعِيْدَ عُرْقُوبٍ آخَاهُ بِيْتَرَبِ

(تو نے وعدہ کیا حالاں کہ وعدہ خلائی کرنا تیری ایسی ہی فطرت ہے جیسا کہ عرقوب کا اس کے بھائی کے ساتھ مقیام یترب میں وعدہ خلائی کرنا فطرت میں داخل ہے۔ سَجِيَّةً بمعنی فطرت، خصلت، مواعید میعاد یا موعِد کی جمع ہے اور موعِد وعد کے لیے مصدر میمی ہے۔ عرقوب سے ایک ایسا آدمی مراد ہے جو وعدہ خلائی کرنے میں ضرب المثل تھا) اس شعر میں محل استشہاد "مواعید عرقوب اخاہ" ہے، اس لیے کہ مَوَاعِيْدَ میعاد یا موعِد کی جمع ہے اور موعِد وعد کے لیے مصدر میمی ہے، جو کہ فاعل و مفعول میں فعل جیسا عمل کر رہا ہے، جیسا کہ مفرد ہونے کی حالت میں عمل کرتا ہے، اس لیے کہ مواعید کی اضافت فاعل (عرقوب) کی طرف ہے، جو محلاً مرفوع ہے، اور اخاہ کو بر بنائے مفعولیت الف کی شکل میں نصب دیا جو کہ فتح کا قائم مقام ہوتا ہے اور یہ اعراب بالحرف اخاہ کے اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

تیسری شرط ولا مُضْمَرًا: - مصنف یہاں سے تیسری شرط بیان فرما رہے ہیں وہ یہ کہ مصدر ضمیر کی شکل میں نہ ہو، اس لیے کہ ضمیر میں فعل کا لفظ نہیں ہوتا، جب کہ فعل جیسا عمل کرنے کے لیے مصدر میں فعل کا لفظ ہونا ضروری ہے، لہذا "ضَرْبِي زَيْدًا حَسَنٌ وَهُوَ عَمْرٌ وَاقْبِيحٌ" (زید کو میرا مارنا اچھا ہوا اور عمرو کو مارنا بُرا ہوا) کہنا جائز نہیں، لیکن کوئین حضرات نے اسے جائز قرار دیا اور اس پر زہیر بن ابی سلمیٰ المزنی کے کلام سے استدلال کیا ہے۔

وَمَا الْحَرْبُ إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ وَذُقْتُمْ وَمَا هُوَ عَنْهَا بِالْحَدِيثِ الْمَرْجَمِ

(لڑائی تو وہی ہے جس کے انجام و نتائج خون ریزی و فناء نفوسی کے اعتبار سے تم نے جان لیا اور

غیر یقینی خبر کے ذریعہ تم لڑائی کا صحیح علم نہیں جان سکتے) شعر کا مطلب یہ ہے کہ لڑائی کی حقیقت اس وقت معلوم ہوگی جب تم خون بہا کر اور نفس فناء کر کے اس کا تجربہ کرو، صرف غیر یقینی خبر سن کر لڑائی کی حقیقت باعتبار انجام و نتائج کے معلوم نہیں ہو سکتی گویا کہ شاعر لڑائی کی شدت سے اپنے رفقاء کو ڈرا رہا ہے اور اس میں شمولیت سے منع کر رہا ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد ”وہو عنہا“ ہے۔ کوئین حضرات نے اس شعر سے استدلال اس طرح کیا کہ ہضمیر الحرب کی طرف تو راجع نہیں کیوں کہ الحرب مؤنث ہے اور یہ ضمیر مذکر ہے اور اگر بالفرض والحال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ضمیر الحرب کی طرف راجع ہے تو پھر فساد معنی لازم آتا ہے، کیوں کہ اس وقت شرکاء مفہوم وما الحرب عن الحرب بالحديث المرجم ہوگا، حالاں کہ شاعر کا یہ مقصود نہیں، درحقیقت یہ الحديث بالعلم سے کنایہ ہے اور اس وقت شعر کا مفہوم وليس الحديث من الحرب بالحديث المظنون بل هو الحديث الصادق المتيقن الموثوق بہ ہوگا۔ پس جب ضمیر القول بالحديث سے کنایہ ہوگا تو عنہا جار مجرور اس سے متعلق ہوگا اور مصدر کا ضمیر کی شکل میں پایا جانا لازم ہوگا۔ لیکن مصنف فرماتے ہیں اس شعر سے استدلال کرنا مناسب نہیں، کیوں کہ یہ شعر قابل تاویل ہے جس پر قاعدہ کی بنیاد درست نہیں۔

چوتھی شرط ولا محدوداً:۔ مصنف یہاں سے چوتھی شرط بیان فرما رہے ہیں، وہ یہ کہ مصدر محدود نہ ہو یعنی اس کی حد متعین نہ ہو، اگر مصدر محدود ہوگا تو وہ اپنے فعل جیسا عمل نہیں کرے گا، چنانچہ اَعْجَبَنِي ضَرْبُكَ زَيْدًا کہنا جائز نہیں، کیوں کہ اس مثال میں ضَرْبُ مصدر محدود ہے جو ایک مرتبہ مارنے کے لیے آتا ہے، چنانچہ زید اکو ضَرْبُ مصدر کی وجہ سے نصب آیا ایسا نہیں ہے، ہاں! اگر کسی نے مصدر محدود کو اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہوئے کسی شعر میں پایا تو وہ از قبیل شاذ ہے جو قابل استدلال نہیں جیسے شاعر کا قول۔

يُحَايِي بِهِ الْجَلْدُ الَّذِي هُوَ حَازِمٌ بِضَرْبَةٍ كَفَّيْهِ الْمَلَأَ نَفْسَ رَاكِبٍ

(باہمت صابر و جری وہ ہے جو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر ایک ایک مرتبہ مار کر شہسوار کے نفس کو پانی سے زندہ کر دیتا ہے۔ شاعر نے ایک ایسے آدمی کا وصف بیان کیا جس کے ساتھ پانی تھا اور دوسرا پانی کا محتاج تھا، بعد مطالبہ اس نے اسے پانی دے دیا اور وضو کے بدلہ میں تیمم کرنے کا قصد کیا گویا اس نے اپنے ساتھ کے نفس کو زندہ کیا جو پانی کا محتاج تھا۔) اس شعر میں محل استشہاد ”ضَرْبَةُ كَفَّيْهِ الْمَلَأَ“ ہے جس میں ضَرْبَةُ مصدر محدود ہے جو اپنے فاعل ”كَفَّيْهِ“ کی طرف مضاف ہے اور اپنے مفعول ”الْمَلَأَ“ کو بر بنائے مفعولیت نصب دیا ہے۔ رہی بات ”نَفْسَ رَاكِبٍ“ کے منصوب ہونے کی تو یہ

يُحَايِي فعل سے مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور شعر کی ترکیبی عبارت یوں ہوگی، يُحَايِي بِالْمَاءِ نَفْسَ رَاكِبِ الْجَلْدِ الَّذِي هُوَ حَازِمٌ بِضَرْبَةٍ كَفَّيْهِ الْمَلَاءَ۔

پانچویں شرط وَلَا مَنَعُوْنَا قَبْلَ الْعَمَلِ:۔ اس عبارت میں فاعل مصنف نے پانچویں شرط تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ وہ مصدر اپنے فعل جیسا عمل کرے گا، جو عمل سے پہلے موصوف نہ ہوا اگر موصوف ہوگا تو پھر اپنے فعل جیسا عمل نہیں کرے گا، اور اَعْجَبَنِي ضَرْبُكَ الشَّدِيدُ زَيْدًا کہنا بھی جائز نہیں ہوگا، چوں کہ اس مثال میں ضَرْبُ مصدر کے لیے الشَّدِيدُ صفت لائی گئی ہے، لہذا زیداً کو منصوب پڑھنا ضَرْبُ مصدر کی وجہ سے نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اپنے فعل جیسا عمل نہیں کر رہا ہے شرط مفقود ہونے کی وجہ سے۔ ہاں اگر صفت کو مصدر سے مؤخر کر کے بیان کیا جائے تو اس وقت مصدر کا فعل جیسا عمل کرنا جائز ہوگا جیسے شاعر کا قول

إِنَّ وَجْدِي بِكَ الشَّدِيدُ أَرَانِي عَاذِرًا فَيْكَ مَنْ عَهْدْتُ عَذُولًا

(یقیناً تجھ سے مجھے سخت محبت ہے اور میری محبت لوگوں کے سامنے ظاہر بھی ہوگئی ہے، لہذا انہوں نے میرے بارے میں یہ سمجھا کہ تیری محبت میں عذر کروں گا ان کے سامنے جن سے میں نے عذر و ملامت کا وعدہ کیا ہے۔) اس شعر میں محل استشہاد "وَجْدِي بِكَ الشَّدِيدُ" ہے طریقہ استدلال یہ ہے کہ وَجْدُ مصدر ہے جو الشَّدِيد کا موصوف ہے اور بِكَ جار مجرور سے مل کر مصدر سے متعلق ہے پھر جب اس متعلق کو وصف پر مقدم کر دیا تو مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنا جائز ہو گیا، اگر متعلق کو مؤخر کر دیا جائے اور "إِنَّ وَجْدِي الشَّدِيدُ بِكَ" کہا جائے تو مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں شرط مفقود ہو رہی ہے، حالاں کہ مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عمل سے پہلے موصوف نہ ہو۔

چھٹی شرط ولا محذوفاً:۔ فاضل مصنف نے اس عبارت میں چھٹی شرط تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ مصدر محذوف نہ ہو، اگر مصدر محذوف ہوگا تو اس وقت فعل جیسا عمل نہیں کرے گا، کیوں کہ مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے لفظاً مذکور ہونا ضروری ہے، تاکہ الفاظ و حروف کے اعتبار سے فعل کا مصدر کے ساتھ مناسبت برقرار رہے۔ یہ یاد رہے کہ اس شرط کے ذریعہ اس فریق کی تردید فرمائی ہے جس کا نظریہ ہے کہ "مَالِكَ وَزَيْدًا" میں زیداً مصدر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور اصل عبارت "وَمَلَا بَسْتَكَ زَيْدًا" ہے، اسی طرح اس فریق کے مذہب کی تردید فرمائی ہے جس نے کہا "بِسْمِ اللّٰهِ" کی اصل عبارت اِبْتَدَائِي بِسْمِ اللّٰهِ ثَابِت تھی، مبتداء و خبر حذف کر دیئے گئے اور مبتداء کے معمول کو باقی رکھا اور استدلال میں جریر بن عطیہ کے اس کلام کو پیش کیا ہے جس میں اس نے اھل تعلیمی نصرانی کی

قباحت پیش فرمائی ہے۔

هَلْ تَذْكُرُونَ إِلَى الَّذِينَ هَجَرْتَكُمْ وَمَسْحَكُمْ صُلْبَكُمْ رَحْمَانُ قُرْبَانًا
(کہا تم لوگ یاد کرتے رہو اپنی ترک وطنی، دین مسیحی اور صلیبوں کو دونوں معبودوں تک اور تمہارا قول یہ رہے اے ہمارے پروردگار ہماری قربانیوں کو قبول فرما۔) اس شعر میں محل استشہاد "رَحْمَنُ" ہے جو مصدر محذوف "الْقَوْلُ" کا معمول ہے، مصدر محذوف نے اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہوئے بر بنائے مفعولیت نصب دیا ہے، (رحمان منادی، حروف نداء محذوف کی وجہ سے مبنی علی الضم ہے جو محلاً منصوب ہے۔) اور اصل عبارت قولکم یا رحمان قُرْبَانًا ہے۔

ساتویں شرط وَلَا مَفْصُولًا مِنَ الْمَعْمُولِ: یہاں سے مصنف نے مصدر کے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے ساتویں شرط بیان کی ہے وہ یہ کہ مصدر اپنے معمول سے جدا نہ کیا گیا ہو، اگر مصدر اپنے معمول سے جدا ہوگا تو اس وقت فعل جیسا عمل نہیں کرے گا۔ اس عبارت کے ذریعہ فاضل علام نے اس پر رد کیا ہے جس کا نظریہ ہے کہ "يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ" لِرَجْعِهِ کے لیے معمول ہے، حالاں کہ ایسی بات نہیں اس لیے کہ مصدر اور معمول کے درمیان خبر کے ذریعہ فصل کیا گیا ہے، لہذا يَوْمَ کو رَجَعَ مصدر کی وجہ سے نصب نہیں آیا ہے، بلکہ کسی دوسرے عامل کی وجہ سے آیا ہے۔

آٹھویں شرط وَلَا مُؤَخَّرًا عَنْهُ: مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے آٹھویں شرط یہ ہے کہ وہ اپنے معمول سے مؤخر نہ ہو، لہذا "أَعْجَبَنِي زَيْدًا ضَرْبُكَ" کہنا درست نہیں، کیوں کہ زَيْدًا معمول مقدم ہے۔ اور ضَرْبُ مصدر اپنے معمول سے مؤخر ہے، مصدر اپنے معمول سے مؤخر ہونے کی صورت میں عمل اس لیے نہیں کر سکتا کہ مصدر عمل کرنے میں ضعیف ہے اور عامل ضعیف معمول مقدم میں عمل نہیں کر پاتا، یہ جمہور نحاة کے مذہب کے مطابق ہے، البتہ امام سہیلی نے عمل کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس وقت جب کہ معمول مقدم جار مجرور کی شکل میں ہو اور اس پر استدلال کیا باری تعالیٰ کے قول "لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا" (نہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔ پ ۱۶، کہف، آیت ۱۰۸) میں حِوَلًا مصدر ہے جو مؤخر ہے اور عَنْهَا جار مجرور سے مل کر متعلق ہے جو معمول مقدم ہے۔

اسی طرح اہل عرب کا قول "اللَّهُمَّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا فَرْجًا وَمَخْرَجًا" میں فَرْجًا مصدر مؤخر ہے اور مِنْ أَمْرِنَا معمول مقدم ہے جو محلاً منصوب ہے۔

مصدر کی قسمیں:

وَأَعْمَالُهُ مُضَافًا أَكْثَرُ الْخِ فاعل جیسا عمل کرنے والے مصدر کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: مصدر مضاف یہ اخیر کی دونوں قسموں کے بالمقابل کثیر الاعمال ہوتا ہے۔

مصدر مضاف کی دو قسمیں ہیں: (۱) مضاف للفاعل (۲) مضاف للمفعول۔ مضاف للفاعل کا مطلب یہ ہے کہ مصدر فاعل کی طرف مضاف ہو، اگر مصدر فاعل کی طرف مضاف ہو، تو اس وقت فاعل لفظاً مجرور ہوگا اور معنی مرفوع۔ اس لیے کہ وہ اس کا فاعل ہے، اور اگر مفعول بہ مذکور ہوگا تو وہ منصوب ہوگا، اسے نحو کی اصطلاح میں اضافت المصدر الی الفاعل کہا جاتا ہے جیسے ”وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ“ (اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بعض آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے ہیں۔ پ، بقرہ آیت ۲۵۱) میں دَفْعُ مصدر، اللہ فاعل کی طرف مضاف ہے اور النَّاسَ بربناء مفعولیت منصوب ہے۔

باری تعالیٰ کا قول ”وَآخِذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ“ (اور سبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے، حالاں کہ ان کو اس کی ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقہ سے کھا جاتے تھے۔ پ، بقرہ، آیت ۲۵۱) میں آخِذ مصدر ہُمْ ضمیر فاعل کی طرف مضاف ہے اور الرِّبَا بربناء مفعولیت منصوب ہے، اسی طرح اَکَل مصدر ہُمْ ضمیر فاعل کی طرف مضاف ہے اور أَمْوَالِ النَّاسِ مفعول ہے۔

مضاف للمفعول کا مطلب یہ ہے کہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہو تو اس وقت مفعول بہ لفظاً مجرور ہوگا اور معنی منصوب اور اگر فاعل مذکور ہوگا تو وہ لفظاً مرفوع ہوگا، نحو کی اصطلاح میں اسے اضافت المصدر الی المفعول کہا جاتا ہے جیسے شاعر کا قول

أَلَا إِنَّ ظُلْمَ نَفْسِهِ الْمَرْءُ بَيِّنٌ إِذَا لَمْ يَصْنَعْهَا عَنْ هَوَى يَغْلِبُ الْعَقْلَ
(یاد رکھو! انسان کا اپنے نفس پر ظلم کرنا واضح ہے، کیوں کہ اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے محفوظ نہیں رکھا، لہذا خواہشات نے عقل کو مغلوب کر دیا۔) اس شعر میں محل استشہاد ”ظُلْمَ نَفْسِهِ الْمَرْءُ“ ہے جس میں ظُلْم مصدر کی اضافت نَفْسِهِ مفعول کی طرف ہو رہی ہے اور اس کے بعد الْمَرْءُ فاعل ہے جو لفظاً و معنی مرفوع ہے۔

نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان وَحِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَقْطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا“ میں حِجُّ مصدر کی اضافت الْبَيْتِ کی طرف ہو رہی ہے جو مفعول ہے اور مَنِ اسم موصول الذی کے معنی میں ہے فاعل ہے اور معنی مرفوع ہے، اسی طرح امام سیبویہ کی کتاب ”شواہد سیبویہ“ میں فرزدق شاعر کا کلام مذکور ہے جو اضافت المصدر الی المفعول کے قبیل سے ہے۔

تَنْفَى يَدَاهَا الْحَصَى فِي كُلِّ هَاجِرَةٍ نَفَى الدَّرَاهِيمِ تَنْقَادُ الصِّيَارِيفِ
(بے شک یہ اونٹنی شدت تپش کے باوجود نصف النہار کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں سے

سگریزے کو زمین سے دور کرتی ہے، جیسا کہ دراہم و دنیا پر کھنے والا صیر فی کھوٹے دراہم کو دور کر دیتا ہے۔) دراصل شاعر نے اس شعر میں اپنی اونٹنی کے اوصاف حسنہ کو بیان فرمایا ہے اور شدت پیش کے باوجود نصف النہار کے وقت راستے قطع کرنا اور سگریزے کو دور کرنا قوت و صلابت اور سرعت رفتاری سے کنایہ ہے) اس شعر میں محل استشہاد "نَفَى الدَّرَاهِيمَ تَنْقَادُ الصَّيَارِيفَ" ہے اس طرح کہ نَفَى مصدر کی اضافت الدَّرَاهِيمَ مفعول کی طرف کی گئی ہے اور اس کے بعد تَنْقَادُ فاعل لایا گیا جو مرفوع ہے، نَفَى مصدر تَنْفَى فعل سے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے لفظاً منصوب ہے۔ (ہاجرہ سے مراد نصف النہار عند اشتداد الحر، الدَّرَاهِيمَ درہم کی جمع ہے جو اصل میں الدَّرَاهِمُ بدون الیاء ہے لیکن کسرہ میں درازی صورت کے لیے بالاحتق ہو گئی ہے۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ دِرْهَام کی جمع ہے جیسے قِرْطَاس کی جمع قَرَاطِيس ہے۔ نَفَى بمعنی دفع کرنا، اَلْحَصَى بمعنی سگریزے، تَنْقَادُ نقد مصدر کے معنی میں ہے جیسا کہ تذکار ذکر مصدر کے معنی، الصَّيَارِيفُ صیرف کی جمع ہے بمعنی سگے بدلنے والا) یہاں یہ بات دھیان رہے کہ اضافت مصدر الی الفاعل بمقابلہ الی المفعول کے کثیر الاستعمال ہے، کیوں کہ احتیاج فعل یا شبہ فعل پر دو کی اضافت فاعل کی طرف زیادہ ہے۔

دوسری قسم مصدر منون۔ وَمَنُونًا اَقِيسَ الْخ اس عبارت میں فاضل مصنف نے مصدر عامل کی دوسری قسم کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مصدر عامل کی دوسری قسم مصدر منون ہے، مصدر کامنوں ہو کر عمل کرنا مضاف ہو کر عمل کرنے کے مقابلہ میں اولیٰ اور اقیس ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مصدر منون باعتبار تنکیر کے فعل کے مشابہ ہوتا ہے یعنی جس طرح مصدر منون ہونے کی حالت میں نکرہ ہوتا ہے، اسی طرح فعل بھی الف لام اور اضافت سے خالی ہونے کی وجہ سے مثل نکرہ ہوتا ہے، کیوں کہ الف لام اور اضافت دونوں علامات اسم میں سے ہیں، لہذا مصدر منون باعتبار تنکیر کے فعل کے مشابہ ہو گیا اور جب فعل کے مشابہ ہو گیا تو اب مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنا اولیٰ ہوگا جیسے باری تعالیٰ کا قول "أَوْ اِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا" (یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو۔ پ ۳۰، بلد آیت ۱۵) کی تقدیری عبارت "أَوْ أَنْ يُطْعِمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا" ہے، جس میں اِطْعَامٌ مصدر منون ہو کر فعل جیسا عمل کر رہا ہے اور یہ باعتبار تنکیر کے فعل کے مشابہ ہوتا ہے۔

تیسری قسم مصدر معرف باللام۔ وَيَالِ شَاذِ الْخ مصدر عامل کی تیسری قسم مصدر معرف باللام ہے، کبھی مصدر عامل معرف باللام ہوتا ہے، لیکن مصدر کا عمل لام کے ساتھ شاذ ہے۔ یعنی کبھی کبھی مصدر معرف باللام ہونے کی شکل میں اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، لیکن معرف باللام ہونے کی صورت میں فعل جیسا عمل کرنا قیاس اور استعمال دونوں اعتبار سے شاذ ہے۔ جیسے شاعر کا قول ۔

عَجِبْتُ مِنَ الرِّزْقِ الْمُسِيءِ إِلَهَةً وَمِنْ تَرَكِ بَعْضِ الصَّالِحِينَ فَقِيرًا
(گنہگار آدمی کو اس کے معبود کے رزق دینے اور بعض نیکو کاروں کو فقر کی حالت میں چھوڑ دینے کی وجہ سے مجھے تعجب ہے۔ یعنی اس بات پر مجھے سخت تعجب ہے کہ گنہگار آدمی کو پروردگار رزق دیتا ہے، اور اپنے برگزیدہ بندوں کو فقر و فاقہ کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔) اس شعر میں محل استشہاد "الرِّزْقِ الْمُسِيءِ إِلَهَةً" ہے، وجہ استدلال اس طرح ہے کہ "الرِّزْقِ" مصدر معرف باللام کی اضافت اس کے مفعول المسیء کی طرف ہے جو لفظاً مجرور ہے اور معنی منصوب ہے اور اس کے بعد "إِلَهَةً" فاعل ہے، لیکن مصدر معرف باللام کا یہ عمل قیاساً اور استعمالاً دونوں اعتبار سے شاذ ہے۔ قیاساً شذوذ کی مختصر توجیہ تو یہ ہے کہ مصدر فعل پر محمول ہونے کے ساتھ عمل کرتا ہے اور مصدر کا الف لام کے ساتھ مقترن ہونا فعل سے مشابہت رکھنے کو دور کر دیتا ہے، لہذا عدم مناسبت کی بناء پر یہ عمل شاذ ہے۔

اور استعمالاً شذوذ کی توجیہ یہ ہے کہ کلام عرب میں اس طرح کی ترکیب نادر الوجود ہے، اس لیے کہ مصدر اس فعل کی تقدیر میں ہوتا ہے جو ان کے ساتھ ہوتا ہے اور فعل یا ان پر لام تعریف کا داخل ہونا جائز نہیں۔ پس مناسب یہ ہے کہ مصدر مؤول بہ پر بھی لام داخل نہ ہو، لیکن چون کہ مصدر عامل بالذات ہے، اس لیے اس پر لام تعریف کا داخل ہونا بر سبیل قلت جائز ہے۔

ضمیمات باب ہذا

مصدر و اسم مصدر میں فرق: مصدر وہ اسم ہے جس سے افعال و اسماء مشتق ہوں، اور اردو میں اس کا ترجمہ کرتے ہوئے "نا" آئے، اور اسم مصدر سے فعل وغیرہ مشتق نہیں ہوتے اور وہ مصدر کے معنی میں ہوتا ہے جیسے سواء اسم مصدر ہے بمعنی استواء، اسی طرح غَسَلَ بمعنی اغْتَسَلَ۔

مصدر اور فعل میں فرق: مصدر سے فاعل حذف کیا جاسکتا ہے نہ کہ فعل سے جیسے "وَاطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا"۔

مصدر اور مفعول مطلق میں فرق: مصدر کے اندر معنی حدی بھی ہوتے ہیں اور اس سے افعال بھی مشتق ہوتے ہیں جب کہ مفعول مطلق میں صرف اتنی قید ہے کہ وہ اپنے فعل کے ہم معنی ہیں اس سے فعل کا مشتق ہونا ضروری نہیں ہے، چنانچہ أَهْلَكَ اللَّهُ وَيَحَةَ مِّنْ وَيَحَةَ مفعول مطلق ہے اور اپنے فعل کے ہم معنی ہے۔ مگر مصدر نہیں ہے، لہذا ہر مصدر مفعول مطلق تو بن سکتا ہے، مگر ہر مفعول مطلق کا مصدر ہونا ضروری نہیں ہے۔ (بحوالہ مشکل ترکیبوں کا آسان حل ص ۳۲۰)

شاذ و نادر میں فرق: شاذ تین معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) خلاف قیاس (۲) غیر فصیح

(۳) قلیل الاستعمال۔ شاذ کی تین قسمیں ہیں (۱) کوئی کلمہ قاعدہ کے خلاف ہو اور استعمال کے مطابق ہو (۲) قاعدہ کے مطابق ہو اور استعمال کے خلاف ہو اور یہ دونوں مقبول ہیں (۳) دونوں کے خلاف ہو اور یہ غیر مقبول ہے۔ اور نادر وہ ہے جو موافق قیاس ہو۔ لیکن قلیل الاستعمال ہو۔

فعل پر تنوین کیوں؟ فعل پر تنوین نہیں آتی، حالاں کہ لَنَسْفَعًا صِغَةً جمع متکلم پر تنوین داخل ہے، اسی طرح لَيَكُونَا پر بھی۔ ایسا کیوں؟ **الجواب:** لَنَسْفَعًا اور لَيَكُونَا پر جو تنوین نظر آرہی ہے وہ نون خفیفہ ہے، فقط رسم الخط کے اعتبار سے تنوین ہے، دراصل لَنَسْفَعُنْ اور لَيَكُونُنْ ہے اور قرآن کریم کا رسم الخط چوں کہ توقیفی ہے، اس لیے اسی طرح لکھا جائے گا۔

الثالث: اِسْمُ الْفَاعِلِ: وَشُرُوطُ اَعْمَالِهِ

تیسری قسم: اسم فاعل اور اس کے عمل کرنے کی شرطوں کے بیان میں

وَ اِسْمُ الْفَاعِلِ كَضَارِبٍ وَ مُكْرِمٍ، فَإِنْ كَانَ بِأَلٍ عَمِلَ مُطْلَقًا أَوْ مُجَرَّدًا فَبِشَرْطَيْنِ، كَوْنِهِ حَالًا أَوْ اِسْتِقْبَالًا، وَاعْتِمَادِهِ عَلَى نَفْيٍ أَوْ اِسْتِفْهَامٍ أَوْ مُخْبَرٍ عَنْهُ أَوْ مَوْصُوفٍ، وَ "بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ" عَلَى حِكَايَةِ الْحَالِ، خِلَافًا لِلْكَسَائِيِّ، وَ "خَبِيرٌ بَنُو لَهَبٍ" عَلَى التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ، وَتَقْدِيرُهُ: خَبِيرٌ كَظْهِيرٍ، خِلَافًا لِلْأَخْفَشِ۔

ترجمہ:- اور اسم فاعل (بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے) جیسے ضارب اور مکرم۔ پس اگر (اسم فاعل) الف لام کے ساتھ ہو تو مطلقاً عمل کرے گا، یا الف لام سے خالی ہو تو پھر دو شرطوں کے ساتھ عمل کرے گا حال یا استقبال کی صورت میں (یعنی جب اسم فاعل مجرد عن اللام ہو تو اس وقت اپنے فعل جیسا عمل کرے گا بشرطیکہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو) اور اس کا اعتماد حرف نفی یا حرف استفہام، یا مخبر عنہ یا موصوف ہو، اور باسط ذراعیہ، حکایت حال پر محمول ہے، اس میں امام کسائی کا اختلاف ہے، اور خبیر بنو لہب، تقدیم و تاخیر پر محمول ہے، اور اس کی تقدیری عبارت خبیر کظہیر ہے، لیکن امام اخفش نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

اسم فاعل سے مراد اور اس کا عمل:

واسم الفاعل كضارب الخ فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ میں سے تیسری قسم اسم فاعل ہے۔ خط کشیدہ عبارت سے فاضل مصنف نے اسم فاعل کی تعریف و امثلہ کی طرف اشارہ فرمایا

ہے، اسم فاعل ایسے وصف کو کہتے ہیں جو کام کرنے والے پر دلالت کرے اور مضارع کے حرکات و سکنات پر جاری ہو سکے، جیسے ضارب، یہ ثلاثی کی مثال ہے، اور مکرم رباعی کی مثال ہے۔
اسم فاعل فعل معروف کا عمل کرتا ہے یعنی لازم ہونے کی صورت میں فاعل کو رفع اور مفعول مطلق، مفعول لہ، مفعول معہ، مفعول فیہ، حال، تمیز، اور مستثنیٰ کو نصب دیتا ہے اور متعدی ہونے کی صورت میں فاعل کو رفع اور مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول لہ، معہ، فیہ، حال تمیز اور مستثنیٰ کو نصب دیتا ہے۔
اسم فاعل کی صورت:

فَإِنْ كَانَ بِأَلْ عَمِلَ مطلقاً الخ کی تشریح: اس عبارت میں فاضل مصنف نے اسم فاعل کے عمل کرنے کی صورتیں تحریر فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم فاعل کی دو صورتیں ہیں، یا تو معرف باللام ہوگا یا الف لام سے خالی ہوگا۔ اگر معرف باللام ہے تو مطلقاً عمل کرے گا، خواہ زمانہ ماضی میں ہو یا حال میں یا استقبال میں جیسے جاء الضارب زیداً امس، یہ ماضی کی مثال ہے۔ اور الآن حال کی مثال ہے اور غدا استقبال کی مثال ہے۔ مطلقاً عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ لام موصولہ کے ساتھ معرف ہو یا لام تعریف کے ساتھ تو اس پر تمام زمانے برابر ہیں۔ یعنی اس وقت وہ مفعول بہ میں عمل کرے گا خواہ وہ بمعنی ماضی ہو خواہ بمعنی حال یا خواہ بمعنی استقبال۔ نیز اس وقت کسی چیز پر اعتماد کی بھی شرط نہیں ہے، اس لیے کہ لام موصول داخل ہونے کے وقت اسم فاعل بحسب معنی فعل ہے، اگرچہ بحسب صورت اسم ہے اور فعل کے عمل کرنے کے لیے اس میں تمام زمانے برابر ہیں پس الضارب بمعنی الذی ضرب ہے جیسے جاء الضارب زیداً امس او الآن، او غدا، (وہ آیا جو زید کو گذشتہ کل مارا، یا اس وقت مارتا ہے، یا کل کو مارے گا) یعنی الضارب کو ماضی مراد لیا جائے تو ضرب کے قائم مقام ہوگا، اور اگر حال یا استقبال مراد لیا جائے تو یضرب کے قائم مقام ہوگا۔ فعل جس طرح تمام حالتوں میں عمل کرتا ہے، اسی طرح اسم فاعل اس کے قائم مقام ہو کر عمل کرے گا اور امرء القیس بن حجر الکندی کا وہ کلام جو اس وقت کہا تھا جب کہ بنو اسد نے اس کے باپ کو قتل کر دیا اور اس سے خون بہا کا مطالبہ کے لیے نکلا، مذکورہ شعر سے قبل امرء القیس کا یہ شعر ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَذْهَبُ شَيْخِيْ بِاطِلَالٍ حَتّٰی اُمِيْرَ مَالِكَا وَكَاهِلَا

(قسم خدا کی میرے باپ کا خون بیکار اور رائیگاں نہیں جاسکتا، عنقریب میں قبیلہ مالک اور کاہل کو ہلاک کروں گا)

الْقَاتِلِيْنَ الْمَلِكَ الْحُلَا جَلَا خَيْرَ مَعَدٍّ حَسَبًا وَنَائِلَا

(شرافت خاندانی اور داد و دہش کے اعتبار سے سرفراز قبیلہ معد کے نیک باہمت بادشاہ کو انہوں

نے قتل کر دیا) اس شعر میں محل استشہاد "الْقَاتِلَيْنِ الْمَلِكَ" ہے جو فعل ماضی قتل کے معنی میں ہے، کیوں کہ قبیلہ اسد والوں نے اس کے والد کو اس سے پہلے قتل کر دیا تھا، اور فعل کی طرح عمل کرتے ہوئے الْمَلِكُ الْخُلَا جَلَا مفعول بہ کو بر بناء مفعولیت نصب دے رہا ہے۔

اَوْ مُجَرَّدًا فَبِشْرُطَيْنِ كَوْنِهِ حَالًا اَوْ اِسْتِقْبَالًا النِّح اور اگر اسم فاعل الف لام سے خالی ہو تو دو شرطوں کے ساتھ فعل کی طرح عمل کرے گا۔ پہلی شرط: یہ کہ وہ بمعنی حال یا استقبال ہو، فعل ماضی کے معنی میں نہ ہو، اور یہ شرط اسم فاعل کا فعل مضارع کے ساتھ صورت اور معنی مشابہ ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے، لہذا ضروری ہوا کہ وہ معنی میں حال یا استقبال کے ہوتا کہ مضارع کے ساتھ مشابہت معنوی بھی متحقق ہو جائے، لیکن امام کسائی، ہشام اور ابن مضاء نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ فعل ماضی کے معنی میں ہونے کی صورت میں بھی اسم فاعل کو عمل دلایا جائے گا اور انہوں نے باری تعالیٰ کا قول "وَكَلَّبَهُمْ بِاسِطٍ ذِرَاعِيهِ بِالْوَصِيدِ" (اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلانے ہوئے تھا۔ پ ۱۵، کہف آیت ۱۸) سے استدلال کیا ہے کہ بِاسِطُ اسم فاعل ہے جو بَسَطَ فعل ماضی کے معنی میں ہے اور آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا جو مذکور ہوا۔ فاضل مصنف نے مخالفین کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ آیت حکایت حال مراد لینے پر دلالت کرتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بِاسِطُ اسم فاعل کی يَبْسُطُ فعل مضارع کا وقوع درست ہو رہا ہے۔ اور وَكَلَّبَهُمْ يَبْسُطُ ذِرَاعِيهِ بِالْوَصِيدِ کہہ سکتے ہیں۔ اور حکایت حال مراد لینے کی دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ حالیہ ہے۔ اس میں واو حال کے لیے ہے اور باری تعالیٰ کا قول "وَنُقَلِّبَهُمْ كَوْقَلْبِنَاهُمْ" نہیں کہہ سکتے، ان قرائن کی بناء پر آیت کریمہ حکایت حال پر دلالت کرتی ہے، لہذا مخالفین کا استدلال کرنا قابل قبول نہیں۔

دوسری شرط: یہ کہ وہ نفی، یا استفہام، یا مجر عنہ (مبتداء) یا موصوف، یا موصول، یا ذو الحال پر اعتماد کیے ہوئے ہو اور اعتماد کے لغوی معنی تکیہ کرنے کے ہیں۔ اور مرادی معنی یہ ہے کہ اسم فاعل اپنے سے پیشتر کے ساتھ کچھ نہ کچھ علاقہ رکھتا ہو اور یہاں مراد یہ ہے کہ اسم فاعل سے پیشتر یہ چیزیں ہوں جن پر اسم فاعل تکیہ کیے ہوئے ہو، یعنی وہ اسم فاعل ان سے کچھ نہ کچھ علاقہ رکھتا ہو۔

حرف نفی کی مثال جیسے شاعر کا قول ۔

خَلِيلِي مَا وَافٍ بِعَهْدِي أَنْتَمَا إِذَا لَمْ تَكُونَا عَلَى مَنْ أَقَاطِعُ

(اے میرے دوستو! تم دونوں میرے مہمان (محبت) کو پورا کرنے والے نہ ہو سکو گے جب تک کہ تم ان لوگوں کے مخالف ہو کر میرے (ہمدرد) نہ ہو جاؤ جن سے میں قطع تعلق رکھتا ہوں) اس شعر میں محل استشہاد "مَا وَافٍ أَنْتَمَا" ہے کہ وَافٍ صیغہ صفت واسم نفی پر اعتماد کی شرط کے ساتھ أَنْتَمَا کو رفع

دے رہا ہے۔ واضح رہے کہ واف کو خبر مقدم اور انتما کو مبتداء مؤخر نہیں بنایا جاسکتا اور نہ تو خبر کا مفرد اور مبتداء کا تشنیہ ہونا لازم آئے گا۔ اس شعر میں ان لوگوں پر رد ہے جو مبتداء کی قسم ثانی میں ضمیر منفصل کو صیغہ صفت کا فاعل بنانے کے حق میں نہیں ہے۔ استفہام پر اعتماد کی مثال:

أَقَاطِنُ قَوْمٌ سَلَفِي أَمْ نَوَوْ ظَعَنًا إِنَّ يَظْلَعُونَا فَعَجِيبٌ عَيْشٌ مِّنْ قَطَنًا
(کیا سلمیٰ کی قوم قیام کرنے والی ہے یا اس نے کوچ کا ارادہ کر لیا ہے، اگر کوچ کرے گی تو اس شخص کا جینا عجیب ہو جائے گا جو یہاں مقیم رہے گا۔) اس شعر میں محل استشہاد "أَقَاطِنُ قَوْمٌ سَلَفِي" ہے کہ قَاطِنٌ استفہام پر اعتماد کے ساتھ قوم کو رفع دے رہا ہے۔

مخبر عنہ یعنی مبتداء پر اعتماد کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ" (اللہ تعالیٰ اپنا کام جس طرح چاہے پورا کر کے رہتا ہے، پ ۲۸، الطلاق آیت ۳) اس آیت میں إِنَّ اللَّهَ مخبر عنہ ہے اور بَالِغُ اسم فاعل ہے یہ مخبر عنہ پر اعتماد کے ساتھ اپنے معمول کو رفع دے رہا ہے۔

دوسری مثال: جیسے زید قائم أبوه (زید اس کا باپ کھڑا ہے) اس میں اسم فاعل سے پہلے مبتداء ہے یہاں اسم فاعل لازم ہے اس نے صرف فاعل کو رفع دیا ہے۔ تیسری مثال زید ضارب أبوه عمروا (زید مارنے والا ہے اس کا باپ عمرو) یہاں اسم فاعل متعدی ہے، اس لیے أبوه کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع دیا ہے اور عمرو کو مفعول ہونے کی وجہ سے نصب دیا ہے۔

موصوف پر اعتماد کی مثال: جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ أَبْوَهَ زَيْدًا، (میں گذرا ایسے آدمی کے پاس سے جس کا باپ زید کو مار رہا تھا) اس مثال میں رجل موصوف ہے جو ضارب اسم فاعل سے پہلے ہے اور یہ ضارب ضارب کے معنی میں ہے جس نے اپنے فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیا ہے۔ ترکیب اس طرح ہوگی مَرَرْتُ فَعْلًا بِفَاعِلٍ بِحَرْفٍ جَارٍ، رجل موصوف، ضارب شبہ فعل۔ اب مضاف ہا ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر ضارب شبہ فعل کا فاعل، زید مفعول بہ، شبہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر رجل کی صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا مَرَرْتُ فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور شاعر کا قول إِنِّي حَلَفْتُ بِرَافِعِينَ أَكْفَهُمْ بَيْنَ الْحَطِيمِ وَبَيْنَ حَوْضِي رَمَزِمِ
(میں نے حطیم اور زمزم کے دونوں حوضوں کے درمیان اپنی ہتھیلیاں اٹھا کر دعاء مانگنے والے لوگوں کے سامنے قسم کھائی۔) اس شعر میں محل استشہاد "بِرَافِعِينَ أَكْفَهُمْ" ہے، اس سے پہلے لفظ "القوم" موصوف محذوف ہے، رَافِعِينَ جس پر اعتماد کر کے مفعول بہ اکفہم کو نصب دے رہا ہے اپنا معمول بنا کر، شعر کی تقدیری عبارت إِنِّي حَلَفْتُ بِقَوْمٍ رَافِعِينَ أَكْفَهُمُ الخ ہے۔

اسم موصول پر اعتماد کی مثال: جیسے جاء نی القائم ابوہ (آیا میرے پاس وہ شخص جس کا باپ کھڑا ہے۔) اس میں اسم فاعل سے پہلے الف و لام ہے جو اسم موصول کے معنی میں ہے اور اسم فاعل نے اپنے فاعل ابوہ کو رفع دیا ہے۔ ترکیب اس طرح ہوگی جاء فعل، نون وقایہ، یا ضمیر متکلم مفعول بہ القائم میں الف و لام بمعنی الذی اسم موصول، قائم شبہ فعل، ابو مضاف، ہا ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر شبہ فعل کا فاعل، شبہ فعل اپنے فاعل سے مل کر صلہ ہوا اسم موصول کا، اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر جاء کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

ذوالحال پر اعتماد کی مثال: جیسے جاء نی زید راکباً غلاماً فرساً۔ (آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ اس کا غلام گھوڑے پر سوار تھا) اس میں اسم فاعل سے پہلے ذوالحال ہے اور اسم فاعل نے اپنے فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیا ہے۔ ترکیب اس طرح ہوگی۔ جاء فعل، نون وقایہ، یا ضمیر متکلم مفعول بہ، زید ذوالحال، راکباً شبہ فعل، غلام مضاف، ہا ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر راکباً کا فاعل فرساً مفعول بہ، راکباً شبہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر حال، ذوالحال حال سے ملکر جاء کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسم فاعل کے عمل کے لیے اعتماد کی یہ شرط اس کی مشابہت کے ساتھ قوی کرنے کے لیے بڑھادی گئی ہے، کیوں کہ وہ مثل فعل کے اپنے صاحب کی طرف مسند ہوگا، اسی طرح ہمزہ استفہام، اور مانافہ پر اعتماد سے اس کی فعل کے ساتھ مشابہت قوی ہو جاتی ہے، اس واسطے کہ یہ اکثر فعل پر داخل ہوتے ہیں۔

وَحَبِيرٌ بَنُو لَهَبٍ عَلَى التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ۔ فاضل مصنف نے اس عبارت سے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ کہ اسم فاعل مجرد عن اللّام ہونے کی صورت میں دو شرطوں کے فعل جیسا عمل کرتا ہے۔

پہلی شرط: یہ کہ وہ بمعنی حال یا استقبال ہو۔ فعل ماضی کے معنی میں نہ ہو، اور دوسری شرط یہ کہ وہ نفی، یا استفہام یا مخبر عنہ، یا موصوف وغیرہ پر اعتماد کیے ہوئے ہو۔ یہ جمہور نحاة کا مذہب ہے، لیکن امام خفیش کا مذہب یہ ہے کہ اسم فاعل کو مطلق عمل دلانا درست ہے، مذکورہ بالا چیزوں میں سے کسی چیز پر اعتماد کی کوئی ضرورت نہیں اور انہوں نے اس شعر سے استدلال کیا ہے۔

حَبِيرٌ بَنُو لَهَبٍ فَلَاتَكَ مُلْغِيًا مَقَالَةً لَهَبِي إِذَا الطَّيْرُ مَرَّتْ

(بنو لہب جزر و عیانہ کو جاننے والے ہیں، پس جب ان میں سے کوئی بات کہے تو تو اس کی تصدیق کر، تیرے سامنے جو کچھ ذکر کرے اسے بیکار مت سمجھو۔) اس شعر میں محل استشہاد "حَبِيرٌ بَنُو لَهَبٍ" ہے استدلال اس طور پر کیا ہے کہ حَبِيرٌ مبتداء ہے اور بنو لہب حَبِيرٌ کا فاعل ہے جو کہ خبر

کے قائم مقام ہے اور یہ خبیث صیغہ صفت اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہوئے اپنے فاعل کو رفع دیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے نہ تو حرف نفی ہے اور نہ استفہام، اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً عمل دلانا جائز ہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ ہم اس شعر میں کلمات کو تقدیم و تاخیر پر محمول کریں گے کہ بنو لہب مبتداء مؤخر ہے اور خبیث خبر مقدم ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ مبتداء و خبر میں تقدیم و تاخیر ہوئی تو پھر مبتداء تو جمع ہے اور خبر واحد ہے اور مبتداء جمع کے لیے خبر جمع آتی ہے، حالاں کہ یہاں مبتداء جمع کی خبر مفرد کے ذریعہ دی جا رہی ہے جو کہ درست نہیں، مصنف نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس شعر میں خَبِیْثُ فَعِیل کے وزن پر ہے اور فَعِیل کا وزن کبھی کبھی جماعت کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ" (فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔ پ ۲۸، تحریم آیت ۴) اس آیت میں ملائکہ مبتداء جمع ہے جس کی خبر ظہیر سے دی گئی جو کہ فَعِیل کے وزن پر ہے اور یہ جمع کے معنی میں مستعمل ہے۔ (فلا اشکال علیہ)

النَّوعُ الرَّابِعُ: امثلة المبالغة

چوتھی قسم۔ امثلہ مبالغہ کا بیان

وَالْمِثَالُ هُوَ: مَا حُوِّلَ لِلْمُبَالَغَةِ مِنْ فَاعِلٍ إِلَى فَعَّالٍ أَوْ فَعُولٍ أَوْ مِفْعَالٍ، بِكَثْرَةٍ أَوْ فَعِيلٍ أَوْ فَعِلٍ، بِقِلَّةٍ، نَحْوُ "أَمَّا الْعَسَلُ فَأَنَا شَرَّابٌ"

ترجمہ:- اور مثال، اور یہ وہ ہے جو مبالغہ کے لیے فاعل سے فَعَّال، یا فَعُول، یا مِفْعَال کی طرف منتقل کر لیا گیا ہو جو بکثرت مستعمل ہیں، یا فَعِيل یا فَعِل کی طرف محوّل ہو تو قلیل الاستعمال ہیں جیسے "أَمَّا الْعَسَلُ فَأَنَا شَرَّابٌ"۔

تشریح:- والمثال وهو ما حول للمبالغة مفاعل الخ اپنے فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ کی چوتھی قسم مبالغہ کی پانچ مثالیں ہیں۔ ان امثلہ مبالغہ سے مراد وہ مثالیں ہیں جو اسم فاعل سے مبالغہ کے لیے محوّل کر لیے گئے ہوں اور وہ یہ ہیں، فَعَّال، فَعُول، مِفْعَال، فَعِيل، فَعِل، ان امثلہ مبالغہ کے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے تمام تفصیلات و شرائط وہی ہیں جو اسم فاعل کے لیے مقرر ہیں (فلیراجع الیہا) نیچے ہر ایک کی مثال دی جا رہی ہے۔

فَعَّال کی مثال: جیس قُلاخ بن حزنی بن جناب کا شعر

أَخَا الْحَرْبِ لِبَاسًا إِلَيْهَا جَلَالُهَا وَلَيْسَ بِوَلَّاحِ الْخَوَالِفِ أَعْقَلَا
(اسے فخر ہے اُس بات پر کہ وہ بہادر ہے، جانباز لڑاکو ہے، لڑائی کے رعب و دبدبہ کو بحسن خوبی

قبول کرنے والا ہے، اور فخر اس بات پر کہ وہ پاکدامن ہے، اپنی پڑوسی عورتوں پر ان کے شوہروں کی عدم موجودگی میں بھی حملہ نہیں کرتا (مغارت نہیں کرتا) اس شعر میں محل استشہاد "لَبَسَا إِلَيْهَا جِلَالَهَا" ہے طریقہ استدلال یہ ہے کہ لَبَسَا فَعَال کے وزن پر صیغہ مبالغہ ہے جو فاعل سے محوّل ہے اور اسم فاعل کی طرح عمل کرتے ہوئے اپنے مفعول "جِلَالَهَا" کو بر بناء مفعولیت نصب دیا ہے، اور اسم فاعل کی شرائط میں سے اس سے پہلے ذوالحال موجود ہے جس پر اعتماد کر رہا ہے۔

اعراب ترکیبی:

آخا الحرب (مراد جانباز لڑاکو جو میدان میں ہر دم ڈٹا رہے) آخا اس شعر سے پہلے والے مصرعہ میں لفظ "بَارَفَعَ" ہے جس کی ضمیر مستتر سے یہ حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور مضاف ہے، الحرب مضاف الیہ ہے، لَبَسَا حال ثانیہ ہے، إِلَيْهَا جار مجرور سے مل کر لَبَسَا سے متعلق ہے، جِلَالَهَا (یہ جلّ کی جمع ہے بمعنی زرہ اور آہنی لباس) لَبَسَا کا معمول جو بر بناء مفعولیت منصوب ہے اس ضمیر کی طرف مضاف ہے جو حرب کی طرف راجع ہے۔ وَلَا ج (بہت زیادہ داخل ہونے والا، بار بار آمد و رفت کرنے والا) الخوالف خالفة کی جمع ہے بمعنی عمود الخیمہ، أَعْقَلَا (بمعنی گھبراہٹ کی وجہ سے آواز کارندہ جانا) پڑوسی عورتوں پر یلغار کرنے سے کنایہ ہے) اس شعر سے پہلے والا شعر کچھ اس طرح ہے۔

فَإِنْ تَكَ فَاتَّتَكَ السَّمَاءُ فَإِنِّي بِأَرْفَعِ مَا حَوْلِي مِنَ الْأَرْضِ أَطْوَلًا
فَعُول کی مثال: جیسے ضَرُوبٌ بِنَصْلِ السَّيْفِ سُوقَ سِمَانِيهَا۔ (تو تلوار کی دھار سے اس کی موڈی پنڈلیوں کو بہت مارتا ہے) اس شعر میں محل استشہاد "ضَرُوبٌ" ہے جو فَعُول کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے اور فاعل سے محوّل ہے اور اسم فاعل کے فعل کی طرح عمل کرتے ہوئے اپنے مفعول "سُوقَ سِمَانِيهَا" کو مخبر عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے بر بناء مفعولیت نصب دیا ہے، اگرچہ وہ مخبر عنہ محذوف ہے۔ (یہ ابوطالب بن عبدالمطلب کا کلام ہے جس کو امیہ بن مغیرہ مخزومی کے انتقال پھر طال پر مرثیہ کہتے ہوئے کہا ہے چوں کہ وہ بہت ہی فیاض مہمان نواز، خلیق آدمی تھا، اس لیے اس کی مہمان نوازی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ مرثیہ کہا۔ اس کا پہلا مصرعہ۔ إِذَا عَدِ مُوَا زَا دَا فَإِنَّكَ عَاقِرٌ ہے۔

مِفعَال کی مثال: جیسے اہل عرب کا قول "إِنَّهُ لَمِنْحَارٌ بَوَائِكُهَا" (بے شک وہ اونٹنی کے رگوں کو بہت کاٹتا ہے) میں مِنْحَارٌ مخبر عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے مابعد بَوَائِكُهَا کو بر بناء مفعولیت نصب دیا ہے۔

فَعِل کی مثال: جیسے وَاللّٰهُ سَمِيعٌ دُعَاءَ مَنْ دَعَاهُ۔ (اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی پکار کو خوب سنتا ہے جو اس کو پکارتا ہے) میں سَمِيعٌ "فَعِل کے وزن پر صیغہ مبالغہ ہے جو خبر عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے دُعَاء کو نصب دے رہا ہے۔

فَعِل کی مثال: جیسے شاعر کا قول ۔

آتَانِي أَنَّهُمْ مَزْقُونٌ عَرْضِي جَحَاشُ الْكَرْمَلَيْنِ لَهَا فَدِيدٌ۔

(مجھے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ بے شک وہ لوگ میری آبروریزی کرنا چاہتے ہیں اور میں ہوں کہ ان لوگوں کی نہ پرواہ کرتا ہوں اور نہ مرعوب ہوتا ہوں، کیوں کہ وہ لوگ میرے نزدیک گدھے کے بچوں کے مانند ہے جو پانی پینے کے لیے چیخ و پکار کرتے ہوئے آئے) اس شعر میں محل استشہاد "مَزْقُونٌ عَرْضِي" ہے، مَزْقُون جمع، واحد مَزَقٌ ہے جو صیغہ مبالغہ ہے فاعل سے محمول ہے اور خبر عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے مابعد عَرْضِي کو معنی نصب دے رہا ہے۔ (یہ زید الخیر کا کلام ہے جس کا نام زید الخیل تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زید الخیر رکھا۔)

اعراب ترکیبی:

"وَأَتَانِي" فعل ماضی، نون وقایہ اور یاء متکلم مفعول یہ ہے "إِنَّهُمْ" کی ضمیر غائبین کی طرف راجع ہے جو اسم ہے "مَزْقُونٌ" خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے "عَرْضِي" مفعول بہ ہے مَزْقُون کے لیے جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے، "جَحَاشُ" ہے جو جحش کی جمع ہے بمعنی ولد الحمار۔ اور یہ الْكَرْمَلَيْنِ کی طرف مضاف ہے، الْكَرْمَلَيْنِ کرم مل کا تثنیہ ہے بمعنی جبل طی کا پانی، فدید بمعنی صوت، آواز۔

نوٹ:- امثلہ مبالغہ میں سے فَعَال، مَعُول، مَفْعَال کثیر الاستعمال ہیں۔ اور فَعِيل، فَعِل، قَلِيل الاستعمال ہیں، لیکن یہ تمام کے تمام تکرار فعل کا تقاضہ کرتے ہیں اسی بناء پر ایک مرتبہ مارنے والے شخص کو ضَرَّ اب کہنا درست نہیں۔ (فقہس علیہ الباقی) — امثلہ مبالغہ احکام و اعمال میں من وعن اسم فاعل کی طرح ہیں یہ امام سیبویہ اور ان کے ہمنواؤں کا مذہب ہے، اس سلسلے میں دلیل اہل عرب سے سماع ہے، لیکن کوفیین حضرات کے نزدیک ان میں سے کسی کو بھی عمل دلانا جائز نہیں۔ فعل مضارع کے اوزان اور اس کے معنی سے مخالفت کی بناء پر، لیکن مذکورہ بالا مثالوں کی روشنی میں کوفیین پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ امثلہ مبالغہ کے بعد آنے والے اسماء کو نصب کس وجہ سے آیا تو اس کا آسان جواب کہ فعل مقدّر عامل ناصب ہے، کوفیین حضرات کے نزدیک اسم منصوب کو امثلہ مبالغہ پر مقدم کرنا جائز نہیں تو اس پر اہل عرب کے قول "أَمَّا الْعَسَلُ فَأَنَا شَرَّابٌ" کے ذریعہ اشکال وارد ہوگا کہ الْعَسَلُ اسم منصوب

مقدم ہے جس کا عامل شَرَاب ہے اور اس کی تائید ابو ذؤب ہذیلی کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔

قَلِي دَيْنُهُ وَاهْتِاجٌ لِلشُّوقِ إِنَّهَا عَلَى الشُّوقِ إِخْوَانُ الْعَزَاءِ هَيُوجُ

اس شعر میں إِخْوَانُ الْعَزَاءِ، هَيُوجُ صیغہ مبالغہ کا معمول ہے جو مقدم ہے اور هَيُوجُ نے بر بناء مفعولیت نصب دیا ہے، بعض بصریین فَعِل اور فَعِل کو عمل دلانا پسند نہیں کرتے بقیہ کو عمل دلاتے ہیں۔ اور امام جرئی نے فَعِل کو عمل دلانا پسند فرمایا لیکن فَعِل کے عمل دلانے سے انکار کر دیا، اس لیے فَعِل تو عَلِمَ، سَمِعَ، فَهِمَ کے وزن پر ہے، لیکن فَعِل کسی فعل کے وزن پر نہیں، لہذا فعل جیسا عمل نہیں کر سکتا۔

النوع الخامس: اسم المفعول

پانچویں قسم۔ اسم مفعول کا بیان

وَاسْمُ الْمَفْعُولِ، كَمَضْرُوبٍ وَمُكْرَمٍ، وَيَعْمَلُ عَمَلٍ فَعْلِهِ؛ وَهُوَ كِاسْمِ الْفَاعِلِ۔

ترجمہ:- اور اسم مفعول جیسے مَضْرُوبٌ، مُكْرَمٌ، بھی اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے اور اسم مفعول شرائط و تقاضیل کے اعتبار سے اسم فاعل کی طرح ہوتا ہے۔

تشریح:- واسم المفعول كمضروب ومكرم فاضل مصنف نے اس عبارت میں یہ بیان فرمایا کہ فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ میں سے پانچویں قسم اسم مفعول ہے۔ اسم مفعول ایسے اسم کو کہتے ہیں جو اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر فعل واقع ہو جیسے مضروب ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر فعل ضرب واقع ہوا ہے یہ ثلاثی کی مثال ہے۔ اور مُكْرَمٌ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر اکرام واقع ہوا ہے یہ رباعی کی مثال ہے۔

اسم مفعول کا عمل:

اسم مفعول اپنے فعل مجہول جیسا عمل کرتا ہے اور مفعول نائب فاعل ہوتا ہے جیسے جاء المَضْرُوبُ عَبْدُهُ، میں عَبْدُهُ کو رفع دیا گیا ہے مضروب کی وجہ سے جو ضَرْب فعل ماضی مجہول کے معنی میں ہے اور عَبْدُهُ اس کا نائب فاعل ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے جاء الذي ضرب عبدُهُ کے عبد ضَرْب کا نائب فاعل ہے۔

اسم مفعول کے عمل کرنے کے لیے شرائط:

ويعمل عمل فعله وهو كاسم الفاعل اس عبارت سے فاضل مصنف نے اسم مفعول

کے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے شرائط کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم مفعول کے عمل کرنے کے لیے شرائط کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم مفعول کے عمل کرنے کے لیے بھی وہی شرائط ہیں جو اسم فاعل کے عمل کے لیے ہیں یعنی الف لام سے خالی ہونے کی صورت میں حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور چھ چیزوں میں سے کوئی چیز اس سے پہلے ہو ہر ایک کی مثالیں لکھی جاتی ہیں۔

(۱) زَيْدٌ مَضْرُوبٌ عَبْدُهُ (زید اس کا غلام مارا جاتا ہے یا مارا جائے گا) اس میں مضروب فعل مجہول یضرب کے معنی میں ہے جس سے عبدہ مفعول کو نائب فاعل ہونے کی حیثیت سے رفع دیا ہے اور زمانہ حال پر دلالت کرتا ہے، لیکن امام کسائی کا اس میں اختلاف ہے، اختلاف کے لیے اسم فاعل کی بحث کی طرف رجعت کیجیے۔

نیز یہ مخبر عنہ پر اعتماد کی مثال بھی بن سکتی ہے اس کا ترجمہ ہوگا (زید مارا گیا ہے اس کا غلام) اس میں اسم مفعول سے پہلے مخبر عنہ ہے۔ (۲) جاء زید مضروبا غلامہ (آیا زید اس حال میں کہ اس کا غلام مارا گیا) اس میں اسم مفعول سے پہلے ذوالحال ہے (۳) هذا رجل مضروب ابوه (یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کا باپ مارا گیا) اس میں اسم مفعول سے پہلے اسم موصوف ہے (۴) جاء المضروب غلامہ (یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کا غلام مارا گیا) اس میں اسم مفعول سے پہلے اسم موصول ہے۔

(۵) أمضروب ابوه (کیا اس کا باپ مارا گیا ہے) اس میں اسم مفعول سے پہلے ہمزہ استفہام ہے

(۶) مَا مَضْرُوبٌ أَبُوهُ (نہیں مارا گیا اس کا باپ) اس میں اسم مفعول سے پہلے حرف نفی ہے۔

نوٹ:- جمہور نحاة کے نزدیک مضروب الزیدان کہنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اسم مفعول کے شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہیں ہے۔ نہ تو حال و استقبال کے معنی میں ہے اور نہ ہی اس سے پہلے اشیاء ستہ میں سے کوئی چیز ہے، لیکن امام خفیش نے اس میں اختلاف کیا ہے، اختلافی صورت کی وضاحت کے لیے اسم فاعل کی بحث کا مطالعہ کیا جائے۔

اسم مفعول اور مفعول بہ میں فرق:

اسم مفعول مشتق ہوتا ہے اور اسم مفعول ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر آتا ہے اور غیر ثلاثی مجرد سے اس باب کے اسم فاعل کے وزن پر آتا ہے فرق صرف یہ ہوگا کہ اسم مفعول میں آخری حرف سے پہلا حرف مفتوح ہوگا جیسے مُكْرَمٌ یہ تو اسم مفعول کا بیان ہوا، اور مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوا ہو، لہذا مفعول بہ میں مشتق ہونے کی کوئی قید نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی خاص وزن پر آنے کی قید ہے، لہذا ضَرَبْتُ زَيْدًا مفعول بہ ہے نہ کہ اسم مفعول۔

اسم فاعل اور اسم مفعول کے درمیان فرق:

اسم فاعل تو فعل لازم و متعدی دونوں سے بنایا جاتا ہے جیسے قَائِمٌ وَضَارِبٌ۔ اور اسم مفعول صرف فعل متعدی ہی سے بنایا جاتا ہے الا یہ کہ اگر فعل لازم سے بنایا جائے تو حرف جار یا ظرف کے ساتھ ممکن ہے جیسے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ، زَيْدٌ مُنْطَلِقٌ بِهِ۔ (محمد عالمگیر دانش)

النوع السادس: الصفة المشبهة

چھٹی قسم۔ صفت مشبہ کا بیان

وَالصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِاسْمِ الْفَاعِلِ الْمُتَعَدِّي لِوَاحِدٍ، وَهِيَ: الصِّفَةُ الْمَصُوغَةُ لِغَيْرِ تَفْضِيلٍ لِإِفَادَةِ الثَّبُوتِ، كَحَسَنٌ، وَظَرِيفٌ، وَطَاهِرٌ، وَضَامِرٌ، وَلَا يَتَقَدَّمُهَا مَعْمُولُهَا، وَلَا يَكُونُ أَجْنَبِيًّا، وَيُرْفَعُ عَلَى الْفَاعِلِيَّةِ أَوِ الْإِبْدَالِ، وَيُنْصَبُ عَلَى التَّمْيِيزِ أَوِ التَّشْبِيهِ بِالْمَفْعُولِ بِهِ، وَالثَّانِي يَتَعَيَّنُ فِي الْمَعْرِفَةِ، وَيُخَفَضُ بِالْإِضَافَةِ۔

ترجمہ:- اور صفت مشبہ مشابہ باسم الفاعل ایک کی طرف متعدی ہوتا ہے، اور یہ وہ صفت ہے جو افادہ ثبوت کے لیے بغیر تفضیل و فوقیت کے لایا گیا ہو جیسے حَسَنٌ، ظَرِيفٌ، طَاهِرٌ، ضَامِرٌ، اور صفت مشبہ کا معمول اس پر مقدم نہیں ہو سکتا اور نہ وہ اجنبی ہوگا، اور صفت مشبہ فاعلیت کی بناء پر یا ابدال کی وجہ سے رفع دیا جاتا ہے، اور تمیز یا مشابہ بالمفعول بہ ہونے کی صورت میں نصب دیا جائے گا، اور دوسری صورت معرفہ میں متعین ہوتی ہے، اور اضافت کی وجہ سے جردیا جاتا ہے۔

تشریح:- فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ کی چھٹی قسم صفت مشبہ باسم الفاعل ہے جو ایک کے لیے متعدی ہوتا ہے۔

صفت مشبہ کی تعریف:

صفت مشبہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو مصدر سے نکلے اور ایسی ذات پر دلالت کرے جس کے ساتھ معنی مصدری بطور ثبوت (تینوں زمانوں سے قطع نظر) قائم ہوں۔

دوسری تعریف: صفت مشبہ اس صفت کو کہتے ہیں جو موصوف کی طرف ثبوت کی نسبت کا فائدہ دینے کے لیے بغیر کسی تفضیل کے لائی گئی ہو۔ افادہ حدوث کے لیے نہیں۔ جیسے تَمَرَّتْ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ میں حَسَنٌ صیغہ صفت ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ معنی

مصدری بطور ثبوت قائم ہو۔

صفت مشبہ اور اسم تفصیل میں فرق:

یہ امر مسلم ہے کہ صفت مشبہ اور اسم تفصیل دونوں صفات پر دلالت کرتے ہیں، لیکن دوسرے کے مقابلے میں فضیلت اور عدم فضیلت کے اعتبار سے قدرے فرق ہے۔ وہ یہ کہ اسم تفصیل ایسے اسم کو کہتے ہیں جس میں معنی مصدری دوسرے کے مقابلہ میں زیادتی کے ساتھ پائے جاتے ہوں جیسے أَفْضَلُ، أَعْلَمُ، لیکن صفت مشبہ میں موصوف کے لیے بطور ثبوت کے معنی مصدری بغیر زیادتی کے پائے جاتے۔

صفت مشبہ اور اسم فاعل میں فرق:

اسم فاعل اور صفت مشبہ میں فرق یہ ہے کہ اسم فاعل میں مصدری معنی عارضی طور پر بطور حدوث و تجدّد کے پائے جاتے ہیں، اور صفت مشبہ میں مصدری معنی ثبوت اور دوام کے ساتھ پائے جاتے ہیں، جیسا کہ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ الْوَجْهِ میں حُسْنِ آدَمی کے چہرے کے لیے ثابت ہے اور یہ بطور حدوث و تجدّد کے نہیں ہے، لیکن مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ عَمْرَوًا میں ضَارِبِ حدوث و تجدّد کا فائدہ دیتا ہے، اسی طرح مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مَضْرُوبٍ میں مضروب اسم مفعول بھی حدوث و تجدّد پر محمول ہے۔

صفت مشبہ باسم الفاعل کی وجہ تسمیہ:

والصفة المشبهة باسم الفاعل: صفت مشبہ کو صفت مشبہ باسم الفاعل کہا جاتا ہے اس کی کئی وجہیں ہیں۔

(۱) صفت مشبہ کی اصل مرفوع ہونا ہے نہ کہ منصوب جیسا کہ اسم فاعل مرفوع ہوتا ہے (۲) یہ فعل قاصر سے ماخوذ ہے جو اسم فاعل ہے اور خود اسم فاعل فعل سے ماخوذ ہے (فعل قاصر وہ فعل ہے جو صرف فاعل پر پورا نہ ہو بلکہ فاعل کی خبر یعنی صفت بیان کرنے کی ضرورت ہو جیسے کَانَ، ضَارِبٌ، وغیرہ۔ (الخواص ص ۱۵۰/۲) (۳) صفت مشبہ سے حدوث کا قصد نہیں کیا گیا ہے، لہذا یہ فعل کا مبالغہ بھی ہوگا، کیوں کہ فعل بطور حدوث کے دلالت کرتا ہے۔ (۴) صفت مشبہ اسم فاعل کے ساتھ مصدری معنی میں مشابہت رکھتا ہے اور جس طرح اسم فاعل واحد، تشبیہ، جمع، مذکر اور مؤنث ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی۔ مثلاً حَسَنٌ، حَسَنَةٌ، حَسَنَانِ، حَسَنَتَانِ، حَسَنُونَ اور حَسَنَاتٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ ضَارِبٌ، ضَارِبَةٌ، ضَارِبَانِ، ضَارِبَتَانِ، ضَارِبُونَ، اور ضَارِبَاتٌ کہا جاتا ہے، لیکن صفت مشبہ اسم تفصیل کے مشابہ نہیں ہوگا، کیوں کہ اکثر و بیشتر احوال میں تشبیہ، جمع اور مؤنث نہیں لائے جاتے، اسی

وجہ سے اسم کو فاعل کے ساتھ بھی مشابہت جائز نہیں ہے۔

اسم فاعل اور اسم تفضیل میں فرق:

(۱) اسم فاعل صرف معنی فاعلیت کو بتلاتا ہے، جب کہ اسم تفضیل معنی فاعلیت کی زیادتی کو بتلاتا ہے۔ (۲) اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں ۱۔ الف لام کے ساتھ ۲۔ ین کے ساتھ ۳۔ اضافت کے ساتھ جب کہ اسم فاعل میں یہ شرط نہیں ہے (۳) اسم فاعل کا واحد، تشنیہ، جمع، مذکر و مؤنث ہر وقت لانا درست ہے، لیکن اسم تفضیل کا اکثر اوقات تشنیہ، جمع اور مؤنث لانا جائز نہیں۔

(مشکل ترکیبوں کا حل ص ۳۴۹)

صفت مشبہ کا عمل:

صفت مشبہ مطلقاً بغیر زمانہ حال یا استقبال کی شرط کے اپنے فعل لازم کا سائل کرتا ہے، اس لیے کہ وہ بمعنی ثبوت و دوام ہوتا ہے نہ بمعنی حدوث اور زمانہ حال یا استقبال کی شرط حدوث کے وقت لگائی جاتی ہے، لیکن اس کے عمل کے لیے موصول کے سوا باقی امور مذکورہ پر اعتماد شرط ہے، موصول پر عدم اعتماد اس لیے ہے کہ درحقیقت وہ لام داخلہ جسے موصولہ سے تعبیر کیا جاتا ہے بلا اتفاق موصولہ نہیں ہے۔

المتعدی بواحد سے مراد۔ اس عبارت سے مصنف اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ صفت مشبہ تو فعل لازم کی طرح عمل کرتا ہے، لیکن اپنے مابعد اسم کو نصب دیتا ہے۔

یہاں سے یہ بات واضح رہے کہ صفت مشبہ کا عمل اپنے فعل سے اس لیے زائد ہوتا ہے کہ صفت مشبہ اپنے معمول کو رفع فاعل ہونے کی وجہ سے دیتا ہے اور نصب اس وقت دیتا ہے جب وہ معمول معرفہ ہو مفعول کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے نہ کہ مفعولیت کی وجہ سے، اس لیے کہ فعل لازم مفعول کو نہیں چاہتا اور نکرہ ہو تو نصب تمیز ہونے کی وجہ سے ہوگا بخلاف اس کے فعل کے کہ وہ معمول کو نصب نہیں دیتا۔

چند امور میں صفت مشبہ اسم فاعل کا مخالف ہوتا ہے

پہلا فرق: كَحَسَنِ وَظَرِيفٍ، وَطَاهِرٍ وَضَامِرٍ یہ بات ذہن نشین رہے کہ صفت مشبہ چند امور میں اسم فاعل کے برخلاف ہوتا ہے۔ پہلا فرق یہ ہے کہ صفت مشبہ کبھی کبھی مضارع کے حرکات و سکنات پر جاری نہیں ہوتا ہے اور کبھی جاری ہوتا ہے اول کی مثال جیسے حَسَنٌ اور ظَرِيفٌ (خوش مزاج ہونا، چالاک ہونا) یہ دونوں ایسے صفت مشبہ ہیں جو يَحْسُنُ اور يَظْرِفُ کی شکل میں نہیں پڑھے جاتے۔ اور ثانی کی مثال جیسے طَاهِرٌ (پاک ہونا) اور ضَامِرٌ (اغر ہونا) یہ دونوں يَطْهَرُ اور

يَضُمُّرُ کی شکل میں پڑھے جاتے ہیں، بقول صاحب کتاب پہلی صورت کثیر الاستعمال ہے بلکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ لازم ہے حالاں کہ ایسی بات نہیں، اس کے برخلاف اسم فاعل ہمیشہ مضارع کے حرکات و سکنات پر جاری ہوتا ہے جیسے ضَارِبٌ يَضْرِبُ کے معنی میں جاری ہوتا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۱):

حضرت الاستاذ! صاحب کتاب نے فرمایا ”صفت مشبہ کبھی کبھی مضارع کے حرکات و سکنات پر جاری نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اس کی مثال سے ظاہر ہے، اس کے برخلاف اسم فاعل ہمیشہ مضارع کے حرکات و سکنات پر جاری ہوتا ہے۔ صاحب کتاب کا یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ ”دَاخِلٌ“ اسم فاعل ہے جس کا عین کلمہ مکسور ہے اور فعل مضارع ”يَدْخُلُ“ آتا ہے جو مضموم العین ہے اور یہ متحقق ہے کہ ضمہ کسرہ کا مقابل نہیں ہو سکتا، لہذا حرکات کے اعتبار سے اسم فاعل مضارع کے مطابق نہیں ہے؟ صاحب کتاب نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اسم فاعل کا فعل مضارع کے حرکات و سکنات پر جاری ہونے کا مطلب ہے کہ حرکت کے مقابلہ میں کوئی حرکت ہی آئے بعینہ اسی حرکت کا آنا لازم نہیں ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲):

مصنف کے جواب پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قَائِمٌ اسم فاعل اور يَقُومُ فعل مضارع میں حرکات و سکنات کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا ہے، کیوں کہ قَائِمٌ کا دوسرا حرف ساکن ہے اور يَقُومُ کا دوسرا حرف متحرک ہے، حالاں کہ ساکن کے بالمقابل ساکن اور متحرک کے بالمقابل متحرک آنا چاہیے، لہذا آپ کا دعویٰ کرنا درست نہیں۔ فاضل مصنف نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے غور و فکر کیے بغیر جلد بازی میں اعتراض کر دیا حالاں کہ میں نے جو جواب دیا اسی کے مطابق قَائِمٌ اور يَقُومُ کا اعراب موجود ہے، وہ اس طرح کہ قَائِمٌ کا دوسرا حرف ساکن ہے اور فعل مضارع يَقُومُ کا بھی دوسرا حرف ساکن ہے بظاہر جو ضمہ نظر آ رہا ہے دراصل وہ حرف ثالث سے منقول ہو کر آیا ہے چوں کہ يَقُومُ اصل میں يَقُومُ تھا، واؤ متحرک ماقبل ساکن واؤ کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دے دیا يَقُومُ ہو گیا۔ (یہ تعلیل دراصل گردان کے زبان پر ثقیل ہونے کی وجہ سے جاری کی گئی ہے)

دوسرا فرق: صفت مشبہ معنی ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور اسم فاعل حدودی معنی پر دلالت کرتا ہے۔

تیسرا فرق: اسم فاعل، ماضی، حال، استقبال تینوں زمانوں میں استعمال کیا جاتا ہے، برخلاف صفت مشبہ کے یہ ہمیشہ فقط حال کے لیے مستعمل ہوتا ہے، ماضی اور استقبال کے لیے بالکل نہیں، کیوں کہ باب الصفات میں یہی اصل ہے یعنی صفت مشبہ مطلقاً بغیر زمانہ (ماضی، حال استقبال) کی شرط کے اپنے

فعل لازم کا سا عمل کرتا ہے اور وہ ہمیشہ حال کے لیے مستعمل ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ بمعنی ثبوت و دوام اور استمرار ہوتا ہے نہ بمعنی حدوث، اور زمانہ ماضی، حال، یا استقبال کی شرط حدوث کے وقت لگائی جاتی ہے۔ مصنف نے لَفَادَةُ الثَّبُوت سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

چوتھا فرق: وَلَا يَتَقَدَّمُهَا مَعْمُولُهَا: صفت مشبہ کا معمول اس پر کبھی بھی مقدم نہیں ہوتا، جب کہ اسم فاعل کا معمول اس پر مقدم ہو جاتا ہے، لہذا "زَيْدٌ وَجْهَهُ حَسَنٌ" میں وَجْهَهُ کو نصب کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ اس مثال میں معمول اپنے عامل پر مقدم ہے جو اصل کے برخلاف ہے، نیز صفت مشبہ عامل ضعیف ہوتا ہے جو معمول مقدم میں عمل کرنے سے قاصر ہے اور عامل ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فَرْعُ الْفَرْع ہے، اس لیے کہ صفت مشبہ اسم فاعل کا فرع ہے اور خود اسم فاعل فعل کا فرع ہے، لہذا صفت مشبہ فرع کا فرع ہوا جو عامل ضعیف کی علامت ہے۔ برخلاف اسم فاعل کے کہ اس کا معمول مقدم ہوتا ہے، لہذا "زَيْدٌ أَبَاهُ ضَارِبٌ" کہنا جائز ہوگا، اس مثال میں أَبَاهُ معمول مقدم ہے جو گرچہ اصل کے برخلاف ہے، لیکن اسم فاعل عامل قوی ہوتا ہے اور اصل یعنی فعل کا فرع ہے، چنانچہ اس کے معمول کے مقدم ہونے کے باوجود عمل کرنا آسان ہے۔

پانچواں فرق: وَلَا يَكُونُ اجْنَبِيًّا صفت مشبہ کا معمول اجنبی نہیں ہو سکتا بلکہ سببی ہونا ضروری ہے، برخلاف اسم فاعل کے کہ اس کا معمول کبھی سببی بھی ہوتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ أَبَاهُ اور کبھی اجنبی ہوتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ عَمْرَوًا۔

سببی سے مراد: تین امور میں سے کسی ایک کے ہونے کو مراد لے سکتے ہیں۔ اول یہ کہ معمول موصوف کی ضمیر کے ساتھ متصل ہو جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ وَجْهَهُ، اس مثال میں وَجْهَهُ معمول ہے جو موصوف کی ضمیر کے ساتھ متصل ہے۔ دوم یہ کہ معمول موصوف کی ضمیر کے قائم مقام کے ساتھ متصل ہو جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ الْوَجْهِ اس مثال میں الْوَجْهِ معمول ہے جو موصوف کی ضمیر کے قائم مقام الف لام کے ساتھ متصل ہے، اس لیے کہ الف لام اس ضمیر کے قائم مقام ہے جو مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ سوم یہ کہ معمول کے ساتھ موصوف کی ضمیر پوشیدہ ہو جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ وَجْهًا اَصْلٌ میں وَجْهًا مِنْهُ تھا۔

صفت مشبہ کے معمول کی تین حالتیں:

ویرفع علی الفاعلیۃ او الابدال فاضل مصنف یہاں سے صفت مشبہ کے معمول کے احوال کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا۔ باعتبار اعراب کے صفت مشبہ کے معمول کی تین حالتیں ہیں۔

پہلی حالت: یہ کہ معمول مرفوع ہو جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ وَجْهًا۔ اور معمول کا مرفوع ہونا دو اعتبار سے ہے، اول یہ کہ معمول فاعلیت کی بناء پر مرفوع ہوگا (یعنی معمول صفت کا فاعل ہوگا) لہذا اس وقت صفت کا ضمیر سے خالی ہونا ضروری ہے، کیوں کہ اس وقت اس کا معمول خود اس کا فاعل ہے، اگر ضمیر لائی جائے تو ایک شئی کے لیے دو فاعل کا اجتماع لازم آئے گا، حالاں کہ ایک شئی کے لیے دو فاعل نہیں ہو سکتے اور یہ متفق علیہ قاعدہ ہے۔ دوم یہ کہ صفت کی ضمیر مستتر سے بدل ہو کر مرفوع ہو۔ امام فارسی نے اسے جائز قرار دیتے ہوئے باری تعالیٰ کے قول سے استدلال کیا ہے "جَنَابَاتِ عَدْنٍ مُفْتَحَةٌ لَهُمُ الْآبُوبَابُ" (ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے اُن کے واسطے کھلے ہوں گے۔ پ ۲۳، ص ۵۰) طریقہ استدلال یہ ہے کہ مُفْتَحَةٌ میں ضمیر نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور الابواب کو اس ضمیر مرفوع سے بدل بعض من الكل مان لیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ بدل کا اعراب وہی ہوتا ہے جو مبدل منہ کا ہوتا ہے۔

دوسری حالت: وینصب علی التمییز او التشبیہ بالمفعول بہ الخ اس عبارت میں صفت مشبہ کے معمول کی دوسری حالت بیان کی گئی ہے چنانچہ فرمایا، صفت مشبہ کا معمول منصوب ہوگا، لیکن معمول کا منصوب ہونا دو حال سے خالی نہیں، یا تو معمول نکرہ ہوگا جیسے "وَجْهًا" یا معرفہ ہوگا جیسے "الْوَجْهَ" اگر معمول نکرہ ہے تو اس کو دو اعتبار سے نصب آئے گا۔ اول یہ کہ معمول تمییز ہوگا اور یہی قول رائج ہے جیسے "زید الحسن وَجْهًا" دوم یہ کہ مفعول بہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی مفعول صفت کے لیے نہیں آتا، کیوں کہ صفت مشبہ لازم ہوتا ہے۔ اور اگر معمول معرفہ ہے تو متعینہ طور پر مفعول کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا جیسے "زید الحسن الْوَجْهَ" کیوں کہ تمییز معرفہ نہیں ہوتی ہے، برخلاف کوفیین حضرات کے کہ ان کے نزدیک صفت مشبہ کا معمول اگر معرفہ ہو تو بھی تمییز کی تاویل میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ صاحب کتاب نے والثانی یتعین فی المعرفة کہہ کر فیصلہ کن بات کہہ دی کہ اصل ضابطہ یہی ہے ایسا نہیں جیسا کہ کوفیین نے کہا ہے۔

تیسری حالت: ویخفف بالاضافۃ فاضل مصنف نے اس عبارت میں صفت مشبہ کے معمول کی تیسری حالت کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں صفت مشبہ کا معمول اضافت کی وجہ سے مجرور ہوگا جیسے زیدُ الحَسَنُ الْوَجْهَ۔

نوٹ:۔ معمول کے مجرور و منصوب ہونے کی صورت میں صفت مشبہ میں مرفوع علی الفاعلیت کی ضمیر مستتر کا فرض کرنا لازم ہوگا، صفت مشبہ کے معمول کی مذکورہ بالا تینوں حالتوں میں حالت رفع

اصل ہے اور نصب رفع کی فرع ہے اور جرنصب کی فرع ہے۔

نوٹ:- صفت مشبہ، مشتبہ بالمفعول، مفعول مطلق، مفعول فیہ، مفعول لہ، حال تمیز کو نصب دیتا ہے، صفت مشتبہ کے مشتبہ بالمفعول کے علاوہ باقی مفعولات میں عمل کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے۔
(انحو الوانی جلد ۳/ص ۳۰۱)

النوع السابع:- اسم التفضیل

اسم تفضیل کا بیان

وَاسْمُ التَّفْضِيلِ، وَهُوَ الصِّفَةُ الدَّالَّةُ عَلَى الْمُشَارَكَةِ وَالزِّيَادَةِ كـ "أَكْرَمَ" وَيُسْتَعْمَلُ بِمِنْ، وَمُضَافًا لِنَكْرَةٍ، فَيَفْرَدُ وَتُذَكَّرُ، وَبِأَلٍ فَيُطَابِقُ، وَمُضَافًا لِمَعْرِفَةٍ فَوَجْهَانِ، وَلَا يَنْصِبُ الْمَفْعُولَ مُطْلَقًا، وَلَا يَرْفَعُ فِي الْغَالِبِ ظَاهِرًا إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْكُحْلِ۔

ترجمہ:- اور اسم تفضیل: اور وہ وہ وصف ہے جو مشارکت و زیادت پر دلالت کرے، جیسے اکرم اور وہ استعمال کیا جاتا ہے مِنْ کے ساتھ، اور نکرہ کی طرف مضاف ہونے کی حالت میں، چنانچہ اس وقت وہ مفرد اور مذکر لایا جائے گا، اور الف لام کے ساتھ تو اس وقت اپنے موصوف کے مطابق ہوگا، اور معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی حالت میں تو اس وقت دو صورتیں ہوں گی، اور وہ مطلقاً مفعول بہ کو نصب نہیں دے گا، اور علماء کی ایک بڑی جماعت کے قول کے مطابق اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا ہے، مگر مسئلہ کحل میں (یعنی مسئلہ کحل میں اسم تفضیل اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے)۔

تشریح:- اپنے فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عامہ کی ساتویں قسم اسم تفضیل ہے۔

اسم تفضیل کی تعریف:

واسم التفضیل وهو الصفة الدالة الخ اس عبارت میں فاضل مصنف نے اسم تفضیل کی تعریف بیان فرمائی ہے، اسم تفضیل ایسی صفت کو کہتے ہیں جو مشارکت اور اپنے غیر کے مقابلہ میں معنی مصدری کی زیادتی پر دلالت کرے، جیسے اکرم (زیادہ عزت والا) اعلم (زیادہ جاننے والا) افضل (زیادہ فضیلت والا)

اسم تفضیل کے صیغے:

اسم تفضیل کا صیغہ أَفْعَلُ مذکر کے لیے ہے اور فُعْلَى مؤنث کے لیے ہے، اور اس میں خیر

اور شَرُّ داخل ہیں، اس لیے کہ یہ اصل میں أَخْيَرُ اور أَشَرُّ تھے، نیز یہ صیغے صرف ثلاثی مجرد سے آتے ہیں۔ ثلاثی مزید اور رباعی مجرد و مزید سے نہیں آتے، اس لیے کہ ثلاثی مزید اور رباعی سے اس وزن پر آنا محال ہے، کیوں کہ اگر حروف کم کیے جائیں تو لفظ اور معنی خلل لازم آتا ہے اور اگر حروف کم نہ کریں تو وزن أَفْعَلُ سے بڑھ جائے گا۔ اور پھر ثلاثی مجرد بھی اس سے آتا ہے جس میں لون و عیب کے معنی نہ ہوں، اس واسطے کہ اس سے جس میں لون و عیب کے معنی ہوں غیر تفصیل کے لیے أَفْعَلُ صفت کا صیغہ آتا ہے۔ پس اگر أَفْعَلُ تفصیل کو بھی اس سے بنایا جائے تو أَفْعَلُ تفصیل کا أَفْعَلُ صفت سے التباس ہوگا جیسے أَسْوَدُ (سیاہ رنگ والا) أَعْوَرُ (کانا) ان کی مَوْنَتُ مَعْوَنَةٌ اور عوراء آتی ہے، مثلاً اگر أَسْوَدُ کہیں تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس سے مراد سیاہ رنگ والا ہے، یا زیادہ سیاہ رنگ والا، اور عیب سے مراد عیب ظاہری ہے نہ باطنی، لہذا أَجْهَلُ (زیادہ جہالت والا) اور أَبْلَدُ (زیادہ بلادت والا) سے جو جہل اور بلادت سے مشتق ہیں اور عیوب باطنہ ہیں۔ اور اگر فَعْل ثلاثی مجرد سے زائد ہو، یا ثلاثی مجرد سے ہو جس میں لون و عیب کے معنی ہیں تو اس وقت واجب ہے کہ أَفْعَلُ کے وزن پر ثلاثی مجرد سے لفظ شدت یا کثرت یا قوت، یا ضعف یا قباحت یا حسن وغیرہ سے جو مقصود کے موافق ہو صیغہ بنائیں۔ تاکہ وہ مبالغہ اور شدت اور کثرت پر دلالت کرے، اس کے بعد اس فعل کے مصدر کو جس سے اسم تفصیل بنانا ممتنع ہے بناء بر تمیز منصوب کریں جیسے هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ استخرأجا۔ وہ اس سے از روئے نکالنے کے زیادہ سخت ہے۔) (مصباح الخوص ۲۳۸)

اسم تفصیل کے استعمال کی صورتیں:

وَيُسْتَعْمَلُ بِمَنْ وَمُضَافًا لِنَكْرَةِ فَيَقْرَأُ وَيَذْكُرُ الْخ فاضل مصنف یہاں سے اسم تفصیل کے استعمال کے طریقے کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم تفصیل کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ: اسم تفصیل ہر حال میں مفرد اور مذکر ہوگا خواہ موصوف مَوْنَتُ ہو یا تشبیہ یا جمع، اور یہ دو صورتوں میں ہے (۱) اسم تفصیل کے بعد مِنْ آئے جو مفضول کے لیے جر دینے والا ہو، جیسے تیرا قول "زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو" (زید زیادہ افضل ہے عمرو سے) وَالزَّيْدَانِ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، وَالزَّيْدُونَ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، وَهَذَا أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، وَالْهِنْدَانِ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، وَالْهِنْدَاتِ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، مذکور الصدر تمام مثالوں میں اسم تفصیل أَفْضَلُ مفرد مذکر مذکور ہوا ہے، کیوں کہ اس کے بعد مِنْ آرہا ہے، مِنْ کے آنے کی صورت میں اسم تفصیل کو کسی اور طرح استعمال کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ علامت تانیث یا علامت جمع کی مثلاً جب اس پر داخل ہو تو دو صورتیں ہیں یا قبل از مِنْ داخل ہوں گی یا بعد

از من۔ قبل از من داخل ہونا جائز نہیں، اس لیے کہ من شدت اتصال کی وجہ سے مثل جزو کلمہ کے ہے پس اس وقت علامت تانیث یا جمع کا وسط کلمہ میں داخل ہونا لازم آئے گا۔ اور وہ محال ہے۔

اور اگر علامت تانیث و جمع بعد از من داخل ہوں تو یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ من حقیقت میں دوسرا کلمہ ہے۔ پس اس وقت ایک کلمہ کی علامت کا ادخال دوسرے کلمہ پر لازم آتا ہے۔ اور قباحۃ اس کی اظہر من الشمس ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول "اِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَآخُوهُ اَحَبُّ اِلَىٰ اٰبِنَا مِنَّا" (وہ وقت قابل ذکر ہے جب کہ ان کے بھائیوں نے گفتگو کی کہ یوسف اور ان کا بھائی ہمارے باپ کو ہم

سے زیادہ پیارے ہیں۔ پ ۱۲، یوسف آیت ۸) میں یُوسُفُ اور آخُوهُ موصوف ہیں جو تشنیہ ہیں اس کے باوجود اسم تفضیل اَحَبُّ مفرد مذکر لائے، کیوں کہ اس کے بعد حرف من آیا ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاءُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبُّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِيْلِهِ" (آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بیویاں اور تمہاری کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ

پیارے ہوں۔ پ ۱۰، توبہ، آیت ۲۴) میں اَحَبُّ اسم تفضیل مفرد مذکر مذکور ہے، حالاں کہ موصوف جمع کے ساتھ ہے، لیکن اسم تفضیل کے بعد من آیا ہے، لہذا وجود شرط کے مطابق اسم تفضیل مفرد مذکر لائے۔ (۲) یہ کہ اسم تفضیل کسی نکرہ کی طرف مضاف ہو تو اس وقت بھی ہر حال میں اسم تفضیل مفرد مذکر ہی آئے گا، جیسے زید اَفْضَلُ رَجُلٍ، وَالزَّيْدَانِ اَفْضَلُ رَجُلَيْنِ، وَالزَّيْدُونَ اَفْضَلُ رَجَالٍ، هَذَا

اَفْضَلُ امْرَاةٍ وَالْهِنْدَانِ اَفْضَلُ امْرَأَتَيْنِ، وَالْهِنْدَاتُ اَفْضَلُ نِسْوَةٍ۔

دوسرا طریقہ: وَبِالْ فَيُطَابِقُ اس عبارت میں اسم تفضیل کے استعمال کا دوسرا طریقہ ذکر فرمایا ہے، وہ یہ کہ اسم تفضیل اپنے موصوف کے مطابق ہوگا یعنی جیسا موصوف ہوگا ویسا ہی اسم تفضیل آئے گا مذکر کی صورت میں مذکر، مؤنث کی صورت میں مؤنث، واحد، تشنیہ اور جمع کی صورت میں واحد، تشنیہ اور جمع آئے گا۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ اسم تفضیل الف لام کے ساتھ ہو۔ جیسے زَيْدُ الْاَفْضَلُ، وَالزَّيْدَانِ الْاَفْضَلَانِ، وَالزَّيْدُونَ الْاَفْضَلُونَ، وَهَذَا الْفُضْلَى، وَالْهِنْدَانِ الْفُضْلَيَانِ، وَالْهِنْدَاتُ الْفُضْلَيَاتُ اَوْ الْفُضْلُ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم تفضیل اور من ہولہ

موصوف صفت ہیں اور تطابق کے لیے کوئی مانع نہیں ہے، اس وجہ سے موافقت ضروری ہے۔

تیسرا طریقہ: وَمُضَافًا لِمَعْرِفَةِ فَوْجِهَانِ اس عبارت میں فاضل مصنف نے اسم تفضیل

موصوف صفت ہیں اور تطابق کے لیے کوئی مانع نہیں ہے، اس وجہ سے موافقت ضروری ہے۔

تیسرا طریقہ: وَمُضَافًا لِمَعْرِفَةِ فَوْجِهَانِ اس عبارت میں فاضل مصنف نے اسم تفضیل

کے استعمال کا تیسرا طریقہ ذکر فرمایا ہے، وہ یہ کہ اسم تفضیل کا اپنے موصوف کے مطابق ہونا اور مطابق نہ ہونا دونوں صورتیں جائز ہیں اور یہ اس وقت ہے جب کہ اسم تفضیل مضاف ہو کسی معرفہ کی طرف جیسے الزیدان افضل القوم بھی کہنا جائز ہے، اور الزیدون افضل القوم کہنا بھی جائز ہے، اور اسی طرح باقی مثالوں کو قیاس کر لیجیے، لیکن موصوف کے مطابق نہ ہونا زیادہ فصیح ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عدم مطابقت کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا ہے "وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ" (اور آپ تو ان کو حیات دنیویہ کا حریص عام آدمیوں سے بھی بڑھ کر پائیں گے۔ پ ۱، بقرہ آیت ۹۶) اس آیت میں أَحْرَصَ اسم تفضیل ہے، جو اپنے ماقبل موصوف کے مطابق نہیں ہے، اگر مطابق ہوتا تو أَحْرَصِی ہوتا یا کے ساتھ، اور قرآن میں موصوف کے مطابق ہونا بھی بیان کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مُّجْرِمِيهَا" (اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا۔ پ ۸، انعام آیت ۱۲۲) اس آیت میں أَكْبَرُ اسم تفضیل جمع کا صیغہ ہے جو اپنے ماقبل موصوف كُلِّ قَرْيَةٍ کے مطابق ہے۔

اور ابن السراج نے اس تیسرے طریقہ میں بھی اسم تفضیل کو مفرد مذکر لانے کو واجب قرار دیا ہے، لیکن اس آیت کریمہ کے ذریعہ ان کا دعویٰ مردود ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسم تفضیل کا اپنے موصوف کے مطابق لانا اور مطابق نہ ہونا دونوں صورتیں جائز ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟ دراصل مفرد لانا تو اس لیے جائز ہے کہ یہ اسم تفضیل مستعمل بمن کے ساتھ مفضل علیہ کے مذکور ہونے میں مشتبہ ہے اور مستعمل بمن میں ہمیشہ افراد واجب ہے، لہذا مشابہت مذکور کی وجہ سے مشتبہ میں بھی یہ جائز رکھا ہے کہ وہ بھی مفرد ہو، لیکن چون کہ اس کی دوسری چیز کے ساتھ مشابہت ہے، لہذا اس میں افراد واجب نہیں۔

نوٹ:- اسم تفضیل کا ان تینوں سے خالی ہونا ناجائز ہے پس زید افضل بغیر کسی استعمال کے ناجائز ہے، ہاں اگر مفضل علیہ قرآن سے معلوم ہو سکتا ہو تو وہاں اس کا مقدر ہونا جائز ہے، اور اس وقت اس کا وجوہ ثلثہ میں سے بغیر کسی وجہ کے استعمال کرنا جائز ہے جیسے اللہ اکبر ای اکبر من کلّ شئیٰ اور اکبر کلّ شئیٰ۔ اور جیسے زید کریم و خالد اکرم ای اکرم من زید اور اسم تفضیل میں دو استعمال کا جمع ہونا ناجائز ہے۔ پس زید ن الافضل من عمرو کہنا ناجائز ہے۔

اسم تفضیل کا عمل اور حکم:

وَلَا يَنْصِبُ الْمَفْعُولَ مُطْلَقًا یہاں سے فاضل مصنف اسم تفضیل کے عمل اور حکم کو بیان فرما

رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسم تفضیل مفعول بہ کو مطلقاً نصب نہیں دیتا خواہ مفعول بہ مظہر ہو خواہ مضمّر، کیوں کہ اسم تفضیل کا مفعول مفعول علیہ کے سواء اور کوئی نہیں ہوتا، اور مفعول علیہ جب مذکور ہوتا ہے تو مجرور ہوتا ہے، پس اس میں وہ بواسطہ حرف جر عمل کرتا ہے، اس کے استدلال میں علماء نے فرمان الہی کو پیش فرمایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَخِضُّ عَنْ سَبِيلِهِ" (بالیقین آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے، جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے، پ ۸، انعام آیت ۱۱۸) میں اَعْلَمُ اسم تفضیل ہے، اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مَنْ، اَعْلَمُ کا مفعول بہ ہے، حالاں کہ مَنْ اَعْلَمُ کا مفعول بہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ مفعول کو نصب دیتا ہی نہیں بلکہ مَنْ یہ ایسے فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جو اَعْلَمُ پر دلالت کرتا ہے اور اصل عبارت "يَعْلَمُ مَنْ يَخِضُّ" ہے۔

وَلَا يَرْفَعُ فِي الْقَالِبِ ظَاهِرًا اس بات پر تمام نحو یوں کا اتفاق ہے کہ اسم تفضیل ضمیر مستتر کو رفع دیتا ہے یعنی اسم تفضیل کا فاعل ہمیشہ ضمیر غائب ہوتی ہے، جیسے زَيْدٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو، افضل میں ایک ضمیر مستتر ہے جو زَيْدٌ کی طرف لوٹ رہی ہے، وہی ضمیر افضل کا فاعل ہے، لیکن اسم تفضیل کا فاعل اسم مظہر ہوگا یا نہیں، یعنی اسم ظاہر کو رفع دے گا یا نہیں، اس سلسلے میں اہل عرب کے درمیان اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ اسم تفضیل مطلقاً اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ أَفْضَلُ مِنْهُ أَبَوُهُ، میں افضل اسم تفضیل بشكل فتحہ حالت جری میں ہے، کیوں کہ یہ رجل مجرور کی صفت ہے اور صفت کا اعراب وہی ہوتا ہے جو موصوف کا ہوتا ہے اور الِابُّ کو فاعلیت کی بناء پر رفع دیا گیا ہے۔ بقول مصنف "یہ لغت قلیل الاستعمال ہے اور اکثر اہل عرب کا کہنا ہے کہ اسم تفضیل اسم ظاہر میں کبھی بھی عمل نہیں کرتا (یعنی کبھی بھی اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا ہے)

طالب العلمانہ اشکال اور اس کا جواب:

اسم تفضیل ضمیر مستتر کو رفع دیتا ہے بر بناء فاعلیت، لیکن اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا ایسا کیوں؟ دراصل اسم تفضیل ایک ضعیف عامل ہے اور ضمیر مستتر ضعیف معمول ہے، لہذا ضعیف عامل اپنے ضعیف معمول میں عمل کر سکتا ہے، لیکن اسم ظاہر قوی معمول ہے اور قوی معمول میں ضعیف عامل عمل نہیں کر سکتا اور بعض اہل عرب نے دلیل کے طور پر جو مثال پیش کی ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں، کیوں کہ اس میں خبر مقدم ہے، اور أَبَوُهُ مبتداء مؤخر ہے، اور افضل کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو اس کی طرف عود کر رہی ہے۔

مسئلہ الکحل کی توضیح:

الآفی مسئلة الکحل اسم تفضیل اسم ظاہر کو نہ رفع دیتا ہے اور نہ اسے اپنا معمول بناتا ہے۔

ہاں صرف ایک صورت ہے جس میں اس کا فاعل اسم ظاہر ہوتا ہے وہ ”مسئلۃ الکحل“ ہے، مسئلۃ الکحل کے ذریعہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسم تفضیل کے فاعل مظہر میں عمل کرنے کے لیے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، اگر تین شرطیں پائی جائیں گی وہاں اسم تفضیل فاعل مظہر میں عمل کرے گا، اور وہ تین شرطیں یہ ہیں۔

(۱) کلام میں نفی ہو (۲) اس کے بعد اسم جنس ہو جو اسم تفضیل کا موصوف کہلائے (۳) اس کے بعد مفصل ہو دو اعتبار سے (یعنی ایسا ہو کہ جو اس شئی کے اعتبار سے مفصل ہو اور دوسری شئی کے اعتبار سے مفصل علیہ بھی ہو، لیکن دو اعتبار سے ہو) ناچیز راقم اسطور شرائط ثلاثہ کی کچھ تفصیل اس طرح کرتا ہے۔

اول یہ کہ اسم تفضیل باعتبار لفظ کے ایک شئی کی صفت ہو اور باعتبار معنی اس شئی کے متعلق کی صفت ہو در انحالیکہ وہ اس شئی کے متعلق اور دوسری شئی میں مشترک ہو۔

دوم یہ کہ وہ متعلق شئی ایسا ہو کہ جو اس شئی کے اعتبار سے مفصل ہو اور دوسری شئی کے اعتبار مفصل علیہ بھی ہو، لیکن دو اعتبار سے۔ سوم یہ کہ وہ اسم تفضیل منفی ہو جیسے ”مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْهُ فِي عَيْنِ زَيْدٍ“ (میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا کہ اس کی آنکھ میں سرمہ اس سرمہ سے زیادہ اچھا ہو جو زید کی آنکھ میں ہے) اس مثال میں پہلے اثبات کے معنی کا لحاظ کرنا چاہیے تاکہ کلام کے معنی ظاہر ہو جاویں اور پھر اس کے بعد نفی کے معنی کا۔ اس مثال میں أَحْسَنُ اسم تفضیل کا صیغہ لفظ کے اعتبار سے تو رجل کی صفت ہے اور معنی کے اعتبار سے متعلق رجل یعنی کحل کی صفت ہے جو چشم رجل اور چشم زید میں مشترک ہے۔ اور یہ کحل باعتبار عین رجل مفصل ہے۔ اور باعتبار عین زید مفصل علیہ ہے۔ اور أَحْسَنُ کا فاعل یہاں کحل ہے جو اسم ظاہر ہے اور أَحْسَنُ اس میں عمل کر رہا ہے۔ اس میں نفی کے سوا باقی سب شرطیں ظاہر ہو گئیں، لیکن جب اس پر نفی داخل ہوئی تو اسم تفضیل مثبت سے منفی ہو جائے گا۔ اور تینوں شرطیں پائی جائیں گی۔ اور نفی کے بعد کحل باعتبار عین رجل مفصل علیہ ہے اور باعتبار عین زید مفصل ہے، اور نفی کے بعد مقصود زید کے آنکھ کے سرمہ کی تعریف ہے، اس مثال میں ما نافیہ ہے اور رَجُلًا مفعول بہ رَأَيْتُ فعل کا ہے، اور أَحْسَنُ اسم تفضیل ہے جو الکحل میں عمل کر رہا ہے اور الکحل اسم ظاہر ہے جو أَحْسَنُ کا فاعل ہے۔

شاعر کا قول مَا رَأَيْتُ امْرَأًا أَحَبَّ إِلَيْهِ الْبَذْلُ مِنْهُ إِلَيْكَ يَا بَنَ سِنَانٍ۔ (میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا کہ خرچ کرنا اس کی طرف زیادہ اچھا ہو بہ نسبت تیری طرف اے ابن سنان۔) اس شعر میں أَحَبَّ اسم تفضیل کا صیغہ لفظ کے اعتبار سے تو امْرَأَةٍ کی صفت ہے اور معنی کے اعتبار سے الْبَذْلُ کی صفت ہے جو امْرَأَةٍ اور ابْنِ سِنَانٍ کے خرچ کرنے میں مشترک ہے اور أَحَبَّ اسم

تفصیل الّبتّل اسم ظاہر کو بر بناء فاعلیت رفع دے رہا ہے۔

نوٹ:- جس طرح اسم تفصیل سے پہلے نفی کا ہونا ضروری ہے اسی طرح نفی کی جگہ میں استفہام کا ہونا جائز ہے جیسے هَلْ رَأَيْتَ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْهُ فِي عَيْنِ زَيْدٍ نِزْنِي كِي جگہ نہی کا استعمال بھی جائز ہے، جیسے لَا يَكُنْ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْخَيْرُ مِنْهُ إِلَيْكَ (محمد عالمگیر دانش)

بَابُ التَّوَابِعِ — توابع کا بیان

بَابُ التَّوَابِعِ - يَتَّبِعُ مَا قَبْلَهُ فِي إِعْرَابِهِ خَمْسَةٌ.

ترجمہ:- توابع کا بیان۔ تابع سے مراد وہ ثانی اسم ہے جو اعراب میں اپنے سابق اسم کے موافق ہو اور وہ پانچ ہیں۔

تشریح:- بَابُ التَّوَابِعِ اب تک ایسے اسموں کا بیان تھا جن پر اعراب اصلی تھا، یعنی ان کے اوپر ان کے عامل کا اثر بغیر کسی واسطہ کے تھا اب ایسے اسموں کا بیان ہے جن پر اعراب اصل نہیں ہے، بلکہ پہلے اسم کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے۔ توابع تابع کی جمع ہے اور صفت سے اسمیت کی طرف منقول ہے، اس لیے کہ فاعل وصفی کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی، بلکہ فاعل اسمی کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے، جیسا کہ کاهل مابین الکتفین کی جمع کو اہل آتی ہے۔

تابع ماخوذ ہے تبع پیروی کرنا، چوں کہ یہ بھی اسم اپنے ماقبل کی پیروی کرتا ہے اعراب میں اس وجہ سے ایسے اسم کو تابع کہتے ہیں۔

توابع کی قسمیں:

خمسۃً تابع کی پانچ قسمیں ہیں صفت، تاکید، عطف بیان، عطف نقل اور بدل۔ علامہ زجاجی اور ان کے ہمنواؤں کے نزدیک تابع کی چار قسمیں ہیں۔ انہوں نے عطف بیان اور عطف نقل دونوں کو ایک شمار کیا ہے عطف کی مناسبت کی وجہ سے۔

بَابُ النَّعْتِ — نعت کا بیان

النَّعْتُ، وَهُوَ: التَّابِعُ، الْمُشْتَقُّ أَوْ الْمُؤَوَّلُ بِهِ، الْمُبَايِنُ لِلْفِظِ مَتَّبِعُهُ.

ترجمہ:- نعت، اور وہ ایسا تابع ہے جو مشتق ہو یا مؤول بہ ہو، اپنے متبوع (یعنی معنوت) کے لفظ کو واضح کرنے والا ہو۔

تشریح:- النعت وهو التابع الخ اس عبارت میں فاضل مصنف نے نعت کی تعریف بیان فرمائی ہے جو فوائد قیود پر مشتمل ہے۔ نعت وہ ایسا تابع ہے جو مشتق ہو یا مؤول بہ ہو۔ اپنے متبوع کے لفظ کے لیے وضاحت کرنے والا ہو۔ اس تعریف میں تابع بمنزلہ جنس کے ہے جو پانچوں توابع کو شامل ہے، اور تعریف کے باقی الفاظ بمنزلہ فصل کے ہیں۔ مثلاً "المُشَقُّ او المؤول بہ" فصل اول ہے جو بقیہ توابع کے لیے مخرج ہے، کیوں کہ بقیہ توابع نہ تو مشتق ہوتے ہیں اور نہ ہی مؤول بہ، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تاکید کی بحث میں جاء القوم اجمعون اور جاء زید زید کہا جاتا ہے ان دونوں مثالوں میں اجمعون اور زید بطور تاکید ہے جو غیر مشتق اور غیر مؤول بہ ہے۔

اور عطف بیان اور بدل کی بحث میں "جاء زید ابو عبد اللہ" کہا جاتا ہے جس میں ابو عبد اللہ عطف بیان بھی ہو سکتا ہے اور زید سے بدل بھی، لیکن یہ نہ تو مشتق ہے اور نہ ہی مؤول بہ، اور عطف نق کی بحث میں جاء زید وعمرو کہا جاتا ہے جس میں عمرو عطف نق ہے، لیکن یہ مشتق اور مؤول بہ نہیں، بلکہ تمام کے تمام جامد ہیں۔ اسی طرح بقیہ امثلہ کو قیاس کر لیا جائے، ہاں صرف تاکید لفظی مشتق ہوتا ہے جیسے جاء زید الفاضل الفاضل میں اول فاضل نعت ہے اور ثانی فاضل توکید لفظی ہے، لیکن اسے بھی فصل ثانی "المبائن للفظ متبوعہ" نے نعت کی تعریف سے خارج کر دیا ہے، کیوں کہ تاکید اپنے متبوع کی تکرار کے لیے آتا ہے اور نعت اپنے منعت کی وضاحت کے لیے آتا ہے۔

طالب العلمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! صاحب کتاب کا یہ کہنا کہ نعت ہی مشتق یا مؤول بہ ہوتا ہے دیگر توابع کی یہ خصوصیات نہیں، حالاں کہ میرے پاس کچھ مثالیں ایسی ہیں جو نعت نہیں، بلکہ دیگر توابع ہیں اور مشتق ہیں، مثلاً قال ابوبکر الصديق، قال عمر بن الفاروق، ان دونوں مثالوں میں الصديق اور الفاروق، ابوبکر اور عمر کے لیے عطف بیان اور بدل واقع اور مشتق ہیں، اور یہ دونوں کے دونوں نعت نہیں ہیں، اسی طرح رایت کاتباً وشاعراً نعت نہیں، بلکہ عطف نق ہے اور مشتق ہے، لہذا مصنف کا دعویٰ ٹوٹ گیا۔

جواب: الصديق اور الفاروق اگرچہ دونوں مشتق ہیں، مگر وہ خلیفہ کے لقب ہونے کی وجہ سے زید وعمرو کی طرح باب الاعلام سے لاحق ہو گئے، اور زید وعمرو دونوں جامد ہیں، لہذا اس باب سے لاحق ہونے والے اسماء والقباب بھی جامد ہوں گے، لہذا باب الاعلام سے متعلق ہونے کی وجہ سے یہ دونوں مشتق نہیں رہے۔

اور ہاں لفظ "شاعرًا" تو یہ نعت ہے جس کا منعت محذوف ہے اور وہ منعت معطوف ہے، اسی طرح کاتباً حقیقت میں مفعول نہیں ہے، بلکہ وہ مفعول کے لیے صفت ہے، اور اصل عبارت رَأَيْتُ رَجُلًا كَاتِبًا وَرَجُلًا شَاعِرًا ہے۔

نعت کی قسمیں:

نعت کی دو قسمیں ہیں (۱) نعت بحال منعت (اس کو نعت حقیقی بھی کہتے ہیں) (۲) نعت بحال متعلق موصوف (اس کو نعت سببی بھی کہتے ہیں)

نعت بحال منعت سے مراد وہ نعت ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں ہو جیسے جاءنی رجل عالم اس میں رجل موصوف ہے عالم صفت ہے، علم نے راجل کی صفت کو بیان کیا ہے کہ وہ عالم ہے، اور یہ نعت دس چیزوں میں سے بیک وقت چار چیزوں میں اپنے موصوف کے مطابق ہوگی۔ ۱۔ رفع، نصب اور جر میں سے ایک ۲۔ واحد، ثنیہ اور جمع میں سے ایک ۳۔ معرفہ اور نکرہ میں سے ایک ۴۔ تذکیر و تانیث میں سے۔

نعت بحال متعلق موصوف سے مراد وہ صفت ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع کے متعلق میں ہو، جیسے جاءنی رجل عالم ابوہ (میرے پاس ایسا مرد آیا جس کا باپ عالم ہے) عالم ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو راجل (متبوع) کے متعلق (ابوہ) میں ہے۔

باب فائِذَةُ النَّعْتِ — نعت کے فوائد کا بیان

وَفَائِدَتُهُ تَخْصِيصٌ، أَوْ تَوْضِيحٌ، أَوْ مَذْحُ أَوْ ذَمٌّ، أَوْ تَرْحِمٌ، أَوْ تَوْكِيدٌ۔

ترجمہ: — اور نعت کا فائدہ تخصیص، یا توضیح، یا مدح، یا ذم، یا ترحم یا تاکید ہے (یعنی نعت تخصیص، توضیح، مدح، ذم، ترحم، یا تاکید کے لیے استعمال ہوتی ہے۔)

تشریح: — وفائدتہ تخصیص الخ یہاں سے فاضل مصنف نعت کے فوائد کو بیان فرما رہے ہیں کہ نعت (صفت) تخصیص، توضیح، مدح، ذم، ترحم، اور تاکید وغیرہ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔
نعت برائے تخصیص: نعت منعت کی تخصیص کے واسطے آتی ہے جب کہ دونوں نکرہ ہوں یعنی منعت میں اشتراک کم ہو جاتا ہے جیسے مَرَزْتُ بِرَجُلٍ كَاتِبٍ میں کاتب اور رجل دونوں نکرہ ہیں، رجل کاتب اور غیر کاتب بھی میں برابر تھا، جب کاتب اس کی نعت ذکر کر دی تو اس میں اشتراک کم ہو گیا۔ (تخصیص قلت اشتراک و ابہام کا نام ہے)

نعت برائے توضیح: نعت منعت کی وضاحت کے واسطے آتی ہے جب کہ منعت معرّفہ ہو جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدِ الْخَيَّاطِ اس مثال میں زید منعت معرّفہ ہے اور الْخَيَّاطِ اس کی نعت ہے جو برائے توضیح آئی ہے (توضیح سے مراد رفع احتمال ہے)

نعت برائے مدح و ذم: کبھی نعت منعت کی اچھائی اور برائی بیان کرنے کے واسطے آتی ہے جب کہ موصوف اس صفت کے ساتھ معروف و مشہور ہو۔ مدح کی مثال جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، اس میں اللہ موصوف ہے اور الرَّحْمٰن اور الرَّحِیْمِ صفت برائے مدح ہے۔

ذم کی مثال: جیسے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ (پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کے ساتھ مردود شیطان سے) میں الشَّيْطٰنِ منعت ہے اور الرَّجِیْمِ برائے ذم اس کی نعت ہے، کیوں کہ شیطان رجیم کی صفت کے ساتھ معروف و مشہور ہے۔

صفت برائے ترحم: نعت منعت پر ترحم کے واسطے بھی آتی ہے جیسے اَللّٰهُمَّ اَرْحَمْ عَبْدَكَ الْمِسْكِيْنَ (اے اللہ تو اپنے محتاج بندے پر رحم فرما) اس میں الْمِسْكِيْنَ صفت عبد موصوف پر رحم کھانے کے واسطے آئی ہے،

صفت برائے تاکید: کبھی کبھی نعت منعت کی تاکید کے واسطے بھی آتی ہے، جب کہ منعت اس معنی کو متضمن ہو جس پر صفت دلالت کر رہی ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ" (یہ پورے دس ہوئے۔ پ ۲ بقرہ آیت ۱۹۶) میں عَشْرَةٌ کی تاء خود برائے تکملہ ہے، اس کے باوجود کاملہ صفت محض تاکید ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَاِذَا نَفَخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةً وَاحِدَةً" (پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماردی جائے گی۔ پ ۲۹، حاقہ آیت ۱۳) میں نفخة کی تاء خود برائے وحدت ہے، لہذا واحدة صفت محض تاکید ہے۔

بَابُ مَا يَتَّبِعُ فِيْهِ مَنَعُوْتُهُ

جن چیزوں میں نعت اپنے منعت کے تابع ہوتی ہے اس کا بیان

وَيَتَّبِعُ مَنَعُوْتَهُ فِيْ وَاحِدٍ مِنْ اَوْجِهٍ الْاَعْرَابِ، وَمِنْ التَّعْرِیْفِ وَالتَّنْكِیْرِ، ثُمَّ اِنْ رَفَعَ ضَمِيْرًا مُّسْتَتِرًا تَبِعَ فِيْ وَاحِدٍ مِنَ التَّنْذِيْرِ وَالتَّنْثِيْثِ، وَوَاحِدٍ مِنَ الْاَفْرَادِ وَفَرْعِيْهِ، وَاِلَّا فَهُوَ كَالْفِعْلِ، وَالْاَحْسَنُ "جَاءَ نَبِيُّ رَجُلٍ قُعُوْدٌ غُلْمَانُهُ" ثُمَّ "قَاعِدٌ" ثُمَّ "قَاعِدُوْنَ"۔

ترجمہ:- اور نعت اپنے منعت کے تابع ہوتی ہے، اعراب (یعنی رفع، نصب اور جر) کی

شکلوں میں سے کسی ایک میں۔ اور تعریف و تنکیر میں سے کسی ایک میں، پھر اگر نعت رفع دینے والی ہو موصوف کی ضمیر مستتر کو تو تذکیر اور تانیث میں سے کسی ایک میں، اور افراد اور اس کے فروعات (تثنیہ، جمع) میں سے کسی ایک میں (تابع ہوگی) ورنہ وہ فعل کی طرح ہوگی، اور جاء نی رجل قعود غلمانہ پھر قاعد، پھر قاعدوں کہتا احسن ہے۔

تشریح:- یہاں سے فاضل مصنف یہ بیان فرما رہے ہیں کہ نعت اپنے منوعات کا کتنی چیزوں میں مستطاعت کرتی ہے، تو یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اعراب کے اعتبار سے اسم کی تین حالتیں ہیں رفع، نصب اور جر اور افراد کے اعتبار سے تین حالتیں ہیں، مفرد، تثنیہ اور جمع، تذکیر و تانیث کے اعتبار سے دو حالتیں ہیں مذکر اور مؤنث، اور تعریف و تنکیر کے اعتبار سے بھی دو حالتیں ہیں نکرہ اور معرفہ، اسم کی یہ کل دس حالتیں ہو گئیں۔

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ کسی بھی اسم میں بیک وقت یہ دس حالتیں جمع نہیں ہو سکتیں، کیوں کہ ان میں سے بعض بعض کے برعکس اور متضاد ہیں، اور دو متضاد چیزوں کا اجتماع بیک وقت کسی بھی جگہ ناجائز ہوتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک اسم بیک وقت مرفوع، منصوب، اور مجرور نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح معرفہ اور نکرہ کا اجتماع بھی درست نہیں۔ اور نہ مفرد، مثنی، مجموع کا اجتماع درست ہے، اسی طرح تذکیر و تانیث کا اجتماع بھی درست نہیں ہوتا۔

ويتبع منعوته في واحد من اوجه الاعراب الخ فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ نعت کا جن دس چیزوں تعریف، تنکیر، تذکیر، تانیث، افراد، تثنیہ، جمع، رفع، نصب اور جر میں موصوف کے مطابق ہونا ضروری ہے، ان میں سے کسی بھی اسم میں بیک وقت چار چیزوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ تذکیر و تانیث میں سے کوئی ایک، تعریف و تنکیر میں سے کوئی ایک، رفع، نصب اور جر میں سے کوئی ایک، مفرد، تثنیہ اور جمع میں سے کوئی ایک، جیسے جاء نی زید (میرے پاس زید آیا) اس مثال میں زید کا مفرد، مذکر، معرفہ، مرفوع ہونا پایا گیا ہے، اگر لفظ زید کے بجائے رجل کہا جائے تو اس وقت نکرہ معرفہ کا بدل ہو جائے گا اور بقیہ ساری شکلیں وہی ہیں۔ اگر زید کے بجائے الزیدان یا الرجال کہہ دیا جائے تو اس صورت میں تثنیہ یا جمع مفرد کے بدل ہوں گے، اور بقیہ سابق صورتیں ہی ہوں گی، اور اگر زید کی جگہ ہند پڑھا جائے تو اس صورت میں تانیث تذکیر کا بدل ہوگی، اور بقیہ سابق صورتیں موجود رہیں گی، لہذا آیہ زیداً کہنے کی صورت میں یَا مَرْثُ بَرِّید کہنے کی صورت میں نصب یا جر رفع کا بدل ہوگا، اور باقی سابق صورتیں موجود ہوں گی، بعض اہل عرب کے نزدیک نعت اپنے منوعات کی دس چیزوں میں سے کسی چار چیزوں میں بیک وقت موافقت کرتی ہے، اور انہوں نے اس

سے یہ مراد لیا کہ چار چیزوں میں نعت اپنے منعت کا ہر وقت ہر حال میں موافقت کرے گی اور یہ موافقت کرنا لازم اور ضروری ہے، بقول صاحب کتاب یہ ٹھوس بات نہیں، کیوں کہ نعت کا حکم یہ ہے کہ یہ اپنے منعت کا پانچ چیزوں میں سے صرف دو میں ہر حال میں متابعت کرے گی، اور وہ دونوں یہ ہیں (۱) اعراب کی مختلف شکلوں میں سے کوئی ایک (۲) تعریف و تنکیر میں سے کوئی ایک۔

نوٹ:- یہ بات ذہن نشین رہے کہ نعت اعراب میں اور تعریف و تنکیر میں اپنے منعت کی کبھی بھی مخالفت نہیں کر سکتی، بلکہ موافقت کرنا لازم اور ضروری ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۱):

حضرت! صاحب کتاب نے یہ دعویٰ کیا کہ اعراب میں نعت کے لیے منعت کی مخالفت کرنا جائز نہیں، بلکہ موافقت واجب اور ضروری ہے تو یہ اہل عرب کے قول "لَہٰذَا جُحِرَ ضَبٌّ خَرِبٌ" (یہ گویہ کا ویران سوراخ ہے) سے ٹوٹ رہا ہے، کیوں کہ اس مثال میں جُحِرَ موصوف مرفوع کی صفت خَرِبٌ مکسور لائے ہیں، تو اب یہاں موصوف حالت رفع میں اور صفت حالت جر میں پائے گئے، لہذا ان دونوں کے درمیان موافقت قائم نہیں ہوئی؟

ہاں جناب! آپ کا اعتراض تو واقعی قابل قبول ہے، مگر ہمارے پاس اس کا بھی جواب ہے وہ یہ کہ کبھی کبھی اعراب قرب و جوار یعنی پڑوس کی وجہ سے دے دیا جاتا ہے، لہذا خَرِبٌ کو بجائے رفع کے ضَبٌّ پڑوسی کی وجہ سے کسرہ دے دیا گیا ہے، کیوں کہ ضَبٌّ مکسور ہے ورنہ خَرِبٌ پر ضمہ تقدیری موجود ہے جیسے شاعر کا قول قَدْ یُوْخَذُ الْجَارُ بِجُرْمِ الْجَارِ (کہ پڑوسی کو پڑوسی کے جرم کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے) اس شعر سے استدلال معنوی اعتبار سے ہے کہ پڑوسی کو قرب کی بناء پر مجرم پڑوسی کا شریک جرم قرار دیا جاتا ہے اسے قرابت کی وجہ سے مابعد اسم کو اپنے ماقبل اسم کا اعراب دے دیا جاتا ہے، حالاں کہ حقیقی اعراب اس کا غیر ہوتا ہے۔ نیز خَرِبٌ کو مکسور پڑھنا یہ بعض اہل عرب کا قول ہے ورنہ اکثر اہل عرب کے نزدیک خَرِبٌ کو حالت رفع میں ہی پڑھا گیا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲):

مصنف کا دعویٰ کہ تعریف و تنکیر میں بھی نعت کے لیے منعت کی موافقت کرنا ضروری ہے۔ تو یہ دعویٰ باری تعالیٰ کے قول "وَيَلِّ لِكُلِّ هُمْزَةٍ لُّمَزَةٍ الّٰذِیْ جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَةً" (بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو، جو غایت حرص سے مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنتا ہو۔ پ ۳۰، ہمزہ) کے ذریعہ ٹوٹ رہا ہے، کیوں کہ اس آیت میں وِیْلٌ

لَکُلِّ هُمْزَةٍ لِّمْرَةٍ مَوْصُوفٍ نکرہ ہے اور اس کی صفت الذی معرفہ ہے تو پھر موصوف صفت میں مطابقت کہاں رہی۔ دراصل موصوف اضافت کے ساتھ ہے اور اضافت معرفہ کے اقسام میں سے ہے، لہذا موصوف معرفہ ہوا اور صفت بھی معرفہ ہے، اب مطابقت قائم ہوگئی۔ (فلا اعتراض علیہ)

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۳):

حضرت الاستاذ! قرآن کریم کی آیت "حَمَّ، تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ، غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ" (حَم، یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے، ہر چیز کا جاننے والا ہے، گناہ کا بخشنے والا ہے، اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، قدرت والا ہے۔ پ ۲۲، سورہ مومن آیت ۲، ۳) میں لفظ "اللہ" موصوف معرفہ ہے اور اس کی صفت شَدِيدِ الْعِقَابِ نکرہ ہے، تو پھر یہاں ان دونوں کے درمیان مطابقت نہیں رہی۔ دراصل شَدِيدِ صفت مشبہ ہے اور صفت مشبہ کی اصل نکرہ ہونا ہے، اس لیے اس کی اصلیت کا اعتبار کرتے ہوئے شدید نکرہ لائے۔

نوٹ:- یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسم کو دوسرے اسم سے قرب و جوار کی بناء پر اس اسم کا اعراب دے دیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں اسماء میں لفظی اعتبار سے مناسبت قائم ہو، اگرچہ معنوی اعتبار سے مخالفت ہو، لیکن یہ ضابطہ نعت کو منوعات کی موافقت کرنے سے نہیں روک سکتا، جیسا کہ ضابطہ ہے "مبتداء اور خبر دونوں مرفوع ہوتے ہیں" لیکن یہ ضابطہ حسن بصری کی قراءت "الْحَمْدُ لِلَّهِ" (دال کو کسرہ کے ساتھ پڑھنا لام کے کسرہ کا اتباع کرتے ہوئے) کی وجہ سے ٹوٹ سکتا ہے، اسی طرح مَنْ زَيْدًا نصب کے ساتھ، یا مَنْ زَيْدٍ جر کے ساتھ، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ اس شخص سے سوال کریں جس نے کہا رَأَيْتُ زَيْدًا، یا مَرَرْتُ بِزَيْدٍ، تو آپ مَنْ زَيْدًا نصب کے ساتھ اور مَنْ زَيْدٍ جر کے ساتھ کہیں گے، تا کہ حکایت اعراب کے ذریعہ آپ کا کلام اس کے کلام کے ساتھ مربوط ہو جائے۔

خلاصہ کلام اینکه نعت اعراب میں اور تعریف و تنکیر میں ہر وقت اپنے منوعات کی موافقت کرتی ہے اور ضروری ہے۔

ثُمَّ إِنْ رَفَعَ ضَمِيرًا مُسْتَتِرًا تَبِعَ فِي وَاحِدٍ مِنَ التَّذْكِيرِ وَالتَّنْثِيثِ الْخ فاضل مصنف یہاں سے اس بات کو بیان فرما رہے ہیں کہ مابقیہ پانچ یعنی مفرد، ثننیہ، جمع، تذکیر اور تانیث میں نعت کا منوعات کی متابعت کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے تو پھر کیا حکم ہے؟ صاحب کتاب

خود فرماتے ہیں باقی حالتوں میں یعنی تذکیر، تانیث، افراد، تشنیہ اور جمع میں صفت فعل کے مشابہ ہوتی ہے، یعنی فعل کے حالات جو فاعل کے اعتبار سے ہوتے ہیں صفت کے وہی حالات فاعل کے اعتبار سے ہوں گے، جن کی تفصیل یہ ہے (۱) اگر نعت منعت کی ضمیر اگر نعت کا فاعل ہو تو ان پانچ چیزوں میں سے دو میں نعت اپنے منعت کے مطابق ہوگی، لہذا اس وقت اشیاء عشرہ میں سے چار میں موافقت قائم ہوگی جیسا کہ سابق میں اہل عرب کا قول آچکا ہے، جیسے ”مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَائِمٍ، وَبِرَجُلَيْنِ قَائِمَيْنِ، وَبِرَجَالٍ قَائِمِينَ، وَبِأَمْرٍ قَائِمَةٍ، وَبِأَمْرَاتَيْنِ قَائِمَتَيْنِ، وَبِنِسَاءٍ قَائِمَاتٍ“ کہنا درست ہے، جیسا کہ فعل میں مررت برجل قام وبرجلین قاما، وبرجال قاموا، وبامرأة قامت، بامراتین قاما، وبنساء قمن کہنا درست ہے۔

(۲) اور اگر وصف اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو (یعنی نعت کا فاعل اگر اسم ظاہر ہو) تو اس وقت تذکیر و تانیث ہونے میں وصف اسم ظاہر کے مطابق ہوگا، اگر فاعل مذکر ہو تو صفت کو مذکر لایا جائے گا، اگر مؤنث حقیقی ہو تو صفت کو مؤنث لایا جائے گا منعت کے مطابق نہیں۔ جیسا کہ فعل جو وصف کے قائم مقام ہو اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے، جیسے ”مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَائِمَةٍ أُمِّهِ“ میں ام کی تانیث کی وجہ سے صفت مؤنث لائی گئی ہے، مذکر موصوف کی طرف رخ بھی نہیں کیا گیا، اس میں قَائِمَةٍ کا فاعل اُمُّہ مؤنث ہے، اس لیے قَائِمَةٍ کو مؤنث لایا گیا ہے، حالاں کہ اس کا موصوف مذکر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اس جملہ کو جملہ فعلیہ میں بدلا جائے تو عبارت قَامَتْ أُمُّہ ہوتی ہے، لہذا نعت کا مؤنث لانا درست ہو گیا۔

اسی طرح اس کے برعکس ”مَرَرْتُ بِأَمْرَةٍ قَائِمٍ أَبُوهَا“ کہنا درست ہے، کیوں کہ اب کے مذکر ہونے کی وجہ سے صفت مذکر لائے ہیں، مؤنث موصوف کی طرف رخ بھی نہیں کیا ہے، اس مثال میں قَائِمٍ کا فاعل أَبُوهَا مذکر ہے، اس لیے قَائِمٍ مذکر لایا گیا ہے، حالاں کہ اس کا موصوف مؤنث ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جملہ فعلیہ میں بدل کر قَامَ أَبُوهَا کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا“ (اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں، پ ۵، سورہ نساء آیت ۷۵) سابقہ مثالوں پر قیاس کر لیجیے۔

(۳) فاعل اگر ظاہر ہو تو صفت کو ہمیشہ مفرد لایا جائے گا خواہ فاعل تشنیہ ہو یا جمع ہو جیسا کہ فعل میں واجب ہوتا ہے، مثلاً ”مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ قَائِمٍ أَبَوَاهُمَا، مَرَرْتُ بِرَجَالٍ قَائِمٍ آبَاءُ هُمْ“ کہا جائے گا جیسا کہ جملہ فعلیہ میں قَامَ أَبَوَاهُمَا اور قَامَ آبَاءُ هُمْ کہا جاتا ہے اور جن لوگوں نے قَامَ أَبَوَاهُمَا اور اَکَلُونِی الْبَرَاعِیْثِ کہتے ہوئے صفت صیغہ تشنیہ اور جمع سالم لائے انہوں نے کہا اصل قَائِمَيْنِ أَبَوَاهُمَا، اور قَائِمَيْنِ آبَاءُ هُمْ کہنا درست ہے، تو اس کے قائم مقام فعل کا بھی اسی طرح

استعمال کرنا درست ہوگا۔

والاحسن جاءني رجل قعود غلمانہ الخ فاضل مصنف یہاں سے اس بات کو بیان فرما رہے ہیں کہ تمام نحویوں نے صفت کو جمع مکسر لانا اس وقت جائز قرار دیا ہے جب کہ اسم مرفوع جمع ہو جیسے مَرَزْتُ بِرَجَالٍ قِيَامٍ آباءُ هُمْ، اور مَرَزْتُ بِرَجُلٍ قُعُودٍ غِلْمَانُهُ کہنا بھی درست ہے، چوں کہ جمع مکسر مفرد کے حکم میں ہوتی ہے، اور جمع مکسر لانا مفرد کے مقابلہ میں احسن ہے، جیسا کہ مفرد جمع تصحیح کے مقابلہ میں احسن تھا، صاحب الیضاح المطالب تحریر فرماتے ہیں کہ ترکیب قعود غلمانہ جائز ہے نہ حسن ہے اور نہ ضعیف ہے، اس لیے کہ قعود اگرچہ جمع ہے اور غلمانہ اس کا فاعل ہے مگر چوں کہ وہ جمع تکسیر ہے اور جمع تکسیر حکم میں مفرد کے ہوتی ہے، لہذا یہ کہا جائے گا کہ گویا وہ جمع ہی نہیں۔

ضمیمات باب ہذا

نکتہ ۱: ضمیر کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی، اس لیے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب معرفہ کی تمام قسموں میں اعراف اور واضح ہیں اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ مقصود تو صیغہ معرفہ سے اس کی توضیح ہے، پس جب یہ دونوں واضح ہیں تو اب ان دونوں کی توضیح کی حاجت نہیں۔ باقی رہی ضمیر غائب اس کو طردالباب ان دونوں پر حمل کر لیا گیا ہے پس ثابت ہوا کہ ضمیر موصوف نہ ہوگی۔

سوال: ضماَر غائبہ موصوف واقع ہوئی ہے جیسے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ هو العزيز الحكيم کہ اس میں العزيز الحكيم، هو کی صفت ہے؟ جواب: صفت نہیں بلکہ بدل ہے، دوسرا جواب هو ضمیر نہیں ہے، بلکہ اسماء الہی میں سے ایک اسم ہے اور اس وقت یہ بسکون واو ہے۔

نکتہ ۲: ضمیر کسی چیز کی صفت بھی نہ ہوگی، اس لیے کہ صفت وہ ہے جو کہ ان معنی پر کہ موصوف میں نہیں دلالت کرتی ہے اور ضمیر چوں کہ ذات پر دلالت کرتی ہے اور اس معنی پر دلالت نہیں کرتی جو کہ ذات میں پائے جاتے ہیں، لہذا وہ صفت نہ ہوگی۔

نکتہ ۳: موصوف اگر معرف باللام ہو تو اس کی صفت کی صرف دو صورتیں ہیں یا معرف باللام ہوگی یا معرف باللام کی طرف بلا واسطہ یا بالواسطہ مضاف ہوگی، جیسے جاءني الرجل الفاضل، اس میں صفت معرف باللام ہے، جاءني الرجل صاحب الفرس (میرے پاس ایسا آدمی آیا جو گھوڑے والا ہے) اس مثال میں صفت معرف باللام کی طرف مضاف ہے، جاءني الرجل صاحب لجام الفرس (میرے پاس ایسا آدمی آیا جو گھوڑے کی لگام والا ہے) یعنی اس کے پاس گھوڑے کی لگام ہے، اس مثال میں صفت معرف باللام کی طرف مضاف ہونے والے کی طرف مضاف ہے۔

نکتہ ۴: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موصوف معرف باللام کی صفت اسم موصول واقع ہوتی ہے جیسے جاءنی الرجل الذی کان عندک امس (میرے پاس ایسا آدمی آیا جو کل تیرے پاس موجود تھا) ایسے ہی موصوف اگر علم ہو تو بھی یہی تفصیل ہوگی۔

نکتہ ۵: جاءنی رجلٌ اِضْرِبْ جملہ انشائیہ صفت، خبر، حال، صلہ نہیں بنتا، حالاں کہ مثال مذکور میں اِضْرِبْ رَجُلٌ کی صفت بن رہا ہے۔ جواب واقعی جملہ انشائیہ صفت نہیں بنتا مگر تاویل بعید کے ساتھ بن جاتا ہے، لہذا مثال مذکور میں تاویل کی جائے گی، یعنی جاءنی لرجل مقول فی حقہ اِضْرِبْ (میرے پاس ایسا آدمی آیا جس کے حق میں کہا گیا ہے اِضْرِبْ یعنی وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو مارنے کا حکم دیا جائے۔

نکتہ ۶: قالوا اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ (پ ۲۷، ۱۷) مرکب توصیفی میں مطابقت کا ہونا ضروری ہے، حالاں کہ قوم واحد ہے اور مجرمین جمع ہے، لہذا مطابقت نہیں ایسا کیوں؟ جواب: قوم اگرچہ لفظاً واحد ہے مگر معنی جمع ہے، لہذا مطابقت موجود ہے یاد رہے کہ قوم کا لفظ مردوں کی جماعت کے لیے بولا جاتا ہے جیسے لایسخر قوم من قوم عسنى ان یکونوا خیراً منهم ولا نساء من نساء۔

نکتہ ۷: مَرَرْتُ بِامْرَأَةٍ عَالِمٍ اَبُوها، اِمْرَاة موصوف ہے اور عالم صفت، مگر تذکیر و تانیث میں مطابقت نہیں ہے؟ جواب یہ صفت بحال متعلق موصوف ہے، جو تذکیر و تانیث میں موصوف کے مطابق نہیں ہوتی بلکہ اپنے فاعل کے مطابق ہوتی ہے، کما فی قوله تعالى رَبَّنَا اُخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا اس آیت میں الظّالِم القریة کی صفت ہے۔

نکتہ ۸: مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، موصوف (رجل) نکرہ ہے اور صفت (حسن الوجه) اضافت کے ساتھ ہے اور اضافت معرفہ کے اقسام میں سے ہے، گویا مطابقت نہیں رہی؟ جواب: حَسَنِ الْوَجْهِ میں اضافت لفظی ہے جو تعریف و تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ اس سے الفاظ میں تخفیف مقصود ہوتی ہے، لہذا موصوف و صفت دونوں نکرہ ہی رہے۔

باب: یَجُوزُ قَطْعُ الصِّفَةِ — صفت کے محذوف ہونے کا بیان

وَيَجُوزُ قَطْعُ الصِّفَةِ الْمَعْلُومِ مَوْصُوفُهَا حَقِيقَةً أَوْ ادِّعَاءً، رَفْعًا بِتَقْدِيرٍ هُوَ، وَنَضْبًا بِتَقْدِيرٍ أَعْنَى أَوْ اَمْدَحُ، أَوْ اَذْمُ، أَوْ اَرْحَمُ۔

ترجمہ: — صفت معلومہ کا حذف کرنا جائز ہے، اس کا موصوف حقیقتاً معلوم ہو یا مجازاً

معلوم ہو، حالت رفع میں ہو کی تقدیر کے ساتھ، اور حالت نصب میں اَعْنَى، یا اَمْدَحُ، یا اَذْمُ یا اَرْحَمُ کی تقدیر کے ساتھ۔ (اعراب آتا ہے)

صفت کے محذوف ہونے کی صورتیں:

ویجوز قطع الصفة المعلوم فاضل مصنف نے یہاں سے اس بات کو بیان فرمایا کہ مرکب تو صیغی سے صفت کو حذف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب موصوف بغیر صفت کے معلوم و مشہور ہو تو اس وقت آپ کے لیے صفت کا لانا اور ترکیب سے حذف کر دینا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

مدح کی مثال: مثلاً جب صفت برائے مدح ہو تو "الْحَمْدُ لِلَّهِ الْحَمِيدُ" کہنا اور فقط الحمد لله کہنا دونوں درست ہیں، صفت لانے کی صورت میں امام سیبویہ کے نزدیک صفت کو جردیا جائے گا اور الحمد لله الحمید پڑھا جائے گا۔ اور اَمْدَحُ کی تقدیر کے ساتھ نصب (الحمید) پڑھا جائے گا اور ہو کی تقدیر کے ساتھ رفع (الحمید) پڑھا جائے گا۔ اور امام سیبویہ نے استدلال میں فرمایا کہ ہم نے بعض اہل عرب سے اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا۔ الحمد لله رب العالمین (رب کے نصب کے ساتھ) تو ہم نے امام یونس سے اس کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ یہ عربی اصول و قواعد کے مطابق ہے۔

صفت برائے ذم کی مثال: جب صفت برائے ذم ہو مثلاً "وَمَرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" (اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لا کر لاتی ہے) تو جمہور نحو یوں نے صفت لانے کی صورت میں رفع کے ساتھ پڑھنے کو پسند فرمایا یعنی حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اور امام عاصم نے نصب کیساتھ پڑھنے کو ترجیح دیا ہے۔

صفت برائے ترحم کی مثال: جب صفت برائے ترحم ہو مثلاً "مَرَرْتُ بِرَيْدِ الْمُسْكِينِ" تو صفت لانے کی صورت میں جر کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اور ہو کی تقدیر کے ساتھ رفع اور اَرْحَمُ کی تقدیر کے ساتھ نصب پڑھا جائے گا۔

صفت برائے توبيخ کی مثال: جب صفت برائے توبيخ ہو مثلاً "مَرَرْتُ بِرَيْدِ التَّاجِرِ" تو صفت لانے کی صورت میں جردیا جائے گا، اور ہو کی تقدیر کے ساتھ رفع اور اَعْنَى کی تقدیر کے ساتھ نصب پڑھا جائے گا یہ بات ذہن نشین رہے کہ موصوف حقیقتاً معلوم ہو یا مجازاً معلوم ہو، صفت کے حذف کرنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن موصوف کے حقیقتاً معلوم ہونے کی صورت میں صفت کا حذف کرنا مشہور ہے۔ اور مذکورہ بالا تمام مثالیں موصوف حقیقتاً معلوم کی تھیں۔ اور موصوف مجازاً معلوم ہو تو اس وقت بھی صفت کا حذف کرنا جائز ہے، اور امام سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس پر دلیل پیش فرمائی ہے، وہ

یہ کہ مَرَرْتُ لِقَوْمِكَ الْكَرَامُ نصب یا رفع کے ساتھ پڑھنا جائز ہے جب کہ مخاطب کو موصوف بنائیں گویا کہ آپ انہیں جانتے ہیں۔

باب التَّوَكِيدِ — توکید کا بیان

وَالْتَّوَكِيدُ، وَهُوَ إِمَّا لَفْظِي، نَحْوُ "أَخَاكَ أَخَاكَ إِنَّ مَنْ لَا أَخَالَه" وَنَحْوُ "أَتَاكَ أَتَاكَ اللَّاحِقُونَ أَحْبَسَ أَحْبَسَ" وَنَحْوُ "لَا لَا أَبُوحُ بِحُبِّ بَثْنَةَ إِنَّهَا" وَلَيْسَ مِنْهُ "تَكَا تَكَا" وَ "صَفَا صَفَا"

ترجمہ: — اور توکید، اور وہ یا تو لفظی ہوگی جیسے أَخَاكَ أَخَاكَ إِنَّ مَنْ لَا أَخَالَه، اور جیسے أَتَاكَ أَتَاكَ اللَّاحِقُونَ الخ اور جیسے لَا لَا أَبُوحُ بِحُبِّ بَثْنَةَ إِنَّهَا، اور تَكَا تَكَا اور صَفَا صَفَا توکید لفظی سے نہیں ہے۔

تشریح: — توابع کی دوسری قسم ”توکید“ ہے، اسے تاکید (بالہمزہ) بھی کہا جاتا ہے، اور فَاَسُّ اور رَأْسُ کی تحلیل پر قیاس کر کے ہمزہ کو الف سے بدل کر تاکید بھی پڑھا جاتا ہے، مَوَکِدَا تاکید ہی کا دوسرا نام ہے، اور مَوَکِدُوہ پہلا لفظ ہے جس کی تاکید لائی گئی ہے۔

تاکید کی تعریف:

تاکید وہ تابع ہے جو فعل کی نسبت کو یا حکم کے شمول کو ایسا پختہ کرے کہ سامع کو شک باقی نہ رہے، جیسے زَيْدٌ نَفْسُهُ (زید خود ہی آیا) اس میں آنے کی جو نسبت زید کی طرف کی گئی ہے، اس میں یہ اجتماع ہے کہ شاید زید خود نہ آیا ہو، بلکہ اس کا قاصد آیا ہو یا اس کی اطلاع آئی ہو نَفْسُهُ نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔ جَاءَ الرِّكْبُ كُلُّهُمْ (قافلہ سارا آیا) اس میں جو آنے کا حکم قافلہ پر لگایا گیا ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید پورا قافلہ نہ آیا ہو اور حکم اکثر افراد کے اعتبار سے لگایا ہو كُلُّهُمْ نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔

تاکید کی قسمیں:

وہو اِمَّا لَفْظِي اس عبارت کے ذریعہ مصنف نے تاکید کے اقسام کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تاکید کی دو قسمیں ہیں (۱) تاکید لفظی (۲) تاکید معنوی۔ پہلے تاکید لفظی کے احکام و مسائل بیان فرمایا ہے، بعدہ تاکید معنوی کو بیان کریں گے۔

تاکید لفظی کی تعریف:

پہلے لفظ کو مکرر لانا بعینہ، خواہ یہ تاکید اسم میں ہو یا فعل میں یا حرف میں۔

تاکید لفظی اسمی کی مثال جیسے ابراہیم ابن ہرمۃ القرشی کا کلام۔

أَخَاكَ أَخَاكَ، إِنَّ مَنْ لَا أَخَالَه كَسَاعَ إِلَى الْهَيْجَا بِغَيْرِ سِلَاحٍ
(اپنے بھائی کے دامن الفت و محبت کے مضبوطی سے تھام لو، کون ہے جس کا بھائی بغیر ہتھیار کے
لڑائی کی طرف سعی کر سکتا ہے) اس شعر میں محل استشہاد "أَخَاكَ أَخَاكَ" ہے، اس طرح کہ پہلے أَخَاكَ
کو فعل محذوف اِحْفَظْ یا الزَّمْ کی تقدیر کی وجہ سے بر بناء مفعولیت نصب دیا گیا ہے اور دوسرے
اخاک کو پہلے کی تاکید لفظی اسمی ہونے کی وجہ سے نصب پڑھا جا رہا ہے۔

تاکید لفظی فعلی کی مثال جیسے

فَأَيْنَ إِلَى آيِنَ النَّجَاةُ بِبَغْلَتِي أَتَاكَ أَتَاكَ اللَّاحِقُونَ إِحْبِسِ إِحْبِسِ
(تو کہاں تک جائے گا اور کہاں تک میرے خچر سے نجات پائے گا ملنے والے تیرے پاس آنے
ہی والے ہیں تو ٹھہر جا۔) اس شعر میں محل استشہاد "أَتَاكَ أَتَاكَ" اور "إِحْبِسِ إِحْبِسِ" ہے، اس شعر
کی تقدیری عبارت دراصل اس طرح ہے آيِنَ تَذْهَبُ إِلَى آيِنَ النَّجَاةُ بِبَغْلَتِي، پہلے آيِنَ میں
فعل عامل کو حذف کر دیا گیا ہے اور أَتَاكَ أَتَاكَ میں فعل اور مفعول مکرر لائے ہیں، اور اللَّاحِقُونَ
پہلے أَتَاكَ کا فاعل ہے دوسرے کا نہیں، اس لیے کہ دوسرا فعل أَتَاكَ پہلے کی تاکید کے لیے ہے،
اور بعض لوگوں نے کہا کہ دونوں أَتَاكَ کا اللَّاحِقُونَ ایک ساتھ فاعل واقع ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے
کہ دونوں فعل لفظاً متحد ہیں لہذا معنی بھی کلمہ واحدہ کے حکم میں اتار لیا گیا اور بعض حضرات کا قول یہ ہے
کہ دونوں فعلوں میں سے ایک میں ضمیر لانا ضروری ہوگا جیسے أَتَاكَ أَتَاكَ اللَّاحِقُونَ، دوسرے فعل کو
عمل دلانے کی صورت میں کہا جائے گا اور أَتَاكَ أَتَاكَ اللَّاحِقُونَ پہلے فعل کو عمل دلانے کی صورت
میں کہا جائے گا۔ اور شاعر کا قول إِحْبِسِ إِحْبِسِ جملہ کے لیے تکریر ہے اور یہ دونوں فعل ہیں کیوں کہ
ضمیر مستتر فعل میں ملفوظ بہ کی قوت میں شامل ہوتی ہے۔

تاکید حرفی کی مثال: جیسے جمیل بن عبد اللہ بن معمر القدری کا کلام

"لَا لَا أَبُوحُ بِحُبِّ بَثْنَةَ إِنَّهَا أَخَذَتْ عَلَيَّ مَوَاقِفًا وَعُهُودًا"

(میں بثنہ کی الفت و محبت کو قطعاً ظاہر نہیں کروں گا اس لیے کہ اس نے مجھ سے عہد و پیمان لیا
ہے) اس شعر میں محل استشہاد "لَا لَا" ہے، ان دونوں حروف میں اول لا حرف نفی ہے۔ اور دوسرا لا
پہلے کے لیے تاکید لفظی حرفی ہے۔

ولیس منہ دَکَا دَکَا الخ فاضل مصنف یہاں سے ایک اختلافی مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا قول "كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا. وَجَاءَ رَبُّكَ"

وَالْمَلَكُ صَفًا صَفًا۔ (ہرگز ایسا نہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اور آپ کا پروردگار اور جوق در جوق فرشتے آویں گے۔ پ ۳۰، الفجر آیت ۲۱، ۲۲) میں دَنَا اور صَفًا صَفًا تاکید لفظی اسی کی مثال بن سکتی ہے یا نہیں، تو اس سلسلے میں صاحب کتاب اور جمہور نحاة کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہ دونوں تاکید لفظی اسی کی مثال نہیں بن سکتی، اور جمہور نحاة کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں مثال بن سکتی ہیں۔ صاحب کتاب کی دلیل یہ ہے کہ دَنَا دَنَا کی تفسیر دَنَا بعد دَنَا سے کی جاتی ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک دَنَا کے بعد دوسری دَنَا بطور تکریر کے لائی جائے گی یہاں تک کہ زمین پر اگندہ غبار ہو جائے۔ اور صَفًا صَفًا کی تفسیر یہ ہے کہ ہر آسمان کے فرشتے اُتریں گے پھر ایک صف کے بعد دوسری صف لگا کر جنات و انسان کو گھیر لیں گے۔ اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ دوسرے دَنَا اور صَفًا پہلے کے لیے تاکید نہیں ہوگی، بلکہ اس سے تکرار مراد ہوگی۔ جیسا کہ عَلَّمْتَهُ الْحِسَابَ بَابًا بَابًا کہا جاتا ہے کہ میں نے اسے ایک ایک باب کا حساب دیا، اس میں دوسرا باب پہلے کے لیے تاکید کے طور پر نہیں بلکہ بطور تکرار کے ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں مؤذن کے کلمات ”اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ“ میں دوسرا اللہ اکبر پہلے کے لیے بطور تاکید نہیں بلکہ دوسری تکبیر پیدا کرنے کی غرض سے لایا جاتا ہے، لیکن امام ابن جنی کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ دوسرا اللہ اکبر پہلے تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ رہا مسئلہ قَدَقَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدَقَامَتِ الصَّلَاةُ کا تو اس میں دوسرا جملہ خبر ثانی ہے جو پہلی خبر کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔

الكلام على المعنوی — تاکید معنوی کا بیان

أَوْ مَعْنَوِيٌّ، وَهُوَ بِالنَّفْسِ، وَالْعَيْنِ مُؤَخَّرَةً عَنْهَا، إِنْ اجْتَمَعَتَا، وَتَجْمَعَانِ عَلَى أَفْعَلٍ مَعَ غَيْرِ الْمُفْرَدِ، وَبِكُلِّ لِفَعْلٍ مُثْنَى إِنْ تَجَزَّأَ بِنَفْسِهِ أَوْ بِعَامِلِهِ، وَبِكُلَّا وَكِلْتَا لَهٗ إِنْ صَحَّ وَقُوعُ الْمُفْرَدِ مَوْقِعَهُ وَاتَّحَدَ مَعْنَى الْمُسْنَدِ، وَيُضْفَنَ لِضَمِيرِ الْمُؤَكَّدِ، وَبِاجْمَعَ وَجَمَعَاءَ وَجَمُعِهِمَا غَيْرَ مُضَافَةٍ۔

ترجمہ:- یا تاکید معنوی ہوگی، اور وہ (یعنی تاکید معنوی) نفس اور عین کے ذریعہ ہوگی، اگر نفس اور عین دونوں جمع ہو جائیں تو عین کو نفس سے مؤخر کیا جائے گا۔ اور مفرد کے علاوہ میں ان دونوں کی جمع أَفْعَلُ کے وزن پر لائی جاتی ہے، اور تثنیہ کے علاوہ کے لیے کُلُّ کے ذریعہ تاکید لائی جاتی ہے،

بشرطیکہ جس کی تاکید لائی جائے ذات کے اعتبار سے اس کے اجزاء ہو سکیں، یا عامل کے اعتبار سے اجزاء ہو سکیں، اور کلا اور کلتا کے ذریعہ تاکید لائی جاتی ہے، بشرطیکہ مفرد کا اس کی جگہ واقع ہونا درست ہو۔ اور مسند کے معنی کو متحد ہو اور ان تمام کی مؤکد کے ضمیر کی طرف اضافت کی جارہی ہو، اور اجمع، جمعاء اور ان دونوں کی جمع کے ذریعہ بھی تاکید لائی جاتی ہے غیر مضاف ہونے کی صورت میں۔

تشریح:- او معنوی فاضل مصنف یہاں سے تاکید کی دوسری قسم تاکید معنوی (جو معنی کی طرف منسوب ہے اور معنی کا لحاظ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے) کی بحث بیان فرما رہے ہیں۔

تاکید معنوی کی تعریف:

تاکید معنوی وہ تاکید ہے جس میں نئے مخصوص الفاظ سے تاکید لائی جائے، اور تاکید معنوی گنے چنے مخصوص الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے، اور ان الفاظ کے غیر کے ساتھ نہیں ہوتی ہے وہ الفاظ یہ ہیں نَفْسٌ، عَيْنٌ، كَلَّا، كَلْتَا، كُلُّ، اَجْمَعُ، اَكْتَعُ، اَبْتَعُ، اَبْصَعُ ان کے علاوہ اور الفاظ تاکید معنوی کے نہیں ہیں۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

تاکید معنوی کے لیے تو مذکورہ الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ بھی آتے ہیں، جیسے اِنَّ، لام ابتداء، نون تاکید وغیرہ، تو ان محدود الفاظ میں حصر کیسے درست ہوگا؟

جواب: تاکید معنوی کے جو آٹھ الفاظ آتے ہیں ان سے مطلق تاکید مراد نہیں کہ مذکورہ اعتراض وارد ہو، بلکہ توابع کی تاکید مراد ہے اور اِنَّ و لام ابتداء وغیرہ مطلق تاکید کے لیے آتے ہیں۔

نفس اور عین کے ذریعہ توکید کی توضیح:

وهو بالنفس والعين مؤخرّة عنها الخ یہاں سے مصنف تاکید معنوی کے الفاظ محصورہ کی وضاحت فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں نفس اور عین تو یہ دونوں الفاظ ذات سے ابہام کو دور کرنے کے لیے آتے ہیں، جیسے جاء زيد کہنے کی صورت میں آنے کی جو نسبت زید کی طرف کی گئی ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ زید اپنی ذات کے اعتبار سے آیا، (یعنی خود ہی آیا) اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا قاصد یا اس کی اطلاع آئی، یا اس کا مراسلہ آیا، لیکن جب نَفْسُ تاکید لے آئے اور جاء زيد نَفْسُ کہا تو اس نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔ یہ دونوں الفاظ (یعنی نفس اور عین) واحد، تشبیہ اور جمع تینوں کی تاکید کے لیے آتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ واحد مذکر اور مؤنث کی تاکید میں ان دونوں کو واحد لایا جائے گا، البتہ ضمیروں میں فرق ہوگا۔ واحد مذکر میں ضمیر واحد مذکر، اور واحد مؤنث میں ضمیر واحد مؤنث

لائی جائے گی، جیسے جاء نی زید نفسہ، جاء تینی ہند نفسہا، تشنیہ مذکر و مؤنث کی تاکید میں ان دونوں کو جمع لایا جائے گا اور ان کے ساتھ تشنیہ کی ضمیر لائی جائے گی جیسے جاء الزیدان أنفسہما، جاء تینی الہندان أنفسہما۔ اور ابن کیمان نے بعض عرب سے نفساھما نقل فرمایا ہے، لیکن اولیٰ ہے، چوں کہ دو تشنیوں کا جمع ہونا جس جگہ ہر دو کا اتصال اور معنی ہو عرب کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور جمع کی تاکید میں ان دونوں کو جمع لایا جائے گا اور جمع مذکر میں جمع مذکر کی اور جمع مؤنث میں جمع مؤنث کی ضمیر لائی جائے گی، جیسے جاء نی الزیدون أنفسہم اور جاء تینی الہندات أنفسھن۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ نفس اور عین کو تاکید کے طور پر لانے کے لیے ایک شرط ہے یہ کہ ان دونوں کی ایسی ضمیر کی طرف اضافت ہو رہی ہو جو مؤکد کے مطابق ہو، مذکورہ بالا مثالوں میں غور کر لیجیے۔ نیز مذکورہ بالا تمام صورتیں اس وقت ہوں گی جب کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ تاکید لائی جائے۔ اور اگر ان دونوں کے ذریعہ بیک وقت تاکید لائی جائے تو اس وقت نفس کو پہلے لانا اور عین کو مؤخر کرنا ضروری ہوگا۔ جیسے جاء زید نفسہ عینہ کہا جائے گا، اور جاء زید عینہ نفسہ کہنا درست نہیں ہوگا۔

وتجمعان علی أفعل مع غیر المفرد۔ ان دونوں الفاظ کے ذریعہ تشنیہ اور جمع کی تاکید لانے کی صورت میں یہ دونوں الفاظ أفعل کے وزن پر آئیں گے جیسے أنفس، أعین۔

کُلُّ کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتیں:

وَبِكُلِّ لِيغَيِّرَ مُثْنَى الْخ فاضل مصنف نے اس عبارت میں کُلُّ کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتوں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں لفظ "کُلُّ" الفاظ عموم سے ارادت خصوص کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسے جاء القوم کہنے کی صورت میں آنے کی جو نسبت قوم کی طرف کی گئی ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ ساری قوم آئی یا قوم کے کچھ مخصوص حضرات آئے لیکن جب کُلُّ تاکید لے آئے اور جاء القوم کُلُّہم کہا تو اس نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔

لفظ کُلُّ کے ذریعہ تاکید لانے کی چند شرطیں ہیں (۱) لفظ کُلُّ غیر تشنیہ یعنی واحد اور جمع کی تاکید کے واسطے آئے گا (۲) اس کے مؤکد کے اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہے یعنی جس کی تاکید لائی جائے اس کے اجزاء ہوں اور ان اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہو، خواہ یہ تفریق ذات کے اعتبار سے ہو جسے تفریق حسی کہا جاتا ہے یعنی ان اجزاء کی جدائی دیکھنے میں آ سکتی ہو یا عامل کے اعتبار سے ہو جسے تفریق حکمی کہا جاتا ہے۔ اول کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اجمعون" (سو سارے کے سارے

فرشتوں نے سجدہ کیا۔ پ ۱۲، الحجر آیت ۳۰) اس آیت میں الملائکۃ مؤکد ہے جو بیت سے افراد پر مشتمل ہے اور ان افراد میں جدائی ہو سکتی ہے۔ ثانی کی مثال جیسے "اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ" اس میں عبد مؤکد ہے اور اسکے اجزاء میں جدائی نہیں ہو سکتی لیکن خریدنے کی صورت میں تفریق ہو سکتی ہے کہ اس کا نصف یا چوتھائی یا اس کا تہائی حصہ خریدا جائے۔ اس لیے کُل سے تاکید لانا درست ہے، اور اگر جاء العبد کُلہ کہیں تو درست نہیں ہوگا، کیوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ غلام ذات کے اعتبار سے یا عامل کے اعتبار سے مجزئی ہو کہ غلام کا نصف یا چوتھائی حصہ آئے بلکہ غلام اگر آئے گا تو پورے اجزاء کے ساتھ آئے گا۔

(۳) کُل کے ساتھ ایسی ضمیر متصل ہو جو مؤکد کے مطابق ہو، اور بعض لوگوں کی قراءت "اِنَّا كُلًّا فِيْهَا" (کہ ہم سب بھی دوزخ میں ہیں۔ پ ۲۲، غافر آیت ۲۸) کا تاکید کی بحث سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ اس آیت میں لفظ کُل کے ساتھ ایسی ضمیر جو مؤکد کی طرف عائد ہو متصل نہیں ہے، حالاں کہ اس ضمیر کا متصل ہونا شرط ہے، لہذا شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے اسے جملہ مؤکدہ نہیں کہا جاسکتا، لیکن امام زمخشری اور فرماء رحمہما اللہ نے مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جملہ مؤکدہ ہے۔

(۴) لفظ کُل باختلاف ضمیر آتا ہے پس واحد مذکر میں کُلہ اور واحد مؤنث میں کُلھا اور جمع مذکر میں کُلھم اور جمع مؤنث میں کُلھن۔ اور کُل کے علاوہ باقی الفاظ باختلاف صیغہ آتے ہیں۔

کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ تاکید کی صورتیں:

وَبِكِلَا وَكِلْتَا لَ اِنْ صَحَّ وَقَوَّعَ الْمُفْرَدِ مَوْقَعَهُ الْخ فاضل مصنف نے اس عبارت میں کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتیں تحریر فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کِلَا اور کِلْتَا یہ دونوں الفاظ معنی کُل کے درجہ میں ہوتے ہیں جیسے جاء الزیدان کہنے کی صورت میں ایک ساتھ آنے کی جو نسبت الزیدان کی طرف کی گئی ہے وہ ظاہر ہے، لیکن اس میں احتمال ہے کہ ان دونوں میں کا ایک آیا ہو اور مراد احد الزیدین ہو، جیسا کہ مفسرین حضرات نے باری تعالیٰ کا قول "لَوْلَا نَزَلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ" (یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا۔ پ ۲۵، زخرف آیت ۳۱) کے بارے میں فرمایا کہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں بستیوں میں سے کسی ایک بستی کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا، تو گویا کہ جاء الزیدان میں احد الزیدین کا احتمال ہے، لیکن جب کِلَا ہوتا تاکید لے آئے تو یہ احتمال مرتفع ہو گیا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ تاکید چند شرطوں کے ساتھ لائی جاتی ہیں۔

(۱) کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ جس کی تاکید لائی جائے وہ تشبیہ پر دلالت کرنے والا ہو، کِلَا

تثنیہ مذکر کی تاکید کے لیے اور کِلْتَا تثنیہ مؤنث کے لیے آتا ہے، عام اس سے کہ وہ تثنیہ اصطلاحی ہو خواہ مفرد کہ بواسطہ حرف عطف اس پر دلالت کرتا ہے، دونوں قسم کے تثنیہ کے لیے آتا ہے جیسے قام زید و عمرو کِلَاھُمَا (تثنیہ کی قید لگانے سے مفرد اور جمع سے احتراز ہو گیا کہ ان دونوں کی تاکید کِلَا اور کِلْتَا سے نہیں کی جاتی ہے۔)

(۲) صیغہ واحد کا اس کی جگہ آنا درست ہو، لہذا صحیح مذہب کے مطابق "اختصم الزیدان کِلَاھُمَا" تاکید کے ساتھ کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ کلام اختصم احد الزیدین کا احتمال نہیں رکھتا، حالانکہ تاکید رفع احتمال کے لیے آتا ہے، چنانچہ احتمال ندارد کی وجہ سے تاکید کی کوئی ضرورت نہیں۔ (۳) کِلَا اور کِلْتَا کی طرف جس کی نسبت کی گئی ہے وہ معنی میں مختلف نہ ہو بلکہ متحد ہو، اگر معنی مختلف ہو تو پھر ان دونوں الفاظ کے ذریعہ تاکید لانا درست نہیں، لہذا مات زید و عاش عمرو کِلَاھُمَا کہنا درست نہیں، کیوں کہ کِلَاھُمَا کے ذریعہ جن مؤکد کی تاکید لائی گئی ہے وہ معنی مختلف ہیں، لہذا عدم اتحاد کی بناء پر تاکید لانا درست نہیں۔

(۴) کِلَا اور کِلْتَا کے ساتھ ایسی ضمیر متصل ہو جو مؤکد کے مطابق ہو۔

اِنْ صَحَّ وَقَوْعُ الْمَفْرُودِ مَوْقِعَةً اس عبارت میں فاضل مصنف نے کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ تاکید لانے کی دوسری شرط تحریر فرمائی ہے۔

وَاتَّحَدَ مَعْنَى الْمُسْنَدِ اس عبارت میں تیسری شرط ذکر کی گئی ہے۔

وَيُضْفَنَ لَظْمِيرِ الْمُؤَكَّدِ اس عبارت میں چوتھی شرط ذکر کی گئی ہے۔

وَبِاجْمَعٍ وَجَمْعَاءِ الْخ کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتیں:

وباجمع وجمعا وجمعهما غیر مضافة: فاضل مصنف نے اس عبارت میں اَجْمَع اور جَمْعَا کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتوں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ تاکید معنوی کے الفاظ میں سے اجمع جمعاء اور ان دونوں کی جمع اجمعون، جَمْع ہیں، ان الفاظ کے ذریعہ تاکید لانے کا طریقہ یہ ہے کہ عموماً لفظ "کُلُّ" کے بعد ان الفاظ کے ذریعہ تاکید لائی جاتی ہے، اسی وجہ سے ان کے ساتھ تاکید لانے میں ضمیر نہیں لائی جاتی (یعنی ضمیر کی طرف ان کی اضافت نہیں ہوتی) بلکہ ان چاروں صیغوں میں تغیر واقع ہوتا ہے، جس اسم کی تاکید منظور ہو اسی کے مطابق ان صیغوں کو لایا جائے، چنانچہ واحد مذکر کی تاکید میں ان کو واحد مذکر جیسے اِشْتَرَيْتُ الْعَبْدَ كُلَّهُ اَجْمَع، اور واحد مؤنث کی تاکید میں ان کو واحد مؤنث جیسے اِشْتَرَيْتُ الْاِمَةَ كُلَّهَا جَمْعَا، اور جمع مذکر کی تاکید میں ان کو جمع مذکر جیسے

اِشْتَرَيْتُ الْعَبِيدَ كُلَّهُم اجمعين، اور جمع مؤنث کی تاکید میں ان کو جمع مؤنث جیسے اِشْتَرَيْتُ الْاِمَاءَ كُلَّهُنَّ جُمَعَ اور باری تعالیٰ کا قول "فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اجمعون" میں جمع مذکر کی تاکید میں اجمعون کو جمع مذکر کی شکل میں لایا گیا ہے۔

نوٹ ۱:- لفظ کُلُّ کے بغیر بھی اَجْمَعُ کے ذریعہ تاکید لائی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَلَا غَوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (اور میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔ پارہ ۱۴، حجر آیت ۳۹) اور "وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے۔ پارہ ۱۴، حجر آیت ۴۳) ان دونوں آیتوں میں لفظ کُلُّ کے بغیر اجمعين کو بطور تاکید لایا گیا ہے، اسی طرح آقائے نامدار فخر موجودات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "اِذَا صَلَّى الْاِمَامُ جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا اَجْمَعُونَ" (جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب کے سب بیٹھ کر نماز پڑھو) میں بھی اجمعون بغیر کُلُّ کے تاکید اندکوز ہے۔ جب اجمعون کے ذریعہ فَصَلُّوا کی ضمیر کی تاکید لائی جائے تو اس وقت یہ حال رفع میں ہوگا اور اگر حال مانا جائے تو حالت نصب میں ہوگا، لیکن یہ ضعیف ہے، کیوں کہ حال کے لیے نکرہ آنا لازم ہوتا ہے اور یہاں اجمعون ضمیر کی طرف بتقدیر اضافت معرّفہ ہے۔

نوٹ ۲:- صاحب کتاب فرماتے ہیں میرے قول "اجمع، جمعاء، وجمعهما" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں کا تشبیہ نہیں آتا، چنانچہ اجمعان اور جمعوا ان نہیں کہا جاسکتا، یہ جمہور بصرین کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے، کیوں کہ کلام عرب میں اس کے برخلاف سماع کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اَكْتَعُ، اَبْتَعُ، اَبْصَعُ، یہ تینوں اَجْمَعُ کے تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان تینوں کا استعمال اَجْمَعُ کے ساتھ ہی ہوگا۔ بلا اجمع کے ان الفاظ کا استعمال ضعیف ہے۔

نکتہ ۱:- ضمیر مرفوع متصل کی جب نَفْسٌ وَعَيْنٌ کے ذریعہ تاکید لائی جائے تو پہلے اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ذریعہ لاتے ہیں جیسے "ضَرَبْتَ اَنْتَ نَفْسَكَ" زید اکرمی ہو نفسہ، مثال مذکور میں تا ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لفظ نَفْسُك ہے جو کہ بعد تاکید لانے ضمیر منفصل انت کے لائی گئی ہے۔ (ایضاح الطالب ص ۱۰۶)

اس لیے کہ اگر ضمیر متصل کی تاکید اولاً ضمیر منفصل کے ساتھ نہ لائیں تو بعض موقع میں تاکید کا التباس فاعل کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً جب ہم منفصل کے ذریعہ تاکید لائے بغیر زید اکرمی نفسہ کہیں تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ نَفْسُہ فاعل ہے یا فعل میں ضمیر مرفوع مستتر ہے، وہ فاعل ہے اور نَفْسُہ اس کی تاکید ہے، پس اس التباس سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اولاً ضمیر متصل کی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لانے کو ضروری قرار دیا گیا۔

نکتہ ۲: جُنْنَا، کِلَان، کِلَا کے ذریعہ تشنیہ کی تاکید لاتے ہیں، حالاں کہ اس مثال میں جُنْنَا جمع متکلم کا صیغہ اور نَا ضمیر مؤکد ہے۔ جواب: جمع متکلم مافوق الواحد کے لیے ہے اور اس کے اندر تشنیہ کا ترجمہ بھی ملحوظ ہوتا ہے۔ (ایضاح الطالب ص ۱۰۷)

باب: الفرق بین التَّوْکید والنَّعت

توکید معنوی اور نعت کے درمیان فرق کے اسباب کا بیان

وَهِيَ بَخْلَافِ النَّعْوَتِ: لَا يَجُوزُ أَنْ تَتَعَاطَفَ الْمُؤَكِّدَاتُ، وَلَا أَنْ يَتَّبَعْنَ نَكْرَةً، وَنَدَّرَ "يَا لَيْتَ عِدَّةَ حَوْلِ كُلِّهِ رَجَبٌ"

ترجمہ: - اور یہ (یعنی توکید معنوی کے الفاظ) نعت کے برخلاف ہوتے ہیں۔ چند مؤکدات کا (یعنی توکید معنوی کے چند الفاظ کے جمع ہونے کی صورت میں) ایک دوسرے پر عطف کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح الفاظ توکید کا نکرہ کے تابع ہونا جائز نہیں، رہی بات یا لیت عِدَّةَ حَوْلِ كُلِّهِ رَجَبٌ کی تو یہ نادر الوجود ہے۔

تشریح: - وہی بخلاف النعوت الخ یہاں سے فاضل مصنف باب النعت کے مسائل میں سے ایسے دو مسائل کو بیان فرما رہے ہیں جو تاکید معنوی کے برخلاف ہیں۔

المسئلة الاولى- لا يجوز ان تتعاطف المؤكِّدات: جب ایک منعوت کے لیے مکرر نعت آئے تو اس وقت الفاظ نعت کا عطف کے ساتھ لانا بھی درست ہے اور بغیر عطف کے بھی لانا درست ہے۔

عطف کے ساتھ لانے کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى، وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى، وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجیے، جس نے ہر شے کو بنایا پھر اس کو ٹھیک بنایا، اور جس نے تجویز کیا، پھر راہ بتلائی، اور جس نے زمین سے چارہ نکالا۔ پارہ ۳۰، سورہ اعلیٰ آیت ۴۲) میں رَبُّ مَنْعُوت ہے جس کے لیے چند نعوت آئے ہیں جو عطف کے ساتھ لائے گئے ہیں۔ (آیت میں الفاظ نعوت واضح ہیں۔)

دوسری مثال جیسے شاعر کا قول

إِلَى الْمَلِكِ الْقَرُمِ وَابْنِ الْهَمَامِ وَلَيْتَ الْكَتَيْبَةَ فِي الْمُرْدَحَمِ

(اس نے معزز بادشاہ، اور ابن الہمام اور فوج کے سپہ سالار کی طرف میدان کارزار میں بھیجا)

اس شعر میں "الْمَلِك" منعوت ہے جس کی متعدد نعیتیں حرف عطف کے ساتھ لائی گئی ہیں، الْقَرْم اصل میں اس خوبصورت اور بہادر اونٹ کو کہا جاتا ہے جو لڑائی کے لیے تیار کیا گیا ہے، پھر شجاعت میں مناسبت کی بناء پر باہمت انسان کو القرم کہا جانے لگا ہے۔ (لیث الکتیبة، لیث بمعنی شیر، اور کتیبة بمعنی لشکر کا ایک دستہ، یہاں فوج کا سپہ سالار اور کمانڈر مراد ہے۔)

بغیر عطف کے لانے کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ، هَمَّازٍ مَشَاءٍ بِنَمِيمٍ، مَنَّاغٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ" (اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو، بے وقعت ہو، طعنے دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، حد اعتدال سے گزرنے والا ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو۔ پ ۲۹، نوں، آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲) اس آیت میں کُل موصوف ہے، جس کی متعدد نعتیں بغیر عطف کے آئی ہیں۔

المسئلة الثانية. وَلَا أَنْ يَتَّبَعْنَ نَكْرَةً نعت جس طرح منعوت کے معرفہ ہونے میں اتباع کرتی ہے اسی طرح نکرہ ہونے میں بھی اتباع کرتی ہے، مذکورہ بالا ان دونوں مسائل میں تاکید معنوی کے الفاظ نعت کے مخالف ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک جملہ میں تاکید کے چند الفاظ جمع ہوں تو آپ عطف کے ساتھ الفاظ تو کید کو نہیں لا سکتے، لہذا جاء زید نفسه وعينه کہنا جائز نہ ہوگا، اسی طرح جاء القوم کلهم واجمعون بھی کہنا جائز نہیں ہوگا، اور اس کی علت یہ ہے کہ یہ ایک معنی کے حکم میں ہوتا ہے اور شی کو اس کی ذات پر عطف نہیں کیا جاتا ورنہ عطف البشئ علی نفسه لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔ برخلاف نعت کے اس لیے کہ اس کے معنی ایک دوسرے کے برخلاف ہوتے ہیں۔ اسی طرح الفاظ تو کید کا نکرہ کے تابع ہونا جائز نہیں ہے، چنانچہ جاء رجل نفسه نہیں کہا جائے گا۔ اور عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ تو کید کے الفاظ معرفہ ہوتے ہیں اور معرفہ نکرہ کا تابع نہیں ہوتا، لہذا الفاظ تو کید کا نکرہ کے تابع ہونا درست نہیں۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

مصنف کے اس دعویٰ پر کہ معرفہ نکرہ کے تابع نہیں ہوتا، عبد اللہ بن مسلم بن جندب الہذیلی کے اس شعر کے ذریعہ اعتراض ہوگا۔

لَكِنَّهُ شَاقَّةٌ أَنْ قِيلَ ذَا رَجَبٍ يَأْلَيْتُ عِدَّةَ حَوْلِ كُلِّهِ رَجَبٌ

(لیکن اس نے اس کو پسند کیا کہ اسے رجب والا کہا جائے یا وہ کاش کہ رجب پورے سال کا

مجموعہ ہو جائے۔)

اس شعر میں کُلّہ الفاظ توکید میں سے ہے اور عِدَّة حَوْل مَوَکد نکرہ ہے تو جب الفاظ توکید نکرہ کے تابع نہیں ہوتا تو پھر اس شعر میں کُلّہ تاکید عِدَّة حَوْل نکرہ کے تابع کیسے ہوا۔
جواب: شاعر کا قول شاذ ہے، ضرورت شعری کی بناء پر شاعر نے اس طرح استعمال کیا ہے۔

باب عطف البیان — عطف بیان کی وضاحت

وَعَطْفُ الْبَيَانِ، وَهُوَ تَابِعٌ، مُوَضِّحٌ، أَوْ مُخَصِّصٌ، جَامِدٌ، غَيْرُ مُؤَوَّلٍ۔

ترجمہ: — اور عطف بیان۔ اور وہ ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کو واضح کرنے والا یا مخصوص کرنے والا ہو، جامد ہو، اور غیر مؤول ہو۔

تشریح: — وعطف البیان الخ فاضل مصنف یہاں سے ابواب توابع کا تیسرا باب عطف بیان کی وضاحت کر رہے ہیں۔

عطف کی لغوی واصطلاحی تعریف:

شیء سے رُخ پھیر لینے کے بعد پھر اسی شیء کی طرف رجوع کرنا۔ اصطلاح میں عطف کی دو قسمیں ہیں (۱) عطف بحرف، اسی کو عطف نسق بھی کہتے ہیں، اس کی تفصیلی بحث آئندہ آنے والی ہے (۲) عطف بیان، مندرجہ ذیل اسی بحث کے متعلق ہے۔

عطف بیان کی تعریف:

عطف بیان ایسا تابع ہے، جو اپنے متبوع کو واضح اور روشن کر دے، یا خاص کر دے، جامد ہو، مؤول نہ ہو، اسی طرح صفت بھی نہ ہو، عطف بیان دو مشہور ناموں میں سے ایک مشہور نام ہوتا ہے جیسے جاء زيد ابوالحسنات (زيد آیا جو ابوالحسنات کے ساتھ مشہور ہے) اس میں زيد علم ہے اور ابوالحسنات کنیت ہے، دوسری مثال قال نعمان ابوحنیفہ، اس میں ابوحنیفہ عطف بیان ہے اور نعمان متبوع ہے۔ یہ بات دھیان میں رہے کہ عطف بیان کا اپنے متبوع سے مشہور اور واضح ہونا ضروری نہیں، ہاں بوقت اجتماع توضیح کا فائدہ دینا ضروری ہے۔

عطف بیان کی تعریف مشتمل بر فوائد قیود:

وہو تابع، مُوَضِّحٌ، أَوْ مُخَصِّصٌ الخ فاضل مصنف نے عطف بیان کی جو تعریف کی ہے وہ چند قیودات پر مشتمل ہے، اس طرح سے کہ تابع مجنس ہے جو پانچوں توابع کو شامل ہوتا ہے، لیکن مصنف کا قول "مُوَضِّحٌ أَوْ مُخَصِّصٌ" (پہلا معرفہ کے لیے، دوسرا نکرہ کے لیے) فصل اول ہے

جس سے تاکید خارج ہوگئی، جیسے جاء زید نفسہ کیوں کہ تاکید ایسا تابع ہوتا ہے جو متبوع کے حال کو ثابت کرے نسبت میں یا شمول میں، اور عطف بیان ثابت کرنے کے لیے نہیں آتا فقط وضاحت یا تخصیص کے لیے آتا ہے، اسی طرح عطف بحرف جیسے جاء زید وعمرو خارج ہو گیا، اس لیے کہ عطف بحرف وہ ہے جو حروف عطف کے بعد آئے، اور یہ بتائے کہ جو نسبت متبوع کی طرف ہو رہی ہے وہی نسبت تابع کی طرف بھی ہے، اور نسبت سے دونوں ہی مقصود ہیں، لیکن یہ بات عطف بیان میں نہیں، اور بدل بھی خارج ہو گیا جیسے اکلث الرغیف ثلثہ چوں کہ بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے اور اس کا متبوع محض تمہید کے لیے ذکر کیا جاتا ہے جب کہ عطف بیان خود مقصود بالنسبت نہیں ہوتا بلکہ فقط توضیح کے لیے آتا ہے، نیز بدل تکرر عامل کو چاہتا ہے۔

مصنف کا قول "جامد" یہ فصل ثانی ہے جس سے نعت خارج ہوگئی، اس لیے کہ نعت مشتق ہوتی ہے جامد نہیں۔ مصنف کا قول "غیر مؤول" یہ فصل ثالث ہے، اس سے وہ نعت خارج ہوگئی جو جامد واقع ہے، لیکن مؤول بہ ہے، جیسے مَرَرْتُ بِرَيْدِ هَذَا میں لهذا جامد ہے، لیکن یہ مشتق کی تاویل میں ہے، اسی طرح مَرَرْتُ بِقَاعِ عَرْفَجِ (میں ریتیلی زمین والے راستے سے گذرا) یہ قاع اور عرفج لفظاً تو جامد ہیں لیکن مشتق کی تاویل میں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ مَرَرْتُ بِرَيْدِ هَذَا کا مطلب "مَرَرْتُ بِرَيْدِ الْمَشَارِ إِلَيْهِ" ہے، اور مَرَرْتُ بِقَاعِ عَرْفَجِ کا مطلب مَرَرْتُ بِقَاعِ خَشِنٍ ہے۔

بَابُ الْمُوَافَقَةِ بَيْنَ الْعَطْفِ وَتَبَوُّعِهِ

عطف بیان اور اس کے متبوع کے درمیان موافقت کی صورتیں

فَيُؤَافِقُ مَتَّبِعَهُ۔

ترجمہ:- پس عطف بیان اپنے متبوع کے موافق ہوگا۔

تشریح:- جس طرح نعت اپنے متبوع کی وضاحت کے لیے اور تخصیص کے لیے آتا ہے،

اسی طرح عطف بیان بھی اپنے متبوع کی وضاحت اور تخصیص کے لیے آتا ہے، نیز جس طرح نعت دس چیزوں میں متبوع کے تابع ہوتا ہے، اسی طرح عطف بیان بھی ان دس چیزوں میں اپنے متبوع کے موافق ہوتا ہے، (تعریف، تذکیر، تانیث، افراد، تشنیہ، جمع، رفع، نصب، جر)

كَاقْسَمَ بِاللَّهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، وَهَذَا خَاتَمُ حَدِيدٍ۔

ترجمہ:- جیسے اقسام باللہ ابو حفص عمر (قسم کھائی اللہ کی ابو حفص عمر نے) اور

ہذا خاتمِ حدید (یہ لوہے کی انگٹھی ہے)

تشریح: - فاضل مصنف عطف بیان کی وضاحت فرمانے کے بعد اب اس کی مثال تحریر فرما رہے ہیں، چنانچہ موصوف نے عطف بیان کی دو مثالیں تحریر فرمائی (۱) اَقْسَمَ بِاللّٰهِ اَبُو حَفْصٍ عُمَرُ (قسم کھائی اللہ کی ابو حفص عمر نے) (۲) ہذا خاتمِ حدید (یہ لوہے کی انگٹھی ہے) ان دونوں مثالوں کے ذریعے انہوں نے عطف بیان کی، تعریف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عطف بیان معرفہ کے لیے وضاحت کرنے والا، اور نکرہ کے لیے تخصیص کرنے والا ہوتا ہے، پہلی مثال میں عمر عطف بیان ہے باوجودیکہ وہ ابو حفص کی صفت نہیں، مگر اس کی وضاحت کرتا ہے اور ابو حفص سے عمر بن خطاب کی ذات عالی مراد ہے۔

پہلی مثال کا پس منظر:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسم اور کنیت میں سے جو زیادہ مشہور ہوتا ہے اسی کو عطف بیان کہا جاتا ہے، پس اس جگہ چوں کہ عمر کا نام بہ نسبت ان کی کنیت ابو حفص کے زیادہ مشہور تھا، اس لیے عمر کو عطف بیان کہا گیا، یہ مصرعہ مذکور ایک اعرابی کا قول ہے جو حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرا مکان دور ہے اور میری اونٹنی دُبلی اور اس کی پیٹھ زخمی ہے اور اس کے پیر میں سوراخ ہے آپ ایک اونٹنی مجھ کو دیجیے، حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں قسم کھا کر فرمایا کہ تم جھوٹے ہو، اس کو دینے سے انکار کر دیا، اعرابی یہ سن کر چلا گیا اور اپنی اونٹنی کے پیچھے پتھر لی زمین پر چلتا ہوا یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔

اَقْسَمَ بِاللّٰهِ اَبُو حَفْصٍ عُمَرُ مَا مَسَّهَا مِنْ نَّقَبٍ وَلَا دَبَرٍ

حضرت عمرؓ نے اس کے کلام کو سن کر فرمایا اللّٰهُمَّ صَدَّقْ صَدَقَ، پھر آپ نے اعرابی کو دیکھا تو سچا پایا اور اس کو اونٹ دیا۔

دوسری مثال کا پس منظر:

وہذا خاتمِ حدید: متن کی عبارت ”ہذا خاتمِ حدید“ میں حدید عطف بیان ہے، اعراب کے اعتبار سے تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) اضافت کی صورت میں بتقدیر مِنْ جر پڑھنا، جیسے ہذا خاتمِ حدید، آئی مِنْ حَدِيدٍ (۲) بر بناء تمیز یا حال نصب پڑھنا جیسے ہذا خاتمِ حدید (۳) متبوع کا تابع قرار دے کر رفع پڑھنا جیسے ہذا خاتمِ حدید جن لوگوں نے بر بناء تمیز نصب پڑھنے کی تخریج کی ہے انہوں نے کہا کہ حدید عطف بیان ہے، اور جن لوگوں نے بر بناء حال نصب پڑھنے کی تخریج کی انہوں نے کہا کہ صفت ہے، لیکن ان دونوں قول میں پہلے یعنی بر بناء تمیز نصب پڑھنا

اولیٰ ہے، اس لیے کہ یہ جامد محض ہے، لہذا اس کا حال یا صفت ہونا نازیبا نہیں۔ اور اکثر نحویوں نے اسے عطف بیان تسلیم کرنے سے صراحتہ انکار کر دیا، کیوں کہ اس صورت میں عطف بیان کا نکرہ ہو کر نکرہ کے تابع ہونا لازم آتا ہے۔

لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ عطف بیان کا نکرہ ہو کر نکرہ کے تابع ہونا درست ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول "وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ" (اور اس کو ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ لہو ہوگا۔ پ ۱۳، ابراہیم، آیت ۱۶) میں صَدِيدِ عطف بیان ہے اور نکرہ ہے اور نکرہ کے تابع بھی ہے، اور باری تعالیٰ کا قول "أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ" (خواہ کفارہ مساکین کو کھانا دے دیا جائے۔ پ ۷، مائدہ آیت ۹۵) میں امام فارسی نے فرمایا کہ طعام کا عطف بیان قرار دینا بھی جائز ہے، اور بدل بنانا بھی جائز ہے۔

الْفَرْقُ بَيْنَ الْعُطْفِ وَالْبَدَلِ — عطف بیان اور بدل میں فرق

وَيُعْرَبُ بَدَلٌ لِّكُلِّ مِنْ كُلِّ، إِنْ لَمْ، يَمْتَنِعْ إِحْلَالُهُ مَحَلَّ الْأَوَّلِ۔ كَقَوْلِهِ۔
أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بَشَرٌ — وَقَوْلُهُ — أَيَا أَخَوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا۔

ترجمہ:- اور اُسے (یعنی تابع کو) بدل کل من کل کا اعراب دیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس اسم کا پہلے اسم (متبوع) کے قائم مقام ہونا درست ہو، جیسے انا ابن التارک الخ (میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر کو چھوڑنے والا ہے اور آیا اخوینا عبد شمس الخ (اے ہمارے بھائی عبد شمس اور نوفل)۔
تشریح:- وَيُعْرَبُ بَدَلٌ لِّكُلِّ مِنْ كُلِّ یہاں سے فاضل مصنف اس بات کو بیان فرما رہے ہیں کہ ہر وہ اسم جس پر عطف بیان کا حکم لگانا درست ہو، اور عطف بیان ہو کر متبوع کی وضاحت یا تخصیص کے لیے مفید ہو تو اس اسم پر بدل کل من کل کا حکم لگانا بھی درست ہے جو کلام کے معنی کو ثابت کرنے اور اس کے تاکید کے لیے مفید ہو تکرار عامل کی نسبت کے ساتھ بشرطیکہ اس اسم کا پہلے اسم (متبوع) کے قائم مقام ہونا درست ہو۔

عطف بیان اور بدل میں فرق:

إِنْ لَمْ يَمْتَنِعْ إِحْلَالُهُ مَحَلَّ الْأَوَّلِ الخ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ عطف بیان اور بدل کے درمیان فرق معنی کے اعتبار سے تمام حالتوں میں ظاہر اور عیاں ہے، اس لیے کہ بدل کل مقصود بالنسبت ہے اور عطف بیان مقصود بالنسبت نہیں۔ پس اس کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ ان دونوں کے درمیان فرق لفظ کے اعتبار سے ہے چوں کہ پوشیدہ تھا، اسی لیے مصنف نے اس فرق کو

بیان کرتے ہوئے بطور تمہید کے کہا کہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک مسئلہ میں فرق ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک دو مسئلوں میں، اور بعض فرماتے ہیں کہ دو سے زائد مسائل میں فرق قائم ہے۔ بقول صاحب کتاب ان لم یمتنع احلالہ محل الاول ان تمام اقوال کے لیے جامع ہے یہاں اس کے دو مثالیں تحریر کی جا رہی ہیں۔

پہلی مثال: اَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشَرِّ عطف بیان اور بدل میں فرق از روئے احکام لفظی کے انا ابن التَّارِكِ الخ میں واقع ہے۔ مکمل شعر اس طرح ہے۔
اَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشَرِّ عَلَيْهِ الطَّيْرُ تَرْقُبُهُ وَقُوْعًا
(میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر کو چھوڑنے والا ہے، اس حال میں کہ پرندے اس پر واقع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔)

شعر کا مطلب:- یہ مرار بن سعد بن نضلہ بن اشتر فقہی کا کلام ہے، جس نے شجاعت و دلیری کی وجہ سے فخریہ طور پر یہ شعر کہا کہ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر جیسے بہادر شخص کو میدان کارزار میں قتل کر کے چھوڑ دیتا ہے، اس حال میں کہ اس پر پرندے واقع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں کہ اس کی روح اس کے بدن سے نکلے اور ہم اس کو کھائیں، (البکری سے مراد قبیلہ بکر بن وائل اور بشر سے مراد بشر بن عمرو بن مرثد) طریقہ استدلال یہ ہے کہ اس شعر سے مراد ہر وہ ترکیب جس میں عطف بیان کا متبوع معرف باللام ہو جس کی طرف صفت معرف باللام مضاف ہو جیسے "الضَّارِبُ الرَّجُلُ زَيْدٌ" اور انا ابن التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشَرِّ مثال مذکور میں "بِشَرِّ" عطف بیان ہے اور "الْبَكْرِي" اس کا متبوع ہے، جو معرف باللام ہے اور اس کی طرف "التَّارِكِ" معرف باللام مضاف ہے، اور اس وقت اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن جب بِشَرِّ کو الْبَكْرِي سے بدل کل مان لیا جائے تو قباحت لازم آئے گی، کیوں کہ بدل کی صورت میں مبدل منہ کا جو عامل ہوتا ہے وہی بدل کا بھی ہوتا ہے، اس لیے اگر بشر کو بدل بنایا جائے تو الْبَكْرِي مبدل منہ ہوگا، اور اس کا عامل "التَّارِكِ" ہے، کیوں کہ بدل کا مبدل منہ کی جگہ آنا جائز ہوتا ہے اور قاعدہ مذکورہ کی بناء پر التَّارِكِ عامل ہوگا بِشَرِّ کا بھی، اس صورت میں تقدیر عبارت اَنَا ابْنُ التَّارِكِ بِشَرِّ ہوئی یعنی التَّارِكِ مضاف ہوگا بِشَرِّ کی طرف، اور یہ اضافت "الضَّارِبُ زَيْدٌ" کے مثل ہوگی جو ناجائز ہے، کیوں کہ معرف باللام کا غیر معرف باللام کی طرف مضاف ہونا لازم آتا ہے جو قباحت سے خالی نہیں۔ اس کی تفصیل بحث "باب الاضافة" میں آچکی ہے۔

شعر کی ترکیب:- اَنَا مبتداء، ابن مضاف، التَّارِكِ شبہ فعل، الْبَكْرِي مبدل منہ، اور بِشَرِّ بدل۔ مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر التَّارِكِ کا محلاً مفعول بہ، علیہ خبر مقدم، طَیْرُ مبتداء مؤخر سے مل کر

جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر محل کے اعتبار سے التَّارِك کا مفعول ثانی، یہ اس وقت ہے جب التَّارِك بمعنی مصیر ہو۔ جس کے معنی ہیں کر دینے والا۔ اور اگر اس کے معنی ہوں چھوڑنے والا، تو پھر علیہ الطَّيْرُ التَّارِك کا مفعول ثانی نہ ہوگا، بلکہ البکری سے حال ہوگا، تَرْقُبَةُ یہ اپنے فاعل سے مل کر طَيْرُ سے حال ہے بشرطیکہ طَيْرُ کو علیہ کے عامل عائن کا فاعل بنایا جائے۔ اور اگر طَيْرُ مبتداء مؤخر ہے اور علیہ خبر مقدم ہو تو پھر تَرْقُبَةُ علیہ کے عامل کائن کی ضمیر سے حال ہوگا، وَقُوعًا واقع کی جمع ہے، جس طرح شہود شاہد کی جمع ہے۔ یہ تَرْقُبَةُ کی ضمیر ہی سے حال ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی واقعة حول البکری مترقبة لخروج رُوحہ۔

دوسری مثال: اَيَا اَخْوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا — عطف بیان اور بدل از روئے احکام لفظی کے فرق کی دوسری مثال میں صاحب کتاب نے طالب بن ابوطالب کے کلام کو پیش کیا ہے، (جو امیر المومنین حضرت علیؑ کے سکے بھائی اور حضورؐ کے چچا زاد بھائی ہیں، انہوں نے اپنے کلام میں پیارے مدنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی اور مقتولین بدر پر آنسو بہاتے ہوئے یہ کلام کہا)

اَيَا اَخْوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا اَعِيْذُكُمْ بِاللّٰهِ اَنْ تُحْدِثَا حَرْبًا

(اے ہمارے بھائی عبد شمس اور نوفل، میں تم دونوں کو لڑائی پیدا کرنے سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔)

اس شعر میں محل استشہاد "اَيَا اَخْوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا" ہے۔ طریقہ استدلال یہ ہے کہ عَبْدَ شَمْسٍ عطف بیان ہے اور اَخْوَيْنَا اس کا متبوع ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن جب عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا کو اَخْوَيْنَا سے بدل مان لیا جائے تو قباحت لازم آئے گی اور بدل ماننا جائز بھی نہ ہوگا، کیوں کہ بدل ماننا اس صورت میں جائز ہوتا ہے جب کہ بدل کا مبدل منہ کی جگہ واقع ہونا درست ہو۔ لہذا اگر بدل مان لیا جائے تو تقدیر عبارت "اَيَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا" ہوگی اور یہ جائز نہیں، کیوں کہ اَخْوَيْنَا منادی ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب منادی پر اسم مجرد عن اللام کا عطف کیا جائے تو اسے منادی مستقل کا حکم دینا واجب ہوتا ہے، لہذا نَوْفَلًا کو منادی تسلیم کر لیا جائے تو منادی مستقل ہونے کی وجہ سے بنی علی الضم پڑھنا واجب ہوگا۔ اس لیے کہ منادی جب مفرد معارفہ ہوتا ہے تو اس وقت منادی مستقل ہونے کی وجہ سے بنی علی الضم پڑھنا لازم اور ضروری ہوتا ہے۔

یا نَوْفَلًا بالنصب کہنا جائز نہ ہوگا، اور بدل ماننے کی صورت میں یا نَوْفَلًا ہی پڑھا جائے گا، کیوں کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے۔ اور مبدل منہ منادی مضاف ہونے کی وجہ سے بنی علی النصب ہے، لہذا مناسبت قائم نہ ہونے کی وجہ سے بدل بنانا جائز نہیں۔ لہذا اَيَا اَخْوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا پڑھا جائے گا۔

باب عطف النسق — عطف نسق کا بیان

وَعَطْفُ النَّسْقِ بِالْوَاوِ۔

ترجمہ: - اور عطف نسق واؤ کے ساتھ ہوتا ہے۔

تشریح: - یہاں سے فاضل مصنف توابع کی چوتھی قسم عطف بحرف کو بیان فرما رہے ہیں، اس کو عطف نسق بھی کہتے ہیں، کیوں کہ اس میں معطوف اور معطوف علیہ ایک نسق پر ہیں۔ یعنی دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ لیکن زیر بحث مسائل کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید کے چند مقدمات کا سمجھنا از حد ضروری ہے۔

عطف بحرف کی لغوی واصطلاحی تعریف:

عطف کی لغوی تعریف تو عطف بیان میں گذر گئی، بہر حال نسق تو وہ ایسا تابع ہے جس کے درمیان اور اس کے متبوع کے درمیان حروف عطف میں سے کوئی ایک توسط قائم کرنے والا ہو۔ اصطلاح نحو میں عطف بحرف ایسا تابع ہے جو حروف عطف کے بعد آئے اور یہ بتائے کہ جو نسبت متبوع کی طرف ہو رہی ہے وہی نسبت تابع کی طرف ہے، اور نسبت سے دونوں ہی مقصود ہیں، متبوع کو معطوف علیہ، اور تابع کو معطوف کہتے ہیں جیسے جاء زيد وعمرؤ (زيد اور عمرو دونوں آئے) اس میں جاء کی نسبت جس طرح زيد کی طرف ہے اسی طرح عمرو کی طرف بھی ہے۔

حروف عطف دس ہیں: واؤ، فاء، ثم، حتی، امّا، او، ام، لا، بل، لیکن۔

معطوف و معطوف علیہ کا حکم:

(۱) معطوف اپنے معطوف علیہ کے ساتھ حکم میں شریک ہوتا ہے یعنی جو احوال معطوف علیہ پر اس کی ذات کے اعتبار سے آتے ہیں وہی احوال معطوف پر بھی پیش آئیں گے۔

(۲) ضمیر مرفوع متصل پر اگر عطف کیا جائے تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پہلے اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی جائے بعد میں عطف کیا جائے، جیسے ضَرَبْتُ اَنَا وَزَيْدٌ اس میں ضَرَبْتُ کے اندر جو ضمیر متصل ہے اس پر زید کا عطف کیا گیا ہے، لیکن اسے پہلے اَنَا کے ساتھ اس کی تاکید لائی گئی ہے۔

(۳) البتہ اگر ضمیر مرفوع متصل کے درمیان اور اس کے معطوف کے درمیان فصل واقع ہو جائے

تو پھر تاکید لانے کی ضرورت نہیں۔ جیسے ضَرَبْتُ الْيَوْمَ زَيْدٌ اس میں الْيَوْمَ کا فصل آ گیا ہے، اس

لیے تاکید نہیں لائی گئی۔

(۴) ضمیر مجرور پر اگر عطف کیا جائے تو جار کا اعادہ ضروری ہے، یعنی اگر معطوف علیہ حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو تو معطوف پر بھی وہی حرف جر داخل کیا جائے جیسے مَرَرْتُ بِكَ وَبَزَيْدٍ۔

(۵) اور اگر معطوف علیہ مضاف کی وجہ سے مجرور ہو تو معطوف میں بھی اس مضاف کا اعادہ کیا جائے گا، جیسے اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ اس میں یا متکلم معطوف علیہ ہے، اور زید معطوف ہے، اور جس طرح معطوف علیہ لفظ بَيْنَ کی وجہ سے مجرور ہے، اس طرح معطوف میں بھی دوبارہ بَيْنَ کو لایا گیا ہے، جس کی وجہ سے معطوف میں بھی جز آ گیا ہے، ضمیر میں سب مبنی ہیں، اس لیے ان پر اعراب باعتبار محل کے ہوگا، اس مثال میں بھی بَيْنِي کی یا ضمیر متکلم میں جر محلا ہوگا۔

نوٹ:- صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ میں نے زیر بحث مسئلہ کے آغاز میں حروف عطف کی تعریف و تعداد تحریر نہیں فرمائی، چوں کہ طلبہ کے سامنے بالکل عیاں اور واضح ہے۔ لہذا میں نے اس کی صرف تفسیر و توضیح بیان کرنے پر اکتفاء کیا، اور عطف التلق بالواو کی تفصیلی بیانات سے جمیع حروف عطف کی تفصیلی بیانات کی طرف اشارہ کیا ہے، یکے بعد دیگرے ہر ایک کی وضاحت آرہی ہے۔
(فانتظرو اِنی معکم من المنتظرین)

وَهِيَ لِمُطْلَقِ الْجَمْعِ -

ترجمہ:- اور واو مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔

تشریح:- واو مطلق جمع کے لیے آتا ہے، خواہ معطوف علیہ اور معطوف میں ترتیب ہو یا نہ ہو جیسے "جاء نی زید و عمرو" اس کا مطلب یہ ہے کہ زید اور عمرو دونوں آئے۔ امام سیرفی نے فرمایا کہ بصرہ اور کوفہ کے تمام نحاة اور اہل لغت کا اس بات پر اجماع ہے کہ واو جمع کے لیے آتا ہے بغیر ترتیب کے، جیسے جاء زید و عمرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ زید اور عمرو دونوں آئے۔ (یعنی دونوں کے دونوں آنے میں شریک ہیں) لیکن اس کلام میں تین مفہوم کا احتمال ہوتا ہے۔ (۱) یہ کہ زید اور عمرو دونوں ایک ساتھ آئے (۲) یہ کہ ان دونوں کا آنا ترتیب کے ساتھ ہو یعنی پہلے زید آئے پھر عمرو آئے۔

(۳) یہ کہ ان دونوں کا آنا برعکس ہو یعنی پہلے عمرو آئے پھر زید آئے، پس اگر ان امور میں سے کوئی ایک کسی دوسری دلیل سے ثابت ہو تو وہ متعین ہوگا، جیسا کہ معیت کا معنی مفہوم ہوتا ہے، باری تعالیٰ کے قول "وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ" (اور جب کہ اٹھا رہے تھے ابراہیم دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل بھی۔ پ، بقرہ آیت ۱۲۷) میں اس آیت میں ابراہیم

معطوف علیہ اور اسماعیل معطوف، واؤ حرف عطف معیت کے معنی میں ہے، اور معطوف معطوف علیہ کے حکم میں شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں نے ایک ساتھ بیت اللہ کی دیواریں اٹھائیں، جیسا کہ ترتیب کا معنی مفہوم ہوتا ہے باری تعالیٰ کے قول "إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَالَهَا" (جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلادی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور آدمی کہے گا اس کو کیا ہوا۔ پ ۳۰، زلزال آیت ۱، ۲، ۳) میں۔ اس آیت میں پہلا جملہ معطوف علیہ اور دوسرا اور تیسرا معطوف ہے۔ اور واؤ حرف عطف ترتیب کے لیے ہے، اس طرح کہ پہلے زمین میں بھونچال آئے گا، اس کے بعد زمین اپنے دفینوں کو نکال پھینکے گی، اس کے بعد انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا۔ اور جیسا کہ ترتیب کے برعکس معنی مفہوم ہوتا ہے، باری تعالیٰ کا قول "وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا" (اور یہ بعث کے منکریوں کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ پ ۲۵، الجاثیہ آیت ۲۴) میں، اس میں مرنے کے بعد زندہ ہونے کی خبر منکر بعث کو دی جارہی ہے کہ ہم مرجائیں گے اور پھر زندہ کیے جائیں گے، ترتیب کے برخلاف، حالاں کہ پہلے زندگی آتی ہے پھر آخر میں موت ہوتی ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کا فیصلہ کن قول: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا اقوال نحاۃ واہل لغت میں سے اکثر اہل علم لوگوں کے اقوال ہیں ایسا نہیں جیسا کہ امام سیرفیؒ نے کہا کہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے بغیر ترتیب کے، اور اسی پر نحو یوں اور لغویوں کا اجماع ہے، بلکہ بعض کوفیین سے یہ مروی ہے کہ واؤ ترتیب کے لیے آتا ہے، ان کی جانب سے آیت بالا کا جواب یہ ہوگا کہ دراصل آیت سے مراد ہمارے بڑے انتقال کرتے رہیں گے اور ہمارے چھوٹے پیدا ہوتے رہیں گے، پس ہم زندہ رہیں گے، بقول مصنفؒ یہ مفہوم مراد لینا بعید از عقل ہے، کیوں کہ اہل عرب کے قول "اِخْتَصَمَ زَيْدٌ وَعَمْرُو" (زید اور عمرو نے باہم لڑائی کی) کے ذریعے اعتراض واقع ہو جائے گا، اس لیے کہ زید معطوف علیہ اور عمرو معطوف ہے اور واؤ مطلق جمع کے لیے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زید اور عمرو دونوں نے باہم جھگڑا کیا۔ اس میں واؤ مطلق جمع کے لیے ترتیب کے لیے نہیں ہے، لہذا یہ کہنا کہ واؤ ترتیب کے لیے آتا ہے صحیح نہیں اس مثال کے ذریعہ مسئلہ پوری طرح منکشف ہو جاتا ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے، ترتیب کے لیے نہیں، اگر ترتیب کے لیے آتا تو فاء اور ثَمَّ کے ذریعے اس مثال میں عطف کرنا جائز ہوتا، کیوں کہ فاء اور ثَمَّ دونوں ترتیب کے لیے آتے ہیں، لیکن اس مثال میں فاء اور ثَمَّ کے ذریعے عطف کرنا اہل عرب کے نزدیک ناجائز ہے۔ لہذا اس مثال میں فاء یا ثَمَّ کا واؤ کی جگہ اور واؤ کا ان دونوں کی جگہ استعمال

کرنا درست نہیں۔ اگر واؤ ان دونوں کی طرح ہوتا تو یقیناً اس کے ساتھ عطف کرنا ناجائز ہوتا جیسا کہ مثال مذکور میں فاء یا ثَمَّ کے ساتھ عطف کرنا جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ واؤ مطلق ترتیب کے لیے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔

وَالْفَاءُ لِلتَّرْتِيبِ وَالتَّعْقِيبِ۔

ترجمہ: - اور فاء ترتیب اور تعقیب کے لیے آتا ہے۔

تشریح: - والفاء للترتیب الخ فاء ترتیب کے لیے آتا ہے بغیر مہلت کے، یعنی فاء کے ماقبل کے لیے حکم پہلے ثابت ہوتا ہے اور مابعد کے لیے فوراً بعد، اس میں تاخیر نہیں ہوتی، چنانچہ جب جاء زید فعمرو کہا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ زید کے آنے کے بعد ہی عمرو فوراً بغیر مہلت کے آیا، اس مثال میں تین احتمال ہیں (۱) حکم میں شریک ہونا یعنی آنے کا جو حکم ہے اس میں زید اور عمرو دونوں شریک ہیں خواہ زید پہلے آیا ہو یا عمرو۔ (۲) ترتیب ہے، پہلے زید آیا پھر عمرو آیا (۳) تعقیب کا بھی احتمال ہے کہ زید کے بعد عمرو آیا بغیر مہلت کے۔

والتَّعْقِيبُ ہر چیز کا تعقیب اس کے مقدار کے مطابق ہوتا ہے، جب آپ کہیں "تَخَلَّتْ الْبَصْرَةُ فَبَغْدَادَ" (کہ میں بصرہ آیا پھر بغداد) اور بصرہ اور بغداد کے درمیان تین دن کی مسافت ہے، اور یہ مسافت معلوم و مشہور ہے، تو اگر آپ تین دن کے بعد بغداد آئے تو یہ عادتہ تعقیب ہوگا، اور جب آپ چار یا پانچ دن کے بعد داخل ہوئے تو پھر یہ عادتہ تعقیب نہ ہوگا، اور اس کے لیے یہ کلام کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

فاء کا دوسرے معنی میں استعمال:

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ فاء تو اصلاً ترتیب و تعقیب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، لیکن کبھی کبھی دوسرے معنی میں بھی استعمال کر لیا جاتا ہے، مثلاً کبھی کبھی تو سمیت کے لیے آتا ہے اور جملہ عاطفہ میں یہی کثیر الاستعمال ہے، سمیت کا مطلب ہے کہ فاء کا ماقبل مابعد کے لیے سبب ہو، جیسے تیرا قول "سَهَا فَسَجَدَ" (اس سے چوک ہوئی تو اس نے سجدہ کیا) اس میں سجدہ کرنے کا سبب چوک ہونا ہے، اور فاء سبب ہے، اسی طرح "رَنَى فَرَجَمَ" (اس نے زنا کیا تو رجم کیا گیا) اس مثال میں رجم کیے جانے کا سبب زنا کرنا ہے، اور "سَرَقَ فَقُطِعَ" (اس نے چوری کی تو ہاتھ کاٹا گیا) اس میں قطعید کا سبب سَرَقَ ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ" (بعد ازاں حاصل کر لیے آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی۔ پ، ا، بقرہ،

آیت ۳۷) اس آیت میں متوجہ ہونے کا سبب تعلّم الفاظ ہے۔ اور کبھی کبھی جواب شرط میں ربط کے لیے استعار کے طور پر لیا جاتا ہے یعنی جملہ شرطیہ میں جزاء پر جو با داخل ہوتا ہے، بشرطیکہ شرط و جزاء اداۃ شرط کی وجہ سے مستقبل کے لیے ہو، اور جواب واقع پر دلالت کرتا ہو جیسے ”مَنْ يَأْتِيَنِي فَإِنِّي أَكَرِّمُهُ“ (جو شخص میرے پاس آئے گا میں اس کی تعظیم کروں گا) جواب شرط میں فاء ربط کے لیے لایا گیا ہے، اسی لیے جب کہا جائے ”مَنْ دَخَلَ دَارِي فَلَهُ دِرْهَمٌ“ تو داخل ہونے کی وجہ سے درہم کے مستحق ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔

اور اگر فاء حذف کر دیا جائے تو اس وقت اس معنی کا احتمال ہوگا اور اس کے لیے درہم کے اقرار کا احتمال ہوگا لیکن جس وقت فاء عاطفہ کو جملہ میں عطف کے لیے استعمال کیا جائے تو مذکورہ تمام معانی سے خالی ہوتا ہے یعنی فاء عاطفہ کے واسطے سے معطوف معطوف علیہ کے ساتھ بلا توقف لاحق ہوتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول ”الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى، وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى، وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى، فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى،“ (اور جس نے تجویز کیا، پھر راہ بتلائی، اور جس نے چارہ نکالا، پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا، پ ۳۰، اعلیٰ آیت ۵، ۴، ۳) میں فاء عاطفہ ہے جو معطوف کو معطوف علیہ کے ساتھ بلا توقف ملاتا ہے۔

معنی ثَمَّ — ثَمَّ کی توضیح

وَتَمَّ لِلتِّرْتِيبِ وَالتَّرَاخِي.

ترجمہ: — اور تَمَّ ترتیب اور تراخی کے لیے ہوتی ہے۔

تشریح: — ”تَمَّ“ ترتیب اور تراخی کے لیے ہوتی ہے، یعنی تَمَّ کے ماقبل کے لیے حکم پہلے

ثابت ہوتا ہے اور مابعد کے لیے بہت دیر میں جیسے جاء زيدٌ تَمَّ عمروٌ کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عمرو زید کے بہت دیر بعد آیا، تَمَّ بھی فاء کی طرح تین امور کا فائدہ دیتی ہے، فاء کی بحث میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔ (فلیراجع الیہا) باری تعالیٰ کا قول ”وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ“ (اور ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ۔ پ ۸، اعراف، آیت ۱۱) میں تَمَّ ترتیب کے لیے ہے اور آیت کی اصل عبارت بتقدیر مضاف اس طرح ہے، ولقد خلقنا آباءكم ثُمَّ صَوَّرْنَا آبَاءكم۔

معنی حَتَّى — حَتَّى کی توضیح

وَحَتَّى لِلْفَايَةِ التَّدْرِيجِ.

ترجمہ:- اور حَتَّى غایت اور تدریج کے لیے آتا ہے۔

تشریح:- حَتَّى غایت اور تدریج کے لیے آتا ہے، غایت کا مطلب کسی شے کا آخری حصہ ہونا، یعنی انتہاء کو کہتے ہیں۔ تدریج کا مطلب جو کچھ حَتَّى کے ماقبل ہے اس کو یکے بعد دیگرے ختم کرتے ہوئے انتہاء تک پہنچ جائے، اور وہ انتہاء اسم معطوف ہے اسی لیے معطوف کا معطوف علیہ کے لیے جزء ہونا ضروری ہے، خواہ معطوف معطوف علیہ کا جزء تحقیقی اعتبار سے ہو جیسے "أَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتَّى رَأَسَهَا" (میں نے مچھلی کھائی یہاں تک کہ اس کا سر) اس میں السَّمَكَةُ معطوف علیہ حَتَّى عاطفہ، رَأَسَهَا معطوف ہے جو معطوف علیہ کا جزء ہے تحقیقی طور پر۔

یا معطوف معطوف علیہ کا جزء تقدیری اعتبار سے ہو، جیسے شاعر کا قول۔

الْقَى الصَّحِيفَةَ كَيْ يُخَفِّفَ رَحْلَهُ وَالزَّادَ حَتَّى نَعْلَهُ أَلْقَاهَا

(اس نے خط کو ڈال دیا تاکہ اپنے کجاوے کو ہلکا کر دے، اور تو شہ کو ڈال دیا یہاں تک کہ اپنے جوتے کو بھی ڈال دیا۔) اس شعر میں محل استشہاد "حَتَّى نَعْلَهُ" حالت نصب میں ہے، اس میں نعل معطوف ہے اور جو اس کے ماقبل ہے وہ معطوف علیہ ہے، نعل اگرچہ اپنے ماقبل کا جزء تحقیق نہیں ہے، لیکن بسبب تاویل جزو تقدیری تو ضرور ہے، کیوں کہ کلام کا مفہوم ہے کہ اس نے نعل ہونے کی وجہ سے تمام چیزوں کو ڈال دیا یہاں تک کہ اپنے جوتے کو بھی ڈال دیا۔

شعر کا مطلب: امام اخفش نے عیسیٰ بن عمران سے نقل کیا ہے کہ یہ ابو مروان نحوی کا کلام ہے جیسے قصہ ملتئم اور عمرو بن ہند سے فرار کے متعلق پرویا ہے، شعر کا پس منظر یہ ہے کہ عمرو بن ہند نے ابو مروان نحوی کے اپنے پاس سے راہ فرار اختیار کرنے کی صورت میں غضبناک ہو کر اپنے عامل کے پاس رقعہ ارسال کیا جس میں یہ حکم صادر فرمایا کہ فوراً ابو مروان نحوی کو قتل کر دیا جائے، وصول رقعہ کے بعد ملتئم کو یہ اشتباہ ہوا کہ شاید یہ خط وافر مقدار میں داد و دہش حاصل کرنے کے لیے حکم نامہ بن کر آیا ہے، لیکن بعد ملاحظہ جب حکم قتل کا علم ہوا تو اسے دریا میں ڈال دیا۔

لَا لِلتَّرْتِيبِ

ترجمہ:- حَتَّى ترتیب کے لیے نہیں آتا۔

تشریح:- فاضل مصنف یہاں سے فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کا یہ گمان ہے کہ حَتَّى ترتیب کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ ثُمَّ اور فاء ترتیب کا فائدہ دیتی ہے، حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے، درحقیقت حَتَّى مطلق جمع کے لیے آتا ہے واؤ کی طرح، اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے "كُلُّ شَيْءٍ

بِقَضَاءٍ وَقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ“ (ہر چیز قضاء اور قدر کے ساتھ ہے یہاں تک کہ تنگدستی اور خوشحالی بھی) اس حدیث میں حتی ترتیب کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ قضاء اور قدر کے درمیان ترتیب نہیں ہے بلکہ مقضیات اور مقدرات کے ظہور میں ترتیب ہے۔ طریقہ استشہاد یہ ہے کہ واؤ جس طرح مطلق جمع کے لیے آتا ہے حتی بھی اسی طرح آتا ہے، اگر واؤ ترتیب کے لیے آتا تو لازماً قضاء و قدر کے درمیان ترتیب ہوتی، اسی طرح حتی بھی اگر ترتیب کے لیے ہوتا تو پھر قضاء و قدر اور عجز و کيس کے درمیان ضرورت ترتیب ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں۔

طالب العلمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! حتی کے عمل پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ ”اَكَلْتُ السَّمَكَ حَتَّى رَأَسَهَا“ میں حتی مشہور حروف جار میں سے ہے مگر اس کے بعد رفع، نصب بھی پڑھا جا رہا ہے ایسا کیوں؟ جواب: حتی کی تین قسمیں ہیں (۱) عاطفہ (۲) ابتدائیہ (۳) جارہ۔

حتی ابتدائیہ کے بعد رفع آتا ہے، لہذا مثال مذکور میں عبارت ہوگی حَتَّى رَأَسَهَا مَأْكُولٌ (مبتداء و خبر) اور حتی عاطفہ کی شکل میں نصب ہوگا، بمعنی اَكَلْتُ السَّمَكَ وَرَأَسَهَا، اور حتی کا مدخول معطوف علیہ کا جزء ضعیف ہوگا، یا جزء قوی، اور حتی جارہ کی شکل میں جر ہوگا، حَتَّى رَأَسَهَا۔

معنی او۔ او کی وضاحت

و ”اَوْ“ لِأَحَدِ الشَّيْئَيْنِ أَوْ الْأَشْيَاءِ، مُفِيدَةٌ بَعْدَ الطَّلَبِ التَّخْيِيرِ أَوْ الْإِبَاحَةِ، وَبَعْدَ الْخَبَرِ الشَّكِّ أَوْ التَّشْكِيكِ۔

ترجمہ:- اور ”اَوْ“ دو یا چند چیزوں میں سے کسی ایک امر مبہم کے لیے طلب کے بعد تخییر کا فائدہ دینے کے لیے آتا ہے، یا اباحت کا فائدہ دیتا ہے اور خبر کے بعد شک یا تشکیک کا فائدہ دیتا ہے۔

تشریح:- و ”اَوْ“ لِأَحَدِ الشَّيْئَيْنِ أَوْ الْأَشْيَاءِ یہاں سے مصنف اس حرف عاطف کو بیان کر رہے ہیں جو دو یا چند چیزوں میں سے کسی ایک امر مبہم کے لیے آتا ہے، اور وہ ”اَوْ“ ہے، ”اَوْ“ کبھی تو دو امروں میں سے کسی ایک غیر متعین امر کے لیے آتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول ”لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ“ (ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے۔ پ ۱۵، کہف آیت ۱۹) اور کبھی چند امور میں سے کسی ایک امر مبہم کے لیے آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول ”فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ“ (سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو

کھانے کھانا ہے اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہیں یا ان کو کپڑا دینا یا ایک گردن (یعنی ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا۔ پے، ماندہ آیت ۸۹) مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ "اَوْ" دو یا دو سے زیادہ چیزوں میں سے کسی ایک غیر متعین شے کے لیے حکم ثابت کرتا ہے، اسی وجہ سے دو یا دو سے زائد چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے سَوَاءٌ عَلٰی اَقُمْتُ اَوْ قَعَدْتُ کہنا ناجائز ہے، کیوں کہ لفظ سَوَاءٌ دلالت کرتا ہے دو چیزوں کے برابر ہونے پر۔ اسی وجہ سے سَوَاءٌ عَلٰی هَذَا الشَّيْءِ کہنا ممنوع ہے اس لیے کہ یہاں دو چیزوں کے درمیان برابری نہیں پائی گئی۔

اَوْ کے استعمال کی صورتیں:

مفیدۃ بعد الطلب التخییر او الاباحۃ الخ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ "اَوْ" کے لیے استعمال کی چار شکلیں ہیں، دو تو طلب کے بعد، اور وہ تخییر اور اباحت ہے، اور دو خبر کے بعد اور وہ شک اور تشکیک ہے۔

طلب کے بعد کا مطلب ہے کہ صیغہ طلبیہ کے بعد "اَوْ" آئے تو اس وقت اس اَوْ کا دو مفہوم ہوگا (۱) کبھی تو تخییر پر دلالت کرے گا (۲) اور کبھی اباحت پر دلالت کرے گا۔ تخییر کی مثال جیسے تیرا قول "تَزَوَّجْ هُنْدًا اَوْ اُخْتَهَا" (تو ہندہ سے شادی کر یا اس کی بہن سے) اباحت کی مثال جیسے "جَالِسِ الْحَسَنُ اَوْ ابْنِ سَيْرِيْن" (تو حسن بصری کی مجلس اختیار کر یا ابن سیرین کی مجلس)

سوال: جب صیغہ طلبیہ کے بعد اَوْ تخییر اور اباحت دونوں کے لیے آتا ہے تو ان دونوں کے درمیان فرق کیا رہا، اور فرق کا اندازہ کیسے لگایا جائے گا۔

جواب: جس وقت اَوْ کے ماقبل اور مابعد کے درمیان جمع کرنا ناجائز ہو تو اس وقت اَوْ تخییر کے لیے ہوگا، اور اگر جمع کرنا ناجائز نہ ہو تو اباحت کے لیے ہوگا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہندہ اور اس کی بہن کا مخاطب کے لیے ایک نکاح میں جمع کرنا ناجائز نہیں، اور حسن اور ابن سیرین کی مجلس کے درمیان جمع کرنا مخاطب کے لیے جائز ہے۔

وبعد الخبر الشك او التشكيك: اور "اَوْ" خبر کے بعد یعنی جملہ خبریہ کے بعد آئے تو شک اور تشکیک کے لیے آئے گا، شک کی مثال۔ جیسے تیرا قول "جاء زيدٌ او عمرو" (زید آیا یا عمرو) اس میں یہ تو معلوم ہے کہ زید اور عمرو میں سے کوئی ایک آیا ہے، لیکن متعین طور پر یہ معلوم نہیں کہ آنے والا کون ہے، لہذا یہاں پر اَوْ شک کے لیے ہے۔

تشکیک کی مثال جیسے جاء زيدٌ او عمرو (زید آیا یا عمرو) اس میں یہ معلوم ہے کہ زید اور عمرو

میں سے کوئی ایک آیا ہے، اور متعین طور پر یہ معلوم ہے کہ آنے والا کون ہے لیکن مخاطب پر ابہام کرنا چاہتا ہے کہ تم تعین کر کے بتاؤ کہ وہ کون ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ”فَكْفَارَتُهُ اَطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينٍ“ میں او تخیر کے لیے مستعمل ہے، کیوں کہ باعتبار مومن ان کفارات کے درمیان بیک وقت جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ باری تعالیٰ کا قول ”لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَبَائِكُمْ“ (تمہارے لیے کچھ مضائقہ نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر سے۔ پ ۱۸، نور آیت ۲۱) میں او اباحت کے لیے مستعمل ہے۔ باری تعالیٰ کا قول ”لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ“ میں او شک کے لیے ہے۔ باری تعالیٰ کا قول ”وَ اَنَا اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰی هٰذٰی اَوْ فِی ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ“ (اور بے شک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں۔ پ ۲۲، سبا، آیت ۲۲) میں او تشکیک کے لیے مستعمل ہے۔

”اَمْ“ کی توضیح

و ”اَمْ“ بَطْلَبِ التَّعْيِيْنِ بَعْدَ هَمْزَةٍ دَاخِلَةٍ عَلٰی اَحَدِ الْمُسْتَوِيَيْنِ۔

ترجمہ:- اور ”اَمْ“ طلب تعین کے لیے آئے گا بشرطیکہ دو مستوی چیزوں میں سے کسی ایک پر داخل ہونے والے ہمزہ کے بعد واقع ہو۔

تشریح:- ”اَمْ“ حروف عاطفہ میں سے ہے، یہ اس بات کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں میں سے کسی ایک کے لیے غیر متعین طور پر حکم ثابت ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ متکلم کو قطعی طور پر معلوم ہو کہ دونوں میں سے کسی ایک کے لیے غیر متعین طور پر ضرورت ثابت ہے جیسے تیرا قول۔ ”اَزِيْدُ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرُو“ لیکن شک ہے کہ حکم کس کو ثابت ہے، ذات متعین میں شک اور ابہام ہے، لہذا مخاطب سے اس کے بارے میں سوال کرے کہ وہ اس کی تعین کر دے، چنانچہ مخاطب کے لیے تعین کے ذریعے جواب دینا لازم اور ضروری ہوگا، نعم یا لا سے جواب دینا درست نہیں۔

اَمْ کی دو قسمیں ہیں، اَمْ متصلہ جسے اَمْ معادلہ بھی کہتے ہیں (اَمْ معادلہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمزہ استفہام کے بعد معادلہ یعنی برابری کے لیے آتا ہے اور دو میں سے ایک کی تعین مطلوب ہوتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ان دو اسموں میں سے ایک پر ہمزہ داخل ہوتا ہے جن کی طرف نسبت کرنے کا حکم یکساں اور برابر ہے اور دوسرے پر اَمْ داخل ہوتا ہے اور ان دونوں کے مابین ایسا لفظ ہوتا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں، اور وہ مثال مذکور میں لفظ ”عِنْدَكَ“ ہے) نیز اسے اَمْ متصلہ بھی کہتے ہیں (اَمْ متصلہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے ماقبل اور اپنے مابعد کو اس طرح ملا دیتا ہے کہ ایک دوسرے سے بے

نیاز نہیں ہو سکتا)۔ اُم کی دوسری قسم منقطعہ ہے جو اُم متصلہ کی شرائط کے برخلاف ہوتا ہے اُم متصلہ کی تین شرطیں ہیں (۱) یہ کہ اُم سے پہلے ہمزہ استفہام آئے (۲) ہمزہ کے بعد جو چیز آئے وہی اُم کے بعد بھی آئے، اگر ہمزہ کے بعد اسم آئے تو اُم کے بعد بھی اسم آنا ضروری ہوگا جیسے اَزیدُ عندک اُم عمرو، اور اگر ہمزہ کے بعد فعل آئے تو اُم کے بعد بھی فعل آنا ضروری ہوگا، جیسے اَقَعَدَ زیدُ اُم قام، (۳) وہی باتیں جو تشریح کے ذیل میں گذریں۔

لَا، لَکِن، بَل کی توضیح

وَاللَّزِيذُ عَنِ الْخَطَا فِي الْحُكْمِ "لَا" بَعْدَ اِيجَابٍ، وَ "لَکِن" وَ "بَل" بَعْدَ نَفْيٍ وَلِصَرَفِ الْحُكْمِ اِلَى مَا بَعْدَهَا "بَل" بَعْدَ اِيجَابٍ۔

ترجمہ:۔ اور حکم میں خطاء سے لوٹنے کے لیے "لَا" ایجاب کے بعد، اور "لَکِن" اور "بَل" نفی کے بعد، اور اپنے مابعد کی طرف حکم پھرنے کے لیے "بَل" ایجاب کے بعد آتے ہیں۔

تشریح:۔ بطور تمہید چند مفید باتیں ذہن نشین کر لیجیے۔ لَا، بَل، لَکِن، یہ تینوں یہ بتانے کے لیے آتے ہیں کہ معطوف علیہ اور معطوف میں سے ایک متعین کے لیے حکم ثابت ہے، لیکن ہر ایک میں تہمین کی صورت مختلف ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ "لَا" معطوف سے اس حکم کی نفی کرتا ہے جو معطوف علیہ کے لیے ثابت کیا گیا ہے جیسے جاء زیدٌ لا عمرو (میرے پاس زید آیا عمرو نہیں آیا) "بَل" یہ معطوف علیہ سے اعراض کر کے معطوف کے لیے حکم ثابت کرتا ہے جیسے جاء زیدٌ بل عمرو۔ زید کے لیے آنا ثابت کیا گیا تھا بل نے آکر اس سے اعراض کر کے عمرو کے لیے آنا ثابت کیا۔ "لَکِن" یہ استدراک کے لیے ہے یعنی پہلے کلام سے جو وہم پیدا ہوا تھا اس کو دور کرنے کے لیے آتا ہے، جس جملہ میں یہ آتا ہے، اس سے پہلے جملہ سے زید کے آنے کی نفی کی گئی ہے اس میں شبہ پیدا ہو گیا کہ جس طرح زید نہ آیا ہو سکتا ہے کہ عمرو بھی نہ آیا ہو، لَکِن نے آکر اس وہم کو دور کر دیا کہ ایسی بات نہیں جیسا کہ تم وہم کر رہے ہو عمرو آیا ہے۔

ان تینوں حروف کے درمیان امتیازی فرق:

وَاللَّزِيذُ عَنِ الْخَطَا فِي الْحُكْمِ "لَا" بَعْدَ اِيجَابٍ الخ تمہیدی کلمات ملاحظہ کر لینے کے بعد متن کی وضاحت سمجھئے۔ یہ تینوں کے تینوں چند احکام میں مشترک ہوتے ہیں۔ (۱) عاطفہ ہونے میں، (۲) حکم میں غلطی سے درستگی کی طرف سامع کو لوٹانے کا فائدہ دینے میں یہ تینوں مشترک ہیں۔ نیز یہ تینوں چند احکام میں مختلف بھی ہوتے ہیں، مثلاً "لَا" قصر قلب اور قصر افراد کے لیے ہوتا ہے (قصر کی تین

قسمیں ہیں، قصر قلب، قصر افراد، اور قصر تعین۔ مخاطب جس صفت پر موصوف کو منحصر کرنے کا اعتقاد رکھتا ہے متکلم اس کی جگہ دوسری صفت پر منحصر کرے۔ مثلاً مخاطب کا اعتقاد یہ ہے کہ زید صفت قعود کے ساتھ متصف ہے، مگر متکلم اس کا رد کرتے ہوئے کہتا ہے مازیداً الا قائم (زید کھڑا ہی ہے) یعنی مخاطب کا اعتقاد غلط ہے صحیح بات یہ ہے کہ زید صفت قیام کے ساتھ متصف ہے صفت قعود کے ساتھ متصف نہیں ہے، اسی کو قصر قلب کہا جاتا ہے۔

اگر مخاطب کا اعتقاد یہ ہو کہ ایک وصف میں دو موصوف شریک ہیں مثلاً یہ اعتقاد ہو کہ ہاشم اور مسعود دونوں کھڑے ہیں یعنی کھڑے ہونے میں دونوں شریک ہیں، لیکن متکلم اس کو رد کرتے ہوئے کہتا ہے "ما قائم الا ہاشم" ہاشم ہی کھڑا ہے، یعنی وصف قیام ہاشم پر منحصر ہے اور مسعود سے منشی ہے، اسی کا نام قصر افراد ہے۔ اگر مخاطب دو صفتوں کے درمیان متردد ہو اور متکلم ان دونوں میں سے ایک کو متعین کر دے مثلاً مخاطب اس بارے میں متردد ہے کہ معلوم نہیں زید قیام کے ساتھ متصف ہے یا قعود کے ساتھ پس متکلم نے ایک یعنی صفت قیام کو متعین کرتے ہوئے کہا "ما زیداً الا قائم" (زید کھڑا ہی ہے بیٹھا نہیں ہے) اسی کا نام قصر تعین ہے۔ (تکمیل الامانی ج ۲: ص ۱۸۶)

اور "بَلْ" اور "لَکِنْ" صرف قصر قلب کے لیے ہوتے ہیں۔ جیسے "جاءنی زید لا عمرو" اس شخص کی تردید میں جس کا خیال ہو کہ عمرو آیا زید نہیں یا دونوں کے دونوں ساتھ آئے، اور "ما جاءنی زید لَکِنْ عمرو" یا "بَلْ عمرو" اس شخص کی تردید کے لیے ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ زید آیا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ "لَا" کے ذریعہ اثبات کے بعد عطف لایا جاتا ہے اور "بَلْ" کے ذریعہ نفی کے بعد عطف لایا جاتا ہے، اور "لَکِنْ" کے ذریعہ بھی نفی کے بعد عطف لایا جاتا ہے، کبھی کبھی "بَلْ" کے ذریعہ اثبات کے بعد عطف لایا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معطوف علیہ سے جس حکم کی نفی کی گئی ہے اس کی نفی معطوف سے نہ ہوگی، بلکہ معطوف کے لیے حکم ثابت ہوگا اور معطوف علیہ سے یا تو حکم کی نفی بدستور باقی رہے گی یا اس کو ایسا سمجھا جائے گا گویا اس کا ذکر ہی نہیں ہوا۔ یعنی اس کے لیے نہ تو کسی حکم کو ثابت کیا گیا ہے اور نہ نفی کی گئی ہے ان کے نزدیک مثال مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ عمرو آیا ہے اور زید یا تو نہیں آیا یا وہ مسقوط عنہ کے حکم میں ہے، یعنی ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اور اِذَا غیر عاطفہ ہے بقول مصنف "یہی درست ہے، اور جہاں نحو کی کتابوں میں امام فارسی اور امام جرجانی نے اس کو حروف عاطفہ میں شمار کیا ہے، وہ چوک ہو گئی ہے۔

بابُ البَدَلِ — بدل کا بیان

وَالْبَدَلُ، وَهُوَ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالْحُكْمِ، بِلَا وَاسِطَةٍ، وَهُوَ سِتَّةٌ، بَدَلُ كُلِّ، نَحْوُ "مَفَارَا حَدَائِقَ" وَبَعْضٍ، نَحْوُ "مَنْ اسْتَطَاعَ" وَاشْتِمَالٍ، نَحْوُ "قِتَالٍ فِيهِ" وَإِضْرَابٍ، وَغَلَطٍ، وَنِسْيَانٍ، نَحْوُ "تَصَدَّقْتُ بِدِرْهِمٍ دِينَارٍ" بِحَسَبِ قَصْدِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي، أَوِ الثَّانِي وَسَبَقَ اللِّسَانُ أَوِ الْأَوَّلُ وَتَبَيَّنَ الْخَطَاءُ.

ترجمہ:- اور بدل، اور یہ ایسا تابع ہے جو بلا واسطہ مقصود بالحکم ہوتا ہے، اور وہ چھ ہیں بدل کل جیسے "مَفَارَا حَدَائِقَ" اور بعض جیسے "مَنْ اسْتَطَاعَ" اور اشتمال جیسے "قِتَالٍ فِيهِ" اور اضرب، غلط اور نسیان جیسے "تَصَدَّقْتُ بِدِرْهِمٍ دِينَارٍ" اول اور ثانی کے قصد کے اعتبار سے، یا ثانی کا قصد ہو اور زبان سبقت کر جائے، یا اول کا قصد ہو، اور خطا واضح ہو جائے۔

تشریح:- جب مصنف توابع کی چوتھی قسم عطف بحرف کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے پانچویں قسم "البدل" کو بیان کرنا شروع کیا۔

بدل کی تعریف:

والبَدَلُ وَهُوَ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِالْحُكْمِ الْخِ بَدَلُ لَغْتٍ فِي عَوْضٍ كَوَقْتِهِ هِيَ أَوِ اس كِي تَأْيِيدِ ارشاد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے "عَسَى رَبُّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِنْهَا" (امید کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر بدل عطا فرمائے۔ پ ۲۹، نون آیت ۳۲) اس آیت میں بدل عوض کے معنی میں ہے۔ اصطلاح نحو میں بدل ایسا تابع ہے جو بلا واسطہ مقصود بالحکم ہو (بدل ایسے تابع کو کہتے ہیں جو خود ہی مقصود بالنسبت ہو اس کا متبوع مقصود نہ ہو۔)

فوائد قیود: بدل کی اصطلاحی تعریف چند فوائد قیود پر مشتمل ہے، اس طرح کہ "تابع" جس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے، اور مصنف کا قول "مقصود بالحکم" فصل اول ہے، جس سے نعت اور تاکید خارج ہوگئی، کیوں کہ نعت متبوع کی حالت کو بیان کرتی ہے اور تاکید متبوع کی نسبت کو یا فعل کے تحت شامل ہونے کو ثابت کرتی ہے، یہ دونوں بذات خود مقصود بالحکم نہیں ہوتے۔ اور مصنف کا قول "بِلَا وَاسِطَةٍ" یہ فصل ثانی ہے جس سے عطف بحرف خارج ہوگیا، جیسے جاء زيد وعمرو لیوں کہ عطف بحرف ایسا تابع ہے جو مقصود بالحکم تو ہوتا ہے لیکن حرف عطف کے واسطہ سے۔

بدل کی قسمیں:

وہو سِتَّةٌ بدل کی چھ قسمیں ہیں (۱) بدل کل من کل (۲) بدل بعض (۳) بدل اشتمال (۴) بدل اضراب (۵) بدل غلط (۶) بدل نسیان۔

بدل کل من کل کی وضاحت:

بدل کل سے مراد ایسا تابع ہے کہ وہ اور اس کا مبدل منہ دونوں کا مصداق ایک ہی ہو (بدل کل من کل کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا اسم مکمل طور سے اس حکم میں شریک ہو جس میں اول کا عین شریک ہے) جیسے تیرا قول "جاء نى محمدٌ ابو عبد الله" اور باری تعالیٰ کا قول "مَفَارًا حَدَائِقُ" ان دونوں مثالوں میں محمد اور مَفَارًا مبدل منہ ہے اور ابو عبد الله اور حدائق بدل کل ہے۔

سوال: یہاں ایک طالب علمانہ اعتراض ہوتا ہے کہ تمام نحو یوں نے الف لام کے ساتھ بدل الکل من الکل کہا ہے جب کہ مصنف نے بغیر الف لام کے بدل کل من کل کہا ایسا کیوں؟

جواب: مصنف کا بغیر الف لام کے بدل کل من کل کہا اس مذہب سے ڈرتے ہوئے جنہوں نے کل پر الف لام داخل کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، اور امام زجاجی نے اس کو یعنی الف لام کے دخول کو تمام قسموں میں جائز قرار دیا ہے۔ بقول مصنف لوگوں کی موافقت کرنے میں امام زجاجی سے چوک ہو گئی ہے۔

بدل بعض من کل کی وضاحت:

بدل بعض ایسا بدل ہے جو اپنے متبوع یعنی مبدل منہ کا جزء اور اس کا حصہ ہو جیسے تیرا قول "أَكَلْتُ الرَّغِيفَ ثُلُثَةً" (چپاتی یعنی اس کا تہائی حصہ میں نے کھایا) اس میں الرَّغِيفُ مبدل منہ ہے اور ثُلُثَةٌ بدل ہے، اور ثُلُثَةُ رَغِيفٍ کا جزء ہے، اور باری تعالیٰ کا قول "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" اس آیت میں مَنِ اسْتَطَاعَ النَّاسِ کا بدل ہے اور یہی مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ فاعل واقع ہے اور اصل جملہ اس طرح ہے "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ اَنْ يَّحِجَّ مُسْتَطِيعُهُمْ" اور امام کسائی کا مذہب ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہو کر مبتداء ہے اور جواب محذوف ہے، اصل جملہ اس طرح ہے "مَنِ اسْتَطَاعَ فَلْيَحِجَّ" مصنف فرماتے ہیں کہ کلام کے تام ہونے کے امکان کی صورت میں حذف ہونے کا دعویٰ کرنا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ تقاضہ کرے گا کہ تمام لوگوں پر جو صاحب استطاعت ہو حج کرنا واجب ہے، یہ معنی و مفہوم مراد لینا بالاتفاق باطل ہے پس پہلا قول یعنی مَنِ اسْتَطَاعَ يَه النَّاسِ سے بدل

واقع ہے یہی مراد لینا درست ہے۔

بدل اضراب، غلط، نسیان کی وضاحت:

اہل عرب کا قول "تَصَدَّقْتُ بِدِرْهَمٍ دِينَارٍ" تین باتوں کا احتمال رکھتا ہے، مثلاً تو نے بائے طور خبر دی "تَصَدَّقْتُ بِدِرْهَمٍ" (میں نے ایک درہم صدقہ کیا) پھر تیرے سامنے ظاہر ہوا کہ مجھے اس طرح بیان کرنا چاہیے "تَصَدَّقْتُ بِدِينَارٍ" یہی بدل اضراب ہے، اور اگر تو نے تصدق بالدينار کی خبر دینے کا ارادہ کیا لیکن زبان درہم کی طرف سبقت کر گئی یہ بدل الغلط ہے، اور اگر تصدق بالدرہم کی خبر دینے کا عزم کیا پھر جب تکلم کیا تو اس قصد کا فساد ظاہر ہو گیا یہ بدل نسیان ہے۔

نوٹ:- بسا اوقات اکثر طلبہ پر بدل الغلط اور نسیان کے درمیان فرق مشتبہ ہو جاتا ہے اسی کو ہم نے بیان کر دیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ غلط کا تعلق زبان سے ہے۔ اور نسیان کا تعلق دل سے ہے۔

بَابُ الْعَدَدِ

بَابُ، الْعَدَدُ مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَى تِسْعَةٍ يُؤْنَتُ مَعَ الْمَذْكَرِ وَيَذْكَرُ مَعَ الْمَوْنِثِ دَائِمًا، نَحْوُ: "سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ" وَكَذَلِكَ الْعَشْرَةُ إِنْ لَمْ تُرَكَّبْ، وَمَا دُونَ الثَّلَاثَةِ وَفَاعِلٌ كَثَالِثٍ وَرَابِعٌ عَلَى الْقِيَاسِ دَائِمًا، وَيُفْرَدُ فَاعِلٌ، أَوْ يُضَافُ لِمَا اشْتَقَّ مِنْهُ، أَوْ لِمَا دُونَهُ، أَوْ يَنْصِبُ مَا دُونَهُ۔

ترجمہ:- یہ باب ہے، تین سے لے کر نو تک کا عدد معدود مذکر کے ساتھ مؤنث اور معدود مؤنث کے ساتھ مذکر ہمیشہ لایا جائے گا جیسے سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ (سات راتیں اور آٹھ دن) اور اسی طرح دس بشرطیکہ وہ مرکب نہ ہو، اور جو عدد تین سے کم ہے اور فاعل کے وزن پر ہے جیسے ثالث، رابع، تو وہ ہمیشہ قیاس کے مطابق ہوگا۔ اور فاعل کے وزن پر آنے والا عدد مفرد لایا جائے گا، یا اپنے مشتق منہ کی طرف مضاف ہوگا، یا اپنے مشتق منہ کے علاوہ کی طرف مضاف ہوگا، یا اپنے مشتق منہ کے علاوہ کو نصب دے گا۔

تشریح:- سابق عبارت میں فاضل مصنف ابواب توابع کا پانچواں باب "بدل اور اس کی جمع اقسام" کو تمام تر تفصیلات کے ساتھ بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے اہمائے عدد کے تمام احکامات کو بیان کرنا شروع کیا۔

اسمائے عدد کی تعریف اور اس کے اصول:

اسمائے عدد وہ الفاظ ہیں جن کو افراد اشیاء کی تعداد و مقدار بیان کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے، جیسے "ثَلَاثَةُ رِجَالٍ" میں ثَلَاثَةُ اسماء عدد سے ہے اور رِجَال تین فرد پر دلالت کرتا ہے۔ (غلیہ التحقیق ص ۲۸۵)

سوال: رَجُلٌ، رَجُلَانِ، مَنٌّ، مَنَّانٍ، ذِرَاعٌ، ذِرَاعَانِ، بھی تو کمیت و مقدار پر دلالت کرتے ہیں تو ان کو بھی عدد کہنا چاہیے، جب کہ ایسا نہیں ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ جنسیت کے اعتبار سے مقدار پر دلالت کرتے ہیں۔ (تحریر سبٹ ص ۲۱۵)

تمام اعداد کی اصل بارہ کلمے ہیں، واحد سے لے کر عَشْرٌ تک، گیارہواں مِائَةٌ (ایک سو) اور بارہواں لَفْظُ أَلْفٍ (ایک ہزار ہے) پہلے جزء کو عدد اور متمیز کہتے ہیں، اور دوسرے جزء کو معدود، متمیز اور متمیز کہتے ہیں۔

عدد کے استعمال کا طریقہ:

مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَى تِسْعَةٍ الْخ اب یہاں سے فاضل مصنف ہر ایک کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ الفاظ عدد تین قسموں پر مشتمل ہیں۔

پہلی قسم: کچھ وہ اعداد ہیں جو تذکیر و تانیث میں ہمیشہ قیاس کے مطابق ہیں یعنی اگر معدود (جس چیز کا عدد بیان کیا جائے) مذکر ہو تو عدد بھی مذکر لایا جائے گا، اور اگر معدود مؤنث ہو تو عدد بھی مؤنث لایا جائے گا، اور وہ واحد اور اثنان ہے، یعنی اگر معدود واحد مذکر ہو تو اس کے لیے لفظ واحد مذکر لایا جائے گا، اور اگر معدود واحد مؤنث ہو تو اس کے لیے لفظ واحدة لایا جائے گا، تثنیہ مذکر کے لیے اثنان اور تثنیہ مؤنث کے لیے اثنتان و ثنتان لایا جائے گا۔ اسی طرح وہ اعداد جو فاعِل کے وزن پر ہوں وہ بھی قیاس کے مطابق ہوں گے، جیسے واحد اور اثنان، وثنان، وثالث، واربِعٌ عَاشِرٌ تک مذکر کے لیے، اور واحدة اثنتان، وثانية وثالثة، ورابعة، عَاشِرَةٌ تک، مؤنث کے لیے قیاس کے مطابق ہے۔

دوسری قسم: کچھ وہ الفاظ عدد ہیں جن کا استعمال ہمیشہ خلاف قیاس ہوتا ہے یعنی معدود مذکر کے لیے عدد مؤنث اور معدود مؤنث کے لیے عدد مذکر لایا جائے گا وہ تین سے لے کر نو تک کے اعداد ہیں۔ چنانچہ مذکر کے لیے ثَلَاثَةُ رِجَالٍ، أَرْبَعَةُ رِجَالٍ، خَمْسَةُ رِجَالٍ، سِتَّةُ رِجَالٍ، سَبْعَةُ رِجَالٍ، ثَمَانِيَةُ رِجَالٍ، تِسْعَةُ رِجَالٍ، اور مؤنث کے لیے ثَلَاثُ نِسْوَةٍ، أَرْبَعُ نِسْوَةٍ، خَمْسُ نِسْوَةٍ، سِتُّ نِسْوَةٍ، سَبْعُ نِسْوَةٍ، ثَمَانُ نِسْوَةٍ، تِسْعُ نِسْوَةٍ کہا جاتا ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا" مقرر کر دیا اس کو ان پر سات رات اور آٹھ دن لگا تا۔ پ ۲۹، الحاقۃ آیت ۷)

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے فرمایا کہ تین سے نو تک اعداد خلاف قیاس آتے ہیں مذکر کے لیے علامت تانیث لائی جاتی ہے جیسے ثلاثۃ رجال، اور مؤنث کے لیے علامت تانیث نہیں لائی جاتی جیسے ثلاث نسوة تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

شارح موصوف، صاحب کتاب کی طرف سے یہ جواب تحریر فرمایا کہ "جميع باعتبار جماعت کے مؤنث ہے، لہذا عدد میں اس کی علامت تانیث لائی جائے گی، تاکہ ممیز اور تمیز میں مناسبت باقی رہے۔ پھر جب مذکر میں تین سے لے کر دس تک علامت تانیث نہیں لائی جائے گی، تاکہ مذکر اور مؤنث کے درمیان فرق ہو۔ اب اگر کوئی کہے کہ برعکس کیوں نہیں کیا گیا، تو جواب یہ ہے کہ بوجہ اصالت اور شرافت کے مذکر مقدم ہے۔ پس اولاً اس کے حال پر نظر کی گئی، اور علامت تانیث اس کو دی گئی، اس کے بعد مؤنث کا لحاظ کیا، اور مذکر اور مؤنث میں فرق کرنے کے لیے اس میں علامت مؤنث کی نہیں لائے۔

تیسری قسم: وكذلك العشرة ان لم تتركب الخ وہ عدد ہے جس کی دو حالتیں ہیں اور وہ عشرة ہے، اگر اسے مرکب استعمال کیا جائے تو قیاس کے مطابق ہوگا، یعنی معدود مذکر کے لیے مذکر ہوگا اور معدود مؤنث کے لیے مؤنث ہوگا جیسے "ثَلَاثَةُ عَشَرَ عَبْدًا" معدود مذکر ہونے کی صورت میں عَشَرَ مذکر ہے، اور ثَلَاثَ عَشْرَةِ اَمَةٍ معدود مؤنث ہونے کی صورت میں عَشْرَةُ مؤنث ہے، اور اگر بغیر مرکب کیے استعمال کیا جائے تو خلاف قیاس ہوگا یعنی معدود مذکر کے لیے عَشْرَةُ مؤنث اور معدود مؤنث کے لیے عَشَرَ مذکر لایا جائے گا جیسے عَشْرَةُ رِجَالٍ، اور عَشْرَ اَمَاءٍ، تذکیر و تانیث کی مثال ہے۔

وہ اسماء عدد جو فاعل کے وزن پر ہو:

وما دون الثلاثة و فاعل كثالث الخ یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں فرمالیں کہ وہ اسماء عدد جو فاعل کے وزن پر ہیں ان کی چار حالتیں ہیں

پہلی حالت: مفرد ہو جیسے آپ کا قول ثَانٍ، ثَالِثٌ، رَابِعٌ، خَامِسٌ، سَادِسٌ، سَابِعٌ، ثَمَانٍ، تَاسِعٌ، عَاشِرٌ۔ ان تمام کا مفہوم ایک ہوتا ہے کیوں کہ عدد میں فاعل کا وزن مرتبہ بتلانے کے لیے آتا ہے، لہذا دوسرے نمبر والے کو ثَانٍ، تیسرے نمبر والے کو ثَالِثٌ، چوتھے نمبر والے کو رَابِعٌ، علیٰ ہذا القیاس۔ دسویں نمبر والے کو عَاشِرٌ کہا جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ دوسرے کسی عدد کی

طرف مضاف نہ ہو۔

دوسری حالت: یہ کہ وہ عدد اپنے مشتق منہ کی طرف مضاف ہو جیسے ”ثَانِي اثْنَيْنِ“ و ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ و رَابِعُ اَرْبَعَةٍ کا مفہوم ہے دو میں کا ایک، تین کا ایک، چار کا ایک، عدد اپنے مشتق منہ کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں مرتبہ اور افراد پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ اس کا استعمال بالالفاظ ترتیب ہر فرد پر ہوتا ہے یعنی دو کا دوسرا جس وقت دونوں نماز میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”اِذْ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيْ اِثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ“ (جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے نماز میں۔ پ ۱۰، سورہ توبہ، آیت ۴۰) میں محل استشہاد ثَانِيْ اِثْنَيْنِ ہے کہ ثَانِيْ اپنے مشتق منہ اِثْنَيْنِ کی طرف مضاف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ“ (بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک۔ پ ۶، مائدہ آیت ۷۳) میں محل استشہاد ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ کی ثالث اپنے مشتق منہ ثَلَاثَةٍ کی طرف مضاف ہے۔

تیسری حالت: یہ کہ وہ عدد اپنے مشتق منہ کے علاوہ کی طرف مضاف ہو، جیسے آپ کا قول ”ثَالِثُ اِثْنَيْنِ، وَ رَابِعُ ثَلَاثَةٍ، وَ خَامِسُ اَرْبَعَةٍ، ان تینوں مثالوں میں فاعل کے وزن پر آنے والا عدد اپنے مشتق منہ کے علاوہ کی طرف مضاف ہو رہا ہے اور تینوں مثالوں کا مطلب دو کو اپنی ذات سے تین بنانے والا، اور تین کو اپنی ذات سے چار بنانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ، وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ“ (کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں کا چوتھا، اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں چھٹا۔ پ ۲۸، مجادلہ آیت ۷)

چوتھی قسم: یہ کہ وہ عدد اپنے سے کم مقدار والے عدد کو نصب دے جیسے ”رَابِعُ ثَلَاثَةٍ“ رَابِعُ تَوْنِ اور ثَلَاثَةُ نَصْب کے ساتھ مذکور ہے، جیسا کہ آپ جَاعِلُ الثَّلَاثَةِ اَرْبَعَةً کہیں تو درست ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ عدد اپنے مشتق منہ کی طرف مضاف ہوتے ہوئے اپنے سے کم مقدار والے عدد کو نصب دے سکتا ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

صاحب کتاب کا اٹل فیصلہ ہے کہ یہ صورت قطعاً جائز نہیں، لیکن امام خفش اور ثعلب فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے۔

ضمیمات باب ہذا

ایک سے لے کر دس تک کے استعمال کی ساری شکلیں تو صاحب کتاب نے تحریر فرمادی لیکن دس

کے بعد کے اعداد کی شکلیں مذکور نہیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اعداد استعمال کی متروکہ شکلوں کو تحریر فرما دوں تاکہ قارئین حضرات کے لیے مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

دس کے بعد عدد مرکب ہوگا لیکن دو کلموں یعنی دہائیوں اور اکائیوں کے درمیان حرف عطف نہ آئے گا، اور گیارہ بارہ کے استعمال قیاس کے مطابق ہوگا، یعنی مذکر کے لیے، دونوں جزء مذکر ہوں گے، اور مؤنث کے لیے دونوں جزء مؤنث ہوں گے، جیسے احد عشر رجلاً، اثنا عشر رجلاً، احدى عشرة امرأة، اثنا عشرة امرأة، تیرہ سے لے کر انیس تک کے استعمال میں پہلا جزو خلاف قیاس ہوگا اور دوسرا جزء قیاس کے مطابق ہوگا، چنانچہ مذکر کے لیے ثلاثة عشر رجلاً، اربعة عشر رجلاً، خمسة عشر رجلاً، - الی - تسعة عشر رجلاً کہا جائے گا۔ ان میں پہلا جزء مؤنث اور دوسرا جزء مذکر ہے، اور مؤنث کے لیے ثلث عشرة امرأة، اربع عشرة امرأة - الی - تسع عشرة امرأة کہا جائے گا، ان میں پہلا جزء مذکر اور دوسرا جزء مؤنث ہے۔

بیس کا عدد مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے یکساں ہے، چنانچہ عشرون رجلاً اور عشرون امرأة کہا جائے گا۔ مذکر اور مؤنث میں کوئی فرق نہ ہوگا، یہی حال نوے تک تمام دہائیوں کا ہے، یعنی ثلثون، اربعون، خمسون، ستون، سبعون، ثمانون، تسعون کا استعمال مذکر اور مؤنث کے لیے یکساں ہے۔

بیس کے بعد عدد مرکب ہوگا اور یہاں اکائیوں اور دہائیوں کے درمیان حرف عطف لایا جائے گا اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ بیس سے لے کر نوے تک کی تمام دہائیوں کے بعد والے دو عدد یعنی اکیس، بائیس، اکتیس، بتیس، اکتالیس، بیالیس، اکیاون، باون، اکٹھ، باسٹھ، اکہتر، بہتر، اکیاسی، بیاسی، اکیانوے، بانوے، ان سب کا استعمال قیاس کے مطابق ہوگا۔

یعنی مذکر کے لیے پہلا جزء مذکر لائیں گے، اور مؤنث کے لیے پہلا جزء مؤنث لائیں گے، جیسے احد وعشرون رجلاً، اور احدى وعشرون امرأة، اثنان وعشرون رجلاً، اثنتان وعشرون امرأة کہیں گے، ان مثالوں میں مذکر کے اندر پہلا جزء مذکر ہے، اور مؤنث میں پہلا جزء مؤنث ہے، دوسرا جزء دہائی ہے اس لیے مذکر اور مؤنث دونوں میں ایک ہی طرح رہے گا۔

تیس سے لے کر انیس تک کا استعمال خلاف قیاس ہوگا، یعنی مذکر کے لیے پہلا جزء مؤنث اور مؤنث کے لیے پہلا جزء مذکر لایا جائے گا، دوسرا جزء دہائی ہونے کی وجہ سے مذکر و مؤنث دونوں میں یکساں رہے گا، اکیس سے لے کر انیس استعمال کا جو طریقہ ہے وہی طریقہ ہر دہائی کے بعد آنے والے اعداد کے استعمال میں جاری کیجیے، ننانوے تک یہی صورت رہے گی، اس کے بعد سو کے عدد میں مذکر اور

مؤنث دونوں کے لیے لفظ مائة لایا جائے گا، تذکیر و تانیث میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔
 مائة کی طرح اس کے تشنیہ اور الف اس کے تشنیہ کا حال ہے، ان میں مذکر اور مؤنث میں کوئی
 فرق نہ کیا جائے گا، جس طرح مائة رجل اور مائة امرأة کہا جاتا ہے، اسی طرح مائة رجل، مائة
 امرأة، الف رجل، الف امرأة، الف رجل، الف امرأة کہا جائے گا۔
 اعداد کی تمیز کی شکلیں:

(۱) ایک اور دو کی تمیز میں جو لفظ ان کی تمیز بن سکتا ہے اسی کو ذکر کرتے ہیں، عدد کو ذکر کرنے کی
 ضرورت نہیں خواہ مذکر ہو یا مؤنث، مثلاً ایک مرد کے لیے صرف رجل کہیں گے واحد رجل نہ
 کہیں گے، اور دو کے لیے رجلان کہیں گے، اس کے ساتھ اثنان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی
 طرح مؤنث میں امرأة، امرأتان کہہ دینا کافی ہے، ان کے ساتھ واحدة اور اثنتان ذکر کرنے کی
 حاجت نہیں۔

(۲) البتہ ایک اور دو کے بعد جتنے اعداد ہیں وہ سب اپنی تمیز کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں ان کی
 تمیز کا طریقہ یہ ہے کہ تین سے لے کر دس تک کی تمیز جمع مجرور لائی جائے گی، خواہ لفظاً جمع ہو جیسے ثلثة
 رجال، یا معنی کے اعتبار سے جمع ہو جیسے ثلثة رهط، لیکن اگر تین سے لے کر نو تک کی تمیز ملے کا لفظ
 واقع ہو تو پھر جمع نہ لائی جائے گی جیسے ثلث مائة، تسع مائة، حالاں کہ قیاس کا تقاضہ تھا کہ ثلث
 مائت، ثلث مئین کہا جاتا۔

(۳) اور گیارہ سے لے کر نواوے تک کی تمیز مفرد منصوب ہوگی۔

(۴) مائة اور الف اور اس کے تشنیہ کی تمیز مفرد مجرور ہوگی، جیسے مائة رجل، مائة رجل،
 الف رجل، الف رجل، الف رجل کہیں گے۔

باب موانع الصرف — اسباب منع صرف کا بیان

باب: مَوَانِعُ صَرْفِ الْأِسْمِ تِسْعَةٌ، يَجْمَعُهَا: —

وَزْنُ الْمُرَكَّبِ عُجْمَةٌ تَعْرِيفُهَا عَدْلٌ وَوَصْفُ الْجَمْعِ زِدْ تَأْنِيًا
 كَأَحْمَدَ، وَأَحْمَرَ، وَبَعْلَبَكَ، وَابْرَاهِيمَ، وَعُمَرَ، وَآخَرَ، وَآحَادَ،
 وَمَوْحَدَ، إِلَى الْأَرْبَعَةِ، وَمَسَاجِدَ، وَدَنَانِيرَ، وَسَلْمَانَ، سَكَرَانَ،
 وَفَاطِمَةَ، وَطَلْحَةَ، وَزَيْنَبَ، وَسَلْمَى، وَصَحْرَاءَ.

ترجمہ: — یہ باب ہے، اسم کے منصرف ہونے کے موانع (یعنی اسم کے غیر منصرف ہونے

کے اسباب) نو ہیں جس کو شعر نے جمع کیا ہے، وَزْنُ المَرْكَبِ عَجْمَةُ الخ (وزن فعل، ترکیب، عجمہ، معرفہ، عدل، وصف، جمع، تانیث، الف و نون زائدتان) جیسے أَحْمَدُ، أَحْمَرُ، بَعْلَبُكُ، اِبْرَاهِيمُ، عَمْرُ، أُخْرُ، أَحَادُ، مَوْحَدُ، اَرْبَعَةُ تِک، اور مساجد، دنانیر، سلمان، سکران، فاطمہ، طلحہ، زینب، سلمیٰ، صحراء۔

تشریح:- حرکات کے اعتبار سے اسم معرب میں اصل منصرف ہے اگر اسم میں نو اسباب منع صرف میں سے دو اسباب پائے جاویں یا ایک سبب قائم مقام دو سبب قائم مقام دو سبب کے پایا جاوے تو وہ اسم اصل سے خارج ہو جائے گا، ایک شاعر نے اسباب منع صرف کو ایک شعر میں جمع فرمایا ہے ۔ اجمع، وَزْنُ، عَادِلًا، أَنْتَ، بِمَعْرِفَةٍ، رَكْبُ، وَزْنُ عَجْمَةٍ، فالوصف، قد کملا بقول صاحب کتاب یہ شعر متن میں ذکر کردہ شعر جو ابن نحاس کا ہے اس سے بہتر ہے۔

متن میں جس ترتیب سے میں نے مثالیں تحریر فرمائی ہیں اسی ترتیب سے اسباب منع صرف کو بیان کر رہا ہوں، لیکن اسباب منع صرف کی وضاحت سے قبل بطور تمہید کے چند مفید باتیں اور نفع بخش اصطلاحات ذہن نشیں فرمائیں جو اسباب تسعہ کے سمجھنے میں خوش آئند ثابت ہو۔

غیر منصرف کی تعریف اور حکم:

غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس کے اندر نو علتوں میں سے بیک وقت دو علت یا ایک ایسی علت موجود ہو جو دو علت کے قائم مقام ہو۔ غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین داخل نہیں ہوتی، البتہ ضرورت شعری، قافیہ بندی اور تناسب کی وجہ سے نیز زحاف (یعنی فن عروض کی بحر وں کے ارکان کے تغیر) سے بچنے کے لیے غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین داخل ہو جاتی ہے، نیز غیر منصرف مضاف نہیں بنتا، نہ ہی اس پر الف لام داخل ہوتا ہے، لیکن اگر اس کو مضاف بنا دیا جائے یا اس پر الف لام داخل کر دیا جائے تو اب وہ منصرف کے حکم میں ہو جائے گا، اور اس پر کسرہ داخل کرنا جائز ہوگا (جب کہ عامل کسرہ کا مقتضی ہو جیسے مَرَرْتُ بِأَحْمَدِکُمْ، اور مَرَرْتُ بِأَلْحَمْدِ۔ (مبادی العربیہ: ص ۷۷)۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین داخل نہ ہونے کی وجہ کیا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر منصرف کو فعل کے ساتھ فرع ہونے میں مشابہت ہے یعنی جس طرح غیر منصرف میں دو علتیں ہیں اسی طرح فعل کے اندر بھی دو فرع ہیں (۱) فاعل کا محتاج ہونا (۲) مصدر سے مشتق ہونا، لہذا جب فعل سے مشابہت ہوگئی تو چوں کہ فعل پر کسرہ اور تنوین داخل نہیں ہوتی تو غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین

داخل نہیں ہوگی۔

علت کی تعریف اور اسباب منع صرف:

موانع صرف الاسم تسعة علت وہ چیز ہے کہ جب وہ کلام میں پائی جائے تو مخاطب پر ضروری ہے کہ اس کے مناسب معاملہ کرے۔ (حاشیہ شرح جامی)

فاضل مصنف نے فرمایا کہ اسباب منع صرف نو ہیں، جن کو ابن نحاس نامی شاعر نے اس شعر میں جمع فرمایا ہے۔ وَرَنُ الْمُرْكَبِ عَجْمَةٌ تَعْرِيفُهَا عَدْلٌ وَوَصْفُ الْجَمْعِ زِدْ تَأْنِيًا شاعر نے جس طرح سے اسباب منع صرف کو اپنے اس شعر میں ترتیب دیا ہے، صاحب کتاب نے اسی ترتیب سے ہر ایک سبب کی علاحدہ علاحدہ تشریح فرمائی ہے۔

پہلا سبب۔ وزن فعل:

كَأَحْمَدَ اسم کا ایسے وزن پر ہونا جو اوزان فعل میں شمار کیا جاتا ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل ہی کے ساتھ خاص ہو، اسم کے اندر اگر پایا جائے تو منقول ہو کر جیسے قَتَلَ اور ضَرَبَ، اور اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو پھر اس کے شروع میں حروف آتین میں سے کوئی ایک حرف ہونا چاہیے فعل میں اضافہ کیے جانے کی طرح، اور وہ آخر میں تاء کو بھی قبول نہ کرتا ہو جیسے أَحْمَدُ، يَزِيدُ، يَشْكُرُ، تَغْلِبُ اور نرجس (یہ سب علم ہیں) اور يَعْمَلُ منصرف ہے کیوں کہ اس کا مؤنث يَعْمَلَةٌ ہے۔

فائدہ اوزان فعل آٹھ ہیں دو مشترک ہیں اسم اور فعل کے درمیان (۱) ثلاثی مجرد معروف، جیسے فرس، رجب (۲) رباعی مجرد معروف جیسے جعفر۔ اور چھ فعل کے ساتھ خاص ہیں جو فعل سے منقول ہو کر اسم میں پائے جائیں گے (۱) ثلاثی مجرد مجہول جیسے ضَرِبَ بروزن فَعِلَ (۲) رباعی مجرد مجہول جیسے يُبْعَثُ (۳) ثلاثی مزید معروف جیسے تَقْبَلُ (۴) ثلاثی مزید مجہول جیسے قُوْتِلَ (۵) رباعی مزید معروف جیسے تَسْرُبَلُ (۶) رباعی مزید مجہول۔

دوسرا سبب۔ ترکیب:

بَعْلَبَكَ غیر منصرف کے اسباب میں سے دوسرا سبب ترکیب ہے اصطلاح نحو میں ترکیب اس کو کہتے ہیں کہ دو یا دو سے زائد کلموں کو بغیر کسی حرف کے جزء ہوئے ایک کر دیا جائے، ترکیب کی چھ قسمیں ہیں (۱) مرکب اسنادی جیسے زید قائم، صرف زید (۲) مرکب اضافی جیسے غلام زید (۳) مرکب توصیفی جیسے رَجُلٌ فَاضِلٌ (۴) مرکب صوتی جیسے سینویہ، ونفطویہ (۵) مرکب تعدادی جیسے خمسة عشر (۶) مرکب امتزاجی جسے مرکب بنائی کہتے ہیں جیسے بعْلَبَكَ۔

غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے شرطیں:

اس کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے چند شرطیں ہیں (۱) اس کے لیے پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ علم ہو، کیوں کہ ترکیب میں اجزاء کا باہمی ربط ہوتا ہے، اور اصل حکم یہ ہے کہ ہر جزء مستقل بغیر ارتباط اور احتیاج کے پایا جائے، کیوں کہ ہر لفظ کی وضع علی الانفراد ہوئی ہے، معلوم ہوا کہ ترکیب ایک عارضی شئی ہے، جب تک عارض پایا جائے گا اس وقت تک اس کا وجود ہے عارض زائل ہوگا تو ترکیب بھی زائل ہو جائے گا، اس لیے علمیت کی شرط لگائی گئی، تاکہ ترکیب کے اندر استحکام پیدا ہو جائے اور زوال سے محفوظ ہو جائے۔ (۲) ترکیب کی دوسری شرط یہ ہے کہ ترکیب اضافی نہ ہو (جیسے امری القیس) اس لیے کہ ترکیب اضافی حالت جر میں کسرہ کا تقاضہ کرتی ہے، حالت جر میں فتح کا تقاضہ نہیں کرتی، حالانکہ غیر منصرف کا اعراب حالت جر میں بھی فتح کی شکل میں آتا ہے، نیز ترکیب اضافی میں اضافت مضاف کو منصرف یا حکم میں منصرف کے کر دیتی ہے، تو جب بنا بنایا غیر منصرف اضافت کی وجہ سے منصرف ہو جاتا ہے، تو یہ ابتداء غیر منصرف کا سبب کیسے ہو سکتی ہے، اسی وجہ سے امری القیس غیر منصرف نہیں۔

(۳) ترکیب کی تیسری شرط یہ ہے کہ ترکیب اسنادی نہ ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ مرکب اسنادی جب کسی کا علم ہوگا تو وہ بنی ہوگا اور اس سے مقصود قصہ غریبہ ہوگا، اور جب بنی ہو تو غیر منصرف کیوں کر ہو سکتا ہے، کیوں کہ غیر منصرف احکام معرب سے ہے جیسے "شَابَ قَرْنَاهَا" یہ ایک عورت کا نام ہے جس کے دونوں گیسو سفید ہو گئے تھے، شَابَ بمعنی سفید ہونا اور قَرْنَاهَا ثنئیہ قرن بمعنی گیسو، شَابَ قَرْنَاهَا بنی ہے، کیوں کہ یہ مرکب اسنادی ہے، اسی طرح "تَابَطَ شَرًّا" ہے۔ (اس کے معنی ہیں اس نے بغل میں شری لیا) اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص جنگل سے لکڑیاں چن کر ایک گٹھر باندھ کر لایا، گھر میں جب وہ لکڑی کا گٹھر ڈالا گیا تو اس کے اندر سانپ نکلا اس وقت کسی نے یہ جملہ کہا تھا، اس کے بعد اس کا یہی نام مشہور ہو گیا، اب اگر اس کے اندر کسی قسم کا تغیر کیا جائے تو اس قصہ غریبہ پر دلالت فوت ہو جائے گی، کیوں کہ اس میں ترکیب اسنادی پائی جاتی ہے، اس لیے وہ بنی ہے اور غیر منصرف نہیں ہے۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب مزجی نہ ہو جس کا اختتام "وَيْهِ" کے ساتھ ہو جیسے "سَيَبَوِيهِ" اور "عَمَرَوِيهِ" کیوں کہ یہ مبیات میں سے ہیں، اور ترکیب مزجی سے مراد وہ مرکب ہے جس کا اختتام لفظ "وَيْهِ" کے ساتھ نہ ہو جیسے "بَعْلَبِكَ" "حَضَرَمَوْتَ" "مَعْرِ يَكْرَبَ"

بَعْلَبِكَ کی تحقیق: یہ ترکیب کی مثال ہے اس میں دو اسم ملا کر ایک بنائے گئے ہیں، نہ اس میں حرف جزء ہے اور یہ اضافت اور اسناد کے ساتھ بھی نہیں، یہ شام کے ایک شہر کا نام ہے اس میں بَعْلَبَ ایک بت کا نام ہے جس کو حضرت الیاس کی قوم پوجتی تھی، اور بَكَ اس شہر کے بانی کا نام ہے پس ان

دونوں کلموں کو ایک کیا، اور ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا، لہذا یہ ترکیب اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔
 حَضَرَمَوْتَ کی تحقیق: جب حضرت صالح کی قوم (ثمود) پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح پر ایمان لائے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے، یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حَضَرَمَوْتَ میں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالح بھی ان کے ساتھ تھے، ایک کنویں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے اور حضرت صالح کی وفات ہو گئی، اسی لیے اس جگہ کا نام حَضَرَمَوْتَ (یعنی موت حاضر ہو گئی) ہے، حَضَرَمَوْتَ ایک الگ کلمہ ہے اور موت دوسرا کلمہ ہے، لیکن ان دونوں کلموں کو ایک کیا اور ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا، لہذا یہ ترکیب اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

مَعْدِیْكَرَبَ کی تحقیق: یہ ایک مرد کا نام ہے، غیر منصرف ہے چوں کہ اس میں ترکیب بلا اضافت و اسناد مع العلمیۃ ہے، معدی اور کرب دو اسموں کو ایک کیا ہے اس میں تین لغت ہیں، فتح باء غیر منصرف رفع با غیر منون، کسرہ باء منصرف منون۔
 تیسرا سبب: عجمہ

اِبْنُ اِهِيْمَ غیر منصرف کے اسباب میں سے تیسرا سبب عجمہ ہے، عجمہ کے معنی لغت میں گونگا ہونا ہے، اور اصطلاح میں ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جس کو عرب کے علاوہ دوسری جگہ کے لوگوں نے وضع کیا ہو، جیسے ”ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب“ صاحب قطر الندی ونبل الصدی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف چار پیغمبروں ہی کے نام منصرف اور باقی تمام غیر منصرف ہیں، جیسا کہ فارسی زبان میں ایک شاعر نے ان کو نظم کیا ہے وہ شعر یہ ہے۔

گر ہی خواہی کہ دانی اسم ہر پیغمبرے
 تا کد ام است اے برادر ز دخوی منصرف
 صالح و ہود و محمد با شعیب و نوح و لوط
 منصرف داں و دیگر باقی ہمہ لای منصرف
 محمد، صالح، شعیب، ہود یہ چاروں اسماء تو اس وجہ سے منصرف ہیں کہ ان میں صرف ایک سبب علم ہے، دوسرا کوئی سبب موجود نہیں، اسباب تعد میں سے صرف عجمہ کا احتمال تھا، لیکن چوں کہ یہ عربی ہیں، اس لیے یہ بھی احتمال ختم ہو گیا، اور تنہا علم سے کوئی کلمہ غیر منصرف نہیں ہوتا، اور نوح اور لوط اگرچہ عجمہ ہیں، لیکن عجمہ کے لیے علم ہونے کے ساتھ یہ شرط ہے کہ تحرک الاوسط ہو یا زیادہ علی المثلث ہو اور ان دونوں میں دو باتوں میں کوئی بات نہیں ہے، اس لیے یہ منصرف ہیں۔

عجمہ کے غیر منصرف ہونے کا سبب:

عجمہ کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔

(۱) وہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو، کیوں کہ عجم وہ ہے جس کو غیر عرب نے وضع کیا ہو، چنانچہ اگر کوئی کلمہ اہل عجم کے نزدیک اسم جنس ہو پھر اہل عرب نے اسے علم بنالیا تو اس کلمہ کو منصرف ہی پڑھنا واجب ہوگا، مثلاً کسی آدمی کا نام لجام یا دیباچہ رکھ دیا جائے تو اسے منصرف ہی پڑھا جائے گا، کیوں کہ اہل عجم کے نزدیک یہ اسم جنس ہے علم نہیں، جب کہ غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو۔

(۲) ذیل کی دو چیزوں میں سے کوئی ایک ہو۔

۱۔ کلمہ میں تین سے زائد حرف ہوں جیسے ابراہیم۔

۲۔ یا پھر درمیانی حرف متحرک ہو جیسے شَتَر (دیار بکر کے قلعہ کا نام) لہذا نوح اور لوط منصرف ہیں، کیوں کہ تین حرفی ہیں اور ساکن الاوسط ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُمْ" (سوائے لوط کے گھر کے، ان کو ہم نے بچا دیا۔ پ ۲۷، قرآنیت ۳۲) اور دوسری جگہ ارشاد ہے "إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ" (ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف۔ پ ۲۹، نوح آیت ۱) ان دونوں آیتوں میں لفظ لوط اور نوح منصرف ہیں، چوں کہ ثلاثی ساکن الاوسط ہیں اور بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ جس طرح ہنڈ میں تانیث متحرک الاوسط کے ساتھ مشروط تھی اور در صورت عدم متحرک الاوسط کے علیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز تھا، اسی طرح نوح میں باوجودیکہ شرط متحرک الاوسط نہ ہونے کے علیت اور عجم کی وجہ سے اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز ہونا چاہیے، لیکن صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس کا منصرف پڑھنا جائز ہے، لیکن غیر منصرف پڑھنا سراسر غلط ہے، کیوں کہ بہ نسبت عجم کے تانیث قوی ہے، اس لیے کہ تانیث کا اثر کبھی لفظوں میں ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ ہنڈ کی تصغیر ہنیدہ آتی ہے، بخلاف عجم کے لفظوں میں اس کا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا، لہذا ہنڈ پر نوح کا قیاس کرنا قیاس سے مع الفارق ہے۔

چوتھا سبب: تعریف:

تعریفہا غیر منصرف کے اسباب میں سے ایک سبب معرفہ ہے، معرفہ سے مراد تعریف ہے، مقابل نکرہ مراد نہیں، چوں کہ معرفہ ذات ہے، یعنی وہ اسم ہے جو ذات معین کے واسطے موضوع ہو اور یہ ذات معرفہ غیر منصرف کا سبب نہیں، بلکہ غیر منصرف کا سبب کسی اسم کا ذات معینہ پر دلالت کرنے والا ہوتا ہے، اگر معرفہ سے مراد تعریف لیں گے تو لازم آئے گا کہ خود وہ اسم جو ذات معینہ پر دلالت کرے غیر منصرف کا سبب ہو۔

تعریف کا غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے شرط:

معرفہ غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوگا جب علم ہو، جیسے الحمد یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ معرفہ کے لیے علمیت کو کیوں شرط قرار دیا ہے معرفہ کی باقی قسموں کا غیر منصرف کے سبب بننے میں کیوں اعتبار نہیں۔

در اصل معرفہ کے جو باقی پانچ اقسام ہیں ان میں تین قسمیں یعنی مضمرات، اسماء اشارہ، اسماء موصولہ، تو مبنی ہیں، اس لیے وہ غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتے، کیوں کہ غیر منصرف معرب ہے اور معرب اور مبنی میں تضاد ہے، ایک شئی اپنی ضد کا سبب کیسے بن سکتی ہے۔ اور معرفہ کی بعض قسمیں مثلاً ذوالاداء (معرف باللام) اور معرف بالاضافت غیر منصرف کو منصرف یا حکم میں منصرف کے کر دیتی ہیں، لہذا وہ بھی غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتی ہیں، کیوں کہ ایک شئی اپنے موافق کا تو سبب ہو سکتی ہے، مگر ضد کا سبب نہیں ہو سکتی، نیز آپ نے جب غیر منصرف پر الف لام داخل کر دیا یا اس کی اضافت کر دی گئی تو اب حالت جر میں کسرہ کی شکل میں دیا جائے گا، ان دونوں کا حالت جر میں فتح کی شکل میں اعراب دیا جانا محال ہے، تو اس وقت صرف علمیت باقی رہے گی، اور کچھ بھی نہیں، لہذا یہ غیر منصرف نہیں ہوگا۔

پانچواں سبب: عدل

عَمَر، اَخْر، اَحَاد، وَمَوْحَد الی الاربعة الخ غیر منصرف کے اسباب میں سے ایک سبب عدل بھی ہے، فاضل مصنف نے اسی کی طرف عبارت مخططہ سے اشارہ فرمایا ہے۔

عدل کی تعریف اور قسمیں:

اس کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف معنی اصلی کی بقاء کے ساتھ منتقل ہونا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ واقع فی المعارف (۲) واقع فی الصفات۔

واقع فی المعارف کی تعریف اور اس کے اوزان:

واقع فی المعارف سے مراد عدل تقدیری ہے، یہ ایسا اسم ہے جس کی واقع میں کوئی اصل نہ ہو، غیر منصرف پڑھنے کی وجہ سے اس کی اصل نکالی گئی ہو، کیوں کہ غیر منصرف کے لیے دو سبب کی ضرورت ہے جیسے عَمَر، اہل عرب اسے غیر منصرف پڑھتے ہیں اور اس میں علمیت (معرفہ) کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا، تو دوسرا سبب عدل فرض کر لیا کہ یہ عناصر سے نکل کر آیا ہے، چوں کہ عدل کے معنی ہیں اپنی اصلی صورت سے نکلنا اور یہ عدل معرفہ میں ہوتا ہے، اسی بناء پر اسے واقع فی المعارف کہا جاتا ہے، اور یہ

عدل بالکل فرضی ہے اور محض عمر کو غیر منصرف پڑھنے کی وجہ سے مانی گئی ہے۔

معرفہ میں واقع ہونے والا عدل دو وزن پر آتا ہے (۱) فَعَلَ اس سے مراد ہر وہ کلمہ ہیں جو فَعَلَ کے وزن پر ہو اور اعیان مذکر کا علم ہو اور فاعِل سے معدول ہو، جیسے عَمَرَ، زَفَرَ، رَحَلَ، جُمِعَ کو عَامِرٌ، زَافِرٌ، رَاحِلٌ، جَامِعٌ سے معدول فرض کیا گیا ہے، کیوں کہ غیر منصرف کے لیے دو سبب کی ضرورت ہے، اور ان امثلہ اربعہ میں سے ہر ایک میں صرف علمیت ہے، اور غیر منصرف کے اسباب میں سے کوئی اور سبب اس میں نہیں ہے، اس لیے مجبوراً دوسرا سبب عدل مانا گیا۔

(۲) فَعَالٍ۔ اس سے مراد ہر وہ کلمہ ہے جو فَعَالٍ کے وزن پر ہو اور اعیان مؤنث کا علم ہو اور اس کے آخر میں راء نہ ہو اور فاعِلۃ سے معدول ہو۔ جیسے حَذَامٌ، قَطَامٌ، رَقَاشٌ، پس ایسے اسماء بنو تمیم کی لغت میں تانیث اور علمیت کے پائے جانے کی وجہ سے معرب غیر منصرف ہے، بنو تمیم اس میں تانیث اور علمیت کے علاوہ عدل کا بھی اعتبار کرتے ہیں اور اس کو حَاذِمَةٌ قَاطِمَةٌ، رَاقِشَةٌ سے معدول مانتے ہیں، نہ قَاطِمٌ، حَاذِمٌ، رَاقِشٌ، بغیر تاء کے اس لیے کہ قَطَامٌ اور اس کے اخوات مؤنث ہیں، کیوں کہ وہ عورت کا نام ہے، لہذا معدول عنہ کو بھی مؤنث ہونا چاہیے۔

لیکن لغت بنی تمیم کے کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب بنی تمیم کے سواء اس میں کوئی دوسرا مذہب بھی ہے، چنانچہ وہ دوسرا مذہب اہل حجاز کا ہے، اہل حجاز اسے بنی علی الکسر پڑھتے ہیں اور انہوں نے شاعر کے قول سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ شاعر نے اسے فاعل مرفوع ہونے کے باوجود حالت جری میں استعمال فرمایا ہے۔ شاعر کا قول۔

أَتَارِكَةٌ تَذَلُّهَا قَطَامٌ رَضِينَا بِالتَّحِيَّةِ وَالسَّلَامِ

(کیا قِطَامِ اپنی ناز و انداز اور اظہار لطف کو چھوڑ دے گی تو ہم اس وقت مبارکبادی اور سلامتی کی دعاء دے کر خوش ہوں گے۔) اس شعر میں محل استشہاد قَطَامٌ ہے جو فَعَالٍ کے وزن پر علم مؤنث ہے اور وہ قَاطِمۃ سے معدول ہے، باعتبار ترکیب کے قِطَامِ تَارِكۃ کا فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے، لیکن یہاں حالت رفع میں ہونے کے باوجود مکسور ہے، اور یہی اس کے بنی ہونے کی دلیل ہے، اس لیے کہ اگر یہ معرب ہوتا تو موضع فاعلیت میں ہونے کی وجہ سے ضرور مرفوع ہوتا، کیوں کہ فاعل قطعی طور پر مرفوع ہوتا ہے۔ اور جب یہ لفظ مرفوع نہ ہو تو پھر اسے حتمی طور پر بنی ہی کہا جائے گا (یہ تابعہ دیبائی کا شعر ہے جس کو اس نے اس عمرو بن ہند کی مدح میں پیش کیا ہے جس نے اپنے والد کے قتل کیے جانے کے بعد ملک شام میں زبردست معرکہ آرائی سے کام لے کر ملک کو فتح کیا تھا۔)

دوسرا شعر إِذَا قَالَتْ حَذَامٌ فَصِّدْ قُوَهَا فَإِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَتْ حَذَامٌ

(جب حذام کوئی بات کہے تو اس کی تصدیق کرو، کیوں کہ اصل بات وہی ہے جو حذام نے کہی)
اس شعر میں محل استشہاد حذام ہے جو حالت رفیعی میں ہے، شاعر نے مرفوع ہونے کے باوجود اسے بنی علی الکسر تسلیم کیا ہے، (اس کی پوری تفصیل جزء اول میں آچکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔)
قبیلہ حجاز اور بنو تمیم کے مابین مسئلہ حضار میں اختلاف:

وہ فَعَال (یعنی ہر وہ کلمہ جو فَعَال کے وزن پر ہو) جو اعیان مؤنث کا علم ہوا اگر اس کے آخر میں راء مہملہ ہو۔ جیسے سَفَار (ایک چشمہ کا نام ہے) حَضَار (ایک ستارہ کا نام ہے) اور وَبَار (ایک قبیلہ کا نام ہے) جو عرب عاربہ کی ایک قوم ہے جو عاد و ثمود کی ایک قوم ہے مانند نیست و نابود ہوگئی) تو اس سلسلے میں قبیلہ حجاز اور بنو تمیم کے درمیان معرکہ الآراء اختلاف ہے۔

اہل حجاز اور اکثر بنو تمیم کے نزدیک بنی علی الکسر ہے اور بعض بنو تمیم اسے غیر منصرف پڑھتے ہیں، اور اس کی علت یہ ہے کہ جب اس کو نحو یوں نے بنی پایا اور اس میں سبب بناء صرف فَعَال امر کے معنی میں اس کو ایک امر میں مشابہت تھی اور وہ وزن ہے اور یہ ایک سبب اس کی بناء کے لیے مؤثر نہ تھا، لہذا بنی کا سبب پیدا کرنے کے لیے اس میں عدل کا اعتبار کیا، تاکہ اس کی فَعَال بمعنی امر اس کے ساتھ وزن اور عدل میں پوری مشابہت ہو جائے۔

لفظ اَمْسُ میں اختلاف:

لفظ "اَمْسُ" (جب کہ آپ اس سے معین دن مراد لیں) یعنی وہ دن جو تمہارے آج کے دن سے پہلے ہے، بنی ہے یا معرب غیر منصرف، تو اس سلسلے میں قبیلہ بنو تمیم کے اکثر نحوی حضرات اسے ہر حال میں غیر منصرف پڑھتے ہیں، اور موضع رفع میں لفظ "اَمْسُ" کو "اَلَاَمْسُ" سے معدول فرض کرتے ہوئے "مَضَى اَمْسُ بِمَافِيهِ" کہتے ہیں، اور حالت نصی و جری میں بنی علی الکسر مانتے ہیں، جیسے "اَعْتَكَفْتُ اَمْسُ" یہ حالت نصی کی مثال ہے، اور "وَمَا رَأَيْتُهُ مُنْذُ اَمْسٍ" یہ جری کی مثال ہے، اور بعض افراد بنی تمیم نے ہر حال میں بنی علی الکسر پڑھا ہے، چنانچہ کہتے ہیں "ذَهَبَ اَمْسٍ بِمَافِيهِ" کسرہ کے ساتھ۔ (اس کی پوری تفصیل جزء اول بحث مبیات میں آچکی ہے، فلیراجع الیہا)

لفظ سَحَرُ میں اختلاف:

لفظ "سَحَرُ" تمام اہل عرب نے دو شرطوں کے ساتھ اسے غیر منصرف پڑھا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ظرف ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ معین دن کا معین وقت مراد ہو، جیسے "جِئْتُكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَحَرُ" (میں تیرے پاس جمعہ کے دن بوقت صبح آیا) اس مثال میں سحر ظرف ہے اور متعین دن کا

متعین وقت بھی، لہذا ان دونوں شرطوں کے موجود ہونے کی وجہ سے اہل عرب نے اسے "السَّحَرُ" سے معدول فرض کر کے غیر منصرف پڑھا ہے، جیسا کہ قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگوں نے لفظ اَمْس کو اَلْأَمْس سے معدول مان کر غیر منصرف پڑھا ہے۔ اور اگر لفظ "سَحَر" غیر معین دن کا وقت مراد ہو تو پھر منصرف پڑھا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے "نَجِّينَاهُمْ بِسَحَرٍ" (ان کو ہم نے نجات دی پچھلی رات سے۔ پ ۲۷، قرآنیت ۳۲) میں لفظ "سَحَر" منصرف ہے، اس لیے کہ اس پر تنوین آئی ہے۔

واقع فی الصفات کی تعریف اور قسمیں:

واقع فی الصفات سے مراد عدل تحقیقی ہے اور یہ وہ عدل ہے کہ جس میں اسم کا خروج ایسے اسم صفت معدول عنہ سے اعتبار کریں جو خارج میں موجود اور متحقق ہے، پھر خارج میں معدول عنہ موجود اور متحقق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے سواء کوئی اور دلیل معدول عنہ کے وجود پر دلالت کرے۔

واقع فی الصفات کی دو قسمیں ہیں، واقع فی العدد، واقع فی غیرہ۔

واقع فی العدد کا مطلب ہے کہ عدد میں عدل واقع ہو جیسے مَثْنٰی وَثَلَاث۔ واقع فی العدد دو وزن پر آتا ہے، فَعَال، مَفْعَل۔ اور یہ واحد سے لے کر اربعہ تک کی عدد میں ہوتا ہے، جیسے أَحَادَ وَمَوْحَدَ، ثَنَاءَ وَمَثْنٰی، ثَلَاثَ وَمَثَلَتَ، رُبَاعَ وَمَرْبِعَ، امام نحو نجاری فرماتے ہیں کہ اہل عرب سے اربعہ تک کی تعداد میں ہی عدل کرنا ثابت ہے، لہذا یہ آٹھ الفاظ ہوئے جو چار الفاظ عدد سے مکررہ معدول ہوا ہے، اہل عرب ان آٹھوں لفظوں کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور غیر منصرف کے لیے دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور یہاں ایک سبب یعنی وصف اصلی پایا جاتا ہے، لہذا دوسرا سبب اس میں عدل تحقیقی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان آٹھوں کے معنی میں تکرار ہے اور تکرار معنی تکرار لفظ پر دلالت کرتا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ "أَحَادَ وَمَوْحَدَ جن کے معنی ایک ایک کے ہیں یہ اصل میں واحد واحد تھے، اور اس سے معدول ہو کر أَحَادَ وَمَوْحَدَ بن گئے۔ اسی طرح "ثَنَاءَ وَمَثْنٰی جن کے معنی دو دو کے ہیں اور ثَلَاثَ وَمَثَلَتَ جن کے معنی تین تین کے ہیں۔ اور رُبَاعَ وَمَرْبِعَ جن کے معنی چار چار کے ہیں۔ یہ اصل میں اِثْنَانِ اِثْنَانِ، ثَلَاثَ ثَلَاثَ اور أَرْبَعَةَ أَرْبَعَةَ تھے، اور ان سے معدول ہو کر ثَنَاءَ وَمَثْنٰی، ثَلَاثَ وَمَثَلَتَ، اور رُبَاعَ وَمَرْبِعَ بن گئے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "أُولٰٓئِكَ أَجْنَحُ مَثْنٰی وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ" (جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین، اور چار چار۔ پ ۲۲، فاطر، آیت ۱) میں مَثْنٰی،

اِثْنَانِ اِثْنَانِ، اور ثَلَاثَ ثَلَاثَ ثَلَاثَ اور رُبَاعَ اَرْبَعَةَ اَرْبَعَةَ کے معنی میں ہیں۔ اور معنی میں تکرار ہے اور تکرار معنی تکرار لفظ پر دلالت کرتا ہے، اس آیت میں مَثْنِی، ثَلَاثَ اور رُبَاعَ باعتبار ترکیب کے اَجْنَحَہ کی صفت واقع ہے اور حقیقی معنی کیا ہے، اس کی صحیح تحقیق اللہ رب العزت کو معلوم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "صَلَوَةُ اللَّيْلِ مَثْنِی مَثْنِی" (رات کی نماز دو دو رکعت والی ہے) اس عبارت میں دوسرا مَثْنِی پہلے مَثْنِی کی تاکید لفظی ہے، افادۂ تکرار کے لیے نہیں، کیوں کہ تکرار معنی پہلے لفظ سے حاصل ہو چکا ہے۔

واقع فی غیر العدد کی تحقیق یہ ہے کہ عدل غیر عدد میں واقع ہو، جیسے اَخَرُ، مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ اَخَرٍ جیسی مثال میں عدل تحقیق واقع فی غیر العدد کی مثال ہے، اَخَرُ یہ اُخْرٰی کی جمع ہے اور اُخْرٰی اَخَرُ اسم تفصیل کی مؤنث، اس لیے کہ اَخَرُ کے معنی اَشَدُّ تَاخَرًا کے ہیں یعنی بہت پیچھے ہٹنے والا، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب "جاء نِی رَجُلٌ اَخَرٌ" کہا جائے، یا اِمْرَاةٌ اُخْرٰی کہا جائے تو اس وقت یہ مفہوم ہوگا میرے پاس بہت پیچھے ہٹنے والا آدمی آیا۔ یا میرے پاس بہت پیچھے ہٹنے والی عورت آئی، ان دونوں مثالوں میں اَخَرُ مذکر کے لیے اور اُخْرٰی مؤنث کے لیے اسم تفصیل کا صیغہ ہے، کیوں کہ ضابطہ ہے کہ اَفْعَلُ اسم تفصیل کی مؤنث فُعْلٰی اور اس کی جمع یا تواف لام کے ساتھ استعمال ہوگی یا اضافت کے ساتھ، جیسے اَلْكُبْرٰی، الصُّغْرٰی، یہ دونوں اسم تفصیل جمع مؤنث ہے اور الف لام کے ساتھ مذکور ہے، قرآن کریم میں بھی اسی طرح مستعمل ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّهَا لِاَحَدِی الْكُبَرِ" (وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی، یعنی جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہونے والی ہیں دوزخ اُن میں کی ایک چیز ہے۔ ۱۹، مدثر آیت ۳۶) میں اَلْكُبَرِ ضابطہ کے مطابق مستعمل ہے۔

اسی ضابطہ اور قاعدہ کلیہ کی وجہ سے صُغْرٰی، کُبْرٰی، کُبَرٌ، صُغَرٌ کو بغیر الف لام اور بغیر اضافت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور شعراء کرام نے جو بغیر الف لام اور اضافت کے صُغْرٰی و کُبْرٰی شعر میں پیش کیا تو اسے چند احتمالات پر محمول کیا جاتا ہے، جیسے ابونواس حسن بن ہانی الحکمی الدمشقی نے شراب کی تعریف اور اس کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے ایک طویل قصیدہ لکھا جس کا ایک مصرعہ یہ ہے: کَانَ صُغْرٰی وَكُبْرٰی مِنْ فُقَاقِعِہَا حَصْبَاءُ دُرٍّ عَلٰی اَرْضٍ مِنَ الذَّهَبِ

(ترجمہ سے قبل شعر کے کلمات کی توضیح ملاحظہ کیجیے۔ لفظ فُقَاقِعِہَا میں دو مختلف روایتیں ہیں،

پہلی روایت دراصل فَوَاقِعِہَا ہے جو فاقعۃ کی جمع ہے اس سے مراد گلاس کے اوپر کا وہ بلبہ جو شراب کے پانی سے آمیزش کے وقت پیدا ہوتا ہے، دوسری روایت میں فُقَاقِعِہَا ہے اس وقت یہ فُقَاقِعِہَا کی جمع ہوگی، اور مفہوم پانی کا بلبہ مراد ہے)

(ترجمہ:- اس کے بلبلوں میں سے چھوٹی اور بڑی ہر ایک ایسی معلوم ہوتی ہے گویا کہ سونے کی زمین پر موتی کی کنکریاں) اس شعر میں محل استشہاد صُغْرٰی وَکُبْرٰی ہے جو ترکیب کے اعتبار سے کَانَ حرف تشبیہ کا اسم منصوب ہے، فتح تقدیری کی وجہ سے الف لام کا ظہور متعذر ہو رہا ہے، اسی لیے بغیر الف لام کے استعمال فرمایا ہے۔

نحاة کی ایک بڑی جماعت نے ان دونوں کلموں کو مؤنث اسم تفضیل مانتے ہوئے ابونواس کے اس طرز کو خطا پر محمول کیا ہے، کیوں کہ فعل التفضیل کا واجبی حق ہے کہ جب وہ الف لام اور اضافت سے خالی ہو تو وہ مفرد مذکر ہی استعمال ہوگا، اور جب یہ قاعدہ ہے تو ابونواس کو چاہیے تھا کہ "كَانَ اصْغَرَ وَاکْبَرَ مِنْ فَقَاقِعَهَا" کہتے یا كَانِ الْكُبْرٰی وَالصُّغْرٰی کہتے؟

شارح موصوف کی رائے:

ابونواس کے مذکورہ شعر میں تھوڑی عیسیٰ نگاہوں سے غور کیا جائے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ انہوں نے ان کلمات سے اسم تفضیل مراد نہیں لیا، بلکہ حقیقتاً صفت مشبہ کا معنی و مفہوم مراد لیا ہے، اور عبارت اس طرح ہے "كَانَ الْفَقَاقَةُ الصَّغِيرَةُ وَالْفَقَاقَةُ الْكَبِيرَةُ۔ مِنْ فَقَاقِعِ هَذِهِ الْخَمْرِ" (کہ اس شراب کے بلبلوں میں سے چھوٹا بلبلہ اور بڑا بلبلہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ سونے کی زمین پر موتی کی کنکریاں ہوں) تو اس وقت صفت مشبہ اپنے قاعدہ کے مطابق جاری ہوگا اور شاعر کی مراد بھی یہی ہے۔ خلاصہ کلام: مذکورہ شعر میں دونوں کلمات کو مؤنث اسم تفضیل اور اُخْرَ کو صیغہ جمع اسم تفضیل پڑھنے کے لیے قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ "الْاُخْرَ" کہا جاتا، لیکن اس استعمال سے یہ معدول ہے اسی لیے اُخْرَ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ قبیلہ بنی تمیم والوں نے لفظ "اُمس" کو "الَامس" سے اور تمام اہل عرب نے لفظ "سَحَر" کو "السَحَر" سے عدل کیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان "فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخْرَ" (تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیے اور دنوں میں۔ پ ۲، بقرہ آیت ۱۸۵) میں لفظ "اُخْرَ" کو الْاُخْرَ سے عدل فرض کیا گیا ہے، پھر اس کو معنی غیر کی طرف نقل کیا گیا اور قاعدہ ہے کہ اسم تفضیل مؤنث کا استعمال الف و لام اور اضافت اور کلمہ مین سے ہوتا ہے اور چوں کہ یہاں ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ وہ مستعمل نہیں، لہذا معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے، لہذا مستعمل باللام یعنی الْاُخْرَ سے معدول ہے۔

اوزان عدل: عدل کے چھ وزن ہیں (۱) فُعَالُ، جیسے ثُلُثُ (۲) مَفْعَلُ جیسے مَثَلْتُ (۳) فَعْلُ جیسے عَمَرُ، (۴) فَعْلُ جیسے اُمس (۵) فَعْلُ جیسے سَحَرُ (۶) فَعَالِ جیسے قَطَام۔

چھٹا سبب - وصف:

وَوَصِفٌ غیر منصرف کے اسباب میں سے ایک سبب وصف بھی ہے، فاضل مصنف اسی کو یہاں سے بیان فرما رہے ہیں۔ اصطلاح نحو میں وصف سے مراد وہ اسم ہے جو ایسی ذات مبہمہ پر دلالت کرے کہ جس میں بعض صفات کا لحاظ ہو عام ازیں کہ یہ دلالت وضع کے اعتبار سے ہو یا استعمال کے اعتبار سے جیسے أَحْمَرُ، أَفْضَلُ، سَكْرَانُ، غَضَبَانُ۔

شرائط:- وصف کے سبب منع صرف بننے کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ کہ وہ وصف اصلی ہو، یعنی واضح نے اس کو وصفیت کے معنی کے لحاظ سے وضع کیا ہو، نہ کہ عارضی یعنی بوقت وضع ہی اس کلمہ میں وصفیت کا معنی موجود ہو جیسے أَسْوَدُ باعتبار وضع کے ہر سیاہ چیز کو کہتے ہیں، اگرچہ بعد میں اسمیت غالب آگئی کہ کالے سانپ کو کہنے لگے، اور اگر کلمہ اصل وضع میں اسم ہو اور اس میں وصفیت عارضی ہو یعنی بوقت وضع ہی اس کلمے میں وصفیت کا معنی موجود نہ ہو بعد میں کسی عارض کی وجہ سے وصف کا معنی پایا جائے، جیسے صَفْوَانٌ اور اَرْنَبٌ، یہ دونوں دراصل حجر املس (چکنا پتھر) اور حیوان معروف (خرگوش) کے لیے وضع کیے گئے ہیں، وصفیت کے معنی اس میں موجود نہیں۔ البتہ جب ان دونوں کا استعمال قاس (سخت) اور ذلیل (نرم و نازک) وصف کے لیے کر لیا گیا تو اب اس وقت اس میں وصفیت عارضی پیدا ہو گئی جس کا غیر منصرف ہونے میں کوئی اعتبار نہیں، اس لیے یہ دونوں منصرف رہیں گے، جیسے هَذَا قَلْبٌ صَفْوَانٌ، هَذَا رَجُلٌ اَرْنَبٌ۔ دوسری شرط یہ کہ وہ ایسا کلمہ ہو جو تاء تانیث کو قبول نہ کرتا ہو (یعنی اس کی مؤنث فعلائے کے وزن پر نہ آئے، جیسے أَحْمَرُ، أَفْضَلُ، سَكْرَانُ، غَضَبَانُ، کہ اس کی مؤنث حَمْرَاءُ، فَضْلَى، سَكْرَى، فَعْلَانَةٌ کے وزن پر ہے۔ فَعْلَانَةٌ کے وزن پر نہیں ہے اس لیے غیر منصرف ہے) اگر تائے تانیث کو قبول کرے تو پھر اس کا غیر منصرف کا سبب ہونے میں کوئی اعتبار نہیں۔ جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ عُرْيَانٍ، وَرَجُلٍ اَرْمَلٍ، یہ دونوں ایسے کلمے ہیں جو تاء تانیث کو قبول کرتے ہیں۔ جیسے عُرْيَانَةٌ، اَرْمَلَةٌ، اس لیے یہ دونوں منصرف ہوں گے۔

ساتواں سبب - جمع:

مَسَاجِدَ وَدَنَانِيرَ الخ یہ دونوں جمع منتہی الجموع کی مثالیں ہیں جمع کے معنی لغت میں اکٹھا کرنا ہے، اور اصطلاح میں وہ اسم ہے جو احاد پر دلالت کرے اور احاد پر دلالت اس کے مفرد کے حروف کے ساتھ کسی قسم کے تغیر کے ساتھ ہو، لیکن یہ معنی یہاں پر مراد نہیں بلکہ مراد اسم کا مذکورہ شان کے ساتھ ہونا ہے، کیوں کہ اسباب اوصاف سے ہے ذات سے نہیں ہے اور یہ جمع سبب بھی ان اسباب میں سے

ہے جو دو سبب کے قائم مقام ہوتا ہے۔

یہ تنہا ایک سبب دو سبب کے قائم مقام ہے البتہ اس کے لیے دو شرطیں ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے وزن پر ہو جس پر واحد کا وزن نہیں آیا یعنی وہ منتہی المجموع کا صیغہ ہو۔ منتہی المجموع کے دو وزن آتے ہیں (۱) مَفَاعِلُ، اس سے مراد وہ جمع ہے جس کا پہلا حرف مفتوح اور تیسرا حرف الف اور الف کے بعد دو حرف ہوں جیسے مَسَاجِدُ اور دَرَاهِمُ اول تو مسجد کی جمع ہے اور ثانی درہم کی جمع ہے (۲) مَفَاعِلُ۔ اس سے مراد وہ جمع ہے جس کا پہلا حرف مفتوح اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد تین حرف ہوں اور درمیان کا حرف ساکن ہو جیسے مَصَابِيحُ اور طَوَائِفُ۔ اول تو مصباح کی جمع ہے اور ثانی طاووس کی جمع ہے پس جمع میں صیغہ منتہی المجموع کو اس لیے شرط قرار دیا کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ دوبارہ اس کی جمع تکثیر نہیں آ سکتی، پس اس وجہ سے اس میں ایک قسم کی مضبوطی ہو کر دو سبب کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔

صاحب کتاب نے جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دوسری شرط ”کہ اس کے آخر میں ایسی تاء نہ ہو جو وقف کی حالت میں ہاء ہو جاتی ہو، ذکر نہیں فرمایا، صرف منتہی المجموع کے اوزان کو ذکر فرمایا، نا چیز اسے قلمبند کر رہا ہے۔

جمع دو سبب کے قائم مقام اس وقت ہوگی جب کہ صیغہ منتہی المجموع کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی پائی جاتی کہ اس کے آخر میں وہ تاء تانیث نہ ہو جو حالت وقفی میں ہاء ہو جاتی ہے، کیوں کہ اگر اس کے آخر میں اس قسم کی تاء ہوگی تو اس کا التباس مفرد کے ساتھ ہو جائے گا اور اس سے اس کی جمعیت میں فتور ہوگا، اور وہ منع صرف میں مؤثر نہ ہوگی۔

جمع دو سبب کے قائم مقام کیوں؟

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جمع دو سبب کے قائم مقام کیوں ہے؟

جواب: جمع بھی دو سبب کے قائم مقام ہے جس طرح تانیث بالالف الحمد ودہ والمقصودہ دو سبب کے قائم مقام ہے اور اس میں علمائے نحو کی مختلف رائے ہیں۔ بعض نحاة کا مذہب ہے کہ جمع میں ایک سبب جمعیت ہے، اور دوسرا لزوم جمعیت، لزوم جمع کا مطلب ہے کہ وہ اسم جمع ہے جو غیر منصرف جمعیت کی بناء پر ہے ایسا ہو کہ اس کی مرّة أُخْرٰی جمع تکسیر بنانا ممتنع ہو، اور جب جمع تکسیر بنانا ممتنع ہو جاوے گا تو اس میں موجودہ جمعیت لازم ہو جائے گی، اس طور پر کہ اب اس کو مفرد فرض کر کے دوبارہ جمع تکسیر نہ بناویں گے، البتہ جمع صحیح بنانا درست ہے، شیخ ابن حاجب نے اسی رائے کو مختار قرار دیتے

ہوئے فرمایا کہ جب اس کی دوبارہ جمع تکسیر ممتنع ہوگئی تو گویا، ایسا اسم ہو گیا کہ دوبارہ جمع بنایا گیا ہے۔
امام زنجیری کے نزدیک یہ جمع دو سبب کے قائم مقام اس وجہ سے ہے کہ جب اس کی نظیر مفردات میں نہ
رہی تو اس میں ایک ایسی قوت حاصل ہوگئی جس کی وجہ سے یہ جمع ثانی کے بمنزلہ بن گئی۔

آٹھواں سبب۔ الف ونون زائدتان:

سَلَمَانٌ وَسَكْرَانٌ۔ یہ دونوں اس الف ونون زائدتان کی مثالیں ہیں جو اسم اور صفت میں
پائے جاتے ہیں، ان کو الف ونون زائدتان اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حروف زائد میں سے ہیں اور ان کا یہ
نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ دونوں الف تانیث مقصورہ اور ممدودہ کے ساتھ تاء تانیث کے نہ داخل
ہونے میں مشابہت رکھتے ہیں جیسے کہ تاء تانیث متحرکہ اس اسم پر جس میں الف تانیث ہے داخل نہیں
ہوتی، اسی طرح تاء تانیث اس اسم پر جس میں الف ونون زائدتان میں داخل نہیں ہوتی، پس اگر تاء
تانیث داخل ہوگی تو زیادتین کا جمع ہونا لازم آئے گا، اور الف تانیث کے ساتھ مشابہت جاتی رہے گی،
اور کلمہ منصرف ہو جائے گا۔

الف ونون زائدتان کے استعمال کی صورتیں:

الف ونون زائدتان کے استعمال کی دو صورتیں ہیں، یا تو وہ دونوں اسم میں زائد ہوں گے، یا
صفت میں، اگر اسم میں ہوں تو الف ونون کے منع صرف میں تاثیر پیدا کرنے کی شرط یہ ہے کہ جس اسم
میں یہ پائے جائیں وہ علم ہو، جیسے عُمَانٌ، سَلَمَانٌ، عِمْرَانٌ، اور اگر صفت میں پائے جائیں تو پھر
غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے شرط ہے کہ اس صفت کی مؤنث میں تاء نہ آتی ہو، یعنی اس کی مؤنث
فَعْلَانَةٌ کے وزن پر نہ آئے، جیسے سَكْرَانٌ کہ اس کی مؤنث سکری فعلی کے وزن پر ہے۔
سَكْرَانَةٌ فَعْلَانَةٌ کے وزن پر نہیں ہے، اس لیے غیر منصرف ہے۔

نکتہ:- لفظ رَحْمَن کے منصرف اور غیر منصرف پڑھنے میں اختلاف کیا گیا ہے جو لوگ انتفاء
فَعْلَانَةٍ کو شرط کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے، اس لیے کہ رَحْمَن کا مؤنث ہی نہیں چہ جائیکہ
وہ فَعْلَانَةٌ کے وزن پر آئے، اور جو لوگ وجود فعلی کو شرط کہتے ہیں وہ رَحْمَن کو منصرف پڑھتے ہیں، اس
لیے کہ رَحْمَن باری تعالیٰ کی صفت ہے پس اس کا مؤنث نہیں آتا نہ فعلی کے وزن پر اور نہ فَعْلَانَةٍ کے
وزن پر۔ (ایضاح الطالب ص ۲۵)

نکتہ:- لفظ تَدْمَانٌ کبھی منصرف ہوتا ہے اور کبھی غیر منصرف، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر
ندمان بمعنی ندیم و ہم نشین ہو تو اس کا مؤنث تَدْمَانَةٌ ہے، لہذا بالاتفاق منصرف ہے، اور اگر ندمان سے

نادم کے معنی لیے جائیں۔ مشتق من الندم (بمعنی پشیمان) تو بالاتفاق غیر منصرف ہے، کیوں کہ اس کا مؤنث ندمنی آتا ہے۔ (شرح جامی ص ۵۲)

نواں سبب۔ تانیث:

وفاطمة، وطلحة، وزینب، وسلمی، وصحراء یہ تمام کلمات تانیث کی مثالیں ہیں۔ تانیث کی تین قسمیں ہیں (۱) تانیث بالالف جیسے حُبَلی، وصحراء، (۲) تانیث بالتاء جیسے طلحة، وحمزہ، (۳) تانیث بالمعنی جیسے زینب وسعاد۔

(۱) جو تانیث کہ مقصورہ اور مدودہ سے حاصل ہوتی ہے وہ یقین کے ساتھ غیر منصرف کا سبب ہے، اس کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے، بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دو سبب کے قائم مقام ہے جیسے حُبَلی سَلَمی، یہ دونوں الف مقصورہ کی مثال ہیں، اور حمراء وصحراء یہ دونوں الف مدودہ کی مثال ہیں۔

تانیث بالالف دو سبب کے قائم مقام کیوں؟

یہاں ایک ظالمعلمانہ اشکال ہوتا ہے کہ تانیث کے دو الف مدودہ اور مقصورہ دو سبب کے قائم مقام کیوں ہیں؟

جواب: تانیث بالالف دو سبب کے قائم مقام اس لیے ہیں کہ یہ دونوں از روئے وضع کلمہ کے لازم ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے مدخول سے کبھی جدا نہیں ہوتے ہیں۔ پس یہ دونوں اس اپنے لزوم کی وجہ سے بمنزلہ تانیث آخر کے ہیں۔ اور گویا کہ ان میں تانیث مکرر ہے، لہذا یہ اکیلا سبب قائم مقام دو سببوں کے ہو جائے گا، بخلاف تائے تانیث کے وہ من حیث الوضع کلمہ کو لازم نہیں، اور علیست کی وجہ سے اس کا لزوم ہو بھی جائے تو یہ لزوم عارضی ہوگا، جو لزوم وصفی کا مقابلہ نہیں کر سکتا، پس جو حکم لزوم وصفی کا ہوگا وہ اس کے لیے ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۲) تانیث بالتاء سے مراد تانیث لفظی ہے یعنی وہ تانیث جس میں علامت تانیث لفظوں میں موجود ہو جیسے طلحة تانیث بالتاء کے سبب منع صرف بننے میں یہ شرط ہے کہ وہ اسم مؤنث کسی کا علم ہو خواہ مذکر کا جیسے طلحة مرد کا نام ہے یا کسی مؤنث کا جیسے فاطمة عورت کا نام ہے، تانیث بالتاء میں علیست کو شرط اس لیے قرار دیا تا کہ کلمہ کے متغیر ہونے اور تائے تانیث کے زائل ہونے کا احتمال جاتا رہے۔

(۳) وہ تانیث ہے جس میں علامت تانیث پوشیدہ ہو، اس کے غیر منصرف پڑھنے کے لیے جس طرح تانیث لفظی بالتاء میں علیست شرط ہے، اسی طرح تانیث معنوی میں بھی شرط ہے، مگر فرق اس قدر

ہے کہ تانیث بالتاء میں تو علمیت کی شرط منع صرف میں از روئے وجوب کے مؤثر ہے اور معنوی میں از روئے جواز کے، کیوں کہ اس کے لیے وجوب تاثیر کی شرط اور ہے۔

تانیث بالمعنی کے غیر منصرف پڑھنے کی دو صورتیں ہیں، کبھی تو غیر منصرف پڑھنا واجب ہوتا ہے، اور کبھی منصرف منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے، پہلی صورت میں علی سبیل منع الخلو تین باتوں میں سے ایک پائی جاوے (۱) یا تو کلمہ تین حرفوں سے زائد ہو جیسے سَعَادٌ، زَيْنَبٌ، اس لیے کہ جب تین حرفوں سے زائد ہوگا تو چوتھا حرف قائم مقام تانیث لفظی کے ہوگا اور تاثیر وجوبی پائے جائے گی۔ (۲) یا وہ سہ حرفی ہو، اگر وہ سہ حرفی ہے تو درمیانی حرف متحرک ہو جیسے سَقَرٌ، (جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے) نطی (جہنم کے آگ کی ایک قسم ہے، اس لیے کہ جب اسم متحرک الاوسط ہوگا تو اس کی یہ حرکت اوسط چوتھے حرف کے قائم مقام ہوگا اور وہ قائم مقام تائے تانیث کے ہوگا۔ اور اس اعتبار سے تانیث معنوی میں ایک خاص قسم کی قوت پیدا ہو جائے گی، جس سے وہ از روئے وجوب کے منع صرف میں مؤثر ہوگی۔

(۳) یا وہ عجمہ ہر جیسے مَاهُ وَجُورٌ (دو شہر ہیں) حِمَصٌ، بَلْعٌ، اس لیے کہ جب اسم عجمہ ہوگا تو تانیث معنوی بطور وجوب کے مؤثر ہوگی، اس لیے کہ عموماً اہل لسان پر دوسری قوم کی زبان ثقیل ہوتی ہے، اور اس ثقل کی وجہ سے اس میں سبب منع صرف بننے کی قوت پیدا ہو جائے گی۔

دوسری صورت دو حال سے خالی نہیں یا تو ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کا منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے، مثلاً هِنْدٌ یہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے اور غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے، غیر منصرف اس وجہ سے کہ اس میں دو سبب پائے جاتے ہیں ایک تانیث معنوی، دوسرا سبب علمیت ہو کہ اس کے اثر کرنے کی شرط جوازی ہے، اسی وجہ سے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے، اور منصرف پڑھنا اس وجہ سے درست ہے کہ تانیث کے اثر کی وجوبی شرط نہیں پائی گئی ہے، چوں کہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے اور کلمہ جب کہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہو تو فی نفسہ خفیف ہوتا ہے، اور غیر منصرف پڑھنا بوجہ اس کے ثقل کے ہوتا ہے جو دو سبب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، شاعر نے جواز اور عدم جواز دونوں صورتوں کو اپنے شعر میں جمع فرمایا ہے۔

لَمْ تَتَلَفَّعْ بِفَضْلِ مِثْرٍهَا دَعْدٌ وَلَمْ تَسُقْ دَعْدٌ فِي الْعَلْبِ

(دعد نامی عورت نے اپنی ازار کے زائد حصے کو نہ تو بغل میں دبایا۔ اور نہ وہ چمڑے کے برتن میں پانی پیا) اس شعر میں محل استشہاد لفظ "دَعْدٌ" اور "دَعْدٌ" ہے، یہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے، اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے، اسی لیے تو شاعر نے پہلے دَعْدٌ کو منون ذکر کیا، اور دوسرے کو غیر منون۔

(شعر کا مطلب: - شاعر نے دراصل اس شعر میں دعد نامی عورت کی تعریف و توصیف اور مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک مہذب، تعلیم یافتہ، اور شہری دوشیزہ تھی جو عیش و تنعم، راحت و آرام، اور نفیس طبیعت والی تھی، وہ دیہاتی عورتوں جیسا لباس اور ان کا کھانا پینا قطعاً پسند نہیں کرتی تھی، بلکہ شہری ماحول کے مطابق زندگی گذارتی تھی۔)

موثر ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے اسباب منع صرف کی قسمیں:

فالف التانیث والجمع الذی لانظیر له الخ موثر ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے
نجمہ اسباب منع صرف کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: - وہ اسباب جو ثناء و سبب کے قائم مقام ہونے میں موثر ہیں، دوسری علت کے انضمام کے محتاج نہیں۔ وہ دو ہیں۔ (۱) جمع منتهی المجموع (۲) اور تانیث کے دونوں الف، یعنی الف مقصورہ، اور الف مدودہ۔ (یہ ایسے اسباب ہیں جن کے ساتھ علمیت بلا تاثر کے جمع ہوتی ہے عبارت مخططہ سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)

دوسری قسم: - وتتعیّن العلمیة مع التریب۔ وہ اسباب جن کے اثر کے واسطے وجود علمیت شرط ہے وہ کل تین ہیں (۱) التانیث بغیر الف، خواہ تاء کے ساتھ ہو جیسے فاطمة، خواہ معنوی جیسے زینب، (۲) ترکیب جیسے مَعْدِیْکَرَب (۳) عجمہ جیسے اِبْرَاهِیْم۔ عبارت مخططہ سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نوٹ: - صَنِجَةٌ، صَوْلَجَانٌ، مسلمة، یہ تینوں کلمات منصرف ہیں۔ اس لیے کہ صَنِجَةٌ اگرچہ مؤنث اور عجمہ ہے، لیکن علمیت موجود نہیں۔ اسی طرح صَوْلَجَانٌ اگرچہ عجمہ اور الف و نون زائدتان ہے لیکن علمیت منتهی ہے، اسی طرح مسلمة اگرچہ مؤنث لفظی اور وصف ہے، لیکن علمیت موجود نہیں ہے، لہذا انتفاء علمیت کی بناء پر یہ سب کے سب منصرف ہوں گے، غیر منصرف نہیں۔

تیسری قسم: وہ اسباب جن کے اثر کے واسطے دو امر یعنی علمیت یا وصفیت میں سے کوئی ایک پایا جائے وہ بھی تین ہیں (۱) عدل، (۲) وزن فعل (۳) الف و نون زائدتان، جیسے عَمَرٌ علمیت اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہے، ایسے ہی أَحْمَدُ وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور سَلَمَانٌ الف و نون زائدتان اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، یا یہ تینوں صفت کے ساتھ جمع ہو کر موثر ہوں جیسے ثَلَاثٌ عدل اور وصفیت کی وجہ سے، أَحْمَرُ وزن فعل اور وصفیت کی وجہ سے۔ اور سکران، الف و نون زائدتان اور وصفیت کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔

فَالِثُ التَّانِيثِ وَالْجَمْعُ الَّذِي لَهُ فِي الْآحَادِ كُلِّ مِنْهُمَا يَسْتَأْثَرُ
بِالْمَنْعِ، وَالْبَوَاقِي لَا بُدَّ مِنْ مُجَامَعَةٍ كُلِّ عِلَّةٍ مِنْهُنَّ لِلصِّفَةِ أَوْ
الْعَلَمِيَّةِ، وَتَتَعَيَّنُ الْعَلَمِيَّةُ مَعَ التَّرْكِيْبِ، وَالتَّانِيثِ، وَالْعُجْمَةِ، وَشَرَطُ
الْعُجْمَةِ عِلَمِيَّةٌ فِي الْعُجْمِيَّةِ، وَزِيَادَةٌ عَلَى الثَّلَاثَةِ، وَالصِّفَةِ، إِصَالَتُهَا،
وَعَدَمُ قُبُولِهَا التَّاءَ فَعُرْيَانٌ، وَأَرْمَلٌ، وَصَفْوَانٌ، وَأَرْنَبٌ، بِمَعْنَى
قَاسٍ، وَذَلِيلٌ، مُنْصَرَفَةٌ، وَيَجُوزُ فِي نَحْوِ "هِنْدٌ" وَجُهَانٌ، بِخِلَافِ
رَيْنَبٍ، وَسَقَرٍ، وَبَلَخٍ، وَكَعْمَرٍ، عِنْدَ بَنِي تَمِيمٍ بَابُ حَذَامٍ، إِنْ لَمْ
يُخْتَمِ بِرَاءٍ كَسَفَارٍ، وَأَمْسٍ، لِمُعَيَّنٍ، إِنْ كَانَ مَرْفُوعًا، وَبَعْضُهُمْ لَمْ
يَشْتَرِطْ فِيهِمَا، وَسَحَرُ عِنْدَ الْجَمِيعِ إِنْ كَانَ ظَرْفًا مُعَيَّنًا.

ترجمہ:- الف تانیث اور جمع وہ ہے جس کے لیے احاد میں کوئی نظیر نہیں۔ ان دونوں
میں سے ہر ایک غیر منصرف ہونے میں رائج ہوتے ہیں۔ اور رہی باقی علتیں تو ان میں سے ہر ایک علت
کا صفت یا علمیت کے ساتھ جمع ہونا ضروری ہے، اور علمیت کا ترکیب، تانیث، اور عجمہ کے ساتھ ہونا
متعین ہے اور عجمہ کی شرط لغت عجم میں علم ہونا، اور تین حروف پر زائد ہونا ہے، اور صفت تو اس کا وصف
اصلی ہونا، اور تاء کو قبول نہ کرنا ہے، چنانچہ عُرْيَانٌ، أَرْمَلٌ، صَفْوَانٌ، أَرْنَبٌ، قَاسٍ اور ذَلِيلٌ کے
معنی میں ہیں اور منصرف ہیں۔ اور ہِنْدٌ جیسی مثال میں دونوں صورتیں جائز ہیں برخلاف رَيْنَبٍ،
سَقَرٍ، بَلَخٍ کے، اور باب حذام بنو تميم کے نزدیک عمر کی طرح ہے، بشرطیکہ اس کا آخری حرف راء نہ ہو،
جیسے سَفَارٍ، اور أَمْسٍ معین بشرطیکہ مرفوع ہو، اور بعض حضرات نے ان دونوں میں کسی چیز کی شرط نہیں
لگائی ہے، اور لفظ "سَحَرُ" تمام نحو یوں کے نزدیک غیر منصرف ہے، بشرطیکہ طرف معین ہو۔

تشریح:- مذکورہ بالا عبارت کی مکمل تشریح علل تسعہ کی ترتیب وار گفتگو میں آگئی ہے۔ فلیراجع الیہا

بَابُ التَّعْجُبِ — افعال تعجب کا بیان

بَابُ، التَّعْجُبُ لَهُ صِيغَتَانِ: مَا أَفْعَلَ زَيْدًا، وَأَعْرَابُهُ "مَا" مُبْتَدَأٌ
بِمَعْنَى شَيْءٍ عَظِيمٍ، وَ"أَفْعَلَ" فِعْلٌ مَاضٍ فَاعِلُهُ ضَمِيرٌ "مَا" وَ"زَيْدًا"
مَفْعُولٌ بِهِ، وَالْجُمْلَةُ خَبَرٌ "مَا" وَأَفْعَلُ بِهِ، وَهُوَ: بِمَعْنَى مَا أَفْعَلَهُ،
وَأَصْلُهُ أَفْعَلَ أَيُّ صَارَ ذَا كَذَا، كَأَغْدَا الْبَعِيرُ، أَيُّ صَارَ ذَا غُدَّةٍ، فَغَيْرُ

الْلَفْظُ "وَزِيدَتْ الْبَاءُ فِي الْفَاعِلِ لِاصْلَاحِ اللَّفْظِ، فَمِنْ ثَمَّ لَزِمَتْ هُنَا.
بِخِلَافِهَا فِي فَاعِلٍ كَفَى وَإِنَّمَا يُبْنَى فِعْلًا التَّعَجُّبُ وَاسْمُ التَّفْضِيلِ
مِنْ فِعْلٍ، ثَلَاثِي، مُثَبَّتٍ، مُتَفَاوِتٍ تَامٍ، مَبْنِيٍّ الْفَاعِلِ، لَيْسَ اسْمُ
فَاعِلِهِ عَلَى أَفْعَلٍ -

ترجمہ:- یہ باب ہے، اور اس کے دو صیغے ہیں (ایک صیغہ) مَا أَفْعَلَ زِيدًا ہے اور اس کی ترکیب اس طرح ہے "ما" مبتداء بمعنی شیء عظیم "أَفْعَل" فعل ماضی، ضمیر اس میں جو "ما" کی طرف راجع ہے اس کا فاعل "زیدًا" مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ما کی خبر، (مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا) اور (دوسرا صیغہ) "أَفْعَلُ بِهِ" ہے جو مَا أَفْعَلُہ کے معنی میں مستعمل ہے، اس کی اصل أَفْعَلُ ای صَارَ ذَا كَذَا ہے، جیسے أَغْدَّ الْبَعِيرُ (اوٹنی غصہ ہوگئی) صَارَ ذَا غُدَّةٍ کے معنی میں مستعمل ہے، پھر لفظ میں تغیر کیا گیا اور لفظ کی اصلاح کی غرض سے فاعل میں باء کا اضافہ کر دیا گیا ہے، اسی وجہ سے اس میں باء کا استعمال لازم ہے، برخلاف كَفَى (فعل) کے فاعل میں (یعنی كَفَى کے فاعل میں باء کا اضافہ کرنا لازم نہیں ہے، کبھی تو موجود ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔) اور تعجب کے دونوں فعل اور اسم تفضیل ایسے فعل سے بنائے جاتے ہیں جو ثلاثی ہو، مثبت ہو، متفاوت ہو، تام ہو، مبنی للفاعل ہو، اس کا فاعل أَفْعَلُ کے وزن پر نہ آتا ہو۔

تشریح:- باب: التَّعَجُّبُ فاضل مصنف یہاں سے افعال تعجب کو بیان فرما رہے ہیں، لفظ تعجب عَجَبٌ سے باب تفعیل کا مصدر ہے، فن نحو میں اس کے لیے بہت سارے غیر مہوب الفاظ ہیں جن سے تعجب کا معنی ظاہر ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ" (کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو۔ پ ۱، بقرہ آیت ۲۸) میں لفظ "كَيْفَ" بمعنی تعجب محمول ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "سُبْحَانَ اللَّهِ! إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا" (سبحان اللہ! یہ کیسی تعجب خیز بات ہے، بے شک مومن حالت حیات اور حالت ممات میں کبھی بھی ناپاک نہیں ہوتا) اس حدیث میں لفظ سُبْحَانَ اللَّهِ تعجب کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

اہل عرب کا قول "لِلَّهِ دَرَّةٌ فَارِسًا" (اللہ ہی کے لیے تمام تر خوبیاں ہیں) یہ بھی تعجب کے معنی پر محمول ہے، اور شاعر کا قول ۔

يَا سَيِّدًا مَا أَنْتَ مِنْ سَيِّدٍ مُوْطًا الْأَكْنَافَ رَحْبَ الذَّرَاعِ

(اے آقا! آپ کتنے تعجب خیز سردار، مہمان نواز، اور فیاض شخص ہیں) اس شعر میں "مَا أَنْتَ"

فعل تعجب غیر مہوب ہے جس کو شاعر نے تعجب کے لیے استعمال فرمایا ہے۔

افعال تعجب کی تعریف اور صیغے:

لَهُ صَيِّغَتَانِ مَا أَفْعَلَ زَيْدًا الْخِ وہ افعال ہیں جن کی وضع حیرت ظاہر کرنے کے لیے کی گئی ہو، علم نحو میں فعل تعجب کے دو مہوب صیغے ہیں (۱) مَا أَفْعَلَ زَيْدًا (۲) أَفْعَلَ بِهِ، جیسے مَا أَحْسَنَ زَيْدًا، وَأَحْسَنُ بَزَيْدٍ (زید کتنا اچھا ہے) ضمیر کی جگہ اس چیز کو رکھا جائے جس پر تعجب کیا جائے، اور یہ افعال غیر منصرف ہیں ان سے ماضی مجہول، مضارع، اور مؤنث وغیرہ کے صیغے نہیں آتے۔

مَا أَفْعَلَ زَيْدًا کی ترکیب:

وَأَعْرَابُهُ "مَا" الْخِ فاضل مصنف یہاں سے مَا أَفْعَلَ زَيْدًا کی ترکیب بیان فرما رہے ہیں کہ "ما" مبتداء ہے، لیکن یہ کس معنی میں ہے تو اس سلسلے میں دو مذاہب کا اختلاف ہے، پہلے مذاہب والے کا یہ کہنا ہے کہ یہ نکرہ تامہ ہے جوئی کے معنی میں ہے، اور اس کا مابعد جملہ فعلیہ ہو کر "ما" کی خبر ہے، یہ امام سیبویہ کا مذاہب ہے اب عبارت اس طرح ہوگی "مَا أَحْسَنَ زَيْدًا آئِ شَيْءٍ أَحْسَنَ زَيْدًا، اور جائز ہے ابتداء کرنا ایسے کلمہ کے ذریعہ جس میں تعجب کے معنی موجود ہو، جیسے شاعر کا قول۔

عَجَبٌ لِّتِلْكَ قَضِيَّةً، وَأَقَامَتِي فَيُكْمُ عَلَى تِلْكَ الْقَضِيَّةِ أَعَجَبُ

(اس کے لیے فیصلہ ہونے پر تعجب ہے، اور اس فیصلہ کے لیے میرا تمہارے درمیان ٹھہرنا زیادہ تعجب خیز اور حیرت ناک ہے) اس شعر میں لفظ عَجَبٌ ہے جو تعجب کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ (یہ شعر زراقتہ باہلی کا ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ عمرو بن غوث بن طمی کا ہے، اور بعض نے ہنی بن احمر الکسانی کی طرف منسوب کیا ہے) اور یا اس لیے کہ وہ نکرہ موصوفہ کے معنی میں ہے تو اس وقت عبارت "شَيْءٌ عَظِيمٌ حَسَنٌ زَيْدًا" ہوگئی، (بڑی چیز ہے جس نے زید کو حسین بنادیا) جس طرح "شَرُّ أَهْرٍ ذَانَابٍ" (کسی بڑی مصیبت نے کتوں کو بھونکا یا) شَرُّ عَظِيمٍ أَهْرٍ ذَانَابٍ کے معنی میں ہے۔

دوسرے مذاہب کے اعتبار سے یہ تین وجوہات کا احتمال رکھتا ہے، پہلی وجہ یہ کہ وہ نکرہ تامہ ہو، جیسا کہ امام سیبویہ نے فرمایا، اور ترکیب مَا أَحْسَنَ زَيْدًا کی سیبویہ کے نزدیک "ما" مبتداء نکرہ تامہ بمعنی شئی ہے اور اس کا مابعد خبر ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ نکرہ موصوفہ ہو اس جملہ سے جو اس کے بعد ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ وہ "ما" معرفہ موصولہ ہے اور اس کا مابعد اس کا صلہ اور موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء ہے اور خبر شئی عظیم محذوف ہے۔ اب عبارت "شَيْءٌ حَسَنٌ زَيْدًا عَظِيمٌ" ہوگی یا "الَّذِي حَسَنَ زَيْدًا شَيْءٌ عَظِيمٌ" ہوگی (جس نے زید کو حسین بنایا بڑی چیز ہے) یہ امام خفش کا قول ہے۔ امام خفش

کے قول کے اعتبار سے ترکیب اس طرح ہوگی۔ ما اسم موصول، اور أَحْسَنَ زیداً فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مبتداء، اور شئی عظیم اس کی خبر محذوف، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اور رہا لفظ "أَفْعَلَ" تو اس کے اسم اور فعل ہونے میں علماء نحو کا معرکہ الآراء اختلاف ہے، کوئین حضرات کے نزدیک یہ اسم ہے، کیوں کہ اس کی تصغیر آتی ہے جیسے مَا أَحْسَنَ، اور مَا أَمْلَحَ کی تصغیر مَا أَحْسِنَهُ اور مَا أَمْلِحَهُ آتی ہے، بصریین کا مذہب یہ ہے کہ یہ فعل ماضی ہے اور یہی صحیح اور قابل ترجیح بھی ہے، کیوں کہ یہ بنی علی الفتح ہے، اگر یہ اسم ہوتا تو بر بنائے خبریت مرفوع ہوتا، نیز اس کے ساتھ یاء متکلم کے الحاق صورت میں نون وقایہ کالا نالا لازم ہوتا ہے، جیسے مَا أَفْقَرَنِي إِنْ عَفَوِ اللَّهُ، اگر یہ اسم ہوتا تو نون وقایہ کالا نالا لازم نہ ہوتا، بلکہ بغیر نون وقایہ کے لانا درست ہوتا، حالاں کہ مَا أَفْقَرِي کہنا کسی کے نزدیک جائز نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل ماضی ہے، اسم نہیں۔

اور بہر حال تصغیر کا آنا تو یہ شاذ ہے اور شاذ معدوم کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور اس کے شاذ ہونے کے وجہ یہ ہے کہ یہ عموماً اسماء کے مشابہ ہوتا ہے اپنے جامد ہونے کی وجہ سے کہ اس کا مصدر نہیں آتا، اور فعل التفضیل کے مشابہ ہوتا ہے یا خصوصاً اسم تفضیل کے وزن پر آنے اور زیادتی حروف پر دلالت کرنے کی وجہ سے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں کے دونوں ایسے اسماء سے بنائے جاتے ہیں جن میں شرائط مستقبلہ (آئندہ آنے والی شرطیں) پائے جاتے ہوں۔ اور أَحْسَنَ میں ضمیر مستتر بالاتفاق بر بنائے فاعلیت مرفوع ہے جو ما کی طرف راجع ہے اور اسی ضمیر کا لوٹنا ما کے اسم ہونے کی دلیل ہے، کیوں کہ ضمیر قطعی طور پر اسماء کی طرف ہی راجع ہوتی ہے۔ "زیداً" کے بارے میں بھی دو قول ہے، جن حضرات نے أَفْعَلَ کو فعل ماضی کہا ان کے نزدیک مفعول بہ ہے اور جنہوں نے اسم مانا ان کے نزدیک مشابہ مفعول بہ ہے۔

أَفْعِلْ بِهِ کی ترکیب:

وَأَفْعِلْ بِهِ، وَهُوَ بِمَعْنَى مَا أَفْعَلَهُ یہ فعل تعجب کے دوسرے صیغے کا بیان ہے۔ دوسرا صیغہ "أَفْعِلْ بِهِ" ہے جیسے أَحْسِنُ بِزَيْدٍ، اس میں أَحْسِنُ اگرچہ امر کا صیغہ ہے، لیکن معنی میں أَحْسِنُ فعل ماضی کے ہے، اور ضمیر سے خالی ہے، اب أَحْسِنُ بِزَيْدٍ کی اصل "أَحْسَنَ زَيْدٌ ہوگی، ائی صَارَ ذَا حُسْنٍ (زید کیا ہی حسن والا ہو گیا) جیسا کہ اہل عرب کا قول "أَوْزَقَ الشَّجَرُ، أَرْهَرَا بُسْتَانُ، أَثَرُ فُلَانٍ، أَثَرَبَ زَيْدٌ، أَغْدُ الْبَعِيرُ، یہ تمام کے تمام، صَارَ ذَاوَرَقٍ (درخت پتہ دار

ہو گیا) ذَا زَهْر (باغچہ پھولدار ہو گیا) ذَا ثَرْوَةٍ (فلاں صاحب مالدار ہو گیا) ذَا مَتْرَبَةٍ (زید تنگ دست ہو گیا) اور ذَا غَدَّةٍ (اوٹنی غصہ ہو گئی) کے معنی میں ہے، اور سبھی کو تعجب کا معنی متضمن ہے۔

لفظ اَفْعِلْ بہ میں اصلاحی تغیر:

فَقَيَّرَ اللَّفْظَ وَزِيدَتِ الْبَاءُ فِي الْفَاعِلِ الْخ فاضل مصنف نے اس عبارت کے ذریعہ ایک مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ کہ اَفْعِلْ بہ، جیسے اَحْسِنْ بہ میں "اَحْسِنْ" امر کا صیغہ ہے، لیکن معنی میں اَحْسَنَ ماضی کے ہے، اور لفظ بہ میں باء جارہ زائدہ ہے اور ضمیر مجرور اس کا فاعل ہے اور اس میں ہمزہ صیروت کا ہے، پس اَحْسِنُ بَزِيدٍ کے معنی صَارَ زَيْدٌ ذَا حَسَنِ کے ہوگا (یعنی زید صاحب حسن ہو گیا) لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اَفْعَلْ ماضی ہے تو اس کو اَفْعِلْ کی طرف منتقل کر دیا اور اخیر میں باء کا اضافہ کر دیا اس کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ جب اَفْعَلْ کو اَفْعِلْ امر کی طرف منتقل کر دیا تو یہ اَحْسِنُ زَيْدٌ کی طرح ہو گیا، اور صیغہ امر کے بعد اسم مرفوع کا متصل لانا اصولاً قبیح سمجھا جاتا ہے، اور مثال مذکور میں اَحْسِنُ امر کے بعد زید اسم فاعل مرفوع متصل مذکور ہے، لہذا اصولاً معیوب ہوا۔ اسی قباحت سے بچنے اور لفظ میں اصلاح کرنے کی غرض سے باء کا اضافہ کر دیا، اب یہ اَحْسِنُ بَزِيدٍ، اُمَرٌ بَزِيدٍ کی طرح ہو گیا۔ یہ باء اس باء کے مشابہ ہے جو كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا میں كَفَى فعل کا فاعل بِاللّٰهِ کے ساتھ متصل ہے، لیکن ایک جہت سے موافق نہیں، وہ یہ ہے کہ اَحْسِنُ بہ کے باء کا فاعل کے ساتھ متصل ہونا لازم ہوتا ہے، اور كَفَى بِاللّٰهِ کے باء کا متصل ہونا لازم نہیں، بلکہ جائزۃ الحذف ہوتا ہے، جیسا کہ شاعر نے بغیر باء کے كَفَى فعل کے فاعل کا ذکر کیا ہے۔

عُمَيْرَةٌ وَدَّعُ أَنْ تَجَهَّزَتْ غَازِيَا كَفَى الشَّيْبُ وَالْإِسْلَامُ لِلْمَرْءِ نَاهِيَا

(اگر تو نے اللہ کے راستہ میں جہاد کی تیاری کر لی ہے تو الفت عمیرہ کو چھوڑ، بڑھاپا اور اسلام انسان کے لیے روکنے والا ہے۔) یعنی عمیرہ کی الفت، قلبی تعلق، اور پیار و محبت کو چھوڑ دے جب تم نے اپنے درمیان اور دنیا کی مشاغل کے درمیان قطع تعلق کا فیصلہ کر لیا ہے یہ عمر درازی اور تحفہ اسلام اس شخص کو بھی گناہوں کی لذت سے روک دیتے ہیں جو ضلالت و گمراہی سے نہ بچے۔ یہ حکیم بن وکیل ریاحی کا کلام ہے) اس شعر میں محل استشہاد "كَفَى الشَّيْبُ" ہے، اس لیے کہ شاعر نے كَفَى فعل کے فاعل کو بغیر باء کے ذکر فرمایا ہے، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ كَفَى فعل کے فاعل کی باء غیر لازم ہے۔

افعال تعجب بنانے کا قاعدہ:

وانما یبنی فعلا التعجب الخ افعال تعجب اور اسم تفضیل ایسے صیغے سے بنائے جاتے ہیں جن میں بیک وقت پانچ شرطیں موجود ہوں۔

(۱) یہ کہ وہ صیغہ فعل ہو، غیر فعل سے یہ دونوں نہیں بنائے جاتے، اور جن لوگوں نے لفظ "الْجَلْفُ" (بمعنی اُکھڑا اور اُجڈ) اور الْحِمَارُ (گدھا) سے فعل تعجب مَا أَجْلَفَ، وَمَا أَحْمَرَهُ بنائے وہ خطا پر محمول ہے، اور الْآصْفُ مِنْ شِظَاطٍ سے مَا الْآصَةُ فعل تعجب بنانا شاذ ہے، اور قاعدہ ہے کہ الشاذ کالمعدوم، لہذا یہ قابل استدلال نہیں ہوگا۔ شِظَاطُ بروزن کتاب ہے، قبیلہ بنو ضبہ کے ایک شخص کا نام ہے جو چوری کرنے میں ضرب المثل تھا، اسی لیے الص من شِظَاطٍ کہا گیا ہے۔ (مجمع الامثال ص ۱۸۶۸)

(۲) یہ کہ وہ فعل ثلاثی ہو، کیوں کہ یہ دونوں غیر ثلاثی مثلاً دَخَرَجَ، انْطَلَقَ، اسْتَخْرَجَ سے نہیں بنائے جاتے، اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جس فعل سے افعال تعجب کا بنانا مستثنیٰ ہے، اس سے فعل تعجب کے بنانے کی کیا صورت ہوگی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں شدت یا اس کے مثل ضعف یا حسن، یا قبح سے یہ دونوں صیغے اس طرح بنائیں گے کہ وہ مصدر جس کے فعل سے فعل تعجب کا بنانا مستثنیٰ ہے، اس کو ان کے بعد ذکر کریں گے، مثلاً جب اسْتَخْرَجَ غیر ثلاثی مجرد سے یہ دونوں صیغے تعجب کے بنانا چاہیں تو مَا أَشَدَّ اسْتَخْرَاجَهُ اور اشدُّ باستخراجہ کہیں گے، لیکن امام ابوالحسن نحوی نے ثلاثی مزید فیہ سے افعال تعجب کے بنانے کو جائز قرار دیا بشرطیکہ زائد محذوف ہوں، اور امام سیبویہ نے فعل رباعی مثلاً "أَكْرَمَ، أَحْسَنَ، أَعْطَى" سے ان دونوں کے آنے جانے کو جائز قرار دیا ہے۔

(۳) یہ کہ فعل تعجب اس سے آئے گا جو تفاوت کو قبول کرتا ہے، اس سے نہیں آتا جو تفاوت یعنی زیادہ اور نقصان کو قبول نہیں کرتا ہے، لہذا مَاتَ اور فَنِيَ زیادہ اور نقصان کو قبول نہیں کرتے ہیں، کیوں کہ کسی کی موت کسی اور کی موت سے زائد اور کم نہیں ہوتی ہے۔

(۴) یہ کہ وہ بنی للفاعل ہو، بنی للمفعول نہ ہو، لہذا یہ دونوں ضَرْبَ، قُتِلَ جیسے فعل سے نہیں بنائے جاتے۔ (۵) یہ کہ اس فعل کا اسم فاعل أَفْعَلُ کے وزن پر نہ آئے، لہذا عَمِيَ، عَرِجَ اور افعال عیوب ظاہرہ میں سے جو ان دونوں کے مماثل ہیں اور سَوَدَ، حَمِرَ، اور افعال الوان میں سے جو ان کے مماثل ہیں، اور لَمِيَ اور دَعِجَ اور افعال حُلَى میں سے جو ان دونوں کے مماثل ہیں جن کا وصف أَفْعَلُ کے وزن پر آتا ہے ان سے افعال تعجب نہیں بنائے جاتے، جیسے أَعْمَى، أَعْرَجَ، أَسْوَدَ، أَحْمَرُ، أَلْمَى، أَدْعَجَ ان سے افعال تعجب اور اسم تفضیل نہیں بنائے جاتے۔

افعل التفصیل اور فعل تعجب میں مناسبت:

فعل تعجب کے دونوں صیغے اسی فعل سے بنائے جاتے ہیں جس سے افعل التفصیل بنایا جاتا ہے، اور وجہ یہ ہے کہ فعل تعجب اور افعل التفصیل کو باہمی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت ہے، اس لیے کہ ہر ایک مبالغہ کے لیے ہوتا ہے۔

بَابُ الْوَقْفِ — وقف کا بیان

بَابُ، الْوَقْفُ فِي الْأَفْصَحِ عَلَى نَحْوِ "رَحْمَةٍ" بِالْهَاءِ، وَعَلَى نَحْوِ "مُسْلِمَاتٍ" بِالتَّاءِ۔

ترجمہ:- یہ باب ہے، رَحْمَةٍ جیسے کلمہ میں ہاء سے بدل کر اور کلمہ مُسْلِمَاتٍ میں بقائے تاء کے ساتھ وقف کرنا زیادہ فصیح ہے۔

تشریح:- بَابُ، الْوَقْفِ الخ معرفۃ الوقوف کا حاصل کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح تجوید الحروف کا حاصل کرنا ضروری ہے، اور اس کے حاصل ہوئے بغیر ترتیل نامکمل رہتی ہے، کیوں کہ اگر قاری حروف کو تو تجوید کے ساتھ ادا کرے، لیکن وقف بے محل اور بے قاعدہ کرے تو اس سے کلام اللہ کا حسن اور اس کا ربط فوت ہو کر بے لطفی اور بے مزگی پیدا ہو جاتی ہے، جس کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو قرآن کے معانی سے واقف ہیں، اب احکام وقف کے سلسلہ میں دو چیزوں کا جاننا از حد ضروری ہے۔ (۱) کیفیت وقف (۲) محل وقف، فاضل مصنف نے کلی طور پر تو نہیں لیکن مختصراً کیفیت وقف سے متعلق گفتگو فرمائی ہے، کیفیت وقف کا مطلب ہے کہ قاری اس بات کو جانے کہ کون سے کلمہ پر وقف کس طرح کرنا چاہیے۔

وقف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

لغت میں وقف کے معنی کف یعنی روکنے کے ہیں۔

اصطلاح میں واقف کی تعریف یہ ہے "قَطْعُ الصَّوْتِ مَعَ النَّفْسِ وَاسْكَانُ الْمُتَحَرِّكِ" (یعنی سانس اور آواز دونوں کا منقطع کر دینا، اور حرف موقوف علیہ اگر پہلے سے ساکن نہ ہو تو اس کو ساکن کر دینا۔)

لفظ رحمة اور مسلمات میں وقف:

جب ایسے کلمہ پر وقف کیا جائے جس کے آخر میں تاء تانیث ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) موقوف علیہ پہلے ہی سے ساکن ہو، جیسے ”قامت“ اور ”تحدت“ کہ ان دونوں مثالوں میں تاء تانیث ساکنہ ہے، تو حرف موقوف علیہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی بلکہ جس طرح وصل میں پڑھا جاتا ہے وقف میں بھی اسی طرح پڑھا جائے گا، اس کو وقف بالسکون کہتے ہیں، اس میں صرف سانس اور آواز منقطع کی جائے گی۔

(۲) موقوف علیہ متحرک ہو، یعنی تاء تانیث پہلے ہی سے متحرک ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ یا تو وہ کلمہ الف اور تاء کے ساتھ جمع کا صیغہ ہوگا ۲۔ یا صیغہ جمع نہ ہوگا۔

اگر دوسری صورت ہے یعنی وہ کلمہ الف اور تاء کے ساتھ صیغہ جمع نہیں ہے تو تائے متحرک کو ہاء ساکنہ سے بدل کر پڑھنا زیادہ فصیح ہوگا۔ جیسے ”هَذِهِ رَحْمَةٌ“ میں ”هَذِهِ رَحْمَةٌ“ اور ”هَذِهِ رَشَجْرَةٌ“ میں ”هَذِهِ شَجْرَةٌ“ اس کو وقف بالاببدال کہتے ہیں۔ اور بعض حضرات اس صورت میں بھی تاء کے ساتھ وقف کرتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض قراء سبعہ نے باری تعالیٰ کا قول ”إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ“ (بے شک اللہ کی رحمت قریب ہے نیک کام کرنے والوں سے، پ ۸، اعراف آیت ۵۶) اور ”وَإِنَّ شَجْرَةَ الزُّقُومِ“ (بے شک زقوم کا درخت کھانا ہوگا گنہگار کا۔ پ ۲۵، دخان آیت ۴۳) میں تاء کے ساتھ وقف کیا، نیز بعض لوگوں سے ”يَا أَهْلَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ“ کہتے سنا گیا ہے، چنانچہ جن لوگوں نے سنا انھوں نے قسم کھاتے ہوئے کہا ”وَاللَّهِ مَا أَخْفَظُ مِنْهَا آيَةً“ اسی طرح شاعر کے قول سے استدلال کیا ہے۔

وَاللَّهُ أَنْجَاكَ بِكَفِّي مَسْلَمَتْ
كَانَتْ نَفُوسُ الْقَوْمِ عِنْدَ الْغُلَصَمَتْ
مِنْ بَعْدِ مَا وَبَعْدِ مَا وَبَعْدِ مَتْ
وَكَاذِبِ الْحُرَّةِ أَنْ تُدْعَى أَمَتْ

(اللہ رب العزت نے تجھے مسلمت کے دونوں ہاتھوں سے نجات دی جب کہ قوم کی رو میں حلق تک پہنچ چکی تھیں اور قریب تھا کہ آزاد عورت باندی کہہ کر پکاری جاتی) یہ فضل بن قدامہ، ابو نجم عجمی کا کلام ہے، اس شعر میں محل استشہاد ”مَسْلَمَتْ“ ”مَتْ“، ”الْغُلَصَمَتْ“ اور ”أَمَتْ“ ہے، ”مَسْلَمَتْ“ کی اصل ”مَسْلَمَةٌ بفتح المیم“ ہے وقف کی صورت میں ہاء تانیث تا سے بدل کر تاء بالسکون پڑھی گئی ہے، یہی حال ”الْغُلَصَمَتْ“ اور ”أَمَتْ“ کا ہے، اور شاعر کا قول ”مَتْ“ تو اس کی اصل ”مَا تَمْ“، الف کو ہاء سے بدلا گیا پھر وہ ہاء تا ساکنہ سے بدل دی گئی، ہاء تانیث کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے۔

(۲) اور اگر الف اور تاء کے ساتھ جمع کا صیغہ ہو تو تاء ساکنہ کے ساتھ وقف کرنا زیادہ فصیح ہے،

اور بعض حضرات ہاء ساکنہ سے بدل کر وقف کرتے ہیں، جیسا کہ بعض اہل عرب سے ”كَيْفَ الْإِخْوَةُ وَالْإِخْوَادُ“ کہتے سنا گیا ہے، نیز اہل عرب نے ”دَنْسُ الْبَنَاتِ مِنَ الْمَكْرِ مَا دُ“ میں ”دَنْسُ“ وقف ہاء ساکنہ

سے بدل کر پڑھا ہے، (ترجمہ: لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ان کے لیے قابلِ قدر کارناموں میں سے تھا۔)
نوٹ: کلمہ ”رحمة“ میں تاء کے ساتھ، اور کلمہ ”مسلمات“ میں ہاء کے ساتھ وقف کرنے پر میں نے
اپنی آئندہ عبارت ”وَقَدْ يُعَكِّسُ فِيْهِنَّ“ میں وضاحت کی ہے فانتظروا اِنّی معکم من المنتظرین۔

الوقف علی المنقوص — اسم منقوص میں وقف کا بیان

وَعَلَى نَحْوِ قَاضٍ رَفْعًا وَجَرًّا بِالْحَذْفِ، وَنَحْوِ الْقَاضِي فِيْهِمَا
بِالْإِثْبَاتِ۔

ترجمہ:- اور قاض جیسے کلمہ میں حالتِ رفع اور جر میں حذف کے ساتھ اور لفظ القاضی
میں دونوں حالتوں میں اثبات کے ساتھ وقف ہوگا۔

تشریح:- وعلى نحو ”قاض“ یہاں سے فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ لفظ ”قاض“
اور القاضی میں وقف کی کیا صورت ہوگی، آیا حذف کے ساتھ یا اثبات کے ساتھ تو صورت وقف
معلوم کرنے سے پہلے اسم منقوص کی تعریف دیکھئے۔

اسم منقوص کی تعریف:

اسم منقوص وہ اسم ہے جس کے آخر میں یا ماقبل مکسور ہو جیسے قاضی اسم منقوص حالتِ رفعی اور
جری میں اعراب تقدیری بوجہ استئصال کے ہوتا ہے، ان دو حالتوں میں چوں کہ یاء پر ضمہ اور کسرہ کے
تلفظ کو اہل عرب زبان پر ثقیل سمجھتے ہیں، اس وجہ سے ان دو حالتوں میں اس کا اعراب تقدیری ہوگا۔
بخلاف حالت نصب کے، کہ اس کا اعراب فتح لفظی کے ساتھ ہوتا ہے، چوں کہ فتح اہت الحركات ہے،
لہذا یاء پر ثقیل نہیں۔

اسم منقوص پر وقف کرنا:

جب آپ اسم منقوص پر وقف کرنا چاہیں تو اولاً اس کی دو صورتیں ہوں گی (۱) یا تو وہ متون ہوگا
(۲) یا نہیں ہوگا۔ اگر وہ متون ہے تو حالتِ رفع اور جر میں یاء کے حذف کے ساتھ وقف کرنا زیادہ فصیح
ہے، جیسے لهذا قاض یہ حالتِ رفعی کی مثال ہے۔ اور مَرَزْتُ بِقَاضٍ یہ جری کی مثال ہے اور یاء کے
ساتھ بھی وقف کرنا جائز ہے، اسی وجہ سے امام ابن کثیرؒ نے باری تعالیٰ کے قول ”وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ“
(اور ہر قوم کے لیے ہوا ہے راہ ہلانے والا۔ پ ۱۳، رد آیت ۷) اور وَمَالَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَّالٍ (اور
کوئی نہیں اُن کا اُس کے سوا مددگار۔ پ ۱۳، رد آیت ۱۸) اور وَمَالَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ (اور کوئی نہیں

اُن کو اللہ سے بچانے والا۔ پ ۱۳، رعد آیت ۳۲) میں وقف کی صورت میں ہاء کو ہادی، وال کو والی، اور واق کو واقی یاء کے ساتھ وقف کیا ہے۔ اور اگر غیر منون ہو تو حالت رفع و جر میں یاء کے اثبات کے ساتھ وقف کرنا زیادہ فصیح ہے۔ جیسے هذا القاضی، حالت رفع کی مثال ہے، اور مَرَزَتْ بالقاضی، حالت جر کی مثال ہے۔ اور یاء کے حذف کے ساتھ بھی وقف کرنا جائز ہے، اسی وجہ سے جمہور قراء باری تعالیٰ کے قول ”وَهُوَ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ“ (وہ سب سے بڑا برتر ہے، سورہ رعد آیت ۹) میں الْمُتَعَالِ، اور لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ (تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔ پ ۲۴، مومن آیت ۱۵) میں التَّلَاقِ یاء کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے، لیکن امام ابن کثیر نے فصیح قول پر عمل کرتے ہوئے اثبات یاء کے ساتھ وقف کیا ہے۔

وَقَدْ يُعَكِّسُ فِيْهِنَّ۔

ترجمہ:۔۔ اور کبھی کبھی مذکورہ بالا تمام صورتوں میں وقف برعکس طریقے پر کیا جاتا ہے۔
تشریح:۔۔ اس عبارت میں فِيْهِنَّ کی ہُنَّ ضمیر مؤنث غائب ”رحمة“ کی تاء کو ہاء سے بدل کر پڑھنے اور ”مسلمات“ کی تاء کو باقی رکھتے ہوئے، اور ”قَاضٍ“ کی یاء کو حذف کر کے اور ”القاضی“ کی یاء کو باقی رکھتے ہوئے پڑھنے کی طرف راجع ہے، یعنی کبھی کبھی ”رحمة“ کی تاء تانیث کو باقی رکھتے ہوئے، اور ”مسلمات“ کی تاء کو ہاء سے بدل کر، اور ”قَاضٍ“ کو یاء کے ساتھ اور ”القاضی“ کی یاء کو حذف کر کے وقف کیا جاتا ہے، اور یہ صورتیں مذکورہ بالا تمام صورتوں کے برعکس ہیں۔

وَلَيْسَ فِيْ نَصْبِ قَاضٍ، وَالْقَاضِي إِلَى الْيَاءِ۔

ترجمہ:۔۔ قاض اور القاضی میں نصب کی صورت میں یاء پر وقف کرنا درست نہیں ہے۔
تشریح:۔۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب اسم منقوص منصوب ہو تو وقف کی صورت میں اس کی یاء کو باقی رکھنا واجب ہوگا۔ اب اسم منقوص کے پڑھنے کی دو صورتیں ہیں، اگر اسم منقوص منصوب متون ہے تو وقف کی صورت میں اس کی تنوین کو الف سے بدل کر پڑھا جائے گا، جیسے باری تعالیٰ کا قول ”رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا“ (اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو۔ پ ۴، آل عمران آیت ۱۹۳) میں مُنَادِيًا کی تنوین کو الف سے بدل کر مُنَادِيًا پڑھا جائے گا، کیوں کہ وقف کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کلمہ کے آخری حرف پر نصب کا تنوین ہو جیسے مَشْكُورًا، مَذْخُورًا، وغیرہ تو اس تنوین کو الف سے بدل کر اس طرح پڑھتے ہیں، مَشْكُورًا، مَذْخُورًا۔ اور اگر اسم منقوص غیر منون ہے تو یاء پر سکون کے ساتھ وقف کیا جائے گا، جیسے باری تعالیٰ کا قول ”كَلَّا اِذَا

بَلَّغْتَ التَّرَاقِيَّ (ہرگز نہیں جس وقت جان پہنچے ہنسی تک۔ پ ۲۹، قیامہ آیت ۲۶) میں لفظ التَّرَاقِيَّ کو وقف کی صورت میں التَّرَاقِيَّ یا ساکنہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، جیسے کَلَّا إِذَا بَلَغْتَ التَّرَاقِيَّ۔

باب الوقف علی اذن — اذن پر وقف کرنے کا بیان

وَيُوقَفُ عَلَى "إِذَا" وَنَحْوِ "لَنَسْفَعًا" وَ "رَأَيْتُ زَيْدًا" بِالْأَلِفِ۔

ترجمہ:- إِذَا، اور لَنَسْفَعًا، اور رَأَيْتُ زَيْدًا جیسے کلمات میں الف کے ساتھ وقف کیا جائے گا۔

تشریح:- وقف کی حالت میں نون ساکنہ کو الف سے بدل کر پڑھنا تین مسائل میں واجب ہے۔ پہلا مسئلہ:- "إِذَا" صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ "إِذَا" پر وقف کی صورت میں نون ساکنہ کو الف سے بدل کر "إِذَا" پڑھا جائے گا، جسے وقف بالاببدال کہتے ہیں، حالاں کہ اصل کی رو سے ان میں نون خفیفہ ہے، مگر چون کہ اس میں نون خفیفہ دوز بر کی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس لیے وقف بھی الف ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اصل کا اعتبار کرتے ہوئے نون پر نہیں کیا جاتا، اور یہی صحیح ہے، لیکن ابن عصفور نے شرح الجمل میں یہ تحریر فرمایا کہ نون کے ساتھ ہی وقف کیا جائے گا، اور انہوں نے دلیل یہ پیش کی کہ وقف کی صورت میں بھی نون کے ساتھ لکھا جاتا ہے، مصنف فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں جیسا کہ ابن عصفور نے سمجھا بلکہ اس میں نون خفیفہ دوز بر کی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس لیے وقف بھی الف ہی کے ساتھ کیا جائے گا، اور قراء حضرات نے باری تعالیٰ کا قول "وَلَن تَفْلَحُوا إِذَا أَبَدَا" (اور تب بھلا نہ ہوگا تمہارا کبھی۔ پ ۱۵، کہف، آیت ۲۰) میں بصورت وقف الف کے ساتھ پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ:- وہ نون تاکید خفیفہ جو فتح کے بعد آئے، جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَنَسْفَعًا" (ہم گھسیٹیں گے۔ پ ۳۰، علق آیت ۱۵) اور "وَلَيَكُونَنَّ" (اور ہوگا۔ پ ۱۲، یوسف آیت ۳۲) ان دونوں میں تمام قراء کا بحالت وقف الف کے ساتھ پڑھنے پر اجماع ہے، حالاں کہ اصل کی رو سے ان میں نون خفیفہ ہے، مگر چون کہ ان دونوں میں نون خفیفہ دوز بر کی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس لیے وقف بھی الف ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اصل کا اعتبار کرتے ہوئے نون پر نہیں کیا جاتا۔ صاحب کتاب نے شاعر کے کلام سے بھی استشہاد پیش کیا ہے۔

وَإِيَّاكَ وَالْمَيْتَاتِ لَا تَقْرَبَنَّهَا وَلَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ، وَاللَّهُ فَاعْبُدَا

(مردار سے بچو، ہرگز اس کے قریب نہ جاؤ، اور شیطان کی پرستش مت کرو، بلکہ اللہ کی عبادت

ضرور کرو۔) اس شعر میں محل استشہاد "فَاعْبُدَا" ہے جو اصل میں "أَعْبُدُنْ" ہے، اس لفظ میں فاء زائد ہے۔ اُعْبُدَا فعل امر بنی علی الفتح ہے، وقف کی وجہ سے اس میں نون تاکید خفیفہ سے الف بدل ہو کر الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے۔ اور اس کا فاعل اس میں اَنْتَ ضمیر ہے جو دو جواباً مستتر ہے، اور وقف کی وجہ سے الف کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔

شعر کا پس منظر: - یہ ریشی میمون بن قیس کا کلام ہے جس کو تاجدار مدینہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کے لیے تیار کیا تھا وہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے آیا بھی تھا، لیکن سوئے قسمت قریش نے اموال کثیرہ کے ذریعہ دھوکہ دے کر آپ سے دور کر دیا، اور آپ کی خدمت میں شعر پیش نہ کر سکا۔ تیسرا مسئلہ: - اگر اسم منصوب متون ہو تو بحالت وقف اس تنوین کو الف سے بدل کر پڑھا جائے گا، کیوں کہ فن تجوید میں وقف کا یہ قاعدہ ہے کہ کسی کلمہ کے آخری حرف پر دو زبر کا تنوین ہو تو اس تنوین کو الف سے بدل کر پڑھتے ہیں جیسے "رَأَيْتُ زَيْدًا" کو رَأَيْتُ زَيْدًا پڑھا جاتا ہے۔

نیز جمہور اہل عرب نے بھی اسی طرح الف سے بدل کر وقف کیا ہے، مگر قبیلہ ربیعہ والے "رَأَيْتُ زَيْدًا" جیسی مثال میں الف کو حذف کر کے "رَأَيْتُ زَيْدًا" پڑھتے ہیں، نیز قبیلہ ربیعہ کے شعراء نے بھی حذف کی شکل میں پڑھنے کو ترجیح دیا ہے۔

أَلَا حَبَّذَا غَنَمٌ وَحُسْنُ حَدِيثِهَا لَقَدْ تَرَكَتُ قَلْبِي بِهَا هَائِمًا دَنِفٌ

(سنو! محبوبہ اور اس کے باتوں کی اچھائی کیا ہی عمدہ ہے، تحقیق کہ اس نے میرے دل کو کمزور اور لاغر کر کے چھوڑ دیا ہے) اس شعر میں محل استشہاد "رَأَيْتُ" ہے، اس لیے کہ یہ کلمہ حال یا اسم منصوب کی نعت ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، لیکن شاعر نے اس پر وقف بال سکون کیا، اور آخر سے الف کو حذف کر دیا ہے۔

لفظ "حَبَّذَا" کی تحقیق:

یہ مدح کے لیے آتا ہے، یہ اصل میں "حَبَّ" فعل ماضی، اور "إِذَا" اسم اشارہ سے مرکب ہے، ترکیب کے بعد نحو یوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اب یہ دو کلمے ہیں یا ایک کلمہ، تو بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ دو کلمے ہیں، اور بعض نے فرمایا کہ ایک کلمہ ہے، جن لوگوں نے کہا یہ کلمہ واحدہ ہے ان میں بھی اختلاف ہو گیا کہ یہ فعل ہے، یا اسم؟ تو بعض نے کہا کہ یہ فعل ہے جو تغلیباً صدر کلام کو چاہتا ہے، اور اس کے بعد آنے والا اسم مرفوع اس کا فاعل ہوتا ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ یہ اسم ہے تو ان کے نزدیک یہ مبتداء اور اس کے بعد آنے والا اسم مرفوع اس کی خبر ہوگا۔ اور جن لوگوں نے کہا کہ یہ دو کلمے ہیں تو ان کے نزدیک حَبَّ فعل، إِذَا ممتیز، یا ذوالحال ہوگا، اور اس کے بعد تمیز یا حال سے مل کر حَبَّ کا فاعل،

اس کے بعد مخصوص بالمدح حال و تمیز کے مطابق ہوگا، واحد، تشنیہ، جمع مذکر اور مؤنث ہونے میں۔

کَمَا يَكْتَبْنَ۔

ترجمہ:- جس طرح وہ سب لکھے جاتے ہیں۔

تشریح:- جب میں نے کلماتِ ثلثہ (اِذَا، لَنَسْفَعًا، اور رَايْتُ زَيْدًا) پر وقف کرنے کو ذکر کیا تو سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کیفیت رسم الخط کو بھی ذکر کیا، چنانچہ میں نے یہ تحریر فرمایا کہ سابقہ تینوں مسائل میں نون کو بحالت وقف الف سے بدل کر پڑھا جائے گا، چوں کہ ان تینوں کلمات میں نون خفیفہ دوز برکی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس لیے وقف بھی الف ہی کے ساتھ کیا جائے گا۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ تنوین منصوبی جب لفظاً نون ساکن ہے تو کتابتہ بھی نون ساکنہ ہی ہونا چاہیے۔ مکتوب بالالف کیوں ہے؟

چوں کہ تنوین گو لفظاً نون ساکن ہے مگر یہ نون کلمہ کی اصل و بناء کا نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایک معنی کی وجہ سے زائد کیا گیا ہے۔ اب اگر اس کو نون اصلی کی صورت میں لکھا جاتا ہے تو دونوں کے مابین فرق نہ رہتا۔ مثلاً "وَأَبَا شَيْخًا كَبِيرًا" میں "أَبَا" ہے، اگر اس کو نون اصلی کی طرح "وَأَبْنُ" لکھا جائے تو "أَبَانُ يُبَيِّنُ" یا "بَنَى يَبْنِي"۔ یہ صیغہ امر "ابن" میں کیا فرق رہتا، غرض یہ کہ نون اصلی اور نون تنوین کے مابین فرق کی غرض تنوین منصوبی کو بجائے نون کے بشکل الف لکھا۔ (رسم المصحف ص ۲۶۵)

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! مذکورہ جواب پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب تنوین منصوبی مرسوم بالالف ہوتی ہے، تو رفع و جر کی تنوین کو بصورت واو، وباء لکھنا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رفع و جر کی تنوین وصلاً تو نون ساکن مقروء ہوتی ہے، مگر وقف میں حذف ہو جاتی ہے جب کہ نصب کی تنوین بحالت وقف الف سے بدل جاتی ہے، اور مقروء بالالف ہوتی ہے تو رعایت وقف میں اس کو بصورت الف لکھا اور ان دونوں کو حذف کر دیا۔

حضرات کوفیین فرماتے ہیں کہ نون تاکید بصورت وقف نون کی شکل میں لکھا جائے گا، کیوں کہ تنوین منصوبی جب لفظاً نون ساکن ہے تو کتبہ بھی نون ساکن ہی ہونا چاہیے۔

اور امام فراء فرماتے ہیں کہ "اِذَا" جب ناصب ہو تو الف کی شکل میں لکھا جائے گا، ورنہ نون کی شکل میں مرسوم ہوگا، تا کہ اِذَا شرطیہ و فجائیہ اور "اِذَا" کے درمیان فرق ہو جائے۔

نوٹ:- "اِذَا" کی کتابت میں تینوں مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے مذہب کے اعتبار سے الف کے ساتھ مطلقاً لکھا جائے گا۔ اور دوسرے مذہب کے اعتبار سے نون مطلقاً لکھا جائے گا، اور تیسرے مذہب کے اعتبار سے قدرے تفصیل ہے جو اوپر گزری۔

بَابُ الْاَلِفِ بَعْدَ وَاوِ الْجَمَاعَةِ

واؤ کے بعد لکھے جانے والے الف کی صورتیں

وَتُكْتَبُ الْاَلِفُ بَعْدَ وَاوِ الْجَمَاعَةِ كَ "قَالُوا" دُونَ الْاَصْلِيَّةِ كَ "زَيْدٌ يَدْعُو" وَتُرْسَمُ الْاَلِفُ يَاءً اِنْ تَجَاوَزَتِ الثَّلَاثَةَ، كَاسْتَدْعَى وَالْمُصْطَفَى، اَوْ كَانَ اَصْلُهَا الْيَاءَ كَرَمَى وَالْفَتَى، وَالْفَا فِي غَيْرِهِ كَقَفَا وَالْعَصَا، وَيَنْكَشِفُ اَمْرُ اَلِفِ الْفِعْلِ بِالتَّاءِ كَرَمَيْتُ وَعَفَوْتُ، وَالْاِسْمُ بِالتَّثْنِيَةِ كَعَصَوَيْنِ، وَفَتَيَيْنِ۔

ترجمہ:- اور واؤ جماعت کے بعد جو الف لکھا جاتا ہے جیسے "قَالُوا" وہ اصلی نہیں ہوتا ہے جیسے "زَيْدٌ يَدْعُو" اور الف کو یاء کی شکل میں مرسوم کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ کلمہ تین حروف سے متجاوز ہوں جیسے اِسْتَدْعَى اور اَلْمُصْطَفَى یا اس (الف) کی اصل یاء ہو جیسے رَمَى اور اَلْفَتَى، اور الف کی شکل میں لکھا جائے گا اس کے علاوہ میں جیسے قَفَا، اور اَلْعَصَا، اور فعل کے الف کا معاملہ تاء سے ظاہر ہوگا جیسے رَمَيْتُ اور عَفَوْتُ اور اسم کے الف کا معاملہ صیغہ ثنیہ سے ظاہر ہوگا جیسے عَصَوَيْنِ، اور فَتَيَيْنِ۔

تشریح:- وتكتب الالف بعد واو الجماعة فاضل مصنف نے فرمایا کہ مسائل کتابت کے اہم مسئلہ کو ذکر کرنے سے جب فارغ ہوا تو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے میں نے مسائل کتابت ہی کے دو اہم مسائل کو ذکر کرنے کا عزم مہم کیا جو آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔

مسئلہ اولی: علماء نحو نے آپ کے قول "زَيْدٌ يَدْعُو" اور آپ ہی کے قول "اَلْقَوْمُ لَمْ يَدْعُوا" کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے واؤ جماعت کے بعد الف کا اضافہ فرمایا اور واؤ اصلیہ کو الف سے خالی رکھا، دراصل واؤ اصلیہ اور واؤ جماعت کے درمیان فرق کرنا مقصود ہے، ماتن نے وتكتب الالف بعد واو الجماعة الخ سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

واؤ جماعت کے بعد الف کیوں؟

فعل ماضی، مضارع، اور امر وہی کے صیغے جمع میں جب کلمہ کے اخیر میں واؤ ہو تو جمع کی علامت کے طور پر اس واؤ کے بعد اخیر میں ایک الف لکھا جاتا ہے، مصنف اس الف زائد کے لکھنے کی وجہ بیان

فرماتے ہیں کہ یہ الف اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ ما قبل کا واؤ متطرفہ جمع کا واؤ ہے جیسے "قالوا" جس کا حاصل یہ نکلا کہ مفرد کے صیغوں میں یہ الف مرسوم نہ ہوگا جیسے زیدٌ یَدْعُو کیوں کہ جب مدلول مدلول نہیں تو دال و دلالت کی کیا ضرورت؟

کلام کا حاصل یہ نکلا کہ اول تو صیغہ جمع ہونا چاہیے، پھر واؤ کلمہ کے اخیر میں ہونا چاہیے، چنانچہ "قَاتِلُوهُمْ" اور "يَعْلَمُونَ" کے واؤ کے آخر کلمہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعد الف نہیں لکھا گیا۔
دوسرا مسئلہ: وترسم الالف ياء الخ الف متطرفہ (یعنی کلمہ کے آخری الف) کے لکھے جانے کی دو شکلیں ہیں (۱) بعض الف متطرفہ بشكل الف مرسوم ہوتا ہے (۲) اور بعض الف متطرفہ بشكل ياء مرسوم ہوتا ہے۔

اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ الف متطرفہ جو ایسے کلمہ میں ہو جو تین حروف سے متجاوز ہے، یا یاء سے مقلوب ہے تو اس وقت بشكل ياء مرسوم ہوگا، پہلی نوع کی مثال جیسے "اِسْتَدْعَى" یہ ثلاثی مزید فیہ سے باب استفعال کا فعل ماضی ہے، لہذا قاعدہ کے مطابق الف بشكل ياء مرسوم ہوا، اسی طرح "المصطفى" یہ ثلاثی مزید فیہ سے باب افتعال کا اسم مفعول ہے، لہذا ضابطہ کے مطابق اس میں بھی الف بشكل ياء مرسوم ہے، دوسری نوع کی مثال جیسے رَمَى اور هَذَى، یہ دونوں ثلاثی مجرد سے فعل ماضی کا صیغہ ہے، اور اَلْفَتَى، اور اَلْهَذَى یہ دونوں ثلاثی مجرد سے صیغہ اسم ہے ان چاروں مثالوں میں یاء کو الف سے بدلا گیا ہے، اسی وجہ سے کتابت میں بھی یاء مکتوب ہے، اور اگر کلمہ تین حرفی ہو تو ہر وہ الف جو واؤ سے بدلا ہوا ہے وہ کتابت میں بشكل الف مکتوب ہوگا جیسے دَعَا، عَفَا، یہ دونوں فعل کی مثالیں ہیں اور الْعَصَا اور اَلْقَفَا یہ دونوں اسم کی مثالیں ہیں۔ ان چاروں مثالوں میں الف واؤ سے بدل کر آیا ہے، اور بشكل الف ہی مرسوم ہوا ہے۔

فعل کے الف کی علامت:

وینکشف امرُ الف الفعل بالتاء الخ فاضل مصنف نے فرمایا کہ جب میں اشکال الف متطرفہ کی بحث کے اتمام سے فارغ ہوا تو متصلاً ایک ایسے قانون جزیل کے تحریر کرنے کو مستعد ہوا جس کے ذریعہ واؤ والا یاء والے الف سے ممتاز ہو جائے، یعنی یہ منکشف ہو جائے کہ کسی فعل کا واؤ الف سے بدلا ہوا ہے اور کسی کی یاء الف سے۔ تو اس کا سمجھنا ایک ضابطہ پر منحصر ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب فعل کا معاملہ مشتبه ہو جائے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس کا الف کس سے بدل ہو کر آیا ہے واؤ سے یا یاء سے؟ تو اس وقت فعل کو تاء متکلم یا تا مخاطب کے ساتھ الحاق کیا جائے گا، اور جو کچھ ظاہر ہو وہی اس کی اصل ہوگا، جیسے

رَمَى اور هَذَى، کہ جب آپ نے اس کے ساتھ تاء مخاطب یا تاء متکلم کو لاحق کیا تو وہ الف رَمَيْتُ اور هَذَيْتُ میں بشكل یا نظر آیا۔ جو اس کے اصل ہونے کی دلیل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رَمَى اور هَذَى فعل میں یاء کو الف سے بدلا گیا ہے۔

اور "دَعَا" اور "عَفَا" جیسے افعال میں تاء مخاطب یا تاء متکلم کو لاحق فرمایا تو وہ الف دَعَوْتُ اور عَفَوْتُ میں بشكل واو نظر آیا جو اس کے اصل ہونے کی دلیل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دَعَا اور عَفَا میں واو کو الف سے بدلا گیا ہے۔

اسم کے الف کی علامت:

والاسم بالتثنية كعصوين وفتيين اور جب اسم کا معاملہ مشتبہ ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس کا الف کس سے بدل ہو کر آیا ہے، واو سے یا یاء سے؟ تو اس وقت اس کے تشبیہ پر غور کیا جائے اور تشبیہ کی حالت میں جو ظاہر ہو وہی اس کی اصل ہوگا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ "الْفَتَى" اور "الْهَذَى" کا تشبیہ "الْفَتَيَانِ" اور "الْهَذَيَانِ"، بشكل یاء نظر آیا جو اس کے اصل ہونے کی دلیل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ الْفَتَى اور الْهَذَى دونوں اسم میں یاء کو الف سے بدلا گیا ہے اور "الْعَصَبَا" اور "الْقَفَا" کا تشبیہ "الْعَصَوَانِ" اور "الْقَفَوَانِ" میں بشكل واو نظر آیا جو اس کے اصل ہونے کی دلیل ہے جس سے معاملہ واضح ہو گیا کہ الْفَتَى اور الْهَذَى دونوں اسم میں واو کو الف سے بدلا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں امام شاطبی کا قول کتنا ہی اچھا ہے۔

وَتَثْنِيَةُ الْأَسْمَاءِ تَكْشِفُهَا، وَإِنْ رَدَدْتُ إِلَيْكَ الْفِعْلَ صَادَفْتَ مِنْهَا
(اور اسماء کا تشبیہ اسے منکشف کر دے گا اور اگر تو نے اپنی طرف فعل کو لوٹا لیا تو تو نے اپنی منزل کو پالیا)
امام شاطبی فرماتے ہیں کہ اسم کو تشبیہ لانے کی صورت میں اور فعل کے ساتھ تاء متکلم یا تاء مخاطب کو لاحق کرنے کی صورت میں فعل، اور اسم کے الف کی اصلیت منکشف ہو جائے گی۔

اور امام جریر نے بھی اسی طرح کا شعر کہا ہے۔

إِذَا الْفِعْلُ يَوْمًا غَمَّ عَنْكَ هِجَاؤُهُ فَالْحَقُّ بِهِ تَاءُ الْخِطَابِ وَلَا تَقُوتُ
فَإِنْ تَرَاهُ بِالْيَاءِ يَوْمًا كَتَبْتَهُ بِيَاءٍ، وَالْأَفْعَالُ يَكْتُبُ بِالْأَلِفِ
(جب فعل کا حرف کسی دن تجھ سے مشتبہ ہو جائے تو اس کے ساتھ تاء خطاب لاحق کر دے۔ اور اسی پر بس مت کر پس اگر تو کسی دن یاء کے ساتھ اس کو دیکھ لے تو یاء کے ساتھ اس کو لکھ لے، ورنہ وہ الف کے ساتھ لکھا جائے گا۔)

باب ہمزۃ الوصل — یہ باب ہمزۃ وصل کے بیان میں

فَصْلٌ، هَمْزَةٌ إِسْمٍ بِكَسْرِ وَضَمٍّ وَأُسْتٍ، وَابْنٍ، وَابْنِمٍ، وَابْنَةٍ، وَامْرِئٍ
وَأَمْرَأَةٍ، وَتَثْنِيَّتِهِنَّ، وَاثْنَيْنِ، وَاثْنَتَيْنِ، وَالْغَلَامِ؟ وَأَيُّمِنُ اللَّهُ فِي
وَاثْنَتَيْنِ الْقَسَمِ، بِفَتْحِهِمَا أَوْ بِكَسْرِ فِي أَيُّمِنُ هَمْزَةً وَصَلٍ، أَيْ تَثْبُتُ
إِبْتِدَاءً وَتُحْذَفُ وَصَلًا، وَكَذَا هَمْزَةُ الْمَاضِي الْمُتَجَاوِزِ أَرْبَعَةَ أَحْرَفٍ
كَاسْتَخْرَجَ وَآمَرَهُ، وَمَصْدَرِهِ وَآمَرِ الثَّلَاثِي كَأَقْتُلُ، وَأَغْزَى، وَأَغْزَى،
بِضْمِهِنَّ، وَاضْرَبَ، وَامْشُوا، وَانْهَبَ، بِكَسْرِ كَالْبَوَاقِي -

ترجمہ:- یہ فصل ہمزہ کے بیان میں، اِسْمٌ، اُسْتٌ، اِبْنٌ، اِبْنِمٍ، اِبْنَةٍ، اِمْرِئٍ، اِمْرَأَةٍ اور ان مذکورہ تمام کلمات کے ثنیے، اور اثنین، اثنتین کے ہمزات جو کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہیں اور الْغَلَامِ، اور اَيُّمِنُ اللّٰہِ فی القسم کے ہمزات جو فتح کے ساتھ یا اَيُّمِنُ کا ہمزہ جو کسرہ کے ساتھ ہے وہ سب ہمزات وصلیہ ہوں گے، اور ہمزہ وصلیہ وہ ہے جو ابتداءً ثابت رہتا ہے، اور وصل کی صورت میں حذف کر دیا جاتا ہے، اور اسی طرح فعل ماضی جو چار حروف سے متجاوز ہے جیسے اِسْتَخْرَجَ، اور اس کا امر، اور مصدر کے ہمزات جو کسرہ کے ساتھ ہیں وہ سب ہمزات وصلیہ ہوں گے، اور فعل ثلاثی کا امر جیسے اَقْتُلُ، اَغْزَى، اَغْزَى، ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، اور اِضْرِبُ، اِمْشُوا، اِنْهَبُ کے ہمزات کسرہ کے ساتھ، باقی افعال کی طرح ہمزہ وصل ہیں۔

تشریح:- جب فاضل مصنف "نون تاکید مرسوم بالالف ہونے، واو جمع کے بعد الف ہونے، اور واو اصلی کے بعد الف مرسوم نہ ہونے کی تفصیل سے فارغ ہوئے تو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے یہاں سے ہمزہ وصلیہ و قطعہ کی حرکات مختلفہ کے ابحاث کو بیان کرنا شروع کیا، لیکن ان مسائل کا سمجھنا ایک مقدمہ کے سمجھنے پر موقوف ہے، لہذا بطور تمہید کے ایک مقدمہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہمزہ کی قسمیں:

ہمزہ ی اولاً دو قسمیں ہیں (۱) اصلیہ (۲) زائدہ۔

ہمزہ اصلیہ کی تعریف: وہ ہمزہ ہے جو کہ کلمہ کے مادہ و بناء و حروف اصلیہ میں موجود ہو مثلاً اَبْنٌ، فَوَادَا، جَاءَ، وغیرہ گویا یہ بھی ہمزہ ہے، مگر یہاں اس سے ہمزہ سے متعلق کوئی گفتگو نہیں۔

ہمزہ زائدہ کی تعریف: وہ ہمزہ ہے جو کلمہ کے حروف اصلیہ پر بوجہ ضرورت زائد کی گئی ہو، مثلاً

ہمزہ استفہام، باب افعال کا ہمزہ وغیرہ۔

ہمزہ زائدہ کی قسمیں: پھر ہمزہ زائدہ کی دو قسمیں ہیں (۱) زائدہ قطعیہ، (۲) زائدہ وصلیہ۔

(۱) زائدہ قطعیہ سے مراد مثلاً ہمزہ استفہام، باب افعال کے ماضی و امر کے ہمزے، جیسے اِقْبَلْ، اَكْرِمْ، مصدر کے علاوہ ہر اسم کا ہمزہ قطعی ہوگا خواہ وہ ضمیر ہو جیسے "اِيَّاكَ، اَنْتَ، يَا عَلَمُ ہو جیسے ابراہیم، یا اسم نکرہ ہو جیسے اَرْض، انسان، یا جمع ہو جیسے اَسْمَاء، اسورۃ، یا اسم تفضیل ہو جیسے احمد، اسی طرح افعال میں فعل مضارع کے صیغہ واحد متکلم کا ہمزہ قطعی ہوگا۔ اور حروف میں بحر الف لام تعریف کے ہر ایک ہمزہ قطعی ہوگا، اِنَّ، اَنْ، اَنْ، اِنْ، اَمْ، اَوْ، اِلَّا، اِلٰی۔ وغیرہ۔

ہمزہ بائے قطعیہ کا حکم یہ ہے کہ یہ ہمزات کبھی بھی ساقط نہیں ہوتے یعنی نہ وصلانہ ابتداء۔

(الجواهر النقیہ ص ۲۸۳)

(۲) زائدہ وصلیہ سے مراد۔ ہمزہ زائدہ کی دوسری قسم وصلیہ زائدہ ہے، اس کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں۔ یہ حرف ساکن کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ کلام میں یہ ہمزہ بذات خود ساقط ہو جاتا ہے، اور اپنے ماقبل و مابعد کو ملا دیتا ہے، ابتداء بالساکن کے متعذر ہونے کی وجہ سے متکلم اپنی ضرورت تکلم کے لیے یہ ہمزہ زائدہ کرتے ہوئے اپنے مطلب کو پہنچتا ہے، اس لیے امام خلیل ابن احمد نے اس کو "سَلَّمَ اللسان" کہا ہے۔ (فتح الرحمن ص ۲۸۲)

ہمزہ وصلیہ کا حکم: ہمزہ وصل کے ثبوت و ثبوت کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ جب کسی کلمہ کا حرف اول ساکن ہو تو ابتداء بالحرف الساکن کے متعذر ہونے کی وجہ سے تلفظ کو ممکن و سہل بنانے کی غرض سے اس حرف ساکن سے قبل ہمزہ وصل لانا ضروری ہے، اسی کو فاضل مصنف نے اپنی متن میں "تثبیت ابتداء" فرمایا۔ مثلاً اضْرِبْ، اِرْجِعْ، وغیرہ، لیکن جب اول کلمہ میں حرف ساکن سے قبل کوئی حرف یا کلمہ آجائے اور وصل کیا جائے تو ابتداء بالساکن نہ رہنے کی وجہ سے اس ہمزہ وصلی کو حذف کر دیتے ہیں جس کو فاضل مصنف نے "تُحذف وصلًا" سے فرمایا جیسے فَاضْرِبْ، الْمُطْمَئِنَّةُ اِرْجِعْ۔

ثبوت و حذف کے اعتبار سے ہمزہ وصلیہ کا حکم:

کبھی تو ہمزہ وصل حذف کیا جاتا ہے اور کبھی باقی رکھا جاتا ہے۔ صاحب کتاب نے دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے جو کلام فرمایا وہ دو فصلوں پر مشتمل ہیں (۱) قطعیہ و وصلیہ کے مواقع کا استعمال کے بیان میں (۲) ہمزہ وصلیہ و قطعیہ کی حرکات مختلفہ کے بیان میں۔

فصل اول۔ ہمزہ وصلیہ و قطعیہ کے مواقع استعمال کی توضیح: چوں کہ ہمزہ قطعی و وصلی کی پہچان

عموماً لوگوں کے لیے دشوار ہوتی ہے، اس لیے بفرض سہولت یہاں دونوں کے محل وقوع اور مواقع استعمال تحریر کیے جا رہے ہیں، تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ کلمہ یا تو اسم ہوگا یا فعل، یا حرف۔

اسم پر آنے والا ہمزہ۔ اگر اسم ہے تو دو صورتوں میں اس کا ہمزہ وصل ہوگا (۱) وہ اسماء غیر مصادر ہوں اور وہ دس ہیں، اُسْمٌ، اُسْتُ، اِبْنٌ، اِبْنَةٌ، اِبْنُمٌ، اِمْرَةٌ، اِمْرَةٌ، اِثْنَانٌ، اِثْنَتَانِ، اِبْنَانِ، اِبْنُمَانِ، اِمْرَانِ؟ اِمْرَاتَانِ؟ الغلام، اَیْمُنَ اللّٰہ فی القسم، ان دس کلمات میں اِبْنَانِ، اِبْنُمَانِ، اِمْرَانِ، اِمْرَاتَانِ یہ اِبْنٌ، اِبْنُمٌ، اِمْرَةٌ، اِمْرَةٌ کی تشبیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی صیغہ تشبیہ کے لیے ہمزہ وصل کا استعمال فرمایا جیسا کہ ارشاد باری ہے "فَرَجُلٌ وَّ اِمْرَاتَانِ" (تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ پ ۳، البقرہ آیت ۲۸۲) صیغہ جمع اس کے برخلاف ہے، کیوں کہ اس پر آنے والا ہمزہ قطعیہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے صیغہ جمع میں ہمزہ قطعیہ استعمال فرمایا۔ "اِنَّ هِيَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا" (یہ سب نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے۔ پ ۲۷، نجم، آیت ۲۳) اس آیت میں لفظ "اَسْمَاءٌ" لفظ اسم کی جمع ہے اور اس میں ہمزہ قطعیہ ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَقُلْ تَعَالَوْ نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ" (تو تو کہہ دے آؤ بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے پ ۳، آل عمران آیت ۶۱) میں اَبْنَاءَ لفظ اِبْنٌ کی جمع ہے اور اس میں ہمزہ قطعی ہے، حالاں کہ مذکورہ بالا دونوں آیات میں صیغہ واحد میں ہمزہ وصلیہ ہیں۔

(۲) اسماء مصادر۔ ان سے مراد افعال ثلاثی مزید فیہ کے وہ مصادر ہیں جن میں ہمزہ وصلی کے بعد پانچ یا چھ حروف ہوں تو ان اسماء مصادر میں آنے والے ہمزات وصلیہ ہوں گے جیسے "اِنْطِلَاقٌ، اِقْتِدَاءٌ، اور اِسْتِخْرَاجٌ، لفظ اِنْطِلَاقٌ ثلاثی مزید فیہ خماسی سے باب انفعال کا مصدر ہے، اور اِقْتِدَاءٌ باب افتعال کا مصدر ہے، اور اِسْتِخْرَاجٌ ثلاثی مزید فیہ اسی سے باب استفعال کا مخرج ہے۔

فعل پر آنے والا ہمزہ۔ اور وہ کلمہ جس میں ہمزہ ہے، اگر وہ فعل ہے تو اس کی بھی کئی شکلیں ہیں یا تو فعل ماضی ہوگا یا مضارع، اگر وہ فعل مضارع ہے تو اس کے ہمزہ قطعیہ ہوں گے جیسے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اور اَحْمَدُ اللّٰہَ، یہ تینوں واحد متکلم کے صیغے ہیں اور ان میں آنے والے ہمزات قطعیہ ہیں۔

اور اگر وہ فعل ماضی ہے تو اس کی بھی کئی صورتیں ہیں، یا تو وہ ثلاثی ہوگا یا رباعی یا خماسی یا سداسی، اگر وہ فعل ثلاثی یا رباعی ہے تو اس میں آنے والے ہمزات قطعیہ ہوں گے، ثلاثی کی مثال جیسے اَخَذَ اور اَکَلَ، اور رباعی کی مثال جیسے اَخْرَجَ اور اَعْطٰی، اور اگر وہ خماسی یا سداسی ہو تو پھر اس میں آنے والے ہمزات وصلیہ ہوں گے، جیسے اِنْطَلَقَ، ثلاثی مزید فیہ خماسی سے باب انفعال کا فعل ماضی ہے، اور جیسے

اِسْتَخْرَجَ یہ سدا سی سے باب استفعال کا فعل ماضی ہے۔

صیغہ امر پر آنے والے ہمزہ اور وہ کلمہ جس میں ہمزہ ہے اگر وہ صیغہ امر ہے تو اس کی بھی چند شکلیں ہیں، اگر وہ صیغہ امر فعل رباعی کے علاوہ سے ہے تو پھر اس میں آنے والے ہمزات وصلیہ ہوں گے۔ جیسے اُغْزِ، اُغْزِی، اِنْطَلِقْ، اِسْتَخْرِجْ، اور اگر وہ فعل رباعی سے ہے تو اسکے ہمزات قطعہ ہوں گے جیسے زَيْدُ اَكْرِمُ عمروا، اور يَافْلَانُ اَجِبْ فُلَانًا۔

حرف پر آنے والا ہمزہ حروف پر آنے والے ہمزات قطعہ میں یا وصلیہ؟ تو اس سلسلے میں امام سیبویہ اور خلیل نحوی کے درمیان اختلاف ہے۔ امام النخو سیبویہ کہتے ہیں کہ لام تعریف پر آنے والا ہمزہ وصلیہ ہے جیسے اَلْغَلَامُ، اَلْفَرَسُ، وجہ اس کی یہ ہے کہ حرف تعریف صرف لام ساکن ہے اور اس سے قبل ہمزہ وصل ہوتا ہے، کیوں کہ ابتداء بالسکون محال ہے، اسی وجہ سے ہمزہ وسط کلمہ میں ساقط ہو جاتا ہے، اور بحالت نقل حرکت کے عروض کی بناء پر باقی رکھنا جائز ہے، واجب نہیں۔ اور ہمزہ استفہام کے بعد بوجہ التباس حذف نہیں ہوتا اور اسم جلالہ "يَا اَللّٰهُ" پر لام تعریف کا نہیں بلکہ اصل کلمہ ہے۔

امام خلیل فرماتے ہیں کہ یہ ہمزہ قطعہ ہے، اور اداة تعریف الف و لام ہیں، الف وسط کلام میں کثرت استعمال کی وجہ سے بفرض تخفیف ساقط ہو جاتا ہے۔ وصلی نہیں ہے، اسی بناء پر بحالت نقل لام کے متحرک ہو جانے کے باوجود باقی رہتا ہے اور ہمزہ استفہام کے بعد ابدال و تسہیل سے قطعہ کے مانند اس کی تخفیف کی جاتی ہے، وصلی کی طرح حذف نہیں کیا جاتا۔ اور اسم جلالہ کے ساتھ حرف ندا کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ یعنی يَا اَللّٰهُ بولتے ہیں۔

نوٹ:- فاضل مصنف نے فیصلہ کن قول ارشاد فرمایا کہ حروف میں بجز الف لام تعریف کے ہر ایک ہمزہ قطعہ ہوگا، جیسے "اِنَّ، اَنَّ، اَمْ، اَوْ، اَنْ" وغیرہ۔ (الجواہر النقیہ ص ۲۸۳)

فعل دوم۔ ہمزہ وصلیہ کی حرکات مختلفہ کے بیان میں:

ہمزة اسم بکسر و ضم الخ یہاں سے ہمزہ وصلی ثابتہ کا اعراب بیان فرما رہے ہیں کہ اسماء غیر مصادر میں سے بعض کا ہمزہ جو کہ وصلی ہوتا ہے اکثر نحویین کے نزدیک ہمیشہ مکسور ہوگا، اور لغت ضعیفہ میں مضموم ہوگا، اور وہ "لفظ اُسْم" ہے، یہی حال "اُسْتُ، اِئِنْ، اِئْتَمْتُ، اِئْتَمْتُ، اِئْتَمْتُ، اِئْتَمْتُ، اِئْتَمْتُ" کے تثنیے اور اِئْتَمْتُ، وَ اِئْتَمْتُ کا ہے، جس کی طرف صاحب کتاب نے اپنے قول "ہمزہ اُسْم بکسر و ضم" کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا ہمزہ ہمیشہ مفتوح ہوگا وہ الف لام تعریف کا ہمزہ ہے جیسے اَلْحَمْدُ

الْغَلَامُ وَآيْمُنُ اللَّهِ فِي الْقِسْمِ الْخِ اور ان میں سے وہ ہیں جن کا ہمزہ فصیح قول کے مطابق ہمیشہ مفتوح ہوگا اور لغت ضعیفہ میں مکسور ہوگا، اور وہ لفظ "آيْمُنُ" ہے جو قسم میں استعمال کیا جاتا ہے، اور الْغَلَامُ کا ہمزہ بلا اختلاف ہمیشہ مفتوح ہوگا۔ صاحب کتاب نے اسی کی طرف خط کشیدہ عبارت کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

لفظ آيْمُنُ کی تحقیق: دراصل یہ لفظ قسم میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے "آيْمُنُ اللَّهِ لَا فَعَلَنَ" (قسم خدا کی میں ضرور بالضرور کروں گا) یہ اسم مفرد ہے جو لفظ یَمُنُ بمعنی برکت، سے مشتق ہے، یہ یمین کی جمع نہیں، جیسا کہ امام فراء نے فرمایا۔

وَكَذَا هَمْزَةُ الْمَاضِي الْمَتَجَاوِزِ أَرْبَعَةَ أَحْرَفٍ الْخِ جس طرح "اسْمٌ، اسْتٌ، ابْنٌ وغیرہ اسماء غیر مصادره عشرہ کا ہمزہ عندا مجبور ہمیشہ مکسور ہوگا، اسی طرح باب افعال کے سواء ثلاثی مزید، رباعی مزید اور ملحقات رباعی کے افعال ماضی، امر، اور مصادر کا ہمزہ بھی بالاتفاق ہمیشہ مکسور ہوگا جیسے اِنْطَلَقَ اجْتَنَبَ، اسْتَخْرَاجٌ، وغیرہ۔ فاضل مصنف نے عبارت مخطوطہ کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

ہمزہ وصلی کا اصل اعراب کسرہ ہی ہے، کیوں کہ ہمزہ وصلی حرف ہے اور حروف مبنی ہوتے ہیں، اور بناء میں اصل سکون ہے، ساکن کو جب حرکت دی جاتی ہے تو کسرہ کی دی جاتی ہے۔

وَأَمْرُ الثَّلَاثِي كَاقْتُلُ، وَاغْزُ الْخِ افعال میں سے بعض کا ہمزہ جو کہ وصلی ہوتا ہے ہمیشہ مضموم ہوگا، اور وہ فعل ثلاثی مجرد کا صیغہ امر ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ فعل کا تیسرا حرف اصلاً مضموم ہو تب ہمزہ بھی مضموم ہوگا جیسے اُقْتُلْ، اُقْتُلُوا، اُكْتُبْ، اُدْخُلْ، وغیرہ۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ فعل کے ہمزہ وصلی کا اعراب فعل کے حرف ثالث پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ اگر تیسرا حرف مضموم ہو تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا جیسے اُقْتُلُوا کی تاء حرف ثالث مضموم ہے، لہذا ہمزہ بھی مضموم ہوگا، لیکن جب کسی عورت سے خطاب کرتے ہوئے "اغْزِي يَا هُنْدُ" کہا جائے تو اس وقت بیان کردہ قاعدہ ٹوٹ رہا ہے، کیوں کہ لفظ "اغْزِي" کا تیسرا حرف مکسور ہے، اور قاعدہ ہے کہ اگر تیسرا حرف مکسور ہو تو ہمزہ بھی مکسور ہوگا، لہذا قاعدہ کی رو سے لفظ "اغْزِي" میں ہمزہ مکسور ہوتا، لیکن یہاں مضموم ہے، ایسا کیوں؟

دراصل فعل کے ہمزہ کی حرکت میں قدرے تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ فعل کے ہمزہ وصلی کا اعراب فعل کے حرف ثالث پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ اگر تیسرا حرف اصلاً مضموم ہو تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا

جیسا کہ آپ نے "اَقْتُلُوا" فرمایا کہ تاء حرف ثالث ہے جو اصل سے مضموم ہے، لہذا ہمزہ بھی مضموم ہوا۔ اور اگر حرف ثالث مکسور ہے مگر اس کا کسرہ اصلی نہیں ہے تو ہمزہ وصلی مکسور نہ ہوگا، بلکہ مضموم ہوگا جیسے "اَغْزِي" گو حرف ثالث (ز) فی الحال مکسور ہے مگر چوں کہ اصل میں اَغْزِي تھا، زاء کے ضمہ اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ، ثقیل ہونے کی وجہ سے واؤ ساکن کر دیا، پھر اجتماع ساکنین ہوا واؤ اور یاء کے درمیان، لہذا واؤ محذوف ہو گیا، پھر یاء کی مناسبت سے زاء کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا۔ اب بعد تعلیل "اَغْزِي" ہو گیا، فاضل مصنف نے اسی کی طرف اپنے قول "اَغْزِي" بضمہن کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

وَاضْرِبْ، وَامْشُوا، وَانْهَبْ، بکسر کالہ بواقی اور اگر فعل کا تیسرا حرف اصلاً مکسور ہو تو ہمزہ بھی مکسور ہوگا جیسے "اِضْرِبْ" کہ (ر) حرف ثالث ہے جو اصلاً مکسور ہے، لہذا ہمزہ بھی مکسور ہوا، اور اگر حرف ثالث مضموم ہے مگر اس کا ضمہ اصلی نہیں ہے، بلکہ اصلاً وہ مکسور ہے تو ہمزہ وصلی مضموم نہ ہوگا، بلکہ مکسور ہی رہے گا، جیسے "امْشُوا" گو حرف ثالث (ش) فی الحال مضموم ہے، مگر چوں کہ اصل میں یہ "امْشِيُوا" تھا، (ش) کے کسرہ اور یاء کے ضمہ کے ساتھ، یاء پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے وہ ساکن کر دی گئی، پھر اجتماع ساکنین ہوا یا اور واؤ کے درمیان لہذا یاء محذوف ہوگی، اور واؤ کی مناسبت سے (ش) کو ضمہ دیا گیا، اب بعد تعلیل "امْشُوا" ہو گیا، فاضل مصنف نے کلمات مخططہ کے ذریعہ اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

لفظ اِنْهَبْ کا اعراب مکسور کیوں؟

لفظ "اِنْهَبْ" کے ذریعہ فاضل مصنف نے پیدا ہونے والے ایک اعتراض کا ازالہ فرمایا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ فعل کے ہمزہ وصلی کا اعراب فعل کے حرف ثالث پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ اگر تیسرا حرف اصلی سے مضموم ہو تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا جیسے "اُكْتُبْ" اور اگر حرف ثالث اصلاً مکسور ہو تو ہمزہ بھی مکسور ہوگا۔ جیسے اِضْرِبْ، لیکن فعل اِنْهَبْ میں تیسرے حرف کے مفتوح ہونے کی صورت میں ہمزہ کو فتح کیوں نہیں دیا جاتا۔ قاعدہ کے مطابق اِنْهَبْ میں فتح دیا جانا چاہیے تھا، تاکہ حرف ثالث کی حرکت کے مطابق ہمزہ کی حرکت ہو جائے؟

جواب: اگر حرف ثالث کی حرکت کی رعایت کرتے ہوئے فعل امر کے ہمزہ وصلی کو فتح دیا جاتا تو ان افعال مضارع سے حالت وقف میں التباس لازم آتا جن کی ابتداء ہمزہ سے ہوتی ہے مثلاً اِنْهَبْ صیغہ امر ہے ہمزہ وصلی کو مفتوح پر دھیں اور وقف کریں تو اِنْهَبْ ہوگا، اور مضارع کا صیغہ متکلم بھی وقف میں اِنْهَبْ ہوگا تو اب التباس لازم آیا کہ یہ فعل مضارع ہے یا صیغہ امر؟

ہدیہ تشکر و امتنان من جانب فاضل علام:

قطری الندی کی تکمیل باسعادت کے بعد فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ اس مقدمہ میں میں نے جو کچھ لکھنے کا عزم کیا تھا، الحمد للہ بحسن خوبی وہ تکمیل کو پہنچ کر حاضر خدمت ہے، جس کو اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے میرے لیے آسان فرمایا ”ایں سعادت بزور بازو نیست“ بلکہ اللہ پاک ہی کے فضل کا نتیجہ ہے کہ اس رسالہ میں الفاظ و کلمات کو عمدہ طریقے پر آراستہ کر کے معانی و مطالب کو مستحکم، احکام و مسائل کو مضبوط، اور انواع و اقسام کو کامل طریقے پر رقم کیا گیا۔ اللہ رب العزت اسے محبت صادق کے آنکھوں کا قرب اور حسد و کینہ رکھنے والے جاہل و ان پڑھ کے لیے افسردگی و پڑمردگی کا سامان بنادے۔

دل کی آواز حاسدین کے نام:

(۱) اِنْ يَحْسُدُوْنِيْ فَاِنِّيْ غَيْرُ لَاِئِمِّهِمْ قَبْلِيْ مِنَ النَّاسِ اَهْلُ الْفَضْلِ قَدْ حُسِدُوْا

(۲) فَدَامَ لِيْ وَلَهُمْ مَا بِيْ وَمَا بِهِمْ وَمَاتَ اَكْثَرُنَا غِيْظًا بِمَا يَجِدُ

(۳) اَنَا الَّذِيْ يَجِدُوْنِيْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ لَا اَرْتَقِيْ صَدْرًا مِنْهَا وَلَا اَرِدُ

(ترجمہ:-) (۱) اگر وہ مجھ سے حسد کریں تو بھی میں انہیں ملامت نہیں کروں گا، تحقیق کہ مجھ سے پہلے لوگوں میں سے فضل والے حسد کیے گئے ہیں۔ (۲) جو کچھ میرے ساتھ ہے اسے میرے لیے اور جو کچھ ان کے ساتھ ہے ان کے لیے پائندہ اور برقرار رہے، اور ہم میں سے اکثر غضب کی حالت میں ان چیزوں کی وجہ سے انتقال کر گئے جو وہ احساس کرتے ہیں۔ (۳) مجھے وہ لوگ اپنے سینے میں پاتے ہیں حالاں کہ میں نہ تو ان کے سینے میں داخل ہوتا ہوں اور نہ قریب ہوتا ہوں۔)

آخر میں اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے یہ دعاء کرتا ہوں کہ وہ اس نیک مصروفیت کو اپنی خالص رضامندی و خوشنودی کا ذریعہ بنادے، اور اس کے ذریعہ نفع کو عام و تمام فرمائے، حاسدین کے شر و فتن سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اپنے فضل و کرم سے قیامت کے دن ہماری رسوائی نہ کرے۔ بے شک آپ کی ذات کریم بہت توبہ قبول کرنے والی، مہربانی اور رحم کرنے والی اور بے انتہاء بخشنے والی ہے۔

تَمَّتْ بِحَمْدِ اللَّهِ وَعَوْنِهِ كِتَابَةُ الشَّرْحِ لِلْخَامِسِ وَالْعَشْرِينَ مِنْ شَعْبَانَ ۱۴۲۵ھ

مطابق ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۴ء وَلِلَّهِ الْحَمْدُ اَوَّلُهُ وَآخِرُهُ۔

محمد عالمگیر دانش قاسمی سیٹماڑھوی

خادم التدریس جامعہ اسلامیہ بخاری مہواندور (ایم، پی)

۱۱ اکتوبر ۲۰۰۴ء بروز پیر بوقت ۱۲ بجکر ۱۵ منٹ